COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یوسف زئے

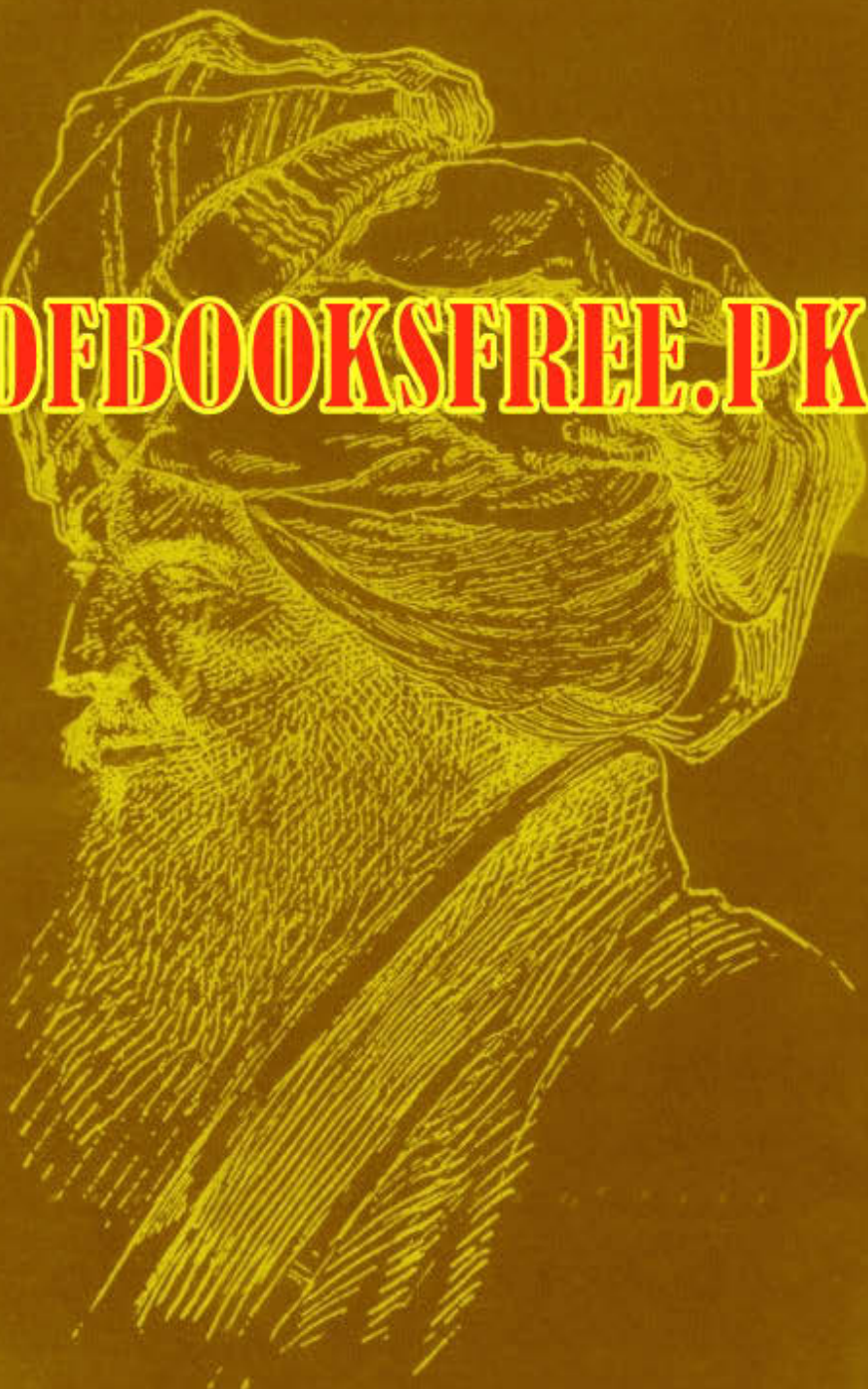

PDFBOOKSFREE.PK

مولف:- اللہ بخش یوسفی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سلسلہ تاریخ آزاد پٹھان ۳

یوسفزئے

۱۲۸۲۲

(یعنے)

تاریخ علاقہ ضلع مردان۔ مالاکنڈ۔ سوات۔ بونیر۔ دیر۔ باجوڑ وغیرہ

(مولفہ)

اللہ بخش یوسفی

سابق سکریٹری آل انڈیا خلافت کمیٹی بمبئی

(ناشران)

محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی ۷ اقبال کالونی تین ہٹی کراچی ۵

۱۹۶۰ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جوہر پبلیکیشنز نمبر ۶ ——— پہلا ایڈیشن ۱۹۶۰ء

قیمت بارہ روپے ۱۲/-/-

مطبوعہ

عباسی لیتھو آرٹ پریس فریئر روڈ کراچی

ایجنسی

صادق کمیشن ایجنسی قصہ خوانی بازار پشاور شہر

بکٹ گنج - مردان۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عزم پٹھان

پٹھانوں کی مجاہد، چوکس، اور بہادر قوم ہمیشہ کے لئے نہ صرف پاکستان کی فلاح و بہبود اور اس کے باشندوں میں یک جہتی پیدا کرنے کی ضامن ہوگی بلکہ قیام پاکستان کی ذمہ دار ملت کے دوسرے اجزا سے مل کر اس مملکت کے تحفظ و اتحاد کی اساس بنے گی.....

(لفٹننٹ جنرل) محمد اعظم خان[1]
حال گورنر مشرقی پاکستان

---

[1] جنرل محمد اعظم خان کا خط بنام مؤلف کتاب

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خان - گورنر مشرقی پاکستان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

معنون

بنام

خان روشن خان (محمود زئے)

ساکن نواں کلی تحصیل صوابی ضلع مردان

جن کی

حوصلہ افزائی اور رفاقت سے یہ اوراق

تکمیل پذیر ہوئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اللہ بخش یوسفی (مولف کتاب)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عرض حال

خداوند تعالیٰ کی مہربانی سے اس وقت سلسلہ "تاریخ آزاد پٹھان" کی ایک اور جلد یوسف زئی کے زیر عنوان پیش خدمت کی جارہی ہے اور اگر اس سلسلہ کی اولین جلدوں کی طرح اس تحفہ ناچیز کو بھی حسب سابق شرف قبولیت بخشا گیا تو یقین ہے کہ ہم زیادہ بلند حوصلگی سے اس میدان میں گامزن ہو کر مزید جلدیں پیش کرتے ہوئے اپنی ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل یا فرض کو پورا کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

پٹھانوں کی تاریخ لکھنے میں خود اپنوں نے جو بے رخی برتی اور پھر اغیار کے ہاتھوں اسے جو مسلسل چرکے لگائے جاتے رہے اس کا ذکر ہم اپنی سابقہ تالیفات میں کر چکے ہیں اور یہ ظاہر کیا جا چکا ہے کہ ان حالات میں "آزاد پٹھان قبائل" کی تاریخ مرتب کرنا کس قدر مشکل و دشوار اور پریشان کن اقدام تھا لیکن بہ ایں ہمہ ہم نے اس خارزار میں قدم رکھتے ہوئے جب اس سلسلہ کی پہلی دو جلدیں شائع کیں تو انہیں پریس اور عوام نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ اخبارات نے نہایت ہی حوصلہ افزا الفاظ میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اظہار خیال کیا احباب نے ہمت افزائی میں کوئی کسر باقی رہنے نہ دی اور انہی نوازشات کا نتیجہ ہے جو ہم اس وقت یہ زیر مطالعہ اوراق پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں

اس کام کی مشکلات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قبیلہ یوسف زئے کم و بیش آج سے کوئی پانچ سو سال قبل افغانستان سے نکل کر اپنے موجودہ علاقہ میں آباد ہوا تھا۔ ان گزشتہ پانچ صدیوں میں اس قبیلہ نے بہترین مفکر۔ قائدین۔ مقنن۔ سیاسیین علماء اور ادیب پیدا کئے ان میں ماہرین علوم قدیم و جدید کی کوئی کمی نہ تھی لیکن بہ ایں ہمہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس قبیلہ کی کوئی قابل ذکر تاریخ مرتب نہ کی جا سکی حالات یا تو سینہ بسینہ منتقل ہوتے رہے یا پھر عہد مغلیہ میں مغل حکمرانوں نے اپنے کارناموں کو مزین کرنے کے لئے اس علاقہ کا ذکر کیا۔ ظاہر ہے جو قبیلہ شمشیر بکف مغلوں کی مخالفت میں مصروف عمل رہا ہو مغل اس کی تعریف نہ کر سکتے تھے اس کے تفصیلی حالات بیان کرنے سے انہیں کوئی دلچسپی نہ ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اگر کچھ لکھنا ضروری خیال کیا بھی تو بس اس قدر کہ حکمران مہذب و شائستہ تھے تو قبائلی جاہل اور غیر مہذب اور پھر ان سے جنگ و جدل کا ذکر چھڑا بھی دربار مغلیہ کے پروردہ اور زیر اثر مورخین نے مغلوں کو ہر ہر محاذ پر فاتح اور پٹھانوں کو مفتوح یا شکست خوردہ ظاہر کیا۔ مختصر یہ کہ وہ اپنی فتح و شکست دونوں کو فتح ہی سے تعبیر کرتے ہوئے خود مرتبہ تفصیلات سے اپنی تاریخ کے اوراق کو مزین کرنے میں منہمک رہے ان کی ان ہی کارستانیوں کو دیکھتے ہوئے اس جنگ کے ذکر میں کہ جس میں بیربل مع آٹھ ہزار مغل لشکریوں کے مارا گیا تھا۔ خود "آئین اکبری" جیسی تصنیف کے متعلق کہ جس پر دربار مغلیہ کی مہر ثبت ہو چکی تھی ایک مصنف یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ:

اس سلسلہ میں "آئین اکبری" کی کسی جلد کو مکمل نہیں کہا جا سکتا۔[1]

---

[1] دی پٹھان بحوالہ میجر راورٹی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور ایک دوسرا مصنف ابوالفضل کے مغلوں کی شکست کو فتح سے تعبیر کرنے پر یہاں تک لکھ گیا کہ

ابوالفضل نے اس شکست کے متعلق بہت کچھ غیر دیانتدارانہ اور بے ہودہ طریقہ پر اظہار خیال کیا ہے۔ [1]

مغلوں کے بعد عہد انگلشیہ کے انگریز مورخین سے بھی کسی بہتر سلوک کی توقع نہ کی جا سکتی تھی۔ اول تو ان کے پیش نظر وہی تصانیف تھیں کہ جنہیں قلم دردست دشمن کا رہین منت خیال کیا جا سکتا ہے۔ دوئم خود انگریز کے اپنے سیاسی اغراض کا تقاضا یہی تھا کہ پٹھانوں کو بدترین رنگ میں پیش کیا جاتا خود ایک انگریز مصنف کہتا ہے کہ

بدقسمت پٹھان کی سیرت نصف صدی سے مصنفین کے ہاتھوں پارہ پارہ ہوتی رہی۔ اور وہ دل کھول کر "غدار" "خونخوار" اور ظالم کی اضافتیں لگاتے رہے تا آنکہ پٹھان کو بدترین قسم کا وحشی پکارا جانا فیشن بن گیا۔ [2]

لیکن بایں ہمہ اس سے انکار نہیں کہ انگریز نے اپنی تہذیب و تمدن اور عدل و انصاف کے گیت گانے کے ساتھ وقت "فوقت" گو بہ امر مجبوری ہی سہی۔ پٹھانوں کی بہادری اور اعلیٰ اخلاق کا ذکر بھی کر دیا اور اسے کہنا پڑا کہ

جب تم کسی پٹھان سے ملو تو سمجھ لو کہ تم اپنی ہی قسم کے ایک انسان سے مل رہے ہو۔ [3]

بلاشبہ عہد انگلشیہ میں انہوں نے بھی تاریخ افاغنہ کے متعلق ایک دو کتابیں لکھی تھیں لیکن وہ اجمالی حیثیت کے اذکار سے مزین ہیں اور ان سے تفصیلات یا انفرادی حیثیت میں

---

[1] اکبری گریٹ مغل۔ صفحہ [2] [3] پٹھان باڈر لینڈ۔ انریکوئز

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیں ذیلی قبائل کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور ان سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ وہ مخصوص حالات میں مخصوص خیالات کو دماغ میں جگہ دے کر لکھی گئی ہوں گی بیدیں وجہ طالبان علم کی پیاس ان کے مطالعہ سے بجھ نہیں سکتی۔ ہم نے اپنی طاقت و بساط کے مطابق انتہائی کوشش کی ہے کہ جدا جدا قبائل کے حالات کو جس قدر ہو سکے تفصیل سے بیان کریں اور مورخین کے خیالات کے تضاد پر غور و فکر کے بعد جن نتائج سے ہم خود مطمئن ہو سکے ہیں انہیں اسی رنگ میں درج کر دیا گیا ہے۔ یا یوں کہئے کہ ملت افاغنہ کے واقعات و حالات کے بکھرے ہوئے موتیوں کو جہاں اور جس جگہ سے بھی وہ دستیاب ہو سکے یکجا کرنے میں ہم نے اپنی طرف سے تساہل کو دخل انداز ہونے کا موقع نہیں دیا اور نہیں کہہ سکتے کہ اس میں ہمیں کہاں تک کامیابی ہوئی۔

مثال کے طور پٹھانوں کے شجرہ نسب ہی کو لیجئے۔ کوئی دو شجرہ نویس ایسے میں متفق الرائے دکھائی نہیں دیتے۔ اس تضاد کی وجہ سے بھی خود اس سلسلہ کی جلد اول کے طبع اول اور نقش ثانی میں ٹھوکریں لگیں تو بالآخر بمشکل تمام تیسرے ایڈیشن میں جو افغان یا پٹھان کے نام سے شائع ہوا۔ ہم نے ایک ایسا شجرہ نسب درج کر دیا کہ جس پر زیادہ سے زیادہ مورخین کا اتفاق ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد اب جو قبیلہ یوسف زئی کا شجرہ مرتب کیا جانے لگا تو عملاً اور زیادہ مشکلات دکھائی دینے لگیں اس قبیلہ کے شجرہ نویسوں میں بھی اکثر نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ حتےٰ کہ کسی نے منداور اس کے بیٹے مندڑ کو ایک ہی شخص قرار دیا ہے تو کسی نے مندڑ کو یوسف کا بیٹا ظاہر کیا۔ پھر ذیلی قبیلوں میں بعض جگہ دو بھائیوں کو باپ بیٹا یا جدا جدا والدین سے وابستہ کر دیا ہے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں یوسف زئیوں کے مشہور ماہر بندوبست شیخ ملی کی تقسیم اور شجروں سے امداد حاصل کی جا سکتی تھی۔

قبیلہ یوسف زئے کے موجودہ علاقہ میں پہنچنے کے بعد شیخ ملی نے ہی ذیلی قبیلوں میں تقسیم اراضی کا اہم کارنامہ سرانجام دیا تھا اس طرح ذیلی قبیلے مستقل حیثیت سے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مالکان اراضی کی حیثیت میں املاک پر قابض ہوگئے۔ اور اس تقسیم کی بنیاد پر مسائل حل کئے جاتے رہے تا آنکہ جب عہد انگلشیہ میں اس علاقہ کا اولین بندوبست شروع ہوا تو جہاں تک ممکن تھا انگریز نے شیخ ملی کی تقسیم کو ہی اساس و بنیاد قرار دے کر اپنے کاغذات مرتب کئے۔ علاوہ ازیں پھر جدید مرتب شدہ دفاتر کی تصدیق ان زندہ افراد سے کرائی گئی تھی کہ جو تقسیم شدہ املاک پر قابض تھے ان سے ان کے اجداد کے شجروں کی بھی تصدیق کرائی گئی۔ اس طرح مصدقہ حیثیت کے نسب نامے سرکاری دفاتر میں محفوظ کر لئے گئے۔ اور اس وقت تک انہی بنیادوں پر کام چل رہا ہے۔ ہم نے اس زیر مطالعہ کتاب کے لئے انہی مصدقہ شجروں سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان کے مرتب کرنے میں ہمیں خان غالب خان عمر خیل ساکن کالا کی قابل قدر اعانت حاصل رہی جس کے لئے ہم ان کے تہ دل سے شکر گزار ہیں۔

قبیلہ یوسف زئے کے افراد اپنے علاقہ سے نکل کر ہندوستان میں ریاست ہائے روہیلکھنڈ۔ جوناگڈھ۔ ماناوادر۔ بلاسنور۔ رام پور اور ٹونک وغیرہ کی بنیادیں رکھتے ہیں ایک عرصہ تک دربار مغلیہ ان کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے وہ دربار مغلیہ میں یا اختیار وزیر اعظم کے عہدہ پر متمکن دکھائی دیتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ ہندوستان کے طول و عرض میں "اشاعت اسلام" کا اہم ترین فریضہ انہی پٹھانوں نے سرانجام دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان میں اسی وقت تک غیر مسلم بکثرت حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے کہ جس وقت تک پٹھان خاندان برسر اقتدار رہے۔ اور تا حد بنگال ان کی جسمانی اور روحانی حکومت قائم تھی۔ ان حالات میں خود ان کا اپنے علاقہ میں اپنی تاریخ کو مرتب نہ کرنا یقیناً تعجب انگیز ہے۔ مقامی طور وہ اپنے اجداد کے کارناموں سے نہیں بلکہ عام طور ناموں تک سے ناواقف دکھائی دیتے ہیں اور ان کی دائمی آرام گاہوں تک کا انہیں بہت ہی کم علم ہے اس تغافل پر غور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرنے سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پٹھانوں نے از ابتدا سرزمین ہند پر اسلامی اقتدار قائم کرنے اور تبلیغ اسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا اور اسی جذبہ اسلامی کی مصروفیت نے انہیں اپنے داخلی ملکی معاملات کی طرف متوجہ ہونے نہ دیا۔

ہم نے اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی ہے کہ زیر مطالعہ اوراق کے سلسلہ میں جہاں تک ممکن ہو سکے یوسف زئیوں کے قدیم قائدین کے حالات ان کے ذیلی قبائل سے تعلقات اور ان کی آخری آرام گاہوں کا پتہ جلائیں اور اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی اس تلاش و سرگردانی میں ہمارے رفیق خان روشن خان محمود زئے ساکن نواں کلی (صوابی) کا نمایاں حصہ ہے وہ ان معلومات کی فراہمی کے سلسلہ میں گاؤں گاؤں پھرتے رہے اور یہ انہی کی سعی کا نتیجہ ہے کہ ہم اس کتاب میں ان زعمائے یوسف زئی کے مقبروں کے فوٹو شائع کر رہے ہیں کہ جن کے وجود یا عدم وجود کا عام طور عوام کو بہت کم علم ہے۔

قبیلہ یوسف زئے کے مذکورہ زعماء کے مقبروں کی شکستہ حالی کو دیکھتے ہوئے ہر حساس اور اجداد سے محبت رکھنے والے کے دل سے درد کی ٹیس نکل جانا ناگزیر ہے پھر ایسی حالت میں کہ قبیلہ کے افراد کو قدرت نے مال و دولت سے بھی بھرپور کر رکھا ہو۔ ان میں صاحبان ثروت کی کوئی کمی نہ ہو۔ بڑے بڑے زمیندار اور تاجر موجود ہوں تو یہ حقیقت اور بھی رنجدہ دکھائی دینے لگتی ہے ضروری ہے کہ قبیلہ یوسف زئی کے زعماء اس طرف متوجہ ہو کر اپنے بزرگوں کی دائمی آرام گاہوں کو ایسی شکل و صورت دے دیں کہ جو ایک زندہ خود دار قوم کے شایان شان ہو اور جو اپنے پرائے سب کی توجہ کا مرکز بن سکیں۔

زیر مطالعہ اوراق کے سلسلہ میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ابتداءً ہمارا خیال ایک مختصر سی کتاب شائع کرنے کا تھا۔ چنانچہ اس کا مسودہ کتابت کے لئے دیدیا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گیا۔ بعد میں مزید ایسی معلومات دستیاب ہو گئیں کہ جنکا متن کتاب میں شامل کیا جانا باعث دلچسپی تھا۔ لیکن اب مشکل یہ درپیش تھی کہ متن کی کتابت ہو چکی تھی اور ان جدید اوراق کو کلیتہً اس میں جگہ نہ مل سکتی تھی اندریں حالات یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ جہاں تک ہو سکے ان معلومات کو متن میں شامل کر لیا جائے اور جو بچ رہیں انہیں باب تعارف میں جگہ دی جائے اس طرح مضامین کی ترتیب یا تسلسل کچھ موزوں دکھائی نہ دیگا لیکن یہ غیر موزونیت غالباً اس سے بہتر ہے کہ ہم معلومات کے ایک دلچسپ ذخیرہ کو دوسرے ایڈیشن تک کے لئے اٹھا رکھتے۔ کتاب کی چھپائی فوٹو بلاکس کا نظم و ترتیب عزیزی محمد علی یوسفی کی زیر نگرانی سرانجام پائی ہے۔

آخر میں گزارش ہے کہ کسی علاقہ کی تاریخ لکھنا خصوصاً ایسی حالت میں کہ صدیوں سے اس طرف توجہ نہ دی گئی ہو کسی طرح آسان کام نہیں بدیں وجہ زیر مطالعہ اوراق میں اغلاط یا فروگزاشتوں کا ہونا ناگزیر ہے اور ہمیں ان اوراق کے مکمل یا کلیتہً مصدقہ ہونے کا بھی کوئی دعویٰ نہیں ان حالات میں ہم قارئین سے یہی گزارش کریں گے کہ وہ ان پر ہمدردانہ نظر ڈالیں اور نکتہ چینی کرنے کی بجائے ہمیں کوتاہیوں فروگزاشتوں اور غلطیوں کی طرف متوجہ کریں۔ مفید مصدقہ معلومات اور اپنے نیک مشوروں سے مستفید ہونے کا موقع دیں تاکہ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کو اور زیادہ دلچسپ بنایا جا سکے۔

الہ بخش یوسفی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مندرجات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مندرجات

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
عزم پٹھان از جنرل محمد اعظم خان	۵	غیر یوسف زئے قبائل۔ فقیر	۷۲
مغنون	۹	ہندکی	۷۳
عرض حال	۱۳	گجر	۷۵
تعارف	۳۵	گردی	۷۶
یوسف زئے	۳۷	طور وال۔ ولازاک۔ دہقان سواتی	۷۷
گندھارا سے اخراج	۳۹	ترکانڑی۔ خٹک	۷۹
گندھارا	۴۰	اتمان خیل۔ مہمند یوسف زئیوں کی فیاضی	۸۱
مشترکہ نام "یوسف زئے"	۴۱	تقسیم اراضی	۸۳
قومی آزادی کا تحفظ	۴۲	قیادت کے لئے اہلیت کی ضرورت	۸۳
یوسف زئیوں کی آبادیاں	۴۵	اولین بندوبست	۸۴
الیاس زئے۔ عیسیٰ زئے	۴۷	دلیش	۸۵
رانی زئے۔ اتمان زئے	۴۸	اولین بندوبست کا زمانہ	۸۶
اسمیل زئے۔	۴۹	سیری	۸۹
سدوزئے۔ خدوخیل	۵۰	مصری خان سالار زئے	۹۰
بہاکو خان	۵۳	کالو خان	۹۲
قبیلہ رزڑ۔ یوسف زئے جنگ سرحد	۶۴	عہد مغلیہ پر ایک نظر	۹۷
کمال زئے۔	۶۶	پہاڑ	۱۰۱
چملہ	۷۱	قدیم جھیلیں	۱۰۴

FVC No: 4/Dev 3.5.93. Collection of Azad Javed.

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
دریا۔ سڑکیں	۱۰۹	سکندر اعظم کی یلغار	۱۶۵
ریلوے۔ زراعت و تجارت	۱۱۱	سکندر اعظم باجوڑ میں	۱۶۶
صنعت حرفت۔ برقی قوت (بجلی)	۱۱۴	نیسا کے قدیم یونانی باشندے	۱۶۷
علم و ادب	۱۱۵	سوات میں اساکینیوں سے پہلی جنگ	۱۶۹
مذہب اور رسم و رواج	۱۱۸	ریاست اورا۔ نورا اور بازیرہ	۱۷۱
نظم و رداداری	۱۲۱	کوہ ارنوس یا مہابن پر حملہ	۱۷۳
غیر مسلم پٹھان	۱۲۳	اساکینیوں سے دوسری جنگ	۱۷۴
بستیوں کے نام	۱۲۴	سکندر اعظم کی روانگی	۱۷۴
قومی تحریکات	۱۲۶	سکندر اعظم کے بعد	۱۷۵
قومی اتحاد	۱۳۰	علاقہ یوسف زئے اور بدھ مت	۱۷۵
یوسف زئے بیرون وطن	۱۳۵	عہد اشوک	۱۷۶
اعزازی یوسف زئے	۱۴۱	قبیلہ ساکا کی آمد	۱۷۷
یوسف زئیوں کے تاریخی حالات	۱۴۲	قبیلہ کشن کا اقتدار۔ عہد کنشکا	۱۷۷
تصاویر	۱۴۷	کنشکا کے بعد۔ بدھ ہندو کشمکش	۱۸۰
کتاب کی تصاویر	۱۴۸	ہندو شاہیہ	۱۸۱
تاریخ کا ابتدائی دور	۱۵۹	عہد بدھ کے آثار قدیمہ	۱۸۱
تاریخ کا ابتدائی دور	۱۶۱	عربوں سے مغلوں تک	۱۸۹
ہندوستان کی قدیم تاریخ	۱۶۱	عہد اسلامی کا ابتدائی دور	۱۹۳
سکندر سے قبل کے ایرانی حملہ آور	۱۶۴	عہد اسلامی کا ابتدائی دور	۱۹۵

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
عربوں کے حملے	۱۹۵	یوسف زئے عہد مغلیہ میں	۲۲۹
خاندان غزنویہ	۲۰۲	یوسف زئے عہد مغلیہ میں	۲۳۱
سلطان محمود غزنوی	۲۰۴	بابر کا اقدام	۲۳۱
خاندان غوری	۲۱۱	جنگ باجوڑ	۲۳۲
غوریوں کے بعد	۲۱۲	میدانی علاقہ میں آمد	۲۳۴
یوسف زئیوں کی آمد	۲۱۵	بی بی مبارکہ سے شادی	۲۳۵
یوسف زئیوں کی آمد	۲۱۷	جنگ کالنگ	۲۳۶
افغانستان میں قیام	۲۱۷	یوسف زئیوں کا پہلا بندوبست	۲۳۷
مغلوں کی حمایت	۲۱۸	ملک گجو خان	۲۴۱
الغ بیگ کی عہد شکنی	۲۱۸	یوسف زئے اور غوریا خیلوں میں جنگ	۲۴۲
ملک احمد خان کی قیادت	۲۲۰	کامران و ہمایوں	۲۴۶
افغانستان سے ہجرت	۲۲۰	یوسف زئیوں کی ناکہ بندی	۲۴۸
ولازاکوں سے رابطہ	۲۲۱	تحریک روشنائی	۲۴۸
غوریا خیلوں کی نقل و حرکت	۲۲۲	حضرت پیر بابا رح	۲۵۰
گیگیانیوں اور محمد زئیوں کی آمد	۲۲۳	بایزید انصاری	۲۵۲
ہشتنگر سے دہقانوں کا اخراج	۲۲۴	حضرت اخون درویزہ	۲۵۶
سوات پر یوسف زئیوں کا قبضہ	۲۲۴	اکبر اعظم	۲۵۷
ولازاکوں کا باجوڑ سے اخراج	۲۲۶	یوسف زئیوں پر حملہ	۲۵۸
تلیلیوں کا باجوڑ سے اخراج	۲۲۷	مغل لشکر کی بربادی	۲۵۹

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عنوان	صفحہ
مغل اعظم کی ناکامی	۲۶۰
جہانگیر	۲۶۴
شاہجہاں	۲۶۵
یوسف زئے اور خٹک ۵	۲۶۷
اورنگ زیب عالمگیر	۲۶۹
مغل لشکر کا اقدام	۲۷۱
ہنڈ کے مقام پر جنگ	۲۷۲
شہباز گڈھ کی بربادی	۲۷۳
باجوڑ کی طرف اقدام	۲۷۳
خوشحال خان خٹک کی مخالفت	۲۷۴
اورنگ زیب عالمگیر کی آمد	۲۷۵
اورنگ زیب عالمگیر کی واپسی	۲۷۶
خوشحال خان خٹک	۲۷۷
نادر شاہ اور درانی حکمران	۲۸۱
نادر شاہ اور درانی حکمران	۲۸۳
احمد شاہ درانی	۲۸۵
تیمور شاہ	۲۸۶
تیمور شاہ کے بعد	۲۸۷
یوسف زئے اور خالصہ دربار	۲۹۱
یوسف زئے اور خالصہ دربار	۲۹۳
سکھوں کی یلغار	۲۹۳
سکھ درانی اتحاد	۲۹۶
تحریک مجاہدین	۳۰۵
تحریک مجاہدین	۳۰۷
سید احمد شہید	۳۰۷
سرحد کی طرف ہجرت	۳۰۹
پہلا شب خون	۳۱۰
جنگ شدید	۳۱۱
علاقہ یوسف زئی کا دورہ	۳۱۳
جنگ اتمان زئے	۳۱۴
شریعت اسلامیہ کا نفاذ	۳۱۴
اختلافات کی ابتدا	۳۱۵
سکھوں کا دوسرا حملہ	۳۱۷
خانہ جنگی	۳۱۷
جنگ ہریانہ	۳۱۸
سید صاحب ہزارہ میں	۳۱۹
عشر وصول کرنے پر اختلاف	۳۱۹
ہوتی پر حملہ	۳۲۰

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
بارک زئیوں سے ارادہ جنگ	۳۲۰	فتح خان۔ مقرب خان	۳۵۹
پشاور میں آمد	۳۲۳	انگریز کی تالشی	۳۶۱
مجاہدین کا قتل عام	۳۲۳	انگریز سے بگاڑ	۳۶۲
علماء کے خلاف علماء	۳۲۴	مجاہدین کا پنجتار سے اخراج	۳۶۳
سید صاحب کی شہادت	۳۲۴	مجاہدین کی پنجتار میں پھر آمد	۳۶۳
تحریک مجاہدین پر سرسری نظر	۳۲۵	انگریز لشکر کی یلغار	۳۶۴
سید احمد شہید کے بعد	۳۳۰	مقرب خان پھر پنجتار میں	۳۶۶
یوسفزئے اور انگریز	۳۴۱	حصول اقتدار کیلئے مسلسل کوشش	۳۶۷
یوسفزئے اور انگریز	۳۴۳	پنجتار سے فرار	۳۶۹
ابتداء میں انگریز کی روش	۳۴۴	مقرب خان چنگلئے میں	۳۷۰
اخوند صاحب سوات کی دور اندیشی	۳۴۵	مقرب خان کے آخری ایام	۳۷۱
سوات کی پہلی بادشاہت کا خاتمہ	۳۴۵	علاقہ بونیر اور انگریز	۳۷۵
پنجتار کی طرف انگریز کا اقدام	۳۴۷	علاقہ بونیر	۳۷۷
تاریخی پر انگریز سے جنگ	۳۴۷	معرکہ امبیلہ	۳۷۸
انگریز کا تدبر	۳۴۸	اقدام کا بہانہ	۳۷۸
قبیلہ خدوخیل	۳۵۰	اخوند صاحب سوات سے غلط توقع	۳۷۹
قبیلہ خدوخیل	۳۵۲	مجاہدین کی پیش بندی	۳۷۹
بہادر کوخان	۳۵۳	ابتدائی حملہ	۳۸۱
الف خان	۳۵۷	انگریز لشکر کی تیاری	۳۸۱

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
انگریز لشکر کا اقدام	۳۸۲	حاجی عمر اخان کا عروج و زوال	۳۹۷
جنگ کا آغاز	۳۸۳	باجوڑ حدود اربعہ	۳۹۷
اخوند صاحب سوات کی آمد	۳۸۴	وادی جندول	۳۹۹
دوسرا معرکہ	۳۸۴	عمر اخان کی ابتداء	۳۹۹
سواتیوں کا حملہ	۳۸۵	افغان نپولین	۴۰۰
باجوڑیوں کا حملہ	۳۸۵	قبائلیوں کی طرف سے مخالفت	۴۰۱
انگریز کمانڈر کا زخمی ہونا	۳۸۵	انگریز کی گھبراہٹ	۴۰۲
توپ و تفنگ کی جگہ عیاری	۳۸۷	جندول اور چترال کے تعلقات	۴۰۳
اخوند صاحب سوات کا استقلال	۳۸۷	چترال کی طرف عمر اخان کی روانگی	۴۰۴
جنگ کا خاتمہ	۳۸۸	عمر اخان کو واپس لوٹنے کی ہدایت	۴۰۴
معرکہ امبیلہ کے بعد	۳۸۹	عمر اخان اور انگریز قیدی	۴۰۵
بونیر کی ناکہ بندی	۳۹۰	انگریز قیدیوں سے سلوک	۴۰۶
خانہ جنگی	۳۹۰	عمر اخان کے خلاف انگریز کا اقدام	۴۰۹
پھر ناکہ بندی	۳۹۱	انگریز لشکر کی طاقت	۴۰۹
سالارزیوں کے خلاف اقدام	۳۹۱	قبائلیوں کی بہادری	۴۱۱
پھر لشکر کشی	۳۹۳	سوات کی طرف اقدام	۴۱۲
انگریز سے آخری جنگ	۳۹۳	چکدرہ کا مضبوط قلعہ	۴۱۲
ریاست سوات کی سیادت	۳۹۴	جندول سے لشکر کی آمد	۴۱۳
حاجی عمر اخان جندولی کا عروج و زوال	۳۹۵	انگریز برد اکے قریب	۴۱۴
		دعوت گفتگو اور عمر اخان کا جواب	۴۱۴

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عمرا خان کا فرار	۴۱۵	بہادری کی ایک مثال	۴۳۸
انگریز کا خان دیر سے معاہدہ	۴۱۶	پھر جنگ	۴۳۹
مالاکنڈ ایجنسی کا قیام	۴۱۷	گفتگوئے صلح	۴۴۰
علاقائی کشمکش	۴۱۷	استبداد کی بارش	۴۴۰
جندول پر دیر کا اقتدار	۴۱۸	جنگ کا خاتمہ	۴۴۱
ہندستانی قومی تحریکات	۴۱۹	رانی زئے	
مالاکنڈ فیلڈ فورس کی کارستانیاں	۴۲۱	رانی زئے	۴۴۵
مالاکنڈ فیلڈ فورس کی کارستانیاں ۱۸۹۷ء	۴۲۳	جدید ریاست سوات	
مالاکنڈ ایجنسی	۴۲۳	سوات	۴۵۳
حکومت کی حکمت عملی	۴۲۳	عہد رفتہ	۴۵۴
چترال کی سڑک	۴۲۷	نام	۴۵۶
انگریز کی ہمہ گیر مخالفت	۴۲۸	عہد بدھ مت	۴۵۷
ملامستان کا ظہور	۴۲۸	سوات کا دور جدید	۴۶۰
انگریز لشکر کا اقدام	۴۳۰	حضرت اخوند صاحب	۴۶۰
بالائی سوات پر حملہ	۴۳۱	سوات کی پہلی حکومت	۴۶۳
انگریز کا جندول کی طرف اقدام	۴۳۲	سید اکبر شاہ کے بعد	۴۶۵
وادی میمون پر یلغار	۴۳۴	شجرۂ اولاد اخوند	۴۶۶
انگریز لشکر نوائی میں	۴۳۵	حضرت اخوند کے بعد	۴۶۷
خار سے روانگی	۴۳۵	میاں گل عبدالودود کی ابتداء	۴۶۷
وادی میمون میں جنگ	۴۳۶	سوات پر نواب دیر کا حملہ	۴۶۸

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مندرجات

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سید عبدالجبار شاہ کی حکومت	۴۶۹	والیٔ سوات	۴۹۰
سوات کے دور جدید کا آغاز	۴۷۱	ولیعہد وغیرہ	۴۹۱
ایک مشکل ترین دور	۴۷۳	ریاست دیر	۴۹۳
انگریز کی مداخلت	۴۷۴	ریاست دیر۔ محل وقوع	۴۹۵
بونیر پر قبضہ	۴۷۴	ریاست کی ابتدا	۴۹۶
مزید علاقوں کی شمولیت	۴۷۶	عہد غلام خان و قاسم خان	۵۰۱
انگریز سے تعلقات	۴۷۶	عہد رحمت خان	۵۰۲
علاقہ کوہستان پر قبضہ	۴۷۷	عہد نواب محمد شریف خان	۵۰۳
وادیٔ کالام	۴۷۸	عہد نواب بادشاہ خان	۵۰۴
تحریک پاکستان	۴۸۱	عہد نواب شاہ جہان خان	۵۰۷
محاذ کشمیر	۴۸۲	اتمان خیل	۵۱۳
حکومت سے دستبرداری	۴۸۳	مقبوضہ علاقوں کے اتمان خیل	۵۱۴
عہد جہان زیب خان	۴۸۵	قبائلی علاقوں کے اتمان خیل	۵۱۵
حدود اربعہ۔ آبادی۔ پیداوار	۴۸۵	حضرت سید امیر المعروف کوٹہ ملا صاحب	۵۲۱
راستے	۴۸۶	یوسف زئیوں کے ساتھی قبائل	۵۲۱
تعلیم۔ صحت۔ ڈاک۔ تار۔ بجلی	۴۸۷	حضرت کوٹہ ملا صاحب	۵۲۲
خبگلات	۴۸۸	نواب سر عبدالقیوم خان	۵۲۵
صنعت۔ نظام	۴۸۹	اضافے	۵۳۰
پولس اور فوج	۴۸۹	مصری خان (امان زئے)	۵۳۰
باشندوں کی حالت	۴۹۰	رحیم خان	۵۳۱

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
شجرہ ہائے نسب		شجرہ نسب نجیب الدولہ اکرم خان	۵۹۳
یوسف زئے اور منڈڑ	۵۳۳	ضمیمہ (۲)	
		حافظ رحمت خان	۵۹۴
شجرہ نسب قبائل یوسف زئے اور منڈڑ	۵۳۵	ضمیمہ ۳	
مختصر شجرہ قیس عبد الرشید تا		عظیم اللہ خان	۵۹۹
اولاد یوسف اور منڈڑ	۵۴۱	ضمیمہ ۴	
شجرہ اولاد ملک یوسف	۵۴۲	نواب امیر خان (ٹونک)	۶۰۲
اکوزئے (یوسف زئے)	۵۴۲	ضمیمہ ۵	
موسے (یوسف زئے)	۵۴۷	نواب غفور خان (جاوڑہ)	۶۰۶
عیسے (یوسف زئے)	۵۴۸	ضمیمہ ۶	
مئے (یوسف زئے)	۵۴۸	جوناگڈھ۔ مانا دادر۔ بنٹوا۔ سردار گڑھ	۶۰۷
ادریا (یوسف زئے)	۵۴۸	شجرہ نسب والیان ریاست جوناگڈھ	
مختصر شجرہ اولاد منڈڑ	۵۴۹	مانا دادر	۶۰۸/۹
منو (منڈڑ)	۵۵۰	ضمیمہ ۷	
رزڑ (منڈڑ)	۵۷۶	نواب منور خان (بلاسنور)	۶۱۰
خضر (منڈڑ)	۵۷۹	ضمیمہ ۸	
محمود (منڈڑ)	۵۸۱	مولانا شوکت علی خان اور مولانا	۶۱۳
ضمیمہ جات	۵۸۵	محمد علی جوہر	
ضمیمہ (۱)		نسب نامہ علے برادران	۶۱۹
نجیب الدولہ۔ ضابطہ خان۔ غلام قادر اکرم خان	۵۸۷	ضمیمہ ۹	

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مندرجات

مضمون	صفحہ
افغان یا پختون (پٹھان)	۶۲۳
پختون (پشتون)	۶۲۴
پٹھان	۶۲۷
افغان	۶۲۹
ضمیمہ ۱۰	
آرین یا بنی اسرائیل	۶۳۵
آرین	۶۴۱
سامی اور آرین کی آمد	۶۴۳
آرین کی ابتدائی آبادیاں	۶۴۳
سامی آرین زندگی	۶۴۴
آرین نسل یا عقیدہ	۶۴۵
ار۔ آریہ۔ آریا۔ آرین	۶۴۷
بنی اسرائیل	۶۵۶
قیس کا شجرہ نسب	۶۶۴
ضمیمہ ۱۱	
پختو (پشتو) زبان	۶۶۵
رسم الخط	۶۶۸
ادب	۶۶۹
ضمیمہ ۱۲	
پٹھانوں کی عام زندگی	۶۷۵

مضمون	صفحہ
پٹھانوں کی سیرت اور اُن کی مزید	۶۷۸
مہمان نوازی	۶۸۱
غیر مسلموں سے سلوک	۶۸۱
احسان کا بدلہ	۶۸۱
سیاسی شعور	۶۸۵
ضمیمہ ۱۳	
داؤد خان۔ بشارت (خٹک)۔	۶۸۷
حبیب خان۔	
بشارت خان	۶۸۷
شجرہ نسب بشارت (خٹک)	۶۸۸
داؤد خان	۶۸۹
شجرہ نسب داؤد خان	۶۸۹
حبیب خان	۶۹۰
شجرہ نسب حبیب خان	۶۹۰
حضرت باباجی صاحب (جھنڈا)	۶۹۱

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کتاب کی ۶۲ تصاویر

	صفحہ
۱۔ ایک یوسف زئی قدیم لباس میں	۱
۲۔ لفٹننٹ جنرل محمد اعظم خان	۷
۳۔ خان نامدار روشن خان	۱۱
۴۔ مسٹر عبدالرحمٰن یوسفی	۱۵
۵۔ رانی گگٹ	۳۳
۶۔ نوگرام کے آثار قدیمہ	۳۳
۷۔ رانی گگٹ کا دوسرا آثار	۳۴
۸۔ نوگرام کی قدیم آبادی	۳۴
۹/۱۰۔ اشوکک کے کتبے شہباز گڑھ	۵۱
۱۱/۱۲۔ نوگرام کے دو مناظر	۵۲
۱۳۔ مقبرہ ملک احمد خان	۶۹
۱۴۔ مقبرہ ملک سلطان خان	۶۹
۱۵۔ موضع سورے کا منظر	۷۰
۱۶۔ درنند	۷۰
۱۷۔ مقبرہ ملک گجو خان	۸۷
۱۸۔ مقبرہ شیخ ملی	۸۷
۱۹۔ منڈر سومنات	۸۸

	صفحہ
۲۰۔ مقبرہ بہاکو خان	۱۰۵
۲۱۔ مقبرہ مقرب خان	۱۰۵
۲۲۔ فرمان شاہجہان	۱۰۶
۲۳۔ مقبرہ اخوند درویزہ	۱۳۹
۲۴۔ مسجد پیر بابا کا منظر	۱۳۹
۲۵۔ مقبرہ رحیم خان	۱۴۰
۲۶۔ مقبرہ ایاز	۱۴۰
دو اعزازی یوسف زئے	
۲۷ مسٹر چو این لائی (چین)	۱۵۷
۲۸ شاہجہان مغل	۱۵۷
۲۹۔ معززین کا ایک قدیم فوٹو	۱۵۸
۳۰ علے برادران	۱۹۱
۳۱۔ نواب عبدالقیوم خان	۲۰۹
۳۲۔ بریگیڈیر محمد شیر خان	۲۴۳
۳۳۔ باشندگان علاقہ رزڑ	۲۶۱
۳۴۔ موضع ترکئے (رزڑ) کا منظر	۲۶۱

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

۳۶/۳۵	مالاکنڈ کے دو مناظر	۲۶۲	
۳۷۔	خان فتح محمد خان	۳۰۳	
۳۸۔	زمینداران علاقہ رزڑ	۳۲۱	
۳۹۔	پولس تھانہ کالوخان	۳۲۱	
۴۰۔	بس اسٹینڈ نواں کلی	۳۲۲	
۴۱۔	مقبرہ خان خاں	۳۲۲	
۴۲۔	میجر جنرل وصال محمد خان	۳۵۵	
۴۳۔	خان بہادر ہدایت اللہ خان	۳۷۳	
۴۴۔	خان محمد علی خان	۴۰۷	
۴۵۔	خان فردوس خان	۴۲۵	
۴۶۔	نواب محبت خان جوناگڈھ	۴۴۴	
۴۷۔	نواب دلاور خان جوناگڈھ	۴۴۳	
۴۸۔	خان مانا دادر	۴۶۱	
۴۹۔	والیٔ ریاست سوات	۴۷۹	
۵۰۔	بانیٔ ریاست سوات ؒ		۴۹۹۷
۵۱۔	شہزادہ ردم		۴۹۹۸
۵۲۔	سوات ہوٹل		۴۹۹۸
۵۳۔	دلیعہ ریاست سوات ؒ		۴۹۹۹
۵۴۔	سیدو شریف		۵۰۰۰
۵۵۔	سوات کا ایک ہل		۵۱۷۷
۵۶۔	کوہستانی		۵۱۹۷
۵۷۔	کالام		۵۱۹۸
۵۸۔	بحرین		۵۱۹۸
۵۹۔	خان عبدالرؤف خان ؒ		۵۲۲۷
۶۰۔	خان غالب خان		۵۴۲۵
۶۱۔	خواجہ محمد خان ہوتی		۶۱۱۱
۶۲۔	بلاک افغان (آرٹ)		۶۲۲۱

محمد علی یوسفی نے عباسی لیتھو آرٹ پریس فریئر روڈ کراچی سے
چھپوا کر دفتر محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی اقبال کالونی بتن ہٹی کراچی ۵ سے
شائع کی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

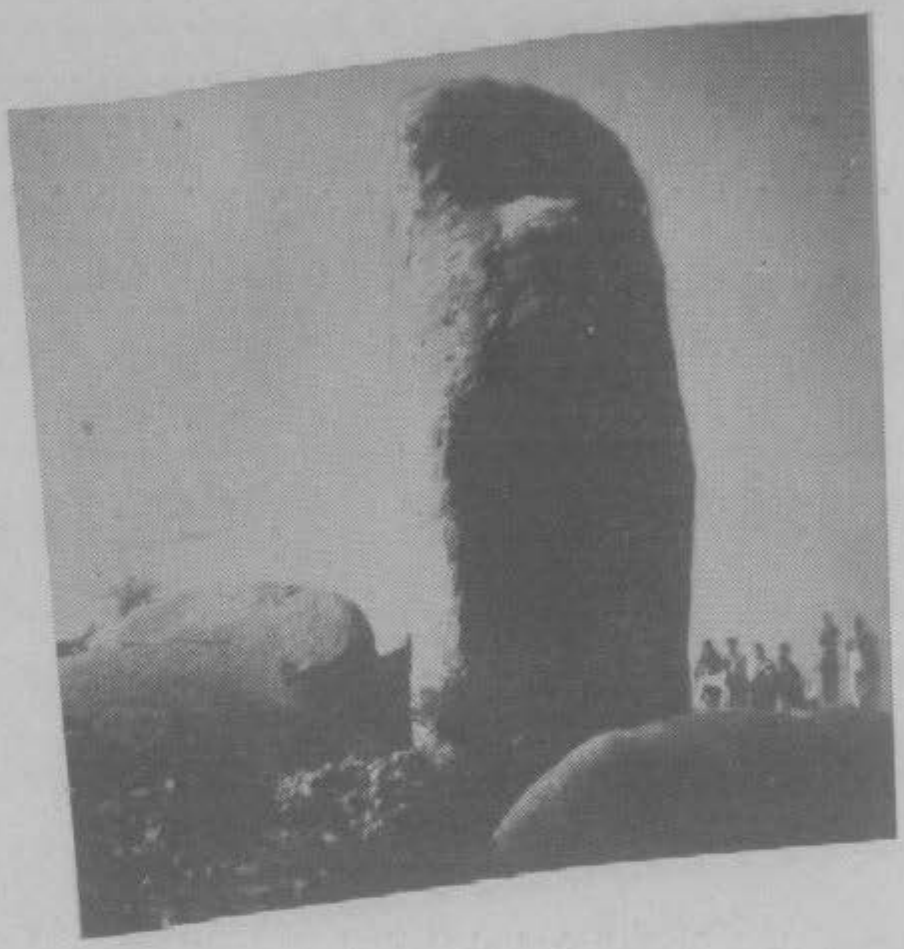

راتی کی عبد قدیم کی یادگار

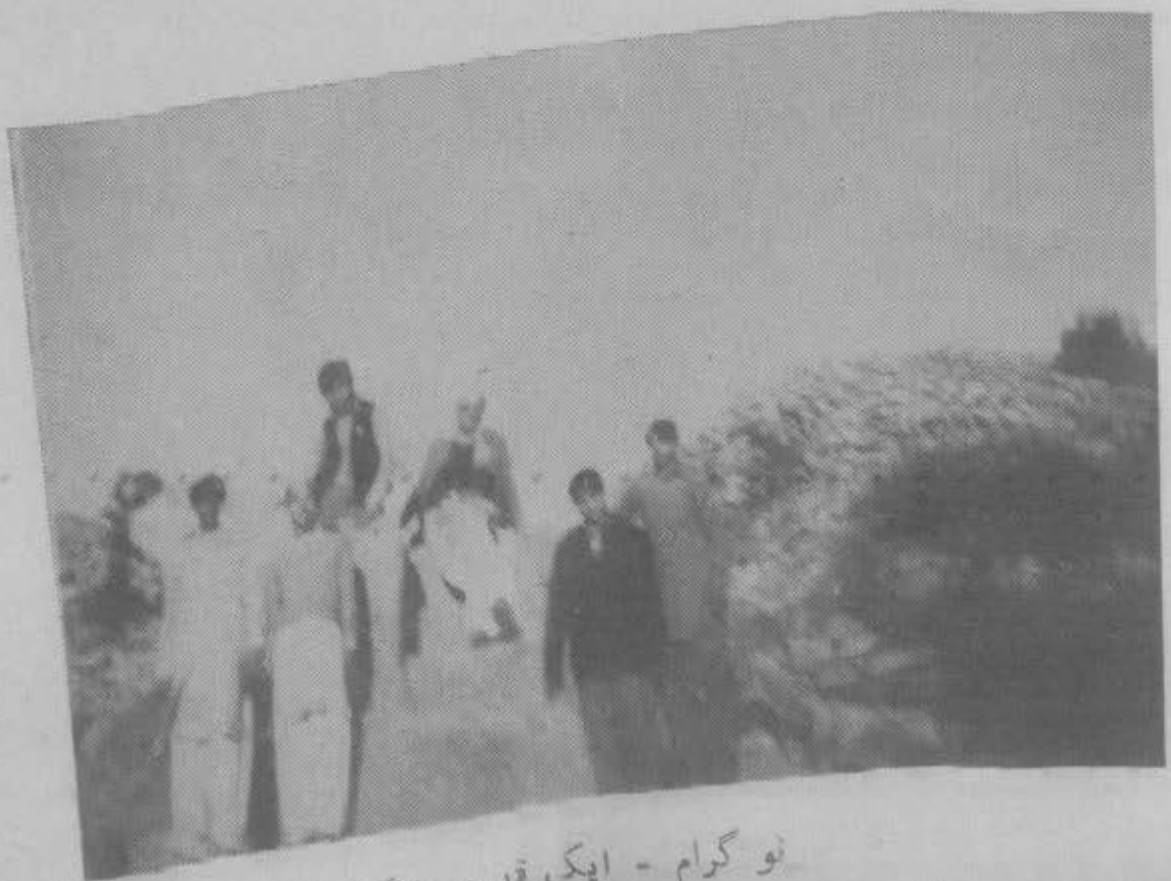

نو گرام - ایک قد

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نو گرام میں اثار قدیمہ

نو گرام کی قدیم آبادی کے کھنڈرات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تعارف

یوسف زئے افغانوں کے مشہور قبیلہ یوسف زئے کے متعلق دور جدید کے کئی ایک مورخین کا خیال ہے کہ وہ ان مشہور قبائل سے تعلق رکھتا ہے جن کا ذکر اکثر یونانی مورخین بڑی شد و مد سے کرتے رہے اور جنہیں ان ابتدائی مورخین نے پکٹیئن کے نام سے تاریخ کے اوراق پر جگہ دی تھی کہا جاتا ہے کہ یہ پکٹیان قدیم الایام سے کوہ ہندوکش کے ساتھ آباد تھے اور یہیں سے نکل کر بعد میں وہ ان افغانوں سے آملے جن کا فلسطین کی طرف سے ہجرت کرتے ہوئے غور اور فیروزہ کی پہاڑیوں میں مقیم ہونا بیان کیا جاتا ہے اس نظریہ کے پیش نظر ان مصنفین کا خیال ہے کہ کنڑ اور باجوڑ میں اسپاسی آئی (ASPASSII) نامی جو قوم بیان کی جاتی تھی اس کا نام بگڑ کر الیسپ بن گیا ہوگا اور یوسف زئیوں کی عام بول چال میں چونکہ یوسف زئے کا تلفظ اکثر الیسپ زئے ہی کیا جاتا ہے اس سے ان کے اس خیال کو تقویت ملتی ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لیکن دیسے عام افغان اور غیر افغان مورخین اور شجرہ نویس اس قبیلہ کے بانی یوسف کو افغانوں کے مفروضہ جد اول قیس عبدالرشید کے بیٹے سران کی اولاد سے ظاہر کرتے ہوئے اسے سرابانی پکارتے ہیں[1]۔ یہ سرابانی بعد میں چل کر خاخئے (شیخئے) اور غوری دو حصوں میں تقسیم ہوئی تو یوسف زئے خاخئے (شیخئے) پکارے جانے لگے۔ پھر یوسف زئے بھی دو قبیلوں میں بٹ گئے ایک یوسف زئے کہلائے تو دوسرے مندڑ۔ شجرہ نویسوں کے قول کے مطابق یہ مندر کے دو بیٹوں عمر اور یوسف کی اولاد سے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت کہ ابھی خاخئے قندھار اور بلوچستان کے درمیان آباد تھے۔ عمر نے ہندوستان کی راہ لی اور دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے موضع حسن ابدال میں جا مقیم ہوا اسی جگہ اس کا لڑکا مندڑ پیدا ہوا خود یہیں حسن ابدال میں وفات پائی تو اس کے قرب میں واہ کی پہاڑی پر دفن کر دیا گیا تھا بعد میں جب یوسف کو اپنے بھائی کی وفات کا علم ہوا تو وہ حسن ابدال پہنچکر مندڑ اور اس کی والدہ کو اپنے ساتھ واپس لے گیا۔ پھر مندڑ سے اپنی لڑکی بیاہ دی اور خود اپنی بھاوج سے نکاح کر لیا[2]۔

یوسف چونکہ عمر میں بزرگ تھا اور بعد میں اس نے مندڑ کے باپ کی حیثیت بھی حاصل کر لی تھی اس وجہ سے ان کی اولاد یوسف کے نام سے ہی یوسف زئی پکاری جاتی رہی۔ وہ آپس میں محبت و پیار اور صلح و آشتی

---

[1] افغان کے شجرہ نسب کے سلسلہ میں دیکھو کتاب افغان یا پٹھان قبیلہ یوسفزئی کا شجرہ اسی کتاب کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے۔

[2] بعض مورخین کا خیال ہے کہ یوسف حسن ابدال سے نہیں بلکہ مندڑ کو بجنور سے واپس لے گیا تھا۔ (دیکھو سوانح شیخ بہاء الدین بجنوری)۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے زندگی بسر کرتے رہے اور اس امر کی ضرورت پیش نہ آئی کہ یوسف اور عمر کی اولاد جدا جدا ناموں سے پکاری جاتی اگرچہ رسم ملک کے مطابق اپنے اندرونی معاملات میں دونوں جدا جدا ہستیوں کے مالک تھے وقت گزرنے پر جب ان کو افغانستان کا علاقہ چھوڑ کر موجودہ علاقہ یوسف زئی کی طرف آنا پڑا تو بھی وہ یوسف زئے ہی پکارے جاتے رہے اور تمام مورخین نے یوسف زئے ہی کے نام سے ان کا ذکر کیا حالانکہ افغانستان سے ہجرت کی قیادت ملک احمد خان مندڑ کر رہے تھے۔ موجودہ علاقہ میں پہنچنے کے بعد اپنی اندرونی تقسیم کے مطابق یوسف کی اولاد تو ضلع مردان وغیرہ کے علاقہ میں مقیم ہوگئی اور مندڑ کی اولاد نے دیر سوات وغیرہ علاقوں میں ڈیرے جمائے بعد میں حالات نے مجبور کیا تو علاقوں کے تبادلے ناگزیر ہوگئے مندڑ پہاڑیوں سے نکل کر ضلع مردان کے میدانی علاقہ کی طرف کوچ کر آئے تو یوسف زئے اس علاقہ سے نکل کر سوات دیر باجوڑ وغیرہ کی طرف چلے گئے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ علاقہ یوسف زئے (ضلع مردان) کا نام یوسف زئیوں کے اس علاقہ سے نکل جانے کے باوجود اپنی جگہ قائم رہا۔ مندڑ قبائل نے اسے اپنا لیا اور اس وقت تک اس علاقہ کو یوسف زئے پکارا جاتا ہے حالانکہ وہاں کثرت آبادی مندڑ قبائل کی ہے[1]

گندھارا سے اخراج خیال کیا جاتا ہے کہ اندازاً پانچویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ اس قبیلہ کے اجداد وادی پشاور یا گندھارا میں آباد تھے لیکن جب مغرب کی طرف سے مختلف طاطاری

---

[1] دیکھو باب "یوسف زئیوں کی آمد"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قبائل نے یلغار شروع کی اور ان کا زوردار ریلا آیا تو یہ لوگ اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے اور بحیثیت قوم نقل مکانی کرتے ہوئے خدا جانے کن کن مصائب و آلام کا مقابلہ اور کن کن علاقوں کی خاک چھاننے کے بعد بلوچستان اور افغانستان کے درمیانی علاقہ میں، جا آباد ہوئے تھے وہاں سے پھر پندرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں اندازاً اپنی پہلی ہجرت سے ایک ہزار سال بعد[1]۔ دوبارہ ایسے وقت اپنے وطن کی طرف لوٹے جب کہ افغانستان میں خاندان تیموریہ کا مرزا الغ بیگ حکمران تھا اس ہجرت کی قدرے تفصیلی بحث انہی اوراق میں کسی دوسری جگہ "یوسف زئیوں کی آمد" کے زیر عنوان درج کردی گئی ہے۔

گندھارا

دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے قطعہ اراضی کا قدیم نام گندھارا قدیم کتب میں بکثرت مرقوم دکھائی دیتا ہے یونانیوں نے اسے گندار یا (GANDARIA) کے نام سے موسوم کیا تھا۔ محل وقوع کے لحاظ سے اس میں دریائے اٹک سے دریائے سندھ اور کوہ سفید سے کوہاٹ کی پہاڑیوں تک کا علاقہ شامل تھا۔ یا یوں کہئے کہ ضلع پشاور ضلع مردان۔ درہ کوہاٹ علاقہ مہمند۔ باجوڑ۔ سوات اور بونیر کو ملا کر گندھارا پکارا جاتا تھا اور ایک آدھ دفعہ تو اس میں ٹکسلا تک کا علاقہ بھی شامل دکھائی دیتا ہے اس علاقہ کو قدیم سے ہی ایک مستقل صوبہ کی حیثیت حاصل رہی خواہ وہ آزاد رہا یا محکوم اور مختلف ادوار پر چارسدہ۔ پشاور اور ہنڈ وغیرہ نے جو اسوقت

---

[1] پنجاب کاسٹس۔ ایبٹ سن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ان ناموں سے مشہور نہ تھے اس کے دار السلطنت کے طور اپنے قدیم ناموں سے شہرت حاصل کی تھی۔

قدیم الایام میں اسے کسی وقت بھی ہندوستان میں شامل نہ سمجھا گیا تھا۔ اس وقت ہندوستان کی سرحد دریائے سندھ کے مشرق کی طرف سے ہی شروع خیال کی جاتی تھی اور قدیم ترین تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایران کے شاہ خسرو نے اسے فتح کیا تو ایک عرصہ تک اس پر ایرانی حکمران رہے اور انہی حکمرانوں کے دارا نے اپنے کتبہ میں جو اندازاً ۵۱۶ قبل مسیح میں نصب کیا گیا تھا اس علاقہ کے باشندوں کو ہندوستانیوں سے جداگانہ حیثیت میں ظاہر کیا اور ہندوستانی یا وادی سندھ کے باشندوں کا جدا ذکر کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب ایرانیوں نے یونان پر حملہ کیا تھا تو اس وقت ان کے لشکر میں گندھاری باشندے بھی موجود تھے جس کا مصنف ہرو ڈوٹس نے خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

مشترکہ نام یوسف زئی

"یوسف زئی" گو دو بڑی شاخوں یوسفندے اور مندڑ۔ میں منقسم ہیں لیکن قومی حیثیت سے مجموعی طور دونوں "یوسف زئے" پکارے جاتے ہیں اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مند کے دو لڑکے تھے عمر اور یوسف۔ عمر بڑے تھے اور یوسف چھوٹے۔ عمر نے وفات پائی تو اس کے لڑکے مندڑ کو جو بہت ہی کم عمر تھا اپنے چچا یوسف کی سرپرستی حاصل ہوئی اور رسم ملک کے مطابق وہ اپنے چچا یوسف کا اپنے والد کی طرح احترام کرتا رہا اور خاندان کا نام بزرگ چچا کے نام سے ہی مشہور ہوا اگرچہ اندرونی معاملات میں ان دونوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی اولاد جدا جدا ناموں سے پکاری جاتی رہی۔ مذکورہ دونوں شاخیں اس وقت جدا جدا علاقوں میں آباد ہیں اول الذکر کی کثرت آبادی قبائلی علاقہ میں دکھائی دیتی ہے تو موخر الذکر قبیلہ ضلع مردان کے میدانی علاقہ میں مقیم نظر آتا ہے اور گو بحیثیت مجموعی تمام علاقہ "یوسف زئے" پکارا جاتا ہے تاہم ضرورت وقت کے پیش نظر جب ان ہر دو قبائل کی متعدد ذیلی شاخوں نے اپنی اپنی جائے رہائش کے لئے مختلف علاقے مختص کرنے شروع کئے تو ذیلی حیثیت میں یوسف زئے کے مشترکہ نام کے تحت دوسری آبادیاں دکھائی دینے لگیں ان علاقوں کو یا تو قدیم ناموں سے ہی موسوم رہنے دیا گیا جیسے سوات دیر۔ بونیر باجوڑ کوہستان وغیرہ یا پھر قبائل کے نام سے علاقے پکارے جانے لگے مثلاً علاقہ خدوخیل۔ علاقہ رانی زئے۔ علاقہ چغرزئے علاقہ اتمان زئے علاقہ امانزئے۔ علاقہ کمال زئے علاقہ رزڑ علاقہ سدھم وغیرہ۔

قومی آزادی کا تحفظ

تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالی جائے تو یوسف زئیوں کا علاقہ کسی وقت بھی کسی حکومت کے طابع فرماں دکھائی نہیں دیتا۔ عہد مغلیہ میں اس علاقہ پر مستقلاً تسلط جمانے کی کوششیں ہوئی تھیں دربار دہلی نے اپنی پوری طاقت اسے مطیع و فرمانبردار بنانے میں صرف کی لیکن اس کے باوجود مغل اقتدار قائم نہ کیا جا سکا ویسے کوئی ملکی حکومت بھی قائم نہ ہو سکی قبائلی باہمی جنگ و جدل میں مصروف رہے البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب کبھی کسی بیرونی دشمن نے حملہ کیا تو یہ باہمی اتحاد و اتفاق سے ان کا مقابلہ کرتے رہے ان خانہ جنگیوں نے خود کسی علاقہ کی آبادی کو استحکام حاصل نہ ہونے دیا گو قدیم علاقوں کے قدیم نام قائم رہے لیکن ان کے حدود اربعہ میں آئے دن تغیر و تبدل ہوتا رہا یہی وجہ ہے کہ دور حاضر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے قبل کسی علاقہ کی حد بندی کا وثوق سے تعین نہیں کیا جا سکتا میدانی علاقوں کا حال قبائلی علاقوں سے قدرے مختلف دکھائی دیتا ہے وہ آزاد بھی رہے اور نیم محکوم یا محکوم بھی اگر کوئی طاقتور حکمران اپنا لاؤ لشکر لے ان پر حملہ آور ہو گیا تو وقت کی مناسبت سے میدانی علاقوں کی آبادی نے اطاعت نیم اطاعت یا باجگزار ہونے پر اظہار رضامندگی کر دیا جونہی موقع ملا اس طوق کو اتار پھینکا۔ مختصر یہ کہ فضا کے ساتھ ان کی ہوا بھی بدلتی رہی وہ نہ تو کلیتہً آزاد رہے نہ غلام اور اس کشمکش حیات میں زندگی گزارتے چلے گئے

پھر سکھ اور درانی عہد حکومت پر نظر ڈالی جائے تو بھی یوسف زئیوں کا علاقہ دو حصوں میں تقسیم دکھائی دیتا ہے ایک میدانی جسے دور حاضر میں "مقبوضہ" علاقہ پکارا جاتا ہے اور دوسرا قبائلی۔ مذکورہ ہر دو حکومتوں نے قبائلی علاقہ سے تو صرف چھیڑ چھاڑ جاری رکھی البتہ میدانی علاقہ میں وقتاً فوقتاً طاقت اور جبر و استبداد سے حکومت کی جاتی رہی محصولات وصول کرنے کا انتظام ہوا لیکن شاہی لشکر کی موجودگی میں ہی وصول ہوتے رہے اور پھر جب کبھی موقع ملا تو اس علاقہ کے باشندوں نے طوق غلامی اتار پھینکنے میں تساہل سے کام نہ لیا۔

آخری دور میں انگریز کی باری آئی۔ اس نے ابتداء میں تو کوشش کی کہ قبائلیوں سے چھیڑ چھاڑ نہ ہو لیکن پھر قیام اقتدار کے لئے اسے وقتاً فوقتاً لشکر کشی کرنا پڑی میدانی علاقہ میں تو اس نے جنگ و جدل کی بجائے طاقت کی نمائش کے ساتھ باشندگان وطن کو خود ان کے اپنے سرداروں کے ذریعہ مطیع رکھنے کا بندوبست کیا۔ انہی خوانین یا سربرآوردگان قوم کے ذریعہ اپنی گرفت مضبوط کی ان سرداران قوم کو انعام و اکرام سے خوش

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کیا جاتا رہا انہیں جاگیریں ملیں اعزاز نصیب ہوئے۔ حکومت کی نظر میں محبوب بنے اور اس کے صلہ میں حکومت کے محصولات و واجبات وصول کرتے اور قیام اقتدار میں ممد و معاون ثابت ہوتے رہے۔

یوسف زئیوں کے میدانی علاقہ پر اقتدار قائم کر لینے کے بعد انگریز کو سرحدات کی طرف دیکھنا ناگزیر تھا چنانچہ اس نے قبائلی علاقہ کا رخ کیا کہیں جنگ و جدل سے کہیں سیم و زر کی چھنکار سے حصول مقصد کی کوشش ہوئی اور اگرچہ قبائلی علاقہ پر وہ اپنا اقتدار قائم نہ کر سکا پھر بھی سیاسی دسترس اسے حاصل ہو گئی اس کا سیاسی اثر و رسوخ اپنا کام کرنے لگا اور اس کے استعمال کے لئے ان علاقوں کو سیاسی حیثیت سے ڈپٹی کمشنر پشاور کی ماتحتی میں دے دیا گیا اور جب اقتدار اور بڑھا اثر و رسوخ کو تقویت ملی اور اس نے اندرونی معاملات میں بھی مداخلت شروع کر دی تو قبائل سے معاندے ہونے لگے اور جب کسی قبیلہ کو سر اٹھاتے دیکھا تو اسے کچل کر رکھ دینے کی کوشش ہوئی مثلاً ۱۸۹۵ء میں جب حاجی عمرا خان جنبدولی کی طاقت و قوت منظر عام پر آنے لگی اور اس نے پشاور سے چترال تک اپنی وسیع سلطنت کی بنیاد رکھنا شروع کی تو انگریز اسے برداشت نہ کر سکا اور باوجودیکہ وہ انگریز سے جنگ لڑنا نہ چاہتا تھا اس کی طرف سے بگاڑ نہ پیدا کرنے کی ہر ممکن سعی ہوئی پھر بھی انگریز نے اس کی طاقت کو ختم کرنے کے لئے لشکر کشی کرتے ہوئے پورے ملک کو روند ڈالا (تفصیل متن کتاب میں ملے گی) اس طرح اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے ۱۸۹۵ء میں مالاکنڈ ایجنسی کا قیام عمل میں آیا دیر اور سوات کے علاقے اس کی نگرانی میں دے دیئے گئے اور بعد میں چل کر علاقہ چترال

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو بھی اس ایجنسی میں مدغم کر دیا اور پھر جب ضرورت وقت نے انگریز کو مجبور کیا کہ وہ ضلع پشاور سے تحصیل مردان اور صوابی کو کاٹ کر مردان کے نام سے ایک جدید ضلع مردان کی بنیاد رکھے تو قبائلی علاقہ کی نگرانی بھی دونوں اضلاع کے ڈپٹی کمشنران میں تقسیم ہو گئی۔

قبائلی اپنی عادت کے مطابق خانہ جنگی میں مبتلا رہے انگریز کو مداخلت کا زیادہ سے زیادہ موقع ملتا رہا حتےٰ کہ بعض مواقع پر وہ "ثالث" کی حیثیت میں دکھائی دینے لگا۔ بندر بانٹ ہونے لگی ان کشمکشوں کو ختم کرانے کی کبھی کوشش نہ ہوئی الٹا انہیں ہوا دی جاتی رہی ہر ہر قبیلہ میں دو دو پارٹیاں بنا دی گئیں اور انگریز نے دونوں سے راہ و رسم رکھی تاکہ وہ ایک دوسرے کا حال بتاتی رہیں۔ یہ طریقہ کار قیام پاکستان تک جاری رہا پھر قیام پاکستان کے بعد جب ان قبائل نے اپنی قومی و اسلامی حکومت کو تسلیم کرنے کا غیر مشروط اعلان کر دیا تو حکومت پاکستان نے ان علاقوں کی مقررہ حدود کی تصدیق کرتے ہوئے ان قبائل کی خانہ جنگی کو ختم کرا دیا تاکہ وہ وقت کے ساتھ بام ترقی کی طرف گامزن ہو سکیں۔

یوسف زئیوں کی آبادیاں

گزشتہ اوراق میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ ابتدائی دور میں عمر اور یوسف کی اولاد کچھ اس طرح یکجہتی سے زندگی بسر کر رہی تھی کہ ان کے متعلق دوہی کا خیال بھی نہ آسکتا تھا اپنے قبائلی معاملات میں بلاشبہ وہ بالترتیب مندڑ اور یوسف زئے کہلاتے تھے لیکن عام گفتگو اذکار یا معاملات میں سب ہی اجتماعی حیثیت سے یوسف زئے ہی پکارے جاتے رہے اور حقیقت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس وقت بھی یہ دونوں قبیلے اس نام سے موسوم کیے جاتے ہیں کثرت آبادی اور حالات زمانہ نے ان دونوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے لئے جداجدا علاقے مختص کرلیں۔ تو بھی بڑی محبت و پیار سے انہوں نے علاقے تقسیم کرلئے۔ قبیلہ یوسف زئے نے علاقہ سوات۔ بونیر۔ دیر۔ باجوڑ وغیرہ پر قبضہ جمایا تو مردان کا میدانی علاقہ قبیلہ مندڑ کے حصہ میں آیا اور اس وقت بھی وہ مذکورہ ترتیب سے ہی آباد دکھائی دیتے ہیں اور اگرچہ مردان کا میدانی علاقہ قبیلہ مندڑ کے قبضہ میں ہے تاہم وہ اپنے سابقہ نام یوسف زئے سے ہی موسوم کیا جاتا ہے مذکورہ علاقوں کے علاوہ یہ قبیلے اردگرد پہاڑیوں میں ضلع ہزارہ تک کے علاقہ میں بھی آباد نظر آتے ہیں اور ان کی آبادیاں کچھ ذیل کی ترتیب سے دکھائی دیتی ہیں۔

قبیلہ یوسف زئے کی کثرت آبادی ریاست سوات بونیر دیر اور اس کے ملحقہ پہاڑی علاقوں میں دکھائی دیتی ہے اور مختصراً اس قدر لکھدینا کافی ہوگا کہ ملی زئے اور الیاس زئے علاقہ بونیر میں مقیم ہیں تو دریائے سوات اور نیکوڑہ کے سنگم سے بحرین تک کے علاقہ میں کثرت آبادی اکوزئے قبیلہ کی ہے یا قدرے وضاحت سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ پائیں سوات میں دریائے سوات کے بائیں کنارے پر رانی زئے اور خان خیل آباد ہیں اور بالائے سوات میں سامی زئے اور بابوزئیوں کی آبادیاں ہیں دریا کے دائیں کنارے بالائی سوات میں شامی زئے سوجنی۔ نکبی خیل اور شموزئے اور پائیں سوات میں ادین زئے ابازئے اور خدک زئے آباد ہیں دائیں کنارے پر آباد قبائل سوائے ابازئے اور خدک زئیوں کے مشترکہ حیثیت میں خوازئے اور بائیں کنارے پر سوائے رانی زئیوں کے سب بائے زئے پکارے جاتے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

الیاس زئے (یوسف زئے) یوسف کے تیسرے بیٹے موسیٰ کا الیاس نامی ایک ہی لڑکا بیان کیا جاتا ہے جس کی اولاد گدازئی نسوزئے۔ سالارزئے اور آشونزئے کے ناموں سے موسوم اور اجتماعی حیثیت سے الیاس زئے پکاری جاتی ہے۔ دوسری جنگ افغانستان ۱۸۷۹-۸۰ء کے دوران میں اس قبیلہ نے نمایاں حرکت کرتے ہوئے ترسک سے براستہ ملندری اپنا لشکر بھی روانہ کر دیا تھا اس قبیلہ کے ہاں دیش دس سال بعد ہوا کرتی تھی ان کی مشہور آبادیاں کچھ یوں معلوم ہوتی تھیں۔ ابراہیم خیل۔ لغرلپور۔ بابو خان۔ اوکدر۔ لشونئے۔ نربت وال۔ بلورا حسن خیل۔ بٹائے۔ کالا کلا۔ پاچا۔ برجو خانئے۔ علی شیر خیل۔ بٹائے بھائی خان پاچا۔ سین خیل۔ سلطان دلیس۔ غازی خانہ۔ ترئے (دیکھو شجرہ موسیٰ زئے

ان کے علاقہ کی دوسری آبادیاں مثلاً ایلم۔ ملا باندا بھولان توت تانتا۔ وغیرہ میں گجروں کی کثرت آبادی ہے۔

عیسےٰ زئے (یوسف زئے) یہ قبیلہ اکوزئے۔ حسن زئے[1] اور مداخیل کے تین ذیلی قبیلوں میں تقسیم ہے اور ان کی آبادیاں کوہ سیاہ (ہزارہ) سے کوہ مہابن تک دکھائی دیتی ہیں۔ اکوزئے اور حسن زئے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے اور مداخیل مغربی کنارے پر پڑے ہیں عیسےٰ زئے کے اجتماعی نام کا استعمال اب متروک ہو چکا ہے۔ یوسف زئیوں میں مذکورہ حسن زئے قبیلہ ہی ایک ایسا قبیلہ ہے جو اپنے سردار۔ خان یا ملک کو "صاحب دستار" پکارتا ہے اور اس کی ذیلی شاخیں "مشرڈلہ"

---

[1] پنجاب کے مشہور نواب ممدوٹ کا خاندان اسی قبیلہ حسن زئے سے متعلق بیان کیا جاتا ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور کشہ ڈلہ (بڑی اور چھوٹی جماعتیں) پکاری جاتی ہیں ۔ دیکھو شجرہ عیسے زئے ۔ قبیلہ بائے زئے (یوسف زئے) سوات کے علاوہ اس قبیلہ کی مختصر سی آبادیاں میدانی علاقہ کے پنہ بازئے میں بھی ہیں۔ جہاں اب بہ کثرت خٹک آباد ہو چکے ہیں جن کے ساتھ ہی وہ لتعداد میں اتمان خیل اور مہمند بھی نظر آتے ہیں۔ (دیکھو شجرہ ہا)

قبیلہ رانی زئے (یوسف زئے) سوات کے علاوہ ضلع مردان کی سرحد سے مالاکنڈ کی پہاڑیوں تک یہ قبیلہ آباد دکھائی دیتا ہے اور اسی کے نام کی نسبت سے وہ علاقہ رانی زئے کہلاتا ہے۔ دیکھو شجرہ ہا

قبیلہ اتمان زئے (منڈڑ) یہ قبیلہ ضلع مردان کے شمال مشرقی کونہ میں دریائے سندھ کے قریب آباد ہے۔ اس کی مشہور آبادیاں ٹوپی۔ کوٹہ۔ مینی کے مواضعات ہیں اور اس وقت انہی کو اتمان زئے پکارا جاتا ہے۔ اردگرد کے علاقہ میں بھی اس قبیلہ کی آبادیاں ہیں علاوہ ازیں مردان کے قرب کی پہاڑیوں سے نکل کر دور دراز علاقوں تک آباد ہیں اور حالت یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ دوری منزل یا حالات زمانہ کی وجہ سے رفتہ رفتہ ان کا باہمی تعلق کم ہوتے ہوتے اس حد تک پہنچ گیا کہ شاید اب ایک دوسرے سے کوئی تعلق ہی باقی دکھائی نہیں دیتا۔ علاقہ یوسف زئے میں خوانین موضع ٹوپی کا تعلق اسی قبیلہ اتمان زئے سے ہے انگریز کی آمد پر اس خاندان کی قیادت خان فضل خان المتوفی ۱۸۶۴ء کر رہے تھے۔ خان موصوف کی وفات پر ان کے لڑکے غزن خان برسر اقتدار آئے۔ ان کے بعد خان محمد عمر خان موجودہ رئیس نے قیادت سنبھالی۔ انگریز نے اس خاندان کو بھی جاگیر عطا کی تھی۔[1]

[1] کراچی کے قریب جمیر کے مقام پر پاکستان کے مشہور ترین ہوائی حادثہ میں وفات پانے والے بریگیڈیر محمد شیر خان سابق جھنڈا انہی قبیلہ اتمان زئے سے تعلق رکھتے تھے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گڑھی کپورہ کے خوانین اسی قبیلہ کی ذیلی شاخ دولت زئے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس قبیلہ کے خان نامدار خان کو سکھوں نے قبیلہ امان زئے کا سردار تسلیم کرلیا تھا اور جب انگریز نے اس سرزمین پر قدم رکھا تو میر افضل خان رئیس قبیلہ تھا۔ میر افضل خان کے بعد ان کے لڑکے دوست محمد خان کو قیادت ملی اس خاندان کو بھی انگریز نے جاگیر عطا کی تھی خوانین سدھم بھی قبیلہ دولت زئے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس قبیلہ نے انگریز کو بہت پریشان کئے رکھا تھا

اسمٰعیل زئی (منڈڑ) امازئے کے ذیلی قبیلہ اسمٰعیل زئے کا ایک حصہ درہ سرولکئے کے مقابل قبائلی علاقہ میں آباد ہے اور میدانی علاقہ میں ان کی آبادیاں مردان اور رزڑ کے درمیان واقع ہیں اور کچھ یوں دکھائی دیتی ہیں کپور ڈھیرئے۔ گڑھی اسمٰعیل زئے۔ کوٹ اسمٰعیل زئے گجرات۔ سرخ ڈھیر۔ کنڈر۔ گنبت۔ چارگلی۔ بخشالئے۔ جلالہ۔ تاجے۔ رستم۔ بازار پلو۔ سرخوئے۔ مچئے۔ وغیرہ۔ دولت زئے اور اسمٰعیل زئے ایک دوسرے کیساتھ قریب قریب آباد ہیں۔ امان زئے قبیلہ میں ذیل کے قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں۔ شیر بہادر خان۔ خواص خان۔ سرفراز خان۔ شیر محمد خان۔ خوشحال خان۔ کریم اللہ خان۔ ظریف خان۔ علاوہ ازیں الہ داد خان اور ایوب خان اس علاقہ سے اولین بار مجلس قانون ساز سرحد کے رکن منتخب ہوئے تھے۔

اس وقت شیر بہادر خان (بھروچ) ڈاکٹر علی گوہر خان۔ شاہ پسند خان (خیر آباد) قادر خان (پلو) اور بہادر خان (شاہ باز گڑھ) قابل ذکر ہیں۔

قبیلہ اتمان زئے کی نمایاں آبادیاں ضلع ہزارہ میں بھی ہیں اور تحصیل ہری پور میں وہ قابل ذکر حیثیت کے مالک طاہر خیلی۔ سید خانی اور خوشحال خانی پکاری

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جاتے ہیں اور اس وقت بھی علاقہ ٹوپی سے ان کے قریبی تعلقات ہیں
(دیکھو شجرہ اتمان زئے)۔

اتمان زئے کے قبیلہ سدوزئے کے ذیلی قبائل مواضعات کلابٹ، مرغز، ٹھنڈی کوئی۔ زیدہ۔ شاہ منصور۔ مانیری۔ اور صوابی میں آباد ہیں، ان کی مشہور ذیلی شاخ۔ **خدوخیل** زیادہ تر مواضعات باجا اور بام خیل میں مقیم نظر آتی ہیں۔ اور قبائلی علاقہ میں ان کی بستیاں کوہ بہابن کے جنوب مغرب کی طرف بونیر کے جنوب اور شمال میں صوابی کی سرحد پر پھیلی دکھائی دیتی ہیں ان میں طوطالی ڈاگئے وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مندڑ کے مشہور قائد گجو خان جس نے ملک احمد خان کے بعد اپنی قوم کو منظم کرتے ہوئے ان میں املاک کو تقسیم کیا تھا اسی قبیلہ اتمان زئے کی ایک ذیلی شاخ بیزادخیل سے تعلق رکھتا تھا۔

خوانین زیدہ کا تعلق سدوزئے کے ایک ذیلی قبیلہ اباخیل سے ہے انگریز کی آمد سے قبل اور اس کے بعد دونوں ادوار میں اس خاندان کو اہمیت حاصل رہی۔ ان کے ساتھ ہی خوانین ہنڈ بھی سدوزئے کے ذیلی قبیلہ اباخیل سے تعلق رکھتے ہیں عزت و وقعت سے دیکھے جاتے رہے صوبہ سرحد میں بہ عہد انگریزی جب پہلی بار مجلس قانون ساز (لیجسلیٹو کونسل) کا قیام ہوا تو زیدہ کے خان بہادر عبدالغفور خان اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے تھے۔ ان قبائل کی آبادیاں کچھ ذیل کے طریقہ پر دکھائی دیتی ہیں:۔

اباخیل۔ مواضعات شاہ منصور۔ کنڈہ۔ ہنڈ۔ لاہور۔ امبار وغیرہ
عمرخیل۔ مواضعات کالادرہ۔ صوابی۔ مانیری وغیرہ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

محمد قیاش خان - نواں کلی (کمبل اٹھائے ہوئے)

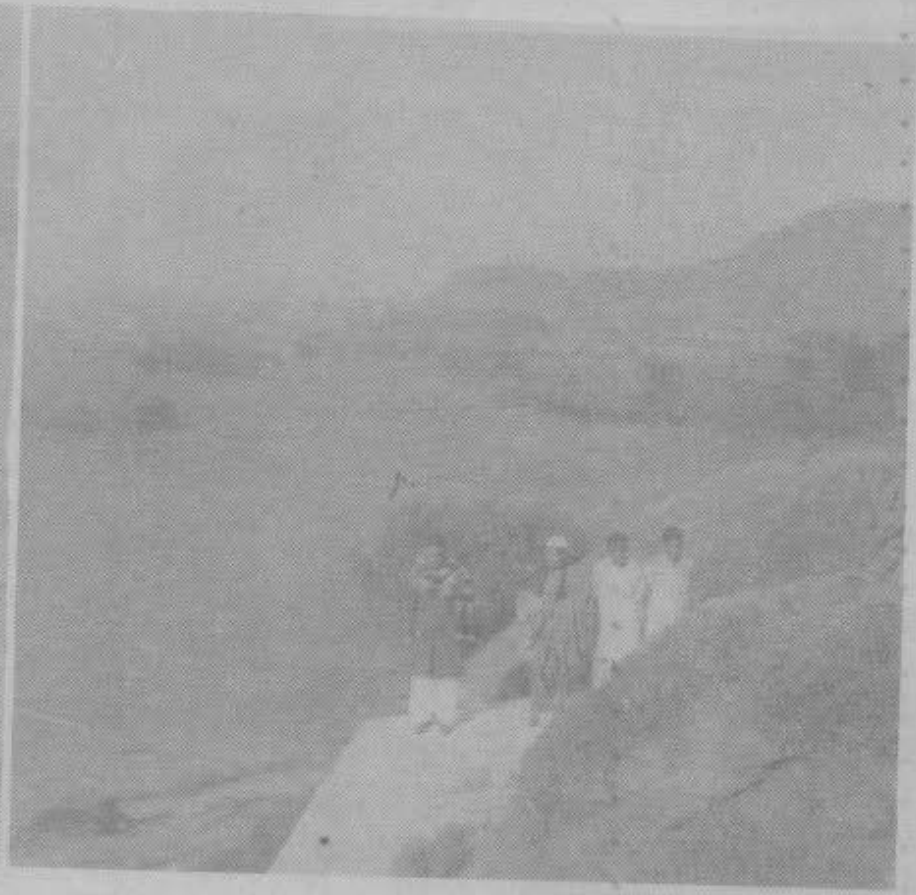

عہد اشوک (بدھ دور) کے دو اہم کتبے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

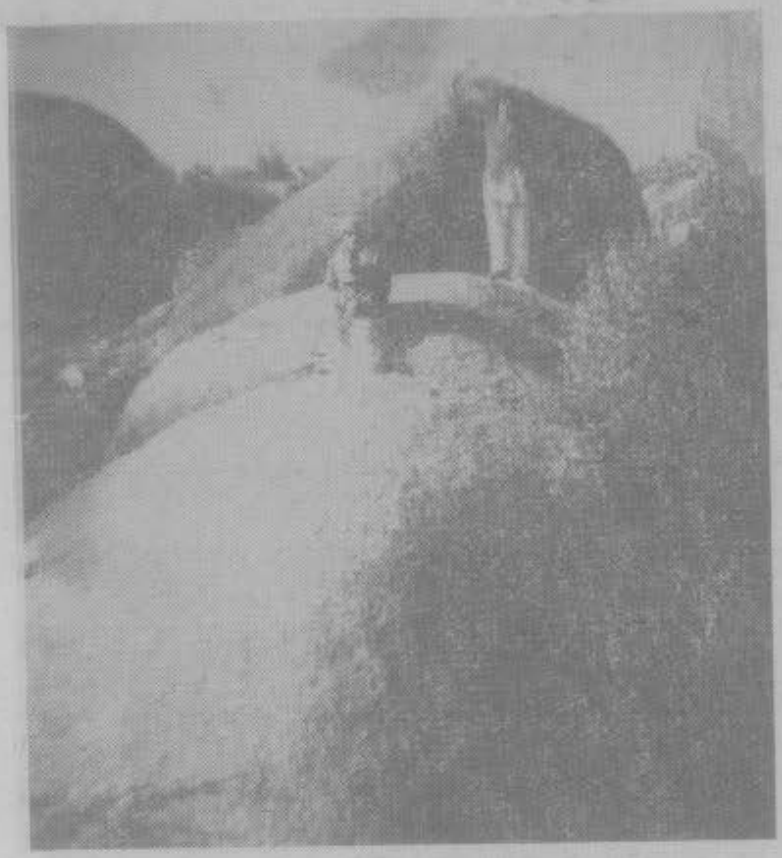

نو گرام قدیم کا ایک منظر

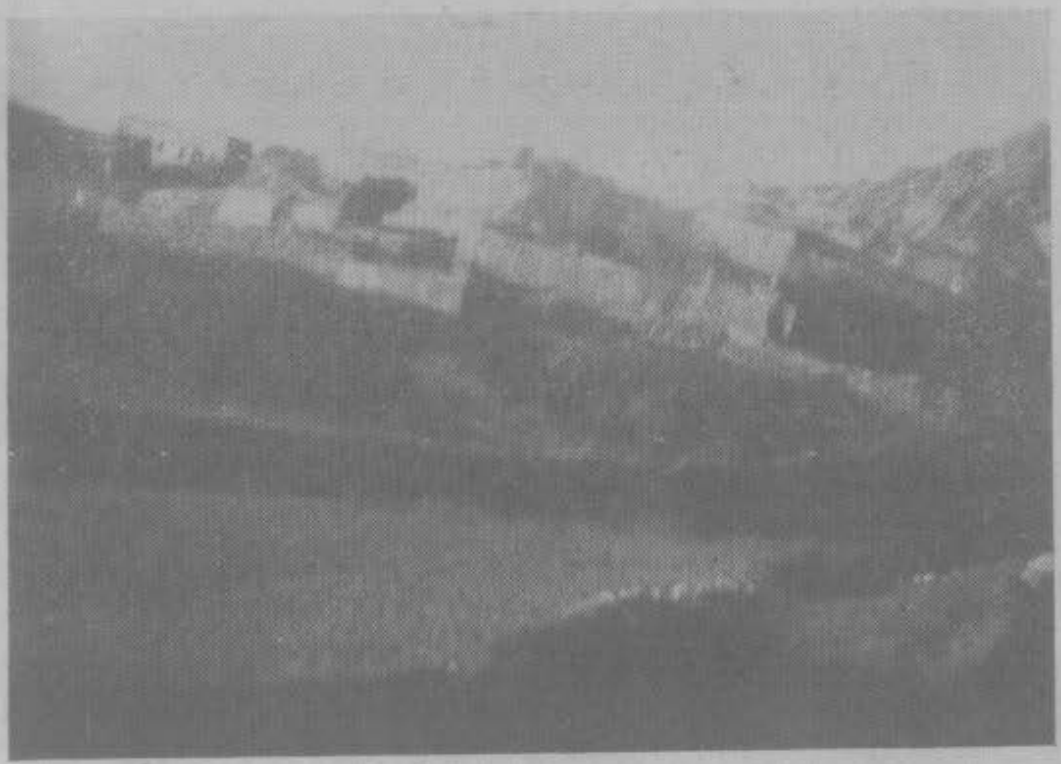

نو گرام جدید کا ایک منظر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بیزاد خیل۔ مواضعات کلابٹ۔ سلیم خان وغیرہ۔
میر احمد خیل۔ مواضعات کنکوے۔ مرغز۔ سلیم خان وغیرہ۔

بہاکو خان

یوسف زیوں کے مشہور قائد بہاکو خان قبیلہ اتمان زئے کی ذیلی شاخ خدو خیل سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کا ذکر باب خدو خیل میں کیا گیا ہے۔ بہاکو خان کے عہد شباب میں علاقہ ڈوما میں تاتاری النسل کوئی قوم آباد تھی۔ مقامی باشندے اسے چینی حکمران ظاہر کرتے ہیں۔ اس قوم کی منظم حکومت تھی اور ان کی طاقت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب یوسف زئے مردان سوات اور اردگرد کے علاقوں پر قبضہ کر رہے تھے وہ اس طرف توجہ نہ دے سکے۔ بہاکو خان کو قدرت نے موقع دیدیا اخوند سالک کے اشتراک سے اس نے اس حکومت کے خلاف لشکر کشی کی۔ تو بالآخران تاتاری النسل قبائل نے اس علاقہ کو خالی کرالیا۔

مذکورہ اخلاکے بعد اس علاقہ ڈوما کو یوسف زیوں نے اپنے جرگہ کے فیصلہ کے مطابق اس طرح تقسیم کرلیا کہ جنوب مشرق کا علاقہ خدو خیل کو ملا تو اس قبیلہ کے مغرب میں ڈوما کا مشرقی علاقہ قبیلہ حسن زئے کے حصہ میں آیا۔ جن کی سرحدیں تناول (ضلع ہزارہ) سے جاملتی ہیں۔ پھر شمالی حصہ میں۔ مکی خیل اور نصرت خیل اور جنوب اور مغربی حصہ میں سندڑ خیل آباد کئے گئے تھے۔ یہ لوگ اس سے قبل علاقہ بونیر کے دوسرے حصوں میں مقیم دکھائی دیتے ہیں۔ مہابن کے شمال کی طرف کا علاقہ امان زئے (مندڑ) کو ملا جو چلہ سے انتقل مکانی کرتے ہوئے اس طرف کوچ کرآئے تھے۔ قبیلہ حسن زئے میں اس مذکورہ علاقہ کے اندر اس وقت سالار خان ولد ہاشم علی خان قائد کی حیثیت رکھتے ہیں اس کے بعد بہاکو خان نے عہد شاہجہاں میں دربار دہلی کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بدیں وجہ خوشحال خان سے جو اس وقت دربار مغلیہ سے منسلک تھا کشمکش پیدا ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہاکو خان نے شاہجہاں کے لڑکے داراشکوہ سے تعلقات پیدا کئے اور انہی تعلقات کی بنا پر اسے دربار میں عزت و وقعت سے دیکھا جانے لگا اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ بہاکو خان کا لڑکا بھی بارِ شاہی میں دکھائی دیا

خوشحال خان سمجھ گیا کہ اگر بہاکو خان کو دربار میں اقتدار حاصل ہو گیا تو ہو سکتا تھا کہ یوسف زیوں کے جس علاقہ پر وہ اپنا اقتدار قائم کر رہا تھا اس میں کمی آجائے۔ چنانچہ شاہجہاں جب ۱۶۴۹ء میں عازم کابل ہوا تو راستہ میں خوشحال خان نے اسے اپنی وفاداری کا ذکر کرتے ہوئے یوسف زیوں کی سرکشی کا حال بتاتے ہوئے بالائی علاقہ میں کچے۔ حمید۔ کاچو اور میدانی علاقہ میں حبیب۔ بہاکو اور ظریف نامی یوسف زئی سرداروں کا ذکر کیا اسی دوران میں مذکورہ حبیب خان نے شورش پیدا کی تو خوشحال خان نے کابل پہنچکر بادشاہ کو نہ صرف اس طرف متوجہ کیا بلکہ اپنے رفقاء کی امداد سے شاہ کو اس پر بھی آمادہ کر لیا کہ وہ اسے یوسف زیوں کے ایک علاقہ پر اقتدار بخش دے لیکن یہ صورت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور شہزادہ داراشکوہ نے بہاکو خان کی حمایت یا طرفداری کرتے ہوئے بولاق اور تری کا علاقہ یا جاگیریں خوشحال خان سے واپس لے لیں۔

تخت نشینی کی جنگ میں خوشحال خان اورنگ زیب کی اور بہاکو خان داراشکوہ کی طرفداری کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر اس نے دریائے اٹک پر کشتیوں کو قبضہ کرتے ہوئے داراشکوہ کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ لیکن خوشحال خان کے پیا فیروز خان نے مقابلہ کیا جنگ ہوئی بہاکو خان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خود زخمی ہوا اور اس کا بھائی سید اخان مارا گیا۔ اورنگ زیب کو کامیابی ہوئی تو وہ سریر آرائے سلطنت ہو گیا۔ ظاہر ہے اب خوشحال خان کو اور زیادہ وقعت حاصل ہوئی۔ بہاکو خان اور اس کے رفقاء مشکوک نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔ اور اسی کشمکش کی وجہ تھی جو بعد میں خوشحال خان نے "مازئی اور کمال زئی قبائل سے جنگ کی جن میں ملک جانم امازئے مارا گیا "اور پیر کمال گرفتار ہوا۔ اسی طرح پھر اورنگ زیب کے ابتدائی دور حکومت ۲۷ اگست ۱۶۶۱ء سے ۱۵ اگست ۱۶۶۲ء تک میں خوشحال خان اور بہاکو خان میں مسلسل کشمکش جاری رہی اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ بہاکو خان کے خاندان سے دربار مغلیہ کے تعلقات استوار ہو گئے تو اس کا لڑکا دوبارہ دربار شاہی سے ملحق دکھائی دینے لگا اور پھر پشت در پشت اس خاندان کو جاگیریں اور انعامات ملتے رہے (دیکھو قبیلہ خدوخیل)

قبیلہ رزڑ یہ قبیلہ گو تعداد کے لحاظ سے کم تھا تاہم تاریخی اور قابل ذکر اشخاص کی وجہ سے اسے نمایاں حیثیت حاصل رہی یہ اپنے نام کی نسبت سے علاقہ رزڑ (تحصیل صوابی) میں آباد ہے۔ رزڑ کے چار بیٹے مانی۔ ملک۔ اکو اور خوازی بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ سب ایک ہی علاقہ میں مقیم ہیں ان کے ساتھ ہی رزڑ کے بھائی خضر اور محمود کی اولاد بھی آباد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی ایام میں خضر اور محمود کی اولاد اپنی کمی تعداد یا کسی دوسری وجہ سے لکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اکثر شجرہ نویسوں نے ان دونوں کو رزڑ کی اولاد ظاہر کرتے ہوئے لکھدیا کہ وہ رزڑ کی اولاد سے گھل مل چکی تھی۔ لیکن جب ہم نے اس سلسلہ میں تلاش و تجسس کیا تو پتہ چلا کہ اولین قومی بندوبست

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں خضر کی اولاد سے شمرد۔ یوسف۔ عمر اور گدا اور محمود کی اولاد سے اکا بویا اور خانی کے نام املاک درج کی گئی تھی اور ان دونوں کی اولاد اس وقت بھی اپنی املاک پر قابض دکھائی دیتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی باعث دلچسپی ہے کہ ایک عرصہ تک رزڑ کے بیٹے خوازئے کا نام ہی دکھائی نہ دیا۔ اور خود علاقہ کے اکثر باشندے اس سے ناواقف نظر آنے لگے۔ لیکن اس علاقہ کے ایک قدیم جرگہ کی کارروائی کو جو اس وقت تک محفوظ ہے دیکھا جائے تو اس میں یوں مرقوم ہے کہ (اس تپہ کو بڑے بھائی رزڑ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے)۔

درمیان ہم مالکان پتہ کے ذیل تپہ جات مندرجہ ماتحت بر مانی زئے۔ ملک زئے۔ اکو خیل۔ خضر زئے۔ محمود زئے قطعہ ونڈ تقسیم بوجہ رسمی ہو رہی ہے۔ وجہ رسمی ہونے کی یہ ہے کہ رزڑ خضر محمود ہر سہ برادران یعنی موروثیان تھے۔ پتہ کو سلسلہ وراثت کے رد سے بوجہ برابر مستحق تھے لیکن رزڑ کی وفات تک عمل بالاجمال رہا تھا۔ بعد فوتیدگی رزڑ کے خضر و محمود نے ہمراہ مسمیان مانی۔ ملک و اکو لسپران رزڑ کے حسب رضامندی پانچ جگہ پر حصہ مساوی تقسیم کرلی۔ خوازی ولد رزڑ تقسیم میں حصہ نہیں ملا تھا۔ اکو نے اپنی خوشی سے اس کو اپنے حصہ میں شریک کر لیا تھا۔ (اب بھی موضع اسمیلہ میں خوزہ خیل کندی موجود ہے)۔

علاقہ رزڑ میں خوانین اسمیلہ قبیلہ اکو خیل سے تعلق رکھتے ہیں اس خاندان کا مشہور رئیس ابراہیم خان سکھوں کے جرنیل ہری سنگھ کا مقابلہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرتے ہوئے بونیر کے راستہ میں خڑپہ کے مقام پر مع اپنے ستر ساتھیوں کے مارا گیا تھا لیکن اس کے جانشین اسمٰعیل خان کی چونکہ خوانین طور دے سے مخالفت تھی اس وجہ سے تحفظ خاندان کے لئے اس نے سکھوں کی حمایت کرتے ہوئے خالصہ دربار سے رزڑ کی خانی کا پروانہ حاصل کر لیا تھا اسمٰعیل خان کے بعد خادی خان نے قیادت سنبھالی۔ انگریزوں نے اس خاندان کو جاگیر عطا کی تھی۔

خوانین شیوہ قبیلہ رزڑ کی ذیلی شاخ خضر زئے سے تعلق رکھتے ہیں رنجیت سنگھ نے جب ۱۸۲۳ء میں اس علاقہ کی طرف اقدام کیا تو سکندر خان نے سکھوں کا مقابلہ کرتے ہوئے موضع ترلاندی کے قریب لڑتے ہوئے میدان جنگ میں جان دے دی۔ اس کی وفات پر اس کے لڑکے امیر خان نے انگریز کی حمایت کی۔ پاکستان کے وزیر مواصلات خان فتح محمد خان اس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں قبیلہ رجڑ کی آبادیاں کچھ ذیل کے مقامات پر دکھائی دیتی ہیں۔

انی زئے: ترلاندی۔ ترکئے۔ ڈاگئے۔ اوینہ۔ پرنالی وغیرہ۔

ملک زئے: یار حسین۔ شیر درہ۔ یعقوبئے۔ وغیرہ

اکوا خیل: دھوبیان اسمٰعیلہ۔ سڑاچینہ۔ وغیرہ

خضر زئے: کالو خان۔ شیوہ۔ شیر اخوند وغیرہ۔

محمود زئے: نواں کلی۔ شیخ جانا۔ اسوڑ نارنجی وغیرہ۔ (دیکھو شجرہ محمود زئے)

اسی قبیلہ رزڑ کے مشہور خود دار رحیم خان (محمود زئے) بابا علی خیل نے حکومت انگلشیہ کی سختی سے مخالفت کی تھی اور آخر میں مقبوضہ علاقہ کو چھوڑ کر وہ نوگرام میں جا مقیم ہوا تھا۔ یہ نوگرام وہی مقام ہے جس کا سکندر اعظم کے مورخین نے نورہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ انگریز نے بہت کوشش کی کہ رحیم خان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اطاعت قبول کرے لیکن جب وہ رضامند نہ ہو سکا تو انگریزوں نے اپنی طاقت کے زور سے موضع نواں کلی (تحصیل صوابی) کی تمام آبادی کو مع مال مویشی کے گاؤں سے چند میل کے فاصلہ پر غنڈی کے مقام شدت گرمی میں ایک ہفتہ تک دن رات مقیم رکھا اور یہ شرط لگادی کہ جب تک رحیم خان اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالہ نہ کردے گا ان لوگوں کو وہیں مقیم رہنا ہوگا۔ چنانچہ باشندوں کی طرف سے ایک جرگہ نے رحیم خان سے درخواست کی کہ وہ واپس لوٹ آئے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔

انگریزوں نے اپنی آمد کے بعد یوسف زیوں کے میدانی علاقوں میں جنگ وجدل کی بجائے تدبر۔ عیاری اور سیم وزر کی جھنکار سے قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں اسے بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی لیکن سرحد کے قریب مقیم دو قبیلے خدوخیل اور محمود زئے انگریز کی چال بازیوں کا شکار نہ ہو سکے۔ وہ مخالفت کرتے رہے اور ان کے خلاف لشکر کشی بھی ہوتی رہی۔ چنانچہ رحیم خان کے ہاتھ سے نکل جانے پر انگریز نے اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت خدوخیل علاقہ میں مقرب خان بھی سرگرم عمل تھا۔ انگریزوں نے کوشش کی کہ ایک ہی جست میں ان دونوں مخالفین کا خاتمہ کردے۔ لیکن اقدام کے بعد یہ کام کچھ آسان دکھائی نہ دیا اور مذکورہ قبائلیوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل خواڑ۔ ترسے اور نبنرہ مضافات اسوٹہ اور شیخ جاناں میں اس شدت سے مقابلہ کیا کہ انگریز کے اوسان خطا ہوگئے اس جگہ سے یہ قبائلی انگریزوں کا بہت سا مال و اسباب اور گھوڑے بھی لے گئے اس کے بعد شیخ جاناں میں شدید جنگ ہوئی قبائلی لشکر مقرب خان کی امداد کے بھروسہ پر تھا اور رحیم خان کو بھی یقین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھا کہ اس طرف سے کمک پہنچ جائے گی۔ لیکن مقرب خان کچھ ایسی مشکلات میں پھنس گیا کہ مزید کمک روانہ نہ کر سکا اس کے دو بھائی مدد خان اور غفور خان لشکر لئے انگریزوں کے مقابلہ پر ڈٹے رہے اور اس مقابلہ میں مدد خان شہید ہوا۔ غفور خان نے ہمت کی تو اپنے بھائی کی لاش کو سمیت ان گھوڑوں کے جو انگریزوں سے وہ چھین چکے تھے پنجتار پہنچا دیا اس جنگ میں کئی قبائلی انگریزوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے جن میں اکثر کو وہیں درخت سے لٹکا کر پھانسی دے دی گئی ان میں صرف دو آدمیوں کے نام مل سکے ہیں شادل دلد پردل اور ظریف دلد آمر خان۔

رحیم خان اپنی جگہ داد شجاعت دیتا رہا اس کا دست راست خاندانی بھائی نواب خان ایک توپ کے گولے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس شہید کے جسم کے ٹکڑوں کو جس قدر بھی مل سکے یک جا کرتے ہوئے ایک کمبل میں لپیٹ کر رحیم خان کے ساتھیوں نے نواں کلی (تحصیل صوابی) پہنچا دیا۔ جہاں انہیں سپرد خاک کیا گیا تھا۔ انگریز کا زور جب اور بڑھنے لگا تو حالات کو سازگار نہ دیکھتے ہوئے محمود زئے اور خدوخیلوں نے شکست تو تسلیم نہ کی لیکن مصلحتاً پیچھے پہاڑیوں کی طرف ہٹ کر مقابلہ کرنے لگے۔ ان حالات میں انگریز نے اپنی عیاری سے سلیم خان کی طرف سے طوطالی کی طرف چڑھائی کر دی۔ رحیم خان اس دوران میں دل برداشتہ ہو کر نوگرام پہنچ چکا تھا۔ انگریز نے تعاقب کرتے ہوئے غفور خان مقرب خان اور رحیم خان کو گرفتار کرنے کے لئے پوری طاقت صرف کر دی۔

انگریز کے اس اقدام اور بمباری سے جب پنجتار تک آگ برستی دکھائی دی تو مقرب خان اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کو ہمراہ لئے اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جگہ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا لیکن رحیم خان انگریز کے محاصرہ میں پھنس کر مع اپنے اہل وعیال کے گرفتار ہوگیا۔ اس موقع پر میاں صاحب نوگرام کے بلند اخلاق کا تذکرہ ضروری ہے اور وہ یوں کہ جس وقت رحیم خان کے گھر کی مستورات گرفتار ہوگئیں تو میاں صاحب موصوف نے انگریز کو یقین دلا دیا کہ وہ حقیقتاً میاں صاحب کی لڑکیاں اور اہل خاندان تھیں۔ جس پر انگریز نے انہیں رہا کر دیا اور خود رحیم خان کے سلسلہ میں بھی اس نے انگریز کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ یہ ارادہ جنگ نوگرام نہ آیا تھا بلکہ وہاں پناہ گزین تھا۔

رحیم خان کے گرفتار اور مقرب خان کے پنجتار سے نکل جانے کے بعد نارنجی میں مقیم قبائلی لشکر کمزور نظر آنے لگا کچھ بددلی بھی پھیلنے لگی مزید کمک پہنچنے کی امید بھی باقی دکھائی نہ دی انگریز بھی ان حالات سے بے خبر نہ تھا اس نے نامہ و پیام شروع کر دیا۔ سلسلہ گفتگو جاری ہوا۔ وفود دیا جرگے آنے جانے لگے اور بالآخر قبائلی اس پر آمادہ کر لئے گئے کہ اگر انگریز نارنجی کے علاقہ سے لشکر واپس لوٹا لے جائے تو وہ لوگ واپس ہو کر اپنے علاقہ میں آباد ہو جائیں گے۔ کسی قسم فتنہ و فساد نہ کریں گے اور مناسب محصولات بھی ادا کرتے رہیں گے۔ چنانچہ انگریز لشکر واپس ہو گیا تو اس جنگ کا خاتمہ ہوا جس پر ایک انگریز افسر نے فخر سے کہا کہ انہوں نے نارنجی کے ذاب کو شکست دے کر نارنجی کے شہر پر قبضہ کر لیا تھا[1]۔ مذکورہ قبائل کے خلاف

---

[1] انگریز نے اقدام کے سلسلہ میں یا قبائلیوں کے ہاتھوں شکست کے مواقع پر ہمیشہ معمولی مقامات وغیرہ کو بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے سو یم جنگ افغانستان کے دوران میں مہمندوں کی ایک معمولی سی بستی پر جسمیں بمشکل چھ سات مکان ہوں گے ہوائی جہازوں سے بمباری کے بعد مصر میں مقیم بعض ہندوستانی فوجیوں کو خوشخبری سنائی گئی تھی کہ انگریزوں نے مہمندوں کا ایک مشہور شہر حافظ کور فتح کر لیا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

غالباً انگریزوں کی یہ آخری منظم جنگ تھی۔

گرفتار کرنے کے بعد انگریز رحیم خان کو اس غنڈی (نواں کلی) کے مقام پر لایا جہاں اس کے قبیلہ کو مقیم رکھا گیا تھا یہاں پہنچکر خوانین اسمٰعیلہ اور ڈھیری کے میاں گان کے توسط سے انگریز نے کوشش کی کہ رحیم خان اطاعت قبول کرے لیکن وہ آمادہ نہ کیا جا سکا۔ گو مذکورہ خوانین میاں گان اس وقت اس کے ہم خیال نہ تھے تاہم چاہتے تھے کہ رحیم خان جیسا بہادر قائد کسی نہ کسی طرح زندہ بچ جائے۔ چنانچہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب انگریز نے پورے جرگے یا اجتماع کے سامنے رحیم خان سے اطاعت قبول کرنے کو کہا تو اس نے اپنی زبان کو حرکت نہ دی۔ وہ خاموش رہا لیکن اسی خاموشی کے دوران میں مذکورہ خوانین و میاں گان چلا اٹھے کہ اطاعت قبول ہے جس پر انگریز نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے رحیم خان کی طرف منسوب کر دیا۔

رحیم خان ایک باوقار و بہادر قائد تھا۔ انگریز چاہتا تھا کہ وہ اس کی حمایت کرتے ہوئے حکومت انگلشیہ کی گرفت مضبوط کرے چنانچہ اسے جاگیر پیش کی گئی۔ لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا اور جب انگریز نے وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا میں باغی تو نہیں ہوں لیکن جاگیر یا انعام لے کر اپنے قبیلہ میں کسی امتیاز کو بھی پسند نہیں کرتا۔ اسی جواب سے رحیم خان کی ہمت اور جرأت اور جذبہ مساوات کا پتہ چلتا ہے

رحیم خان گرفتار ہو کر واپس تو آ گیا لیکن انگریز کی کوشش کے باوجود وہ اس کے ہاتھ میں کھلونا بن کر اس کی گرفت مضبوط کرنے پر آمادہ نہ کیا جا سکا ان حالات میں انگریز نے ایک نئی چال چلی اور اگر اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں وہ کامیاب ہو جاتا تو رحیم خان کا اپنے قبیلہ میں وقعت کھو دینا لازمی امر تھا۔ یہ سازش اس طرح شروع ہوئی کہ انگریز کے ایماء سے قبیلہ ماتینزے نے قریباً ساڑھے تین میل طویل رقبہ اراضی پر دعویٰ کر دیا کہ جو مرلا نڈی سے ڈاگے تک ان کی املاک کے ساتھ ساتھ محسوزیوں کے قبضہ میں تھی یہ اراضی اولین بندوبست میں محسوزیوں کے حصہ میں آئی تھی اور وہ اس پر اپنا حق جتاتے رہے اور اس سرزمین پر موضع یار حسین اور ڈاگے کے درمیان وہ آبادی موجود تھی جو بعد میں وہاں سے ہٹ کر نواں کلی کے موجودہ مقام پر بسائی گئی تھی۔

مقدمہ عدالت تک پہنچا اور عدالت کا اجلاس بھی اس متنازعہ زمین پر شروع ہوا۔ رحیم خان انگریز کی اس چال کو سمجھ گیا اس نے عقل و تدبیر سے کام لیا فریق مخالف کے سربرآوردگان یعنی خوانین ترلاندی کو نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ انہیں اس مقدمہ کے دور رس نتائج بتائے اور مختلف طور طریقوں اور امداد و اعانت کے وعدوں سے اس پر رضامند کر لیا کہ وہ عدالت میں اس کے حق کو تسلیم کر لیں۔ مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی تو بتیس جوڑی (۶۴ افراد) گواہان نے رحیم خان کی مخالفت میں بیان دیئے اور جب یہ کارروائی ختم ہو چکی تو افسر اجلاس نے رحیم خان سے دریافت کیا کہ اب وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ رحیم خان نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ وہ اس وقت بھی اپنے املاک پر کھڑا تھا اور افسر اجلاس سے درخواست کی کہ خوانین ترلاندی سے جو کہ اپنے قبیلہ کے معززین ہیں دریافت کیا جائے۔ وہ جس کے حق میں فیصلہ دیدیں وہ اسے منظور ہوگا۔ بڑی تعداد میں گواہوں کے گزر جانے کے بعد یہی خیال کیا جا رہا ہوگا کہ خوانین ترلاندی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

انہی کی ہمنوائی کریں گے۔ لیکن وہ حقیقت حال سے واقف تھے پھر رحیم خان انہیں پہلے ہی ہموار کر چکا تھا۔ چنانچہ عدالت کے دریافت کرنے پر انہوں نے رحیم خان کی ملکیت کو تسلیم کر لیا جس پر انگریز کا بنا بنایا کھیل خراب ہوا۔

اس مقدمہ یا تنازعہ پر غور کرنے سے رحیم خان اور خوانین ترلاندی دونوں کے عقل و تدبر کا پتہ چلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر فیصلہ رحیم خان کے خلاف ہوتا اور ساٹھ جریب اراضی اس کے ہاتھ سے نکل جاتی تو اس کا قبیلہ لازماً اسے مورد الزام ٹھہراتا اور یہی خیال کرتا کہ چونکہ وہ انگریز کے خلاف رحیم خان کی امداد کر رہے تھے اس وجہ سے انگریز نے انہیں نقصان پہنچایا۔ ادھر ترلاندے کے خوانین کی مشکلات بھی کچھ کم نہ تھیں۔ چونسٹھ گواہ گزر جانے پر ان کا رحیم خان کی حمایت میں اگرچہ وہ حقیقت پر مبنی تھا بیان دینا ان کے خلاف جذبات ابھارنے کا باعث بن سکتا تھا لیکن ان مشکلات کو یوں بہ طریق احسن حل کر لیا گیا کہ رحیم خان نے خود اپنے خاندانی یعنی خانی خیلوں کے املاک سے ساٹھ جریب اراضی خوانین ترلاندے کو بطور پگڑی یا تحفہ دے دی اس طرح خوانین ترلاندے پر اس کے قبیلہ کی طرف سے انگشت نمائی نہ ہو سکی یہ اراضی اس وقت تک خوانین ترلاندے کی اولاد کے قبضہ میں چلی آرہی ہے۔

ادھر رحیم خان پر محمود زئے مقیم شیخ جاناں اور اسوٹہ اعتراض نہ کر سکتے تھے کہ املاک خانی خیلوں کے حصہ سے دی گئی تھی اور جب خانی خیلوں نے دریافت کیا تو اس نے نہایت تدبر و شفقت سے انہیں یہ کہکر مطمئن کر دیا کہ دیکھو شیخ جاناں وغیرہ کی جنگوں میں ہمارے کتنے عزیز شہید ہوئے تم سمجھ لو کہ ساٹھ جریب زمین بھی انہی کے ساتھ شہید ہو چکی ہے رحیم خان کے اس استدلال ہی کی وجہ سے زیر بحث اراضی کی تقسیم شہیدہ ونڈ"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پکاری جاتی ہے۔ رحیم خان کے عقل و تدبر اور اس کے طریقہ کار کو دیکھتے ہوئے نوابان یا خوانین طور دانہیں عام طور "دانشمند روزڑ" پکارتے تھے۔

اس کے بعد رحیم خان بڑی خاموشی سے زندگی بسر کرتا رہا اس نے نواں کلی میں ہی وفات پائی اور وہیں دفن کر دیا گیا اس کی اولاد سے اس وقت خان فردوس خان بلند اخلاق محبت اسلام اور اپنی اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے علاقہ بھر میں ہر دلعزیز اور قابل عزت زمیندار شمار ہوتے ہیں۔ (دیکھو باب خدوخیل)

قبیلہ خضرزئے سے کامدار خان مرحوم صوبہ سرحد کی مجلس آئین ساز کے رکن منتخب ہوئے تھے اور جنگ آزادی میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا تھا ان کے دست راست سید محمد خان (کالو خان) بڑے سرگرم کارکن ہیں علاوہ ازیں الیاس خان بابا (کالو خان) قومی تحریکات آزادی میں بہت نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں۔ خان قیصر خان سشن جج (مردان) اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

یوسف زئے خٹک سرحد

یوسف زئیوں نے قبائلی اور میدانی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد اسے اپنے دو بڑے قبیلوں یعنی یوسف زئے اور منڈڑ میں تقسیم کر لیا تھا پھر ضرورت وقت نے گجو خان کو مجبور کیا کہ وہ ذیلی شاخوں میں املاک تقسیم کر دے چنانچہ شیخ ملی کی اولین بندوبست کے ذریعہ تمام علاقہ جو اس وقت تک ان کے قبضہ میں آچکا تھا مستقلاً حصے بخرے ہو گئے ان میں کسی غیر یوسف زئی کو کوئی جگہ نہ ملی سوائے ان عطیات کے جو سید میاں یا جنگوں میں حمایت کرنے والے (ملاتڑ) کو بطور بیری یا عطیہ دی گئی تھیں۔ کچھ بالائی علاقوں میں ترکانڑی اور اتمان خیل قبائل نے ان کے ساتھ ہی آکر جگہ حاصل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کر لی تھی باقی علاقہ پر گویا مغلوں کی آمد تک یوسف زئے بلا شرکتِ غیرے قابض تھے۔

عہد اکبر میں جب مغلوں نے یوسف زئیوں کو مطیع کر لینے کی ناکام کوشش کی تو ایک اور افغان قبیلہ کا نام منظر عام پر آیا اس مشہور قبیلہ خٹک نے پشاور سے دریائے سندھ تک ہندو افغانستان جانے والی سڑک کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت یوسف زئے دریائے منڈا کے شمال کی طرف اور خٹک جنوب کی طرف آباد دکھائی دیتے ہیں اب ان دونوں قبیلوں کی کشمکش شروع ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ دربار مغلیہ کی امداد سے خٹکوں نے دریا کو عبور کرتے ہوئے میلے۔ تندرک۔ مغل کوٹ بارہ بانڈہ مصری بانڈا وغیرہ کے علاقوں میں اپنی آبادیاں یا حفاظتی چوکیاں تعمیر کر لیں یہ مقامات خٹکوں کے مرکز اکوڑہ سے دریا کے دوسرے کنارے یوں واقعہ ہیں کہ بارہ بانڈا تو اکوڑہ کے بالکل مقابل آباد ہے اور اس سے بطرف نوشہرہ دو میل کے فاصلہ پر مصری بانڈہ ہے۔ بارہ بانڈہ کی دوسری طرف مغل کوٹ ایک میل اس سے ایک میل دور تندرک اور پھر اس سے ایک میل کے فاصلہ پر میلے ہے مذکورہ علاقہ یوسف زئیوں کی ملکیت خیال کیا جاتا تھا۔ اگرچہ اس میں ان کی کوئی اپنی آبادی موجود نہ تھی ان کی سرحدی آبادیاں حقیقتاً ایک طرف لاہور اور دوسری طرف طورو پر آکر ختم ہو جاتی تھیں۔

عہد شاہجہاں میں بہاکو خان نے اپنے اس علاقہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ شاہزادہ داراشکوہ اس کی حمایت کر رہا تھا۔ لیکن شاہ نے خٹکوں کے قدیم وفادار قبیلہ کو ناراض کرنا پسند نہ کیا تو بہاکو خان کو اس علاقہ کے عوض

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کوہ گنگر تک کا میدانی علاقہ دیدیا جو تربیلہ اور غازی (ہزارہ) کی سرحد سے شروع ہو کر علاقہ چھچھ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا تھا۔ چنانچہ یوسف زئی بڑی تعداد میں چھچھ جا کر آباد ہو گئے اور ان کے خاندان اس وقت تک بکثرت اس علاقہ میں مقیم دکھائی دیتے ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کے ابتدائی زمانہ میں بہاکو خان کو بدیں وجہ شک و شبہ سے دیکھا جاتا تھا کہ اس نے ازابتدا رجنگ تخت نشینی میں شہزادہ داراشکوہ کی حمایت کی تھی۔ چنانچہ "بلاق نامہ" وغیرہ کا علاقہ یوسف زئیوں کے ہاتھوں سے نکل کر خٹکوں کو مل گیا۔ بلاق نامہ پر بھی یوسف زئے اپنا حق ملکیت جتاتے تھے اگرچہ اس علاقہ میں اس قبیلہ کی اپنی کوئی آبادی نہ تھی سوائے لاہور کے جہاں ان کے اباخیل۔ تاجوخیل۔ بلڑخیل رانا خیل قبائل اس وقت تک آباد ہیں اس سے قبل اس علاقہ کے غیر یوسف زئے کاشت کاروں سے قلم خان دوران خیل مانی زئے (رزڑ) حق ملکیت وصول کرتے رہے۔

اس کے بعد بہاکو خان اور اس کے لڑکے سے اورنگ زیب کے تعلقات خوشگوار ہو گئے تو بھی یہ علاقہ خٹکوں کے قبضہ میں رہا۔ اور یوسف زئیوں نے اپنی توجہ چھچھ میں آباد ہونے کی طرف منعطف کئے رکھی

کمال زئے

(مندڑ) کمال خان کے بیٹے عنایت خان کی تین بیویاں بیان ہوتی ہیں اور ان تینوں سے اولاد ہوئی۔ بڑی بیوی کی اولاد مشران زئے۔ منجھلی کی کشران زئے اور تیسری بیوی کی اولاد اکوزئے کہلائی۔ آخرالذکر جب قلت تعداد کی وجہ سے اپنی جدا ہستی قائم نہ رکھ سکے تو مشران زئے سے گھل مل گئے۔ مشران زئے میں خوانین طور و

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور کشران زئے میں خوانین ہوتی مردان بیان کئے جاتے ہیں۔ ان دونوں خاندانوں کو انگریز کی آمد سے قبل عہد انگلشیہ اور پھر قیام پاکستان کے بعد بھی کسی نہ کسی وجہ سے اہمیت حاصل رہی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سکھوں سے جنگ کرتے ہوئے مشران زئے کے خان محی الدین خان ولد فتح محمد خان شہید ہوئے تو دلیل خان ولد جلال خان جنگ معیار اور نوشہرہ میں حضرت سید احمد شہید کے ہمرکاب تھے۔ انگریز کی آمد پر اس قبیلہ کی قیادت مقرب خان ولد دلیل خان کے ہاتھ میں تھی لیکن ۱۸۷۰ء میں بعض وجوہات سے وہ اپنے چچا قادر خان کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ قادر خان اپنے وقت کا قابل ذکر قائد ثابت ہوا۔ آخر میں محمد ایوب خان ولد افضل خان حاجی صاحب ترنگزئے کا ساتھ دیتے دکھائی دیتے ہیں۔

انگریز کی آمد کے بعد اس قبیلہ کے افراد نے حصول ملازمت کی کوشش کی وہ اس میں کامیاب رہے اعلیٰ عہدوں پر متمکن ہوتے اور اس وقت بھی وہ حکومت پاکستان کی اعلیٰ اسامیوں پر براجمان نظر آتے ہیں مثلاً فوج میں میجر جنرل وصال محمد خان۔ سول میں خان بہادر ہدایت اللہ خان ایڈیشنل کمشنر ڈیرہ اسمٰعیل خان ڈویژن۔ نثار احمد خان مجسٹریٹ درجہ اول پشاور۔ شمشیر علی خان اسسٹنٹ کمشنر کوہاٹ وغیرہ۔

یہی حال کشران زئے کا بھی ہے۔ مثلاً اس خاندان کے احمد خان ولد لشکر خان کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ درانی کے ہمرکاب داد شجاعت دینے کا موقع ملا تو اس نے ایک مرہٹہ سردار کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا جس پر مقتول کی تلوار۔ پگڑی معہ خود اور زرہ اسے بطور انعام ملی جو اس کی وفات پر اس کی اہلیہ کے قبضہ میں رہی۔ اس خاندان کے شاہ محمد خان ولد میر افضل خان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ایک صاحب دیوان شاعر گزرے ہیں جنہوں نے انوار سہیلی کا پشتو میں ترجمہ کیا تھا۔ میر افضل خان کی بہادری کے اکثر قصے سنے جاتے ہیں انگریز کی آمد پر یا اس کے کچھ عرصہ بعد کشران زئے کی قیادت خواجہ محمد خان کے ہاتھ میں دکھائی دیتی ہے۔ اسی کی اولاد سے نواب محمد اکبر خان نے غالباً اولین یوسف زئے کی حیثیت سے فوج میں لفٹننٹ کرنل کا اعزاز حاصل کیا۔ وہ ایک عرصہ تک کونسل آف اسٹیٹ (ہند) میں نامزد رکن کی حیثیت سے صوبہ سرحد کی نمائندگی بھی کرتے رہے ان کی اولاد نے بھی فوج میں اعلیٰ عہدے حاصل کئے اور قیام پاکستان کے بعد ان کے ایک لڑکے لفٹننٹ کرنل محمد امیر خان مغربی پاکستان ری پبلکن پارٹی کے وزیر کی حیثیت سے دکھائی دیئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ خاندان کے علاوہ کشران زئے کے دوسرے خاندانوں نے حکومت کی ملازمت کی طرف بہت ہی کم توجہ دی اور وہ زمیندار کی حیثیت سے باعزت زندگی بسر کرتے رہے اس زمینداری کے ساتھ قومی تحریکات میں ان کا نمایاں حصہ رہا۔ ابتداءً محمد اسلم خان کمالی دار العلوم اسلامیہ (اسلامیہ کالج پشاور) کے اسسٹنٹ سکریٹری مقرر ہوئے۔ محمد ایوب خان پسر فتح محمد خان نے اول تحریک خاکساران میں نمایاں حصہ لیا اور اس تحریک کی نسبت سے سالار پکارے جاتے ہیں۔ بعد میں چل کر انہوں نے مسلم لیگ میں سرگرمی دکھائی تو صوبہ سرحد کی مسلم لیگ وزارت میں شامل کر لئے گئے۔ اسی طرح حاجی محمد علی خان مسلم لیگ کے مشہور رکن شمار ہوئے اور اس وقت بھی ملکی صنعت کو ترقی دینے میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مقبرہ ملک احمد خان ۔ اللہ ڈھنڈ

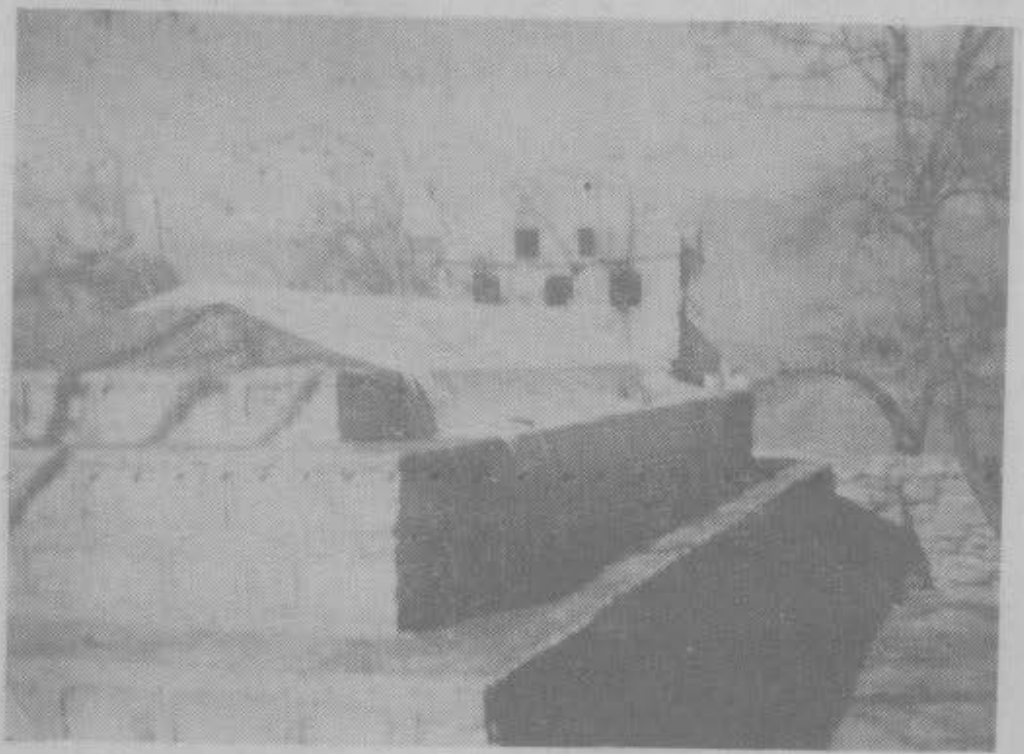

مقبرہ ملک سلطان والد ملک احمد خان - بٹ خیلہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

موضع سورے جس سے شیر شاہ سوری کو نسبت ہے

درہ - مغلوں کی آخری سرحد

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اسی خاندان کی مسماۃ زری سرفراز خان تحریک مسلم لیگ میں نمایاں خدمات سرانجام دیتی رہی وہ مغربی پاکستان کی مجلس آئین ساز میں منتخب رکن کی حیثیت سے شامل ہوئی اور اس طرح یوسف زئے مستورات میں اسے اولیت کا فخر حاصل ہوا اور جب ملک پر خودغرض اور ابن الوقت حکومت کرنے لگے۔ انعام واکرام عہدے اور دولت تقسیم ہونے لگی تو موصوفہ پر بھی ڈورے ڈالے گئے۔ زری پبلکن پارٹی نے وزارت تک پیش کردی لیکن ودپٹان کی طرح اپنی جگہ قائم رہی اور مسلم لیگ کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہ کی جاسکی۔ والدہ کی طرف سے زری سرفراز خان کا رشتہ امیر دوست محمد خان فرمانروائے افغانستان سے جا ملتا ہے۔ آپ کی والدہ بنت سردار محمد عمر خان بن سردار محمد شریف خان بن امیر دوست محمد خان تھیں۔

قبیلہ ملیزئے (یوسف زئے) کلیتہً قبائلی علاقہ میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے اور اس کی کثرت آبادی علاقہ دیر میں مقیم ہے۔

چملہ دادی بونیر کے ساتھ چملہ ایک ایسا مشہور مقام ہے کہ جہاں قبیلہ منڈر کے مختلف قبائل یک جا آباد ہیں اور اس جگہ کو اگر منڈر کا مرکزی مقام کہا جائے تو کسی طرح بے جا نہ ہوگا۔ اس وقت یہ علاقہ ریاست سوات میں شامل ہے۔ باشندے امن وچین سے زندگی بسر کرتے ہیں اور ریاست سوات کی طرح یہاں بھی سڑکوں تعلیم اور دیگر ضروری امور کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔

ہندوستان کا مشہور حکمران شیر شاہ سوری اسی علاقہ کے موضع سور کی نسبت سے سوری کہلاتا تھا۔[1] اور اس آبادی کی قدامت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ مورخین نے اسے سکندر اعظم کے دور کے مسورہ کی بدلی ہوئی شکل ظاہر کیا ہے۔

[1] مقامی روایات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس علاقہ میں اکبر اعظم کا جرنیل بیربل مارا گیا تھا مغل لشکر کی بربادی ہوئی تھی۔ اورنگزیب کے عہد میں معرکہ امبیلہ ۱۸۶۳ء بھی اس علاقہ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ یوسف زئیوں کے مشہور قائد بہاکو خان ۔ بہ عہد شاہجہاں برسر اقتدار تھا اس علاقہ کے مقام کنکوئے میں مدفون ہے۔ اس علاقہ کے مشہور مقامات یہ ہیں کوگا اگارئے۔ مخزنئے ۔ سورئے۔ امبیلہ۔ کنکوئے وغیرہ۔

غیر یوسف زئے قبائل

علاقہ یوسف زئے میں چند دیگر ایسے قبائل بھی آباد ہیں جن کا تعلق قبیلہ یوسف زئے سے نہیں ہے ان میں قبیلہ ترکانڑی خٹک اور اتمان خیل تو نسلاً پٹھان ہیں لیکن گوجر گردی اور طوردال کا افغان یا پٹھانوں سے کوئی رشتہ دکھائی نہیں دیتا اس کے ساتھ ہی فقیر اور ہندکی نام سے بھی آبادیاں دکھائی دیتی ہیں جن کا مختصر سا حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

فقیر۔ فقیر کے لغوی معنے کچھ ہی ہوں قبائلی علاقہ میں فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی املاک ارضی کا مالک نہ ہو اور جس قبیلہ کے پاس مقیم ہو اس سے ان کا برائے راست تعلق نہ ہو اور اپنی زندگی و بقاء کے لئے اس نے کسی قبیلے کے کسی با اثر رکن یا سردار کی سرپرستی حاصل کرلی ہو۔ قبائلی علاقہ یوسف زئے میں ان قدیم باشندوں کو بھی فقیر پکارا جاتا ہے جو یوسف زئیوں کی آمد پر اراضی سے محروم ہو کر ان کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے کو مجبور ہو گئے تھے۔ فقیر کی حیثیت ایک پناہ گزین کی سی ہوتی ہے۔ قبیلہ میں سکونت رکھنے کے باوجود اس قبیلہ کا رکن خیال نہیں کیا جاتا۔ اسے جرگہ کے مسائل میں رائے دینے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کے پاس مقیم ہو اس کا تابع سمجھا جاتا اور بلا اجرت اس کے کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ ابتدائی دور میں مالک اپنے فقیر کو سخت ترین سزائیں بھی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دے سکتے تھے۔ حتیٰ کہ اسے قتل کر دینے میں بھی کوئی امر مانع نہ تھا۔ اس کے مقابل فقیر کو اپنے مالک کی مکمل حمایت حاصل ہوتی تھی۔ اس کی عزت و حرمت اور آرام و آسائش کی تمام تر ذمہ داری مالک کے سر رہتی تھی اور وہ اپنے فقیروں کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ فقیروں پر کاروبار کے سلسلہ میں کوئی پابندی نہ تھی وہ اپنی مرضی سے کاروبار کر سکتے تھے ان کے نفع نقصان سے مالک کو کوئی تعلق نہ تھا۔ بعض علاقوں میں فقیروں سے کچھ مخصوص رقم وصول کی جاتی تھی انہیں بوقت طلب مالک کاشت کے لئے زمین بھی دیتے تھے اور ان سے نیک سلوک ہوتا تھا۔

فقیر عام طور غیر افغان ہی ہوتے تھے۔ البتہ ایسے پٹھان کہ جو دور دراز علاقوں یا قبائل سے تعلقات منقطع کر کے یوسف زئیوں کے زیر سایہ آباد ہو گئے فقیر کہلانے لگے۔ لیکن خود یوسف زئے قبیلہ کے افراد اگر ایک قبیلہ سے نکل کر کسی دوسرے قبیلہ میں جا مقیم ہو بشرطیکہ وہ اپنی اراضی فروخت کر کے نہ گیا ہو تو اسے فقیر خیال نہ کیا جاتا تھا بلکہ اسے حتی المقدور اراضی دی جاتی تھی کہ وہ اس میں کاشت کرے یا کسی دوسرے سے شراکت کر لے اور جنگ وغیرہ میں اس قبیلے کے ساتھ رہنا اس کا فرض تھا۔ تمام قبائل میں فقیروں کے سلسلہ میں اپنی اپنی رسم کے مطابق قواعد رائج تھے اور اسے بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ جب کوئی شخص فقیر کہلاتا ہے تو وہ اسی فرد یا خاندان کا فقیر پکارا جائے گا کہ جس کے پاس اس نے پناہ لی ہو اور جو اس کے تحفظ کا ذمہ دار ہو۔ قبیلہ کے دوسرے افراد اسے اپنا فقیر نہ پکار سکتے تھے۔

ہندکی یوسف زئیوں کے ہر قبیلہ یا آبادی میں "پیشہ وروں" کی کثیر تعداد مقیم دکھائی دیتی ہے جو اکثر افغان یا پٹھان خیال نہیں کئے جاتے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اگرچہ وہ خود اپنے آپ کو اس وسیع برادری میں شامل سمجھتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ افغانوں یا پٹھانوں نے ابتدا ہی سے اپنے لئے "زراعت" اور "شمشیر زنی" کے پیشے مختص کرتے ہوئے دوسرے تمام پیشوں کو کم درجہ کا خیال کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں نائی، دھوبی قصاب۔ بڑھئی۔ نجار رنگساز کپڑا بننے والے اور موچی وغیرہ دکھائی نہ دیتے۔ ان کی کمی محسوس کی جانے لگی۔ روزمرہ کی زندگی میں مشکلات پیش آئیں تو اس کا علاج یہ سوچا گیا کہ غیر افغانوں کو اپنے وطن میں بلا کر آباد کر دیا جائے۔ ہر قبیلے نے بہ امر مجبوری ان نو واردوں کو مکان دیئے۔ املاک دی ان کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالی ان کی عزت و آبرو کے تحفظ کو اپنے فرائض میں شامل کیا تو یہ پیشہ در تمام علاقہ یا قبائل میں دکھائی دینے لگے۔ طرفین میں کاروبار کے سلسلہ میں مختلف علاقوں یا قبائل کے قواعد یا شرائط یکساں نہ تھیں البتہ ان پیشہ وروں کی عزت و ناموس کی حفاظت یکساں طور پورے ملک میں ایک ہی طریقہ پر رائج تھی وہ اپنی اصطلاح میں ان پیشہ وروں کو "ہندکی"[1] پکارتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حالات بدلنے کے ساتھ جس طرح پٹھان پیشہ تجارت کو اپنا چکے ہیں اس طرح وہ دوسرے پیشوں کو بھی اپنانا شروع کر دیں۔

قبائلی نسلاً تو اپنے آپ کو ان پیشہ وروں اور فقیروں سے بلند و بالا سمجھتے رہے لیکن اس کے ساتھ وقت ضرورت وہ ان "ہندکیوں" کے تحفظ کے لئے اپنی جان و مال تک بھی قربان کرتے رہے چنانچہ تاریخ افغانستان

---

[1] ہندکی سے مراد یا تو وہ لوگ لئے جا سکتے ہیں کہ جو ابتداءً پشتو کی بجائے "ہندکی" زبان بولتے تھے یا انھیں ہندوستان کی طرف سے آنے والا خیال کیا جا سکتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا مصنف ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ قبیلہ پنکی خیل کے ایک فقیر کی بیوی کسی بابوزئے کے ساتھ بھاگ نکلی۔ وہ اپنے چند رشتہ داروں کو ساتھ لئے تعاقب میں چلا تاکہ موقع پاکر بیوی کو قتل کر دے۔ لیکن وہ اسی مقصد سے منڈلا رہا تھا کہ اغوا کنندوں نے اس کے ایک ساتھی کو گولی کا نشانہ بنا دیا جب یہ اطلاع قبیلہ میں پہنچی تو قبیلہ کے سردار نے اپنے قابل ذکر رئیسوں کو طلب کرتے ہوئے رائے طلب کی۔ سب نے انتقام لینے کا مشورہ دیا تو قبیلہ نے لشکر جمع کرتے ہوئے اقدام شروع کیا۔ بابوزئیوں نے یہ حالت دیکھی تو مقابلہ پر اتر آئے کیونکہ لڑکی ان کے پاس پناہ لے چکی تھی طرفین میں شدید جنگ ہوئی اور یہ کشمکش کوئی تین سال تک جاری رہی دونوں حصول مقصد کے لئے کوشاں رہے۔ ایسے واقعات اکثر ظہور پذیر ہوتے تھے۔

گجر قدیم ترین آبادیوں میں گجر خاص طور قابل ذکر ہیں۔ تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ کسی وقت ملکی جنگ و جدل میں شریک نہ ہوئے انہوں نے اپنی زندگی دلقا اسی میں دیکھی کہ چراگاہوں میں آزادانہ زندگی کی لعنت سے لطف اندوز ہوتے رہیں ان کی دنیا مویشی پالنے ان کی دیکھ بھال اور دودھ مکھن کی فراوانی تک ہی محدود رہی اور اکثر مصنفین کا یہ خیال کلیتہً درست معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی زندگی کی مسرتیں ان کے مویشی اور دودھ مکھن میں ہی رقص کناں رہتی ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نسلاً قوم جاٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ مقبوضہ اور قبائلی دونوں علاقوں میں مقیم دکھائی دیتے ہیں۔ شکل و شباہت میں وہ

۱؎ کنگڈم آف کابل کننگھم۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پٹھانوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور قبائلی علاقے کے باشندے تو بڑے تنومند، توانا اور خوبصورت ہیں۔ اور مستورات جو طاقت و توانائی میں مردوں سے کم نہیں حسن و خوبصورتی میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ لوگ دودھ مکھن وغیرہ کی تجارت سے پرامن و پراطمینان زندگی بسر کرتے ہیں۔ ابتدا ہی سے وہ مالکان اراضی کی شکل میں دکھائی نہیں دیتے۔ بلکہ مالکان اراضی سے زمینیں اجارہ پر لے کر انہیں میں اپنے مویشی چراتے ہیں۔ میدانی علاقہ کی نسبت سے قبائلی علاقہ میں ان کی آبادی زیادہ ہے۔ وہ نڈر، بہادر اور جفاکش ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی و بقا کے لئے تو شاید ہی قوی حیثیت سے کبھی جنگ لڑی ہو لیکن رسم ملک کے مطابق جن مالکوں کے املاک پر وہ مقیم رہے وقت ضرورت ان کی جانی و مالی امداد کرنے میں انہوں نے کبھی تساہل سے کام نہ لیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ ابتداءً یہ لوگ کس عقیدہ کی پیروی کرتے رہے بحالات موجودہ پوری کی پوری آبادی حلقہ بگوش اسلام ہے اور پشتو کی بجائے وہ اپنی ایک مخصوص زبان "ہندکی" بولتے ہیں۔

گروی گجروں کے علاوہ گروی بھی قدیم قبائل میں شمار ہوتے ہیں ان کی کثرت آبادی سوات کے شمال کی طرف پہاڑیوں میں مقیم نظر آتی ہے اور اسی علاقہ یا وطن کی نسبت سے انہیں "کوہستانی" پکارا جاتا ہے وہ اپنی مخصوص زبان بولتے ہیں۔ خبکا گجر یا افغانوں کی زبان سے کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا۔ ان کی زبان ان کے طرز معاشرت اور رسومات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عہد قدیم میں چترال یا گلگت یا کوہ ہمالیہ کے بالائی علاقوں کے اصل باشندوں سے متعلق تھے ان کی مشہور آبادیاں پشمل ہریانی الہی کوٹ۔ آشو۔ کالام اور اتروڑ بیان کی جاتی ہیں۔ ابتداءً ان کے عقائد

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کچھ ہی ہوں اس وقت وہ سب اسلامی برادری میں شامل ہیں۔

طوروال گردیوں کے ساتھ ایک اور قبیلہ طوروال کے نام سے بھی آباد ہے ان کی بھی اپنی مخصوص زبان ہے اور وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس نسل یا قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں البتہ عقیدہ کے لحاظ سے وہ سب مسلمان ہیں۔

ولازاک ابتداءً پشاور۔ مردان اور قبائلی علاقہ میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے ان کے ساتھ ہشتنگر کے علاقہ میں "دہقان" کے نام سے آبادیاں اس وقت سلطان سوات کے تابع فرمان تھیں اور دوسرے قبائل کے علاوہ وہ "**سواتی**" قبیلہ بھی تھا جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اسے علاقہ سوات وغیرہ میں سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں آباد کیا گیا تھا اور جو یوسف زئیوں کی آمد پر اس علاقہ کو چھوڑ کر ضلع ہزارہ میں جا مقیم ہوا اور اس وقت تک "سواتی" پکارا جاتا ہے۔

ولازاک قبیلہ کے حسب و نسب کے سلسلہ میں وثوق سے کچھ لکھا نہیں جاسکتا یہ لوگ افغان یا پٹھانوں سے برسوں قبل پشاور۔ پائین وادی کابل سوات اور باجوڑ میں مقیم نظر آتے ہیں اور یوسف زئیوں کی آمد پر مذکورہ علاقوں میں انہی کا طوطی بول رہا تھا۔ مغل حکمران انہیں افغان ہی پکارتے رہے لیکن خود افغان انہیں اپنے قبائل میں شمار نہیں کرتے اور وہ خود بھی اپنے شجرۂ نسب کو کسی دلنشین طریقہ پر بیان کرنے سے قاصر رہے ہیں ان کی اکثریت اپنے آپ کو ترک النسل ظاہر کرتی رہی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تاتاری النسل ہوں یا طوران کے جن قبائل کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے ان سے ان کا کوئی تعلق ہو اور افغانوں میں گھل مل نہ سکنے کی وجہ سے انہوں نے اپنی جداگانہ ہستی قائم رکھی ہو۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یوسف زئیوں نے پشاور کا رخ کرتے ہوئے اول تو رہائش کے لئے ان سے جگہ طلب کی۔ اور جب اس سرزمین پر پاؤں جما لئے تو رفتہ رفتہ دلازاکوں کو مشرق کی طرف دھکیلنا شروع کیا۔ حتےٰ کہ میدانی علاقہ سے بے دخل کر دینے کے بعد سوات اور باجوڑ کے علاقہ سے بھی مار نکالا اور یوسف زئیوں سے آخری جنگ میں (جس کی تفصیل متن کتاب میں ملے گی) شکست کھا کر دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے چھچھ کے علاقے میں مقیم ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے پنجاب کے مختلف علاقوں اور ہزارہ میں اپنی آبادیاں بسالیں اور بڑی ہی محدود تعداد میں دریائے سندھ کے مغرب کی طرف باقی رہ گئے۔

عہد مغلیہ میں محمد ظہیر الدین بابر کے لڑکے کامران کے ساتھ علاقہ غور سے کافی تعداد میں پٹھان اس طرف آئے تھے یوسف زئے بھی کامران کی حمایت میں تھے۔ اس وجہ سے نو واردوں کا یوسف زئیوں سے نبرد آزما ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نزلہ بر عضو ضعیف دلازاکوں پر ہی گرا ان کی بچی کھچی املاک پر ان نو واردوں نے قبضہ کر لیا تو یہ دریائے سندھ کو عبور کر گئے اور بہت ہی محدود تعداد میں (غالباً وہی آبادی جو مقابلہ پر نہ اتری) باقی رہے اور بعد میں وہ افغانوں یا پٹھانوں سے ایسے گھل مل گئے کہ پھر ان کی جداگانہ حیثیت ہی باقی نہ رہی۔ پشاور شہر کے قریب دلازاک کے نام سے ایک دو آبادیاں موجود ہیں لیکن ان کے باشندے پٹھانوں سے کسی طرح جداگانہ حیثیت نہیں رکھتے۔

دریائے سندھ کو عبور کر جانے کے بعد بھی اس قبیلہ کو امن و چین نصیب نہ ہوا۔ جیسا کہ ہمایوں اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیں نے واضح احکام دئے دیئے تھے کہ شاہی کیمپ کے کابل سے واپس ہونے سے قبل وہ (گورنر) تمام دلازاکوں کو لاہور کی طرف ہانک دے۔

ترکانڑی یہ قبیلہ یوسف زئے کی شاخ تو نہیں البتہ ان خانے قبائل سے متعلق ہے کہ جس کی یوسف زئی اور مندنر بھی شاخیں ہیں۔ ترکانڑی کو یوسف کا چچازاد بھائی بیان کیا جاتا ہے اور وہ ذیلی شاخوں میں منقسم ہے۔

میمون۔ ابراہیم خیل۔ میدانی یا جندولی۔ ان کی کثرتِ آبادی علاقہ باجوڑ میں ہے۔ نقیر۔ مہند کی۔ گوجر۔ گردی۔ طوروال اور ترکانڑی تو ابتداء ہی سے یوسف زئیوں کے ساتھ آباد دکھائی دیتے ہیں بعد میں چل کر امتان خیل خٹک اور مہمند بھی آباد ہوئے۔

خٹک اس قبیلہ کا تعلق "کرلانڑے" قبائل سے ہے۔ وہ کچھ تو یوسف زئیوں کی باہمی کشمکش کی وجہ سے کسی ایک نہ ایک فریق کی دعوت پر اس طرف آکر آباد ہوئے اور کچھ نے بسلسلہ تجارت سوات کے راستہ میں بائے زئے کے علاقے میں لونڈ خوار کے مقام پر عارضی قیام کرتے کرتے وہیں ڈیرے لگا دیئے اور پھر رفتہ رفتہ دریائے کابل کے شمال میں کلپانی کے مشرق کی طرف تارتے میرہ تک دکھائی دینے لگے جہاں سے اب ان کی حدیں کمال زئی۔ رزڑ اور سدوزئیوں کے مسلسل چلتی ہیں بعد میں ان کے ساتھ امتان خیل اور مہمند بھی آباد ہونا شروع ہوئے تو دن بدن ان کی آبادیاں بھی بڑھنے لگیں۔

اسی طرح دریائے سندھ اور علاقہ رزڑ کے درمیانی علاقہ پر بھی خٹکوں نے قبضہ جمایا۔ ابتداء میں تو وہ اس علاقہ کے مالکان کو ٹیکس دیتے رہے اور روایات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے پتہ چلتا ہے۔ دوران خیل کے رئیس موضع ترلاندی کے قلم خان کی زندگی تک یہ بٹائی علاقہ موضع طعمہ، ھیر جلیے جلیے وغیرہ سے وصول ہوتی رہی لیکن بعد میں جب خان موصوف کے پسماندگان نے اس طرف توجہ نہ دی تو خٹکوں کو تمام مقبوضہ علاقہ پر مالکانہ حقوق حاصل ہو گئے۔ خٹکوں کے اس مقبوضہ علاقہ کو عام طور "بولاق نامہ" پکارا جاتا ہے[1]۔ جہاں ان کے ساتھ محدود تعداد میں یوسف زئے آباد ہیں یہ خٹک ذیل کی شاخوں میں منقسم ہیں: شربت خیل۔ ہوتی۔ مشک۔ یعقوب خیل ماموتی۔ حسینی۔ مکور۔

قبیلہ یوسف زئی چونکہ کسی قیمت پر مغلوں کی اطاعت کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا تو مغلوں نے ان کے مقابل خود پٹھانوں کے ہی اس قبیلہ خٹک کو لا کھڑا کیا تھا اس قبیلہ نے ہندوافغانستان کے راستہ کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالی تو حکومت کی سرپرستی اسے حاصل ہو گئی نتیجہ یہ کہ یوسف زئے اور خٹک آپس میں الجھنے لگے ان میں مسلسل کشمکش جاری رہی جنگیں لڑی جاتی رہیں۔ قتل مقاتلے ہوتے رہے۔ بہ ایں ہمہ جب خوشحال خان خٹک نے مغل دربار سے روگردانی کی اس کے خلاف حکومت اقدام کرنے لگی تو یوسف زئیوں نے اپنے قبائلی اخلاص کے پیش نظر اس طرح خٹکوں کی امداد کی جس طرح افغانستان میں گیگیانیوں کی مخالفت کے باوجود ان کے پشاور پہنچنے پر گذشتہ واقعات کو فراموش کرتے ہوئے انہیں رہائش کے لئے دوآبہ کا علاقہ دے دیا تھا۔ چنانچہ نہ صرف خوشحال خان

---

[1] یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "بولاق" کن معنوں میں استعمال ہوا خیال کیا جاتا ہے کہ "بلادے" کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور اگر بولاق کو پشتو زبان میں ناک کے زیور کے معنی میں لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ طاقت ور پارٹی نے اس کمزور پارٹی کو طنزاً کہا ہو کہ خٹک ان کی ناک کا زیور ہیں اور بعد میں چل کر اس لفظ کا استعمال شروع ہو گیا ہو۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے خاندان کو اپنے علاقہ میں پناہ دی بلکہ کوئی ایک سو دوسرے خٹک خاندان بھی علاقہ یوسف زئے میں آباد کر دیئے گئے تھے اس کے بعد اور خٹک خاندان بھی اس طرف کوچ کر آئے اور یہ دونوں پٹھان قبائل۔ یوسف زئے اور خٹک محبت اور پیار سے اس وقت تک ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اتمان خیل

اس قبیلہ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یوسف زئیوں کے ساتھ یا ان کے کچھ ہی بعد افغانستان سے اس طرف آکر مہمندوں اور یوسف زئیوں کے درمیانی علاقہ کی پہاڑیوں پر آباد ہو گیا تھا اور پھر رفتہ رفتہ اس نے اس علاقہ سے محدود تعداد میں نکل کر ضلع پشاور اور مالاکنڈ کے درمیانی علاقہ کی پہاڑیوں میں بھی جگہ حاصل کر لی تھی اور یوسف زئیوں کی خانہ جنگیوں میں غالباً خٹکوں سے قبل یا ان کے ساتھ ہی ملاتڑ (حمایتی) کی حیثیت سے اس کے چند خاندان علاقہ بائے زئے میں لوند خوار کے قرب و جوار میں آباد ہو گئے تھے۔

مہمند

یوسف زئے کے میدانی علاقہ میں مہمند عہد انگلشیہ کے بھی آخری دور میں آکر آباد ہوئے ان کی آبادی بہت ہی محدود ہے۔ تاہم ان کی بڑھتی ہوئی تعداد اور حصول آراضی کی رفتار کو دیکھتے ہوئے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ جلد اپنی طاقت و تعداد کو بہ آسانی بڑھا لیں گے۔

یوسف زئیوں کی فیاضی

یوسف زئے قبائل نے افغانستان سے ہجرت کے بعد پشاور کے علاقہ دوآبہ پر قبضہ کیا اور پھر جلد ہی یہ علاقہ اپنے بعد کے آنے والے قبیلہ گیگیانی کو رہائش کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لئے دے کر خود ہشتنگر کے علاقہ میں آباد ہو گئے۔ یہاں انہوں نے اپنے قبائل ہی کے نام سے آبادیاں قائم کیں مثلاً چارسدہ زرڑ، عمرزئے، ترنگزئے، آباتزئے وغیرہ بعد میں جب ایک دوسرا قبیلہ محمد زئے بھی اس طرف آنے پر مجبور ہوا تو اسے بھی جائے رہائش کی تلاش ہوئی۔ ملک احمد خان کا ستارہ چمک رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ جس طرف اقدام کرے گا کامیابی اس کا ساتھ دے گی چنانچہ اس نے نہایت محبت و اخلاص سے اپنی آبادیاں ان نو واردوں کے لئے خالی کرتے ہوئے خود مردان کی بالائی اور اس سے ملحقہ پہاڑی علاقوں کی راہ لی۔ محمد زئیوں نے ہشتنگر پہنچکر یوسف زئیوں کی آبادیوں میں سکونت اختیار کر لی اور وہ آبادیاں اس وقت تک اپنے انہی سابقہ ناموں سے موسوم چلی آرہی ہیں کہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

یوسف زئیوں کے دو آبہ اور ہشتنگر سے نکل جانے کے بعد بھی ان کے تعلقات مذکورہ قبائل سے برادرانہ و خوشگوار رہے۔ انہوں نے محبت و پیار سے ان تعلقات کو قائم رکھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بعد میں گیگیانیوں اور غوری خیلوں میں اختلافات رونما ہوئے تو ملک گجو خان لشکر لئے ان کی امداد کو جا پہنچا تھا۔ یوسف زئے اور مذکورہ قبائل میں باہمی رشتے ناتے بھی ہوتے رہے جو مسلسل اس وقت تک چلے آتے ہیں مثلاً ہشتنگر کے خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب نانیاں کی طرف سے میر احمد خیل (مرغز) سے تعلق رکھتے ہیں تو یوسف زئیوں (کمال زئیوں) کے خان سرفراز خان کی اہلیہ خان بہادر سعد اللہ خان (عمرزئے) کی ہمشیرہ تھیں ایسے سینکڑوں رشتے شمار کئے جا سکتے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تقسیم اراضی

ہشتنگر سے نکل جانے کے بعد جلد ہی یوسف زئی قبائل سوات دیر باجوڑ اور بونیر وغیرہ کے علاقوں پر قابض نظر آنے لگے انہوں نے اپنے لئے جدا جدا علاقے مختص کر لئے۔ محبت و پیار سے زندگی بسر کی جانے لگی ان کے تمام قبائل ایک خاندان کی شکل میں ایک دوسرے کے ممد و معاون رہے رفتہ رفتہ جب ان کے اقتدار نے وسعت اختیار کی۔ وسیع علاقوں پر ان کا قبضہ ہو گیا تو ملک احمد خان کی قیادت میں انہوں نے یوسف زئے اور منسڑ دو حصوں میں ملک کو تقسیم کر لیا تھا لیکن بعد میں جب گجو خان کے زیر اقتدار دلازاکوں سے ملک کو صاف کرتے ہوئے ضلع مردان وغیرہ کے علاقہ پر کلیتہً قبضہ ہو گیا اور کسی بیرونی حملے کا خطرہ باقی نہ رہا تو ضروری خیال کیا گیا کہ ملک کو یوسف زئیوں کے مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا جائے۔

قیادت کیلئے اہلیت کی ضرورت

یہ کام آسان نہ تھا ایک غیر تعلیم یافتہ قوم میں اراضی کی تقسیم اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ کوئی منظم حکومت موجود نہ ہو اور بھی دشوار کام تھا۔ ساتھ ہی ماہرین فن بندوبست بھی تو موجود نہ تھے۔ البتہ قوم میں اخلاص تھا۔ یکجہتی تھی اپنے قائد یا قائدین پر اعتماد تھا اس وقت تک قیادت کسی خاندان یا قبیلہ سے وابستہ نہ تھی۔ بلکہ قیادت اس کو ملتی تھی جو اس کا اہل ہوتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ افغانستان سے ہجرت کے وقت ملک احمد خان ملک زئے قیادت کر رہے تھے تو ان کے بعد اگرچہ ان کے اپنے لڑکے موجود تھے۔ متعلقین موجود تھے۔ قیادت گجو خان بیزادخیل کو ملی۔

ملا احمد خان کے چار لڑکے تھے جنکے نام کی خیلیں اسوقت بھی یار حسین رزڑ میں موجود ہیں۔ الہ داد خیل مسیرو داد خیل۔ کریم داد خیل اور اسمٰعیل خیل۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پوری قوم نے اس کا ساتھ دیا۔ کسی خاندانی وقار یا خانی کا جھگڑا پیدا نہ ہوا اور ملک گجو خان کے بعد جب بہا کو خان خدو خیل نے مسئلہ تنظیم ملت کو ہاتھ میں لیا تو بھی اس میں کسی خاندان قبیلہ یا علاقہ وغیرہ کو حائل نہ سمجھا گیا تھا اس سے قوم کی یکجہتی اور جذبہ مساوات کا پتہ چلتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک قوم کا خان یا سردار اس کو منتخب کیا جاتا تھا جس میں قیادت کی اہلیت ہوتی تھی علم و تدبر ہوتا تھا۔ عقل و سمجھ ہوتی اور خلوص و جذبۂ خدمت ہوتا تھا۔

صرف خاندان یا قبیلہ میں پیدا ہونے یا اپنے باپ دادا کی میراث کے طور قوم کی رہنمائی کے فرائض کسی کو تفویض نہ کئے جاتے تھے۔[1]

اولین بندوبست

مختصر یہ ہے کہ ملک احمد خان کے بعد اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ مختلف قبائل کے لئے مستقلاً علاقے تقسیم کر دئے جائیں تو قدرت نے شیخ ملی[2] کو جو ملک احمد خان کا دست راست رہ چکا تھا اس کام کے لئے منتخب کر لیا۔ چنانچہ اس نے اراضی کو اس قابلیت اور اس خوبی و خوش اسلوبی اور مساواتی طریقہ پر تقسیم کیا کہ جہاں قبائل مطمئن نظر آنے لگے وہاں صدیاں گزر جانے پر بھی اس کے کام کی تعریف ہوتی رہی۔ اور انگریز جیسا مخالف بھی شیخ ملی کی اس اولین بندوبست کی تعریف کئے بغیر رہ نہ سکا۔ یوسف زئے قائدین کے جذبہ قربانی اخلاص اور مساوات کا اندازہ اس سے بھی لگائیے کہ ابتداء میں انہوں نے اچھے عمدہ زرخیز علاقے گیگیانیوں اور محمد زئیوں کو دے دئے اور اب جو اپنے گھر میں تقسیم شروع ہوئی

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ وراثت خانی عہد انگریزی میں ملنا شروع ہوئی۔ [2] شیخ ملی قبیلہ اکازئے (اتمان زئے) کے پیر رک خان کے فرزند تھے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تو عام رسم و رواج کے پیش نظر یہی خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس دور میں جبکہ طاقت کو ہی "اہلیت و قابلیت" اور سب کچھ سمجھا جا سکتا تھا قائد بھی وہی ہوگا جس کے پاس طاقت بھی سب سے زیادہ ہوگی۔ ایسی حالت میں تقسیم کے موقع پر اس نے اپنے لئے بالخصوص اور اپنے قبیلہ کے لئے بالعموم تمام اچھی اور زرخیز املاک پر قبضہ کیا ہوگا۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس نظر آتی ہے اول تو وہ دو بڑے قبیلوں "یوسف زئے" اور مندڑ کی تقسیم ہونا تھی اور خیال رہے کہ قیادت مندڑ کے ہاتھ میں تھی وہی تقسیم کر رہے تھے۔ انہوں نے وہ تمام زرخیز علاقے جنہیں اجتماعی طور سوات کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے یوسف زئے قبیلہ کے حوالہ کر دیئے اور خود نقل مکانی کرتے ہوئے مردان کے میدانی علاقوں کی طرف کوچ کر آئے کہ جو اس وقت مقابلتہً بہت کم زرخیز تھے اس کے بعد جب خود مندڑ کے ذیلی قبیلوں میں املاک تقسیم ہوئی تو اس وقت بھی گجو خان نے اپنے قبیلہ بنیر ادخیل پر دوسرے قبائل کو سبقت دیتے ہوئے ان سب کو مطمئن ہو جانے کے بعد مالک اراضی بنا دیا۔

ولیش۔ اس طرح قبائل اپنے اپنے مخصوص علاقوں پر بہ اطمینان قابض ہو گئے تو انہوں نے اندرونی طور اپنے خاندانوں میں اس املاک کو تقسیم کیا لازمی امر تھا کہ بعض کے حصوں میں زرخیز زمینیں آئیں اور بعض کے حصوں میں بنجر یا کم زرخیز۔ اب خود ہر ہر قبیلہ کے خان کو اس کی فکر ہوئی کہ ایک خاندان تو ہمیشہ زرخیز املاک سے مستفید ہوتا رہے گا تو دوسرا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غیر آباد زمینوں پر قابض رہ کر نقصان اٹھائے گا۔ چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ سے اور یاد رہے کہ ان میں ابتداء ہی سے جرگہ (پنچایت) کے طریقہ پر مسائل حل کرنے کا رواج چلا آ رہا ہے فیصلہ کر لیا کہ یہ قبیلے خاندانی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حیثیت میں اپنی اراضی کا وقتی طور آپس میں خود ہی تبادلہ کر لیا کریں تاکہ قبیلہ کے ہر فرد یا خاندان کو ترقی کے برابر مواقع میسر آسکیں۔ ایسے تبادلوں کے لئے کوئی خاص معیاد مقرر نہ تھی۔ ہر قبیلہ نے اپنی ضروریات یا ماحول کے تحت اس کے لئے وقت کا تعین کیا۔ چنانچہ عام طور چار سال سے بیس سال تک کا وقفہ دکھائی دیتا ہے اس قسم کے تبادلہ کو وہ لوگ اپنی اصطلاح میں دلیش کہتے ہیں جس کے معنے تقسیم کے ہیں۔ یہ طریقہ انگریز کی آمد تک رائج رہا۔ قبائلی علاقہ کے بعض مقامات پر اس وقت تک اس پر عملدرآمد ہو رہا ہے۔ سوات اور اس کے ملحقہ علاقوں میں قیام ریاست سوات کے بعد اسے ختم کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ قبیلہ حسن زئے نے بارہ سال کے بعد پھر جرگہ کے ذریعے ۱۹۵۹ء کے شروع میں اسی طریقہ "دلیش" کے ذریعہ املاک کا تبادلہ کیا تو آئندہ پینتالیس سال بعد تقسیم یا تبادلہ (دلیش) کرنے کا فیصلہ ہوا

اولین بندوبست کا زمانہ

عام طور خیال کیا جاتا ہے کہ تقسیم اراضی یا شیخ ملی کی اولین بندوبست ملک احمد خان کی زندگی میں تکمیل پذیر ہوئی تھی اور اس کے جواز میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ شیخ ملی ملک احمد خان کے دست راست تھے اس وجہ سے یہ کام اسی وقت ہوا ہوگا۔ لیکن یہ خیال کچھ درست نہیں معلوم ہوتا۔ بلا شبہ شیخ ملی ملک احمد خان کے دست راست تھے اور ابتدا ہی سے ان کے ممد و معاون رہے اور قبائل کے قیام اور تقسیم ملک کے سلسلہ میں ان کے مشوروں پر ملک احمد خان کی زندگی میں عمل ہوتا رہا ہوگا۔ اور اس مذکورہ اولین بندوبست

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مقبرہ ملک گجو خان - گجوانوڈھیری

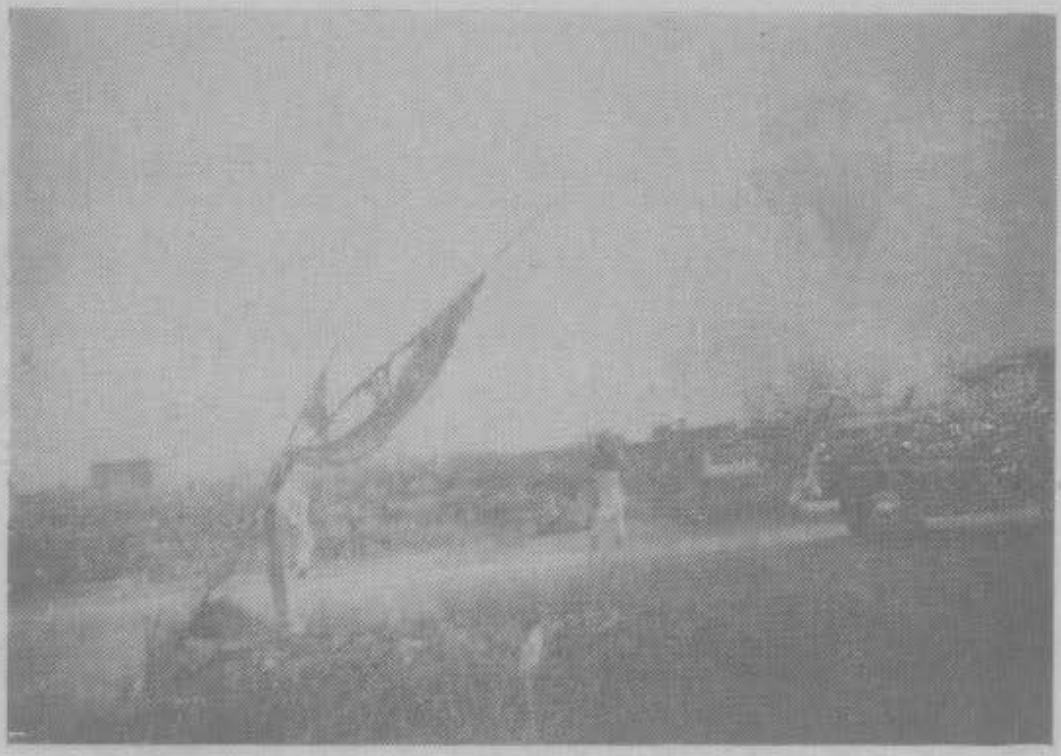

مقبرہ شیخ ملی - (مردان)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

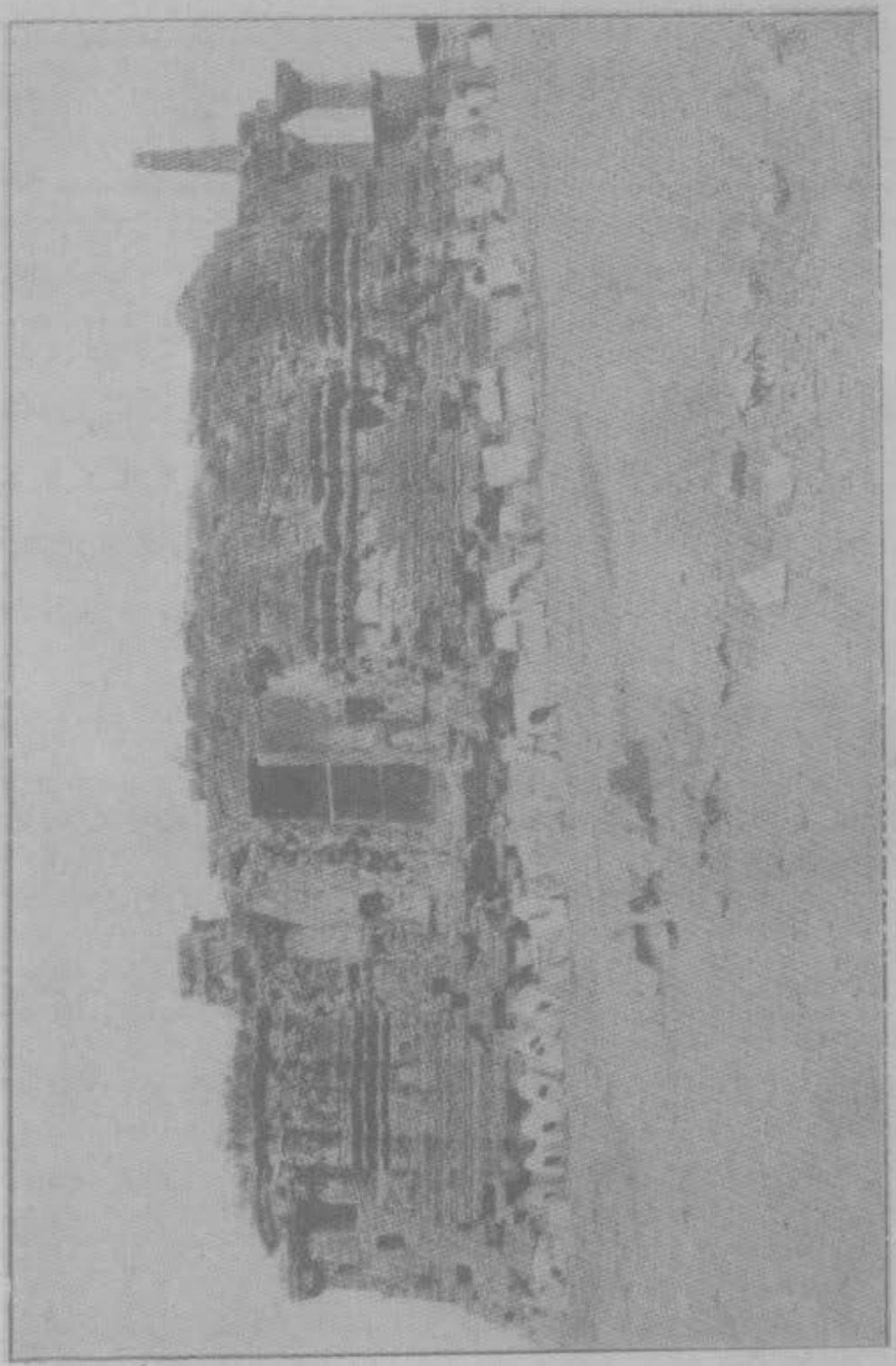

سومنات کا مشہور مندر جو پٹھانوں کی بہادری سے فتح ہوا (کاٹھیاواڑ)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی بنیاد بھی اسی وقت رکھی گئی ہوگی لیکن اس کی تکمیل لازماً بعد میں ہوئی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ ملی کی تقسیم میں مردان کے وہ تمام علاقے شامل ہیں جو ملک احمد کی زندگی کے آخری ایام میں دلازاکوں کے قبضہ میں تھے۔ جس ملک پر قبضہ نہ ہو اس کی تقسیم کیسے کی جاسکتی تھی۔ دلازاکوں کو آخری بار گجو خان نے شکست دیکر اس علاقہ پر قبضہ کیا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ ملی کی تقسیم بھی گجو خان کی قیادت میں ہوئی ہوگی۔

یہاں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھئے کہ اس وقت ملک پر قبضہ یوسف زئے اور منڈڑ کر چکے تھے اس وجہ سے خدا کی اس تمام اراضی پر انہی کا طوطی بول رہا تھا۔ ملک انہی کے قبضۂ قدرت میں تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے آپس میں ہی تقسیم کر لیا۔ شجروں کے ابتدائی دور پر نظر ڈالی جائے تو اس میں تقسیم اراضی یا ملکیت اراضی کے سلسلہ میں یوسف زئے یا منڈڑ کے سوا اور کسی دوسرے کا نام دکھائی نہیں دیتا بلاشبہ بعد میں چل کر دوسرے قبائل کے بعض افراد نے ان لوگوں سے زمینیں قیمتاً خرید لیں یا کہیں نہ کہیں بزور بازو ان پر قبضہ کر لیا یا انگریزی دور میں "قانون زائد المیعاد" کے تحت وہ ان کے مالک قرار دے دیئے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شجروں میں ایسے لوگوں کے ناموں سے ہی ان کا سلسلہ دکھائی دیتا ہے اور ان کے اجداد کا اس میں ذکر نہیں کیا جاتا۔

سیری البتہ سیری "عطیہ" کے طور سید میاں یا بعض خانقاہوں اور ان لوگوں کو جو لشکروں میں ان کی امداد کرتے اور ملاتڑ (حمایتی) پکارے جاتے تھے۔ اولین بندوبست میں زمینیں دی گئی تھیں ان پر ان کا قبضہ تھا لیکن عمیق نگاہوں سے دیکھا جائے تو وہ ان املاک کے مالک نہ تھے ان کی حیثیت ان لوگوں سے بالکل جدا ہے کہ جنہوں نے بعد میں آکر جیسا کہ اوپر لکھا جا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چکا ہے زمینیں خرید لیں یا کسی دوسرے طریقہ سے ان پر قبضہ کر لیا تھا سید اور میاں گان اور ملاتڑا اور ان کی اولاد یوسف زئیوں کے اس عطیہ (سیری) سے مستفید ہوتی رہی اور ہو رہی ہے۔

مصری خان سالارزئے

ملک گجو خان کے بعد یوسف زئیوں کے قبیلہ سالارزئے کے ملک مصری خان ابن جلال خان ابن عالی خان ابن سالار خان نے شہرت حاصل کی اسے اپنے وقت میں قابل ذکر اہمیت حاصل ہوئی۔ لیکن عہد مغلیہ کے مورخین نے یوسف زئیوں کے دیگر اہم و ضروری اذکار کے ساتھ اس کے نام اور اس کے کام کو بھی اپنے اوراق پر جگہ نہ دی اور اسے گمنام رکھنے کی سعی کرتے رہے۔

مصری خان اس دور تواریخ میں نمودار ہوا جبکہ ہندوستان میں شیر شاہ سوری کے ہاتھوں ہمایوں شکست کھا کر عازم افغانستان ہو رہا تھا یہ دور یوسف زئیوں کی تاریخ میں واحد امن و چین کا دور تھا۔ اس زمانہ میں وہ بیرونی حملہ آوروں سے وہ محفوظ رہے۔ شیر شاہ نے کہ جسے یوسف زئے اپنے ہی قبیلہ کا فرد خیال کرتے ہیں ان کی امداد و اعانت کی۔ اور مصری خان کو اپنے قبیلہ کا قائد تسلیم کرتے ہوئے اس کے لئے ترقی کے راستے کھول دیئے۔ چنانچہ مصری خان نے اپنی ہمت جرأت اور قابلیت سے یوسف زئیوں کو منظم کیا۔ ملکی ترقی کی فکر کرنے لگا۔ یوسف زئیوں کے علاقہ کو وسعت دی جانے لگی تو بلا کسی قابل ذکر جنگ و جدل کے یوسف زئے اپنے علاقہ سے نکل کر سندھ پار حچھ کے علاقہ تک جا پہنچے۔

وسعت علاقہ کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ مصری خان قبیلہ کی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں مزید اقدامات بھی کرتا رہا۔ اس نے قلت آب کے پیش نظر جگہ جگہ "ذخیرہ ہائے آب" کا انتظام کیا۔ پانی کے تالاب یا ڈھنڈ تعمیر کرائے۔ مثلاً نوگرام کے جانب

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خوب مصری ڈھنڈ اور علاقہ چھچھ میں غرغشتوں کے قریب اسی نام کی دوسری ڈھنڈ اس وقت بھی دکھائی دے رہی ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایسے اور ذخیرہ ہائے آب بھی ہوں جنکا اس وقت ہم ذکر نہیں کر سکتے۔ پھر ملکی نظام کے سلسلہ میں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یوسف زئیوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم کیا جسے وہ اپنی اصطلاح میں تپلہ کہتے ہیں اور جس کا تلفظ اب بگڑ کر تپہ بن چکا ہے مثلاً تپہ بازئے۔ تپہ رانی زئے۔ تپہ سالار زئے۔ تپہ زرڑ۔ تپہ اتمان۔ تپہ اتمان بلاق۔ تپہ امان زئے وغیرہ[1]۔

علاقہ یوسف زئے کی سرحد اس وقت دریائے کابل ہی دکھائی دیتی تھی دریا کے دوسری طرف خٹک آباد تھے۔ اپنی اس سرحد کی نشاندہی اور استحکام کے لئے اس نے مصری باندہ کی بنیاد رکھی اور اسے ایک فوجی چوکی کی حیثیت سے استعمال کیا[2]۔ علاقہ یوسف زئے میں سڑکوں کا منظم نظام بھی شیر شاہ کے عہد حکومت میں ہوا چنانچہ اس دور کی مشہور ترین سڑکوں میں دو سڑکیں بیان کی جاتی ہیں جن میں کی ایک مردان سے نکل کر گڑھی کپورہ۔ یار حسین ڈاگئے سے ہوتی ہوئی صوابی جا پہنچتی ہے تو دوسری مردان سے شہباز گڑھ اسمٰعیلیہ۔ دینا۔ کالو خان۔ نواں کلی۔ مانیری اور ٹوپی سے نکل کر ادل الذکر سڑک سے جا ملتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ ہندوستان میں شیر شاہ کا عہد حکومت علاقہ یوسف زئے

---

[1] قبائلی علاقہ میں اس وقت بھی یہ لفظ تپلہ ہی بولا جاتا ہے۔ [2] خوشحال خان کے والد شہباز خان خٹک نے عہد شاہجہاں میں مصری باندہ اور ندی لنڈ تک کے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد یوسف زئیوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اسی جنگ میں شہباز کا مارا جانا بیان کیا جاتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے باشندوں کے لئے امن و چین اور ترقی کا دور تھا۔ لیکن اس کے بعد یوسف زئیوں سے جو سلوک ہوا اس کا تذکرہ انہی اوراق پر دوسری جگہ کیا جا چکا ہے۔ مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ شیر شاہ کے بعد مغلوں نے مصری خان پر ڈورے ڈالنا شروع کئے تھے۔ تا آنکہ تعلقات کو خوشگوار شکل دے کر اسے ایک دعوت میں مدعو کرایا۔ لیکن وہاں مغلوں نے وہی حکمت عملی اختیار کی کہ جو یوسف زئیوں کے خلاف ان کا پیش رو الغ بیگ افغانستان میں اختیار کر چکا تھا۔ فرق اسی قدر دکھائی دیتا ہے کہ الغ بیگ نے دعوت میں قتل عام کیا تھا تو اس وقت دعوت میں مصری خان کو کسی اور طریقہ سے ختم کیا گیا۔ اس طرف یوسف زئیوں کا سردار اپنے قبیلہ سے جدا ہوا۔[۲]

کالو خان

تعجب ہے کہ قبیلہ یوسف زئے کی اس اہم شخصیت کو عہد مغلیہ کے اکثر مورخین نے نہ صرف یہ کہ نظر انداز ہی کئے رکھا بلکہ انہوں نے اپنی تحریروں میں اس کا ذکر تک ضروری خیال نہیں کیا۔ یوسف زئیوں کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ قبیلہ بحیثیت مجموعی ایک جماعت کی حیثیت سے دکھائی دیتا ہے اور اس کی قیادت اپنے رفقاء کی امداد و اعانت سے ان کا کوئی ایک ہی قائد کرتا رہا ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ رسم ملک کے مطابق جب قبیلہ کے کسی سردار کی فوتیدگی پر اس کے جانشین کی دستار بندی ہوئی تھی[۱] تو وہ ہی اس قبیلہ کا سردار کہلاتا تھا۔ اس رسم کے مطابق۔

---

[۱] پٹھانوں میں یہ عام قاعدہ ہے کہ خاندان میں والد کی فوتیدگی پر اس کے بڑے لڑکے کو جانشین مقرر کرنے کے لئے "دستار بندی" کی جاتی تھی ابتدائی دور میں اس طرح قبیلہ کے ایک قائد کے بعد دوسرے قائد کی تقرری پر قبیلہ کی طرف سے اس کی دستار بندی ہوتی تھی

[۲] مصری خان مانی زئے کا ذکر باب دلچسپ اضافے میں ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ کی قیادت گجو خان کے بعد مصری خان اور پھر کالو خان کو تفویض ہوئی تھی اور ایک عرصہ تک قبیلہ اسی کی سرکردگی میں اپنی حیات و بقاء کے لئے تگ و دو کرتا رہا۔

"آئین اکبری" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر اعظم اپنے بھائی مرزا عبدالحکیم سے کشمکش کے دوران میں یوسف زئیوں کے اس سردار کالو خان کو اپنے ہمراہ آگرہ لے گیا تھا جہاں اسے بڑی عزت و احترام سے رکھا گیا لیکن وہ مطمئن نہ رہ سکا تو بھاگ نکلا۔ راستہ میں اٹک کے مقام پر اسے پہچان کر اکبر اعظم کے ایک کاردار شمس الدین خان خافی نے گرفتار کر کے واپس آگرہ بھیج دیا تھا۔ اکبر نے دوبارہ حاضر ہونے پر بھی اسے عزت و احترام سے اپنے پاس مقیم رکھا لیکن وہ پھر بھاگ کر اپنے قبیلہ میں جا پہنچا۔ اس نے مغلوں کے خلاف جذبات ابھارے تو وہ جنگ عظیم ہوئی کہ جس میں خود مغلوں کے قول کے مطابق آٹھ ہزار لشکری مارے گئے اور اکبر اعظم کے محبوب بیربل کی لاش تک کا پتہ نہ چلا۔

آئین اکبری کا مصنف نہیں لکھتا کہ کالو خان کو کن حالات میں اکبر کے ہمرکاب آگرہ جانا پڑا تھا۔ وہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ یوسف زئیوں کے بہت سے سرداروں نے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور ان میں کے ایک کالو خان کو اکبر اپنے ساتھ لے گیا۔ لیکن اس کے ساتھ نہ تو کسی جنگ و جدل کا اس وقت ذکر کیا جاتا ہے نہ کالو خان جیسے یوسف زئیوں کے قائد اعظم کی گرفتاری یا اطاعت پر وہ مصنف یوسف زئیوں کے کسی قابل ذکر ہنگامہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ رہا اس کا یہ لکھنا کہ کئی سرداروں نے سر تسلیم خم کر دئے تھے تو یہ کسی طرح درخور اعتنا نہیں ان مصنفین کا یہ عام قاعدہ رہا ہے کہ اپنے ہر اقدام پر اس کے نتائج سے بے نیاز از خود اسے فتح پر محمول کر لیتے تھے حتی کہ خود اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے باوجود کہ مغلوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے آٹھ ہزار لشکری مارے گئے اکبر اعظم کے محبوب بیربل کی لاش تک کا پتہ نہ چلا اس جنگ کے قائدین بمشکل تمام جان بچا کر دربار اکبری میں حاضر ہوئے اور اکبر اتنا رنجیدہ تھا کہ وہ دو دن تک انہیں شرف باریابی بھی عطا نہ کر سکا تھا تو اس پر بھی لکھ دیا کہ یوسف زئیوں کو شکست دے کر مغلوب کر لیا تھا ان مصنفین کے ایسے ہی خیالات کے پیش نظر "اکبر اعظم" کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

ابوالفضل نے اس شکست کے متعلق بہت کچھ غیر جانبدارانہ اور بیہودہ طریقہ پر اظہار خیال کیا ہے۔[1]

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا عبدالحکیم سے اکبر کی کشمکش کے دوران میں یوسف زئے سرداروں نے اکبر کو عبدالحکیم سے بہتر سلوک کرنے کی سفارش کی ہوگی چنانچہ اس وقت کے واقعات سے ظاہر ہے کہ ان دونوں بھائیوں کے تعلقات خوشگوار ہو گئے تھے ایسی حالت میں کالو خان اکبر کے ہمرکاب آگرہ پہنچا ہوگا۔ تو گو اکبر نے اسے بڑی عزت و احترام سے اپنے پاس رکھا لیکن واپس لوٹنے کی اجازت نہ دی جس سے ظاہر ہے کہ کالو خان کی حیثیت ایک باعزت سیاسی نظر بند کی سی دکھائی دینے لگی۔ وہ اپنی قوم کی قیادت کو چھوڑ کر مغلوں کی عطا کردہ تعزت و احترام سے کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔ بھاگ نکلا اور اگر اس کی حیثیت قیدی یا نظر بند کی نہ ہوتی تو شمس الدین خان خافی اسے گرفتار نہ کرتا۔ گرفتاری کے بعد دوبارہ اکبر کا عزت و احترام سے پیش آنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ اکبر اس کی طاقت سے ناواقف نہ تھا اور وہ فطرتاً چاہتا ہوگا کہ یوسف زئیوں کو ان کے ایک قابل قائد سے محروم کر دے۔ اور اس طرح اس قبیلہ کو کمزور کرتے ہوئے اس پر

---

[1] اکبر دی گریٹ مغل۔ وی اے سمتھ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اپنا اقتدار جمانے کی کوشش کرے۔ کالو خان کے بھاگنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے یہ خطرہ دامنگیر ہوا ہو کہ جس طرح افغانستان میں اس سے دھوکہ ہوا یا مصری خان کا خاتمہ ہوا ویسے ہی مغل اسے بھی ٹھکانے نہ لگا دیں۔

اکبر کو اپنے اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے فیصلہ کیا کہ اپنی پوری طاقت سے یوسف زئیوں کو کچل کر رکھ دے۔ چنانچہ بڑی تعداد میں لشکر روانہ کیا گیا۔ خود مغلوں کی زبانی کوئی آٹھ ماہ تک یہ جنگ لڑی گئی۔ ادھر کالو خان اپنی تنظیم میں مشغول تھا۔ اگرچہ یوسف زئے تعداد میں بہت زیادہ نہ تھے پھر اس وقت تک تو انہیں اس جدید علاقہ میں قریب قریب اتنا ہی عرصہ ہوا تھا کہ جتنا بابر کو گزر چکا تھا۔ تاہم وہ ہمت و استقلال سے مقابلہ پر اتر آئے اور میدانی علاقہ میں نبرد آزما ہونے کی بجائے انہوں نے پہاڑیوں میں مقیم ہو جانا بہتر خیال کیا اس جنگ کے محل وقوع طریقہ جنگ اور مغل لشکر کی کلیتہً بربادی کو دیکھتے ہوئے یوسف زئیوں کی ہمت و استقلال اور فنون جنگ سے واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔

یہ جنگ ایسے مقام پر لڑی گئی جہاں ایک دوسرے کے قرب میں تین پہاڑی درے ہیں۔ پنجتار سے کوئی دو میل کے فاصلہ پر کالو خان کے نام کی نسبت سے کالو درہ ہے جہاں یوسف زئیوں نے اپنا کیمپ نصب کیا اس کے مقابل لوگرام کے قرب کے درہ میں مغلوں نے اپنا لشکر جمع کیا تو انہیں کے نام کی نسبت سے بعد میں وہ مغل درہ پکارا جانے لگا اور دونوں کے یوں کہئے کہ درمیان تیسرا درہ ہے جہاں یوسف زئیوں اور مغلوں میں جنگ ہوئی تو یہ جنگی درہ پکارا گیا۔ یوسف زئیوں نے یہاں ایک قابل ذکر فوجی چال چلی اور ان کی یہ کامیاب چال ہی مغل لشکر کی تباہی کا باعث بنی۔ وہ یوں کہ یوسف

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

زیّوں نے کمال تدبر سے اپنے گھوڑوں کے پاؤں میں نعل الٹے رخ لگوائے جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ گھوڑے جس طرف جا رہے تھے ان کے نعلوں کے نشان ان کی الٹی طرف کو روانگی کا پتہ دیتے تھے۔ چنانچہ جب مغلوں نے اقدام شروع کیا اور مخالفوں کے گھوڑوں کے نقش قدم کو دیکھتے ہوئے تعاقب کرنے لگے تو دھوکہ کھایا۔ یوسف زئے ان پر عقب سے ایسے حملہ آور ہوئے کہ پھر ان کے لئے راہ فرار بھی باقی نہ رہی اور وہ اردگرد کے علاقہ میں بھاگ کر ملندری وغیرہ کی پہاڑیوں میں جا برباد ہوئے اس بربادی کی تاریخ ۲۶ فروری ۱۵۸۶ء بیان کی جاتی ہے

اس جنگ میں یوسف زئے کے ذیلی قبیلہ مانیزئے (رزڑ) کا سردار مردان خان ولد جلال خان ولد ولی بیگ خان بھی شہید ہوا تھا اس کا مزار "شاہ مردان سلے" کے نام سے پنجتار سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر اس وقت تک زائرین کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ مردان خان کے دوسرے بھائی دوران خان قبول خان اور نیڈی اپنے وقت کے مشہور خوانین میں شمار ہوتے تھے اس جنگ میں دوسرا قابل ذکر شہید سلیمان خان ولد ماما خان ولد عمر خان یوسف زیّوں کے ذیلی قبیلہ خضرزئے بیان کیا جاتا ہے جس کے نام کی نسبت سے علاقہ پنجتار میں ایک ڈھنڈ "سلیمان بابا ڈھنڈ" کے نام سے اس وقت تک مشہور چلی آ رہی ہے[1]

کالو خان ولد علی خان ولد مبارک خان یوسف زیّوں کے قبیلہ رزڑ کی ذیلی شاخ مانیزئے (منڈڑ) سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ملکی ضروریات کے پیش نظر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "ذخیرہ آب" کے سلسلہ میں بہترین انتظامات کئے تھے چنانچہ مختلف مقامات پر اس وقت تک اس کے نام سے موسوم "ڈھنڈ" دکھائی دے رہے ہیں۔ مثلاً کالو ڈھنڈ جس کے قرب میں اس نام کی نسبت سے موضع کالو خان آباد ہوا اس قسم کی دوسری ڈھنڈ موضع طوطالی سے پنجتار کی طرف بدری نالہ

---

[1] مزید دیکھئے باب یوسف زئے عہد مغلیہ میں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے قریب اس وقت تک کالو ڈھنڈ پکاری جاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے مقامات پر بھی ایسے ذخیرہ ہائے آب یا ڈھنڈ بنائے گئے ہوں۔

عہد مغلیہ پر ایک نظر یوسف زئیوں کے افغانستان سے ہجرت کر آنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد محمد ظہیر الدین بابر نے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھنے کو تگ و دو شروع کر دی تھی اور ابھی کہ یوسف زئے اپنے موجودہ علاقہ میں پوری طرح مقیم بھی نہ ہوئے تھے، بابر یلغار کرتا ہوا آپہنچا۔ لیکن جلد ہی اسے اس قبیلہ یوسف زئے کے عزم و استقلال اور جرأت و بہادری کا پتہ چل گیا۔ جس پر اس نے بگاڑ پیدا کرنے کی بجائے صلاحیت کے دوسرے راستوں کی تلاش میں اس قبیلہ کی ایک لڑکی سے شادی کر لی اور جنگ کرنے کی بجائے جلد ہی عازم ہندوستان ہو گیا اور گودلازاکوں نے اس کی امداد کرتے ہوئے اسے یوسف زئیوں کے خلاف نبرد آزما کرانے کی کوشش کی لیکن بابر عقل و سمجھ سے کام لیتے ہوئے ان کے ہاتھ میں کھیلنے پر آمادہ نہ کیا جا سکا

بابر کے بعد ہمایوں کی باری آئی اسے تخت دہلی سنبھالنے کے ساتھ ہی ہندوستان میں مقیم شیر شاہ سوری سے سابقہ پڑا جو اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ ہمایوں کو ہندوستان سے راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ اگرچہ بعد میں اس نے دوبارہ تخت دہلی حاصل کر لیا تھا۔ اس دوران میں بایزید انصاری نے پٹھانوں کو بحیثیت قوم جمع کرنے کی تحریک چلائی تو اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی لیکن بعد میں چل کر علاقہ یوسف زئے میں حضرت پیر بابا اور حضرت اخوند درویزہ کی کوشش سے یہ تحریک ناکام بنا دی گئی تو اس

۱؎ مزید حالات باب "یوسف زئے عہد مغلیہ میں" دیکھئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

طرح مغلوں کو اپنی بنیادیں استوار کرنے کا موقع ملا۔ اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عہد ہمایوں یا عہد جہانگیر کسی وقت بھی یوسف زئیوں کو کسی شاہی نظام کا مطیع قرار نہ دیا جا سکا۔

اکبر اعظم نے تاریخ میں بہت نام پیدا کیا۔ اس کی سلطنت کو وسعت ملی ہندوؤں میں شادیاں اور اسلامی مسائل سے پہلوتہی ہی نہیں بلکہ ایک جدید مذہب کی بنیاد پر نئی عمارت تعمیر کرنے کی وجہ سے طاقت در ہندو حکمرانوں کی حمایت اسے حاصل ہوئی۔ تو اس نے طاقت کے زور پر یوسف زئیوں کو تابع فرمان بنالینا چاہا لیکن اپنے سینکڑوں عہدیدار اور صرف ایک جنگ میں تیئیس معرکے[1] لڑنے کے بعد بھی اس کا پرچم یوسف زئیوں کے علاقہ پر لہرا نہ سکا اگرچہ ابوالفضل نے اپنی ناکامی چھپانے کے لئے اس جنگ کے خاتمہ کو اپنی فتح پر محمول کیا جس پر ایک انگریز مورخ یہ لکھے بغیر رہ نہ سکا کہ

ابوالفضل نے اس شکست کے متعلق بہت کچھ غیر دیانتدارانہ اور بے ہودہ طریقہ پر اظہار خیال کیا ہے۔[2]

عہد اکبر میں خٹکوں کو حفاظتِ راہ افغانستان کی ذمہ داریاں سونپنے سے یوسف زئے اور خٹکوں میں مستقلاً دشمنی کی بنیاد رکھ دی گئی تھی نتیجہ یہ کہ بھائی کے ہاتھوں بھائی قتل ہونے لگا۔ یوسف زئے اور خٹکوں میں مسلسل میدان کارزار گرم رہا۔ اور اس رزم گاہ میں خون کا ہر قطرہ خواہ وہ یوسف زئے کے جسم سے گر رہا تھا یا خٹک کے جسم سے مغل مقاصد کی آبیاری کرتا رہا۔ اس کشمکش کے دوران میں عنان سلطنت شاہجہاں کے ہاتھ لگی تو وہ طبعاً اس کشت و خون

---

[1] آئین اکبری۔ [2] اکبر دی گریٹ مغل۔ سمتھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو پسند نہ کر سکا۔ چنانچہ کابل جاتے ہوئے اس نے راستہ میں خوشحال خان خٹک سے دریافت کیا کہ وہ کیوں ہر وقت یوسف زئیوں کے خلاف نبرد آزما رہتا تھا جواباً اسے بتایا گیا کہ یوسف زئے چونکہ دربار مغلیہ کے باغی تھے اس وجہ سے ان کی سرکوبی لازمی تھی۔

اس وقت بہاکو خان یوسف زئیوں کی قیادت کر رہا تھا اس نے عقل و سمجھ سے کام لیتے ہوئے جنگ کے طریقہ کار کو بدل دینا چاہا۔ چنانچہ اس نے شہزادہ دارا شکوہ سے تعلقات پیدا کر لئے اور تدبر سے شاہ کو اس حد تک اپنے زیر اثر لے آیا کہ اس نے فرمان شاہی کے ساتھ ایک سنہری مرصع زین سے مزین گھوڑا عطا کرتے ہوئے اس کی سرداری یا قیادت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور روایتہً کہا جاتا ہے کہ پھر یوسف زئیوں نے "اعزازی" رکن کی حیثیت سے شاہجہان کو یوسف زئے قبیلہ تک میں شامل کر لیا تھا۔

ہو سکتا تھا کہ یوسف زئی اور مغلوں کے تعلقات زیادہ خوشگوار ہو جاتے لیکن بدقسمتی سے خاندان مغلیہ میں حصول تخت کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی۔ خوشحال خان اورنگ زیب خان کی حمایت کرتے دکھائی دیا تو بہاکو خان دارا شکوہ کی امداد پر کمر بستہ تھا۔ میدان اورنگ زیب کے ہاتھ لگا تو لازماً بہاکو کے دربار سے وہ سابقہ خوشگوار تعلقات قائم نہ رہ سکتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ مغلوں کی توجہ پھر یوسف زئیوں کی بربادی کی طرف جا لگی۔ پھر کشمکش شروع ہوئی اس وقت مہمند اور افریدی شدت سے مغلوں کی مخالفت کر رہے تھے یوسف زئے پہلے سے ہی اپنی آزادی کے تحفظ کی نگرانی میں مصروف تھے ان حالات میں خوشحال خان خٹک نے بھی مغلوں کی وفاداری سے دست کش ہوتے ہوئے مغلوں کے خلاف جلتی آگ کو ہوا دینا شروع کی جس کے نتیجہ میں مغلوں کو اپنا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چیدہ لشکر ہندوستان سے سرحد کی طرف روانہ کرنا ناگزیر ہو گیا حتیٰ کہ اورنگ زیب خود میدان کارزار کی طرف روانہ ہو کر حسن ابدال میں جا مقیم ہوا تھا۔

اورنگ زیب نے طاقت اور تدبر دونوں سے کام لیتے ہوئے اس جنگ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ جہاں تک یوسف زئیوں کا تعلق ہے وہ پھر اسی جگہ جا پہنچے کہ جس جگہ عہد بہا کوخان میں وہ مقیم تھے یہ علاقہ حسب سابق محکوم نہ بنایا جا سکا اور جنگ و جدل کے باوجود اورنگ زیب کے

لشکر کو (حقیقتاً) بہت ہی کم کامیابی حاصل ہوئی اور آخر کار اس نے مجبور ہو کر پٹھانوں کی وہ شرائط تسلیم کر لیں کہ جن سے ان کی آزادی برقرار رہی اور وہ اپنا لشکر واپس ہندوستان لے گیا۔[1]

واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جنگ و جدل میں طرفین کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک طرف قبائلیوں کی جانیں لقمہ اجل بنیں تو دوسری طرف مغل لشکر کی بربادی کے ساتھ سیاسی حیثیت سے مغل دربار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ مغلوں کے چیدہ لشکر اور خود اورنگ زیب کے سرحد کی طرف آ جانے سے سیواجی مرہٹہ کو موقع ملا۔ اس نے غارتگری شروع کی۔ بدامنی پیدا ہوئی۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہوا تا آنکہ اورنگ زیب نے واپس لوٹ کر حالات پر قابو پا لیا۔ لیکن اس سے انکار نہیں کہ سلطنت مغلیہ پر ہندوستان میں ایسی زد پڑ چکی تھی کہ پھر وہ سنبھلے سنبھل نہ سکی اور اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کا اثر سلطنت کی کمزوری اور بالآخر تباہی کا باعث بنا۔

-ا-

---

[1] گزیٹیر آف پشاور ۱۸۹۸ء۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پہاڑ یوسف زئے کا مقبوضہ علاقہ عام طور میدانی دکھائی دیتا ہے۔ اس میں وسیع پیمانے پہ کاشت کی جاتی ہے۔ اس میں کوئی قابل ذکر پہاڑی علاقہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ "تخت بائی" کی پہاڑیوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے یا پھر ان کے علاوہ سرحد کے قریب دوسرے دو تین پہاڑی سلسلے ہیں جیسے **کوہ گڑو** جس کی چوٹی کوئی ۵۰۰۰ فٹ بلند ہے اور جو میدانی علاقہ اور چملہ کے درمیان حد فاصل کا کام دے رہا ہے۔ دوسرا **جہانگیر درہ** جو میدانی علاقہ سے خدوخیلوں کے علاقہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ان کے علاوہ **کوہ کڑا مار** ہے جس کی چوٹی ۴۴۰۰ فٹ بلند بتائی جاتی ہے۔ اس پہاڑ کے شمال میں صنوبر کے درخت بکثرت نظر آتے ہیں جبکہ جنوبی طرف خشک نظر آتی ہے اس پہاڑ پر کسی "یکی یوسف" نامی بزرگ کے مزار کو خاص عزت و اہمیت حاصل ہے[1]۔ اس مزار کے ارد گرد سے کوئی شخص لکڑی کاٹ کر لے جانے کی جرأت نہیں کرتا اور یہ عقیدہ عام ہے کہ جو بھی لکڑی کاٹ کر لے جائے گا اس کے خاندان پر مصائب و آلام کی بارش ہوگی معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً کسی نے بڑی عقلمندی سے حفاظت جنگل کی غرض سے اس عقیدہ کو عام کیا ہوگا۔ یہ پہاڑ قدرتی طور کچھ اس طرح استادہ ہے کہ اس کے تین اطراف تو بلند و بالا دیوار کی شکل میں دکھائی دیتی ہیں اور چوتھی طرف کھلی۔ اس جگہ کے محل وقوع کو دیکھتے ہوئے اگر اس چوتھی کھلی طرف کو مصنوعی دیوار سے بند کر دیا جائے تو ایک خوبصورت جھیل بن سکتی ہے جس میں تمام ارد گرد کا پانی جمع ہو کر زیریں علاقہ کی زمینوں کی آبپاشی کے کام آ سکتا ہے۔ بجلی بھی تیار ہو سکتی ہے اور اسے ترقی دی جائے تو سیاحوں کے لئے خوشگوار مقام

---

[1] اعلیٰ حیدر خان ساکن اسمٰعیلہ (رونڑ) نے "یکی یوسف" کا تذکرہ اشعار میں کیا ہے جو بہت ہی مقبول ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

قبائلی علاقہ کلیتہً پہاڑی ہے اس میں غالباً ۱۶۲۱۰ فٹ تک بلند پہاڑ دکھائی دیتے ہیں ان پہاڑیوں کے درمیان میدانی علاقوں میں کاشت کی جاتی ہے۔ اور قبائلی اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اناج و پھلوں کے علاوہ خودرو لکڑی بکثرت ملتی ہے اور آمدنی کا یہ بہت ہی اہم ذریعہ ہے۔ اس علاقہ میں معدنیات کی بھی کمی نہیں لیکن عہد انگریزی تک اس طرف کوئی توجہ نہ دی گئی تھی۔ دیر سے چترال جانے والے ایک درہ پلکتون کے قریب پہاڑ کی بلندی ۱۵۹۰۰ فٹ اور دیر سے کوہستان جانے والے درہ کار کی بلندی ۱۳۲۵۰ فٹ ہے۔ باورگئے (دیر) کی ۱۱۸۱۰ فیٹ شہبانگئے ۷۶۳۰ فٹ ہے۔ بونیر میں درہ کلیل ۶۵۶۰ فٹ۔ امبیلہ ۶۰۱۰ فٹ ہے۔ سوات کا بلند ترین پہاڑ دریل کے مقام پر کوہستان کے علاقہ میں ۱۶۲۱۰ فٹ۔ مالاکنڈ ایجنسی میں چکدرہ ۵۰۰۳ فٹ مالاکنڈ ۶۲۴۹ فٹ ہے۔ پاچا ۶۰۰۰ فٹ بگوش ۴۸۱۰ فٹ ہے۔

درہ کڑاکڑ اس کی بلندی ۴۳۸۰ فٹ اور لمبائی پانچ میل بیان کی جاتی ہے۔ یہ بونیر سے شروع ہو کر سوات میں جا ختم ہوتا ہے اور اس میں آمد و رفت رکھنے والے بونیر سے چل کر سوات کے میدانی مقام بری کوٹ تک جا پہنچتے ہیں اور سوات اور بونیر کے درمیان اسے بہترین راستہ خیال کیا جاتا ہے۔

کوہ ایلم یہ بونیر اور سوات کے درمیان یوں کہئے کہ حد فاصل کا کام دیتا ہے اور یہ سلسلہ کوہ دومرا سے موراغر تک کوئی تیس میل طویل ہے۔ اس میں مذکورہ درہ کڑاکڑ کے علاوہ دوسرے مشہور درے چراٹ۔ جوڑے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کلیل کہلاتے ہیں۔ اس کی چوٹیاں لوئے ایلم اور وڑا ایلم پکاری جاتی ہیں جن پر برف پڑتی ہے۔

درہ جواڑے علاقہ بالوزئے (سوات) سے علاقہ گدازئے (بونیر) کی طرف جا نکلتا ہے اور بالوخان یا لشورئے سے ہوتے ہوئے سیدو شریف تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ درہ بلند ہے اور کوہ ایلم کو کوہ زیلم سے جدا کرتا ہے بونیر کے اکثر باشندے سیدو شریف اسی راستہ سے آمد و رفت رکھتے ہیں۔

درہ کلیل کڑاکڑ کے شمال کی طرف واقعہ ہے۔ یہ ایلم اور دوسرا کی پہاڑیوں سے بونیر کی طرف نکل جاتا ہے۔ اور گدازیوں کے موضع کلیل کی نسبت سے درہ کلیل پکارا جاتا ہے اس موضع کے قریب شہید بابا کا مزار ہے اور اس سے پھر کوئی چار میل کے فاصلہ پر حضرت پیر بابا کا مشہور مقبرہ ہے۔

درہ گدوا سوات اور غور بند کے درمیان ہے۔ بازار کوٹ (غور بند) سے شروع ہو کر پین اد بو (سوات) تک پہنچ جاتا ہے۔

درہ گاگری۔ سام رانی زئے سے زیلم کوٹ (سوات) میں جا کھلتا ہے۔

مہابن تاریخ کا یہ مشہور و عظیم جنگل دریائے سندھ کے دائیں کنارے اٹک سے کوئی چالیس اور سرحد مردان سے چند میل کے فاصلہ پر تقریباً پچاس مربع میل رقبہ گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا بلند ترین حصہ یا چوٹی اندازاً سطح سمندر سے کوئی ۷۰۰۰ فٹ ہوگی اس کے جنوب کی طرف گھنے درخت ہیں جہاں قبیلہ جدون کی آبادیاں دکھائی دیتی ہیں تو شمال کی طرف قبیلہ امان زئے اور مغرب کی طرف خدوخیل آباد نظر آتے ہیں اس کا سلسلہ ہزارہ میں تربیلہ کے سامنے تک جا پہنچتا ہے۔ کوہ مہابن کا ذکر سکندر اعظم کے سفر کے دوران میں بھی بڑی خصوصیت سے ہوا تھا اور مشہور چینی سیاح

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیون سانگ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کے نام کو فہادانا کی نسبت سے ظاہر کیا ہے۔ جہاں کسی اپنے پہلے جنم میں مہاتما بدھ سروادا Sarvada کے نام سے حکومت کرتا تھا۔ مہابن سے اتر کر سیاح موصوف نے وادی چملہ میں "اسورا" کے معبد کا ذکر کیا ہے جس کی جگہ اس وقت موضع "سورئے" آباد ہے اور جس کی نسبت سے یوسف زئیوں کی روایات کے مطابق ہندوستان کا مشہور حکمران شیر شاہ سوری کہلاتا تھا۔

اس جگہ کی فضا اور آب و ہوا بہت ہی خوش گوار بیان کی جاتی ہے اور اگر حکومت اس طرف توجہ دے تو وہ پاکستان میں ایک اعلیٰ درجہ کا تفریحی پہاڑی مقام ثابت ہو سکتا ہے اس کے قرب و جوار کے باشندوں کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دفعہ اس علاقہ میں داخل ہو جانے کے بعد واپس لوٹنے کو طبیعت نہیں چاہتی اور صحت پر اس فضا کا بہت ہی خوشگوار اثر محدود و مختصر قیام میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس جگہ بہت سے آثار قدیمہ بھی پائے گئے ہیں جن کا تعلق بلاشبہ عہد بدھ سے ہے۔ اگرچہ ہندو بھی اسے اپنے اجداد کی یادگار بتلاتے ہیں۔

قدیم جھیلیں

علاقہ یوسف زئے سے علاقہ ہزارہ کے ترہیلہ سا در دریائے سندھ کے دوسری طرف چھچھ کے علاقہ پر غور کی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس جگہ کوئی وسیع جھیل تھی جو خدا جانے کن ایام میں خشک ہو کر ایسی خشکی کا باعث بنی جس پر بعد میں آبادیاں نظر آنے لگیں۔ عہد انگلشیہ میں چونکہ اس طرف آثار قدیمہ اور اس سلسلہ کی اہم کڑیوں کی تلاش کی کوشش نہ ہوتی تھی اس وجہ سے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا اور یہ ماہرین آثار قدیمہ کا کام ہے کہ وہ اس علاقہ پر غور و فکر کریں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مقبرہ خان بہا کو خان - ٹنکوئے چملہ

مقبرہ خان مقرب خان - موضع باجا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

زبدۃ الاشباہ والاعیان قدوۃ الامثال والاقران بہاکو یوسف زئی بعنایت

شاہی مفخر و مباہی بودہ۔ بداند کہ عرضہ داشتی کہ در ینولا بجناب عالمیان مآب

ارسال داشتہ بود از نظر کیمیا اثر گذشت و مضمون آن بعرض والا رسید آنچہ در

باب خرجی التماس نمودہ بود حکم میشود کہ زر بسیار است اما در ینوقت اینجا

رسیدن زر باو متعذر است باید کہ خاطر بہمہ ابواب جمع داشتہ جمعیت

شائستہ باخود گرفتہ روانہ حضور پر نور شود کہ بعد از دریافت سعادت

ملازمت کیمیا خاصیت ہر قدر کہ خواہد خواست باو مرحمت خواہیم فرمود۔

زود خود را باجمعیت شائستہ بحضور برساند از زودی عنایت خلعت

فاخرہ باو مرحمت فرمودہ ایم بوصول آن مفخر و مباہی خواہد شد

تحریراً فی ۲۲ ذی قعدہ سنہ ۱۰۶۸ھ

شاہجہان کا فرمان بہاکو خان کے نام

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بہ ایں ہمہ ظاہری آثار دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علاقہ اٹک سے اوپر دریائے سندھ کے دونوں اطراف میں جو ہموار میدانی علاقہ نظر آتا ہے اور وہ ایک طرف اٹک سے گزر کر ہٹیاں۔ لارنس پور اور گنگر تک تو دوسری طرف جہانگیرہ کی اونچائی سے شروع ہو کر مواضعات جلیئے اور جلیئے سے ہوتے ہوئے لاہور۔ شاہ منصور۔ باجا اور ٹوپی تک جا پہنچتا ہے اس مذکورہ علاقہ میں دریائے سندھ جس جگہ پہاڑیوں سے گزرتا ہے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ ان پہاڑیوں نے پانی کا راستہ روک رکھا تھا اور پانی ان پہاڑیوں کے اوپر سے ہو کر گزرتا تھا جس وجہ سے بالائی علاقہ میں وسیع جھیل کا بن جانا یقینی امر تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرور زمانہ نے ان پہاڑیوں میں جو پانی کا راستہ روکے کھڑی تھیں یا تو شگاف پیدا کر دیئے یا ان کی بنیادیں ریتلی تھیں جو نیچے سے کھسک گئیں تو پانی کو راستہ مل گیا اور دریا نے موجودہ شکل اختیار کر لی اور پانی کی سطح گر جانے سے بہت سا علاقہ خشک ہو گیا۔ جس پر بعد میں آبادیاں شروع ہوئیں اور جہانگیرہ۔ طور ڈھیر سے زیدہ ٹوپی تک مسکن دکھائی دینے لگے اس سلسلہ میں یہ ذکر بھی بعید از دلچسپی نہ ہوگا اگر ہم مواضعات جلیئے اور جلیئے کو اس جھیل کے کنارے آباد ظاہر کریں اور ان کے قدیم نام جو سنسکرت کے جل سے مشتق معلوم ہوتے ہیں اور جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک عورتوں اور دوسرا مردوں کے لئے گھاٹ کی شکل میں تھے۔ یہاں کوئی مستقل آبادیاں نہ تھیں بلکہ یہاں سے مرد و زن پانی لے کر کچھ فاصلہ پر اپنی آبادی میں پانی پہنچاتے تھے۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ علاقہ چھچھ اور علاقہ صوابی میں جو اس مذکورہ ڈھنڈ کے خشک حصہ میں آباد خیال کئے جاتے ہیں۔ جب کوئیں وغیرہ کھودے گئے تو ان میں نیچے سے اکثر ایسی بڑی بڑی لکڑیاں (گیلیاں) نکلی اور نکلتی رہتی ہیں جو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پانی کے خشک ہو جانے پر اس کی سطح میں رہ گئے تھے۔ ایسے ہی اس قسم کے پتھر وغیرہ بھی نکلتے ہیں جو عام طور دریاؤں کی تہہ میں ہوتے ہیں۔

اس طرح کا ایک علاقہ بونیر میں ڈگر سے اوپر پاچا تک (بارہ پندرہ میل رقبہ میں) بھی بہ ظاہر کسی قدیم جھیل کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کے گرد و نواح پر نظر ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "سورے کندہ" کے قریب پہاڑ نے اس طرح راستہ روک رکھا تھا کہ بارانی پانی وہاں جمع ہو کر ایک وسیع جھیل کی شکل اختیار کئے ہوئے تھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھیل کا پانی پہاڑوں میں راستہ پیدا کرتے ہوئے مختلف مقامات پر چشموں کی شکل میں نمودار ہوتا رہا۔ بعد میں چل کر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ انسانی ہاتھوں نے اس پہاڑی رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کی۔ پہاڑ کو کاٹ کر پانی نکلنے کے لئے ایک بڑا سوراخ یا راستہ بنا دیا۔ جس سے وہ پانی بہہ نکلا۔ اس جگہ کو اس مناسبت سے پشتو میں "سورے کندہ" پکارا جاتا ہے اس مذکورہ راستہ یا سوراخ کے دونوں اطراف پر نظر ڈالی جائے تو انسانی ہاتھوں سے پتھر کاٹنے کا پتہ چلتا ہے اور اسے کاٹے جانے کے نشانات اس وقت تک دکھائی دے رہے ہیں۔

اس سوراخ یا راستہ بنائے جانے کا اثر یہ ہوا کہ وہ متعدد چشمے جو اردگرد پہاڑیوں سے نکلے تھے وہ خشک ہو گئے۔ پانی بہنا بند ہو گیا تو مقامی باشندوں نے یہ روایت گھڑ لی کہ "کافروں نے اس علاقہ کو جب خالی کیا تو جاتے وقت ردئی اور دیگر مسالوں سے ان چشموں کو بند کر گئے تھے۔ بدیں وجہ ان چشموں سے پانی نکلنا بند ہو گیا۔"[1]

---

[1] روشن خان سباکن نواں کلی نے ان جھیلوں کے سلسلہ میں خاصی دلچسپی لیتے ہوئے ان علاقوں کو خود دیکھ کر مندرجہ بالا نتائج اخذ کئے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دریا میدانی علاقہ یوسف زئے میں کلپانی مشہور ندی ہے۔ اس کے ساتھ گدر مقرا اور بلڑ کے نالے ہیں۔ بونیر میں براندو مشہور ہے اور دریائے سندھ بونیر میں شنگ کے مقام پر داخل ہو کر بونیر کے دریائے براندو اور دوسرے ندی نالوں کے پانی کو لیتے ہوئے۔ تحصیل صوابی میں لوپی کے ساتھ بہتا ہوا ہنڈ کے قریب اس علاقہ سے باہر نکل جاتا ہے۔ اس سے پیہور نامی ایک نہر نکالی جا چکی ہے۔ جس کے پانی سے صوابی کا بہت سا علاقہ سیراب ہوتا ہے۔ حکومت پاکستان تربیلہ کے نام سے زخیرہ آب کے جس عظیم الشان منصوبہ کی تعمیر شروع کر چکی ہے وہ اس علاقہ صوابی اور ہزارہ کے درمیان واقعہ ہے اور اس تعمیر کے سلسلہ میں مردان کے موضع لوپی کے بانڈہ باڑہ کے مقام پر منتظمین کا ایک کمپ قائم کیا گیا ہے۔

گدر کئی چھوٹے چھوٹے نالے اسمعیلکے کے قریب یک جا ہو کر بہنا شروع کرتے ہیں اور گدر کے نام سے سنگو۔ میاں خان۔ کائلنگ۔ ملندری۔ جمال گڑھی قاضی آباد۔ گدر اور پابینی وغیرہ علاقہ کے قریب کلپانی میں جا گرتا ہے۔

ریاست سوات میں دریائے سوات ہی مشہور ترین دریا ہے جس کے ساتھ متعدد دوسرے ندی نالے ملتے ہیں اور پھر وہ دیر کے دریائے پنجکوڑہ اور دوسرے ندی نالوں کو لیتے ہوئے قبائلی علاقہ سے نکل جاتا ہے۔ قبائلی علاقہ میں ندی نالے بکثرت ہیں جو اس علاقہ کی ضروریات کو پورا کرتے اور خوبصورتی کو بڑھاتے ہیں۔

پہاڑ اور دریاؤں وغیرہ کا تعلق اس علاقہ کے جغرافیہ سے ہے۔ یہاں اشارات کے طور بعض معلومات درج کر دی گئی ہیں تاکہ تاریخ کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

سڑکیں زمانۂ قدیم سے پہاڑی علاقوں میں آمد و رفت انہی دیرینہ اقسام

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے راستوں کے ذریعہ ہی ہوتی رہی کہ جنہیں سڑکوں کی بجائے پگڈنڈیاں کہنا ہی موزوں رہے گا۔ صدیاں گزر جانے پر بھی ان میں کوئی قابل ذکر ردو بدل نہ ہوا۔ پرانے کھنڈروں سے پتہ چلتا ہے کہ دور بدھ مت میں اس طرف کچھ توجہ دی گئی تھی۔ ان حکمرانوں نے اس سلسلہ میں اقدامات کرتے ہوئے ایسی سڑکوں کی داغ بیل بھی ڈال دی تھی لیکن اس دور کے اختتام پر ان کے باقی ماندہ نقوش بھی رفتہ رفتہ مٹ کر آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ اس کے بعد نہ کوئی منظم حکومت اس علاقہ میں قائم ہو سکی نہ ہی سڑکوں وغیرہ کی طرف توجہ دی گئی۔ مسافر حسب معمول مذکورہ پگڈنڈیوں کے ذریعہ ہی سفر کرتے رہے اور جانوروں پہ مال و اسباب لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جاتا رہا۔ اور انیسویں صدی کے اواخر تک اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا۔ ۱۸۹۵ء میں جب انگریز کو اپنی ضروریات نے مجبور کیا تو اس قبائلی علاقہ میں مالاکنڈ سے چترال جانے کے لئے اولیں سڑک تعمیر کرنے کا فیصلہ ہوا۔ بعد میں دوسری چھوٹی چھوٹی سڑکیں دکھائی دینے لگیں۔ البتہ بیسویں صدی کے ربع اول میں جب جدید ریاست سوات کی ابتدا ہوئی تو اس کے بیدار مغز حکمران نے اپنی اولین فرصت میں اس طرف توجہ دی تو تھوڑے ہی عرصہ میں اس ریاست کے علاقہ میں بہترین قسم سڑکیں دکھائی دینے لگی ہیں۔ جن پہ دور جدید کی ہر قسم گاڑیاں چل سکتی ہیں۔

قبائلی علاقہ کے مقابل میدانی علاقہ میں گو پختہ قسم سڑکوں کا پتہ نہیں چلتا لیکن کچے راستے بکثرت تھے ایک تو میدانی راستوں میں ان کی تعمیر کچھ مشکل کام نہ تھا دوئم ہر وقت کے حکمران نے ان راستوں کی اہمیت کو محسوس کیا۔ بہ ایں ہمہ انگریز کی آمد سے قبل کسی پختہ سڑک کا اس علاقہ میں پتہ نہیں چلتا۔ انگریز نے اپنی ضروریات سے پختہ سڑکیں تعمیر کیں اور جن علاقوں میں اس کے اپنے اغراض

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کام نہ کر رہے تھے انہیں وہاں سے چشم پوشی کرتے ہوئے معاملات کو مقامی باشندوں کی قوت فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ بہر حال رفتہ رفتہ بہت سی پختہ سڑکیں تعمیر ہوگئیں۔ لیکن ابھی تک بہت سے کچے راستوں پر آمد رفت دکھائی دیتی ہے۔ بہ ایں ہمہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت یوسف زئی کے میدانی علاقہ میں تمام قابل ذکر مقامات تک پختہ سڑکوں کے ذریعہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

ریلوے

یوسف زئے کے قبائلی علاقہ میں کوئی ریلوے موجود نہیں۔ میدانی علاقہ میں اس کی ابتداء چھوٹی پٹڑی سے ہوئی جس کا افتتاح یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو ہوا تو نوشہرہ (ضلع پشاور) سے درگئی تک گاڑیاں چلتی دکھائی دینے لگیں۔ کوئی پچیس سال بعد اول نوشہرہ سے تخت بائی اور پھر تخت بائی سے درگئی تک اس پٹڑی کو بڑی پٹڑی سے بدل دیا گیا تو بالترتیب ۲۶ ستمبر ۱۹۲۱ء اور ۳۰ مارچ ۱۹۲۲ء کو بڑی گاڑیاں چلنے لگیں

زراعت و تجارت

قومی حیثیت سے قبیلہ یوسف زئے زراعت پیشہ اور بہترین قسم زمینداروں میں شمار ہوتا ہے۔ ابتداء میں تو ضلع مردان کا علاقہ اتنا زرخیز نہ تھا۔ لیکن جب بہم رسانی آب کا انتظام ہوگیا۔ نہریں نظر آنے لگیں تو زمین نے بھی سونا اگلنا شروع کر دیا اس علاقہ میں بہترین قسم اناج۔ پھل اور ترکاریاں پیدا ہونے لگیں اور تمباکو کی پیداوار میں یہ علاقہ تمام دوسرے علاقوں پر سبقت لے گیا۔ اور باغات لگانے میں بھی نمایاں حیثیت حاصل کئے ہوئے ہے۔ قبائلی علاقہ میں تو منظم طریقہ پر کوئی کام نہیں ہو رہا۔ اور پھر پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے وہاں زراعت میں مشکلات بھی درپیش رہتی ہیں۔ بہ ایں ہمہ جس قدر انسانی بس میں ہے قبائلی زراعت کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔ ان قبائلی علاقوں میں بہترین قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ جلانے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور تعمیر کے کام آنے والی لکڑی بکثرت ملتی ہے۔

قبائلی علاقہ میں زراعت کے لئے پانی کی کوئی کمی نہیں۔ دریائے سوات دریائے پنجکوڑہ اور دوسرے بکثرت ندی نالے اس علاقہ کو سیراب کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ابتداء ہر قبیلہ نے اس علاقہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میدانی علاقہ میں سوائے کلپانی یا باراتی ندی نالوں کے اور کوئی ذریعہ آب رسانی نہ تھا۔ اسی وجہ سے اس علاقہ میں کاشت بہت ہی کم ہوتی تھی۔ زمیندار یا تو یا دالوں سے پانی کی آس لگائے رہتے تھے۔ یا جہاں ممکن تھا وہاں کنویں کھود کر محدود علاقہ میں زراعت کی جاتی تھی بعد میں چل کر دریائے سوات سے یکے بعد دیگرے ۱۸۸۵ء اور ۱۹۱۴ء میں بالائی اور پائیں دو نہریں نکالی گئیں اور پھر دریائے سندھ سے نہر پیہور کا ان میں اضافہ ہوا۔ پھر ان نہروں کے ساتھ میدانی علاقہ میں ہرٹ (کوئیں) بھی دکھائی دے رہے ہیں جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے یہی وجہ ہے کہ اب یہ علاقہ بہت ہی شاداب و سرسبز دکھائی دے رہا ہے اور اس سے دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔

تجارت افغانوں یا پٹھانوں کے مخصوص طبقوں تک محدود رہی بحیثیت قوم انہوں نے اپنے لئے زراعت اور شمشیر زنی کو ہی مختص کر لیا تھا۔ تجارت یا دوسرے پیشے ان کی نظر میں کم درجہ یا غیر اہم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس سے زیادہ اقدام نہ کر سکے کہ اپنا زراعت کا مال لاکر غیر مسلموں کی دکانوں میں پھینک دیں۔ کسی قسم کی دکانداری پٹھان کے لئے طعنہ کا حکم رکھتی تھی اور اس پیشہ تجارت کو وہ غیر مسلموں یا کم درجہ کے لوگوں کے لئے مختص کئے ہوئے تھے۔

تعلیم جدید کے ساتھ رفتہ رفتہ وہ اس طرف متوجہ ہونے لگے لیکن برادری کے طعنوں کی وجہ سے بہت ہی کم تعداد میں تجارت کو اپنا سکے۔ بیسویں صدی عیسوی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے شروع میں جب قومی بیداری بڑھنے لگی اور ایسی تحریکات شروع ہوئیں جن میں ہندو مسلم مناقشات ابھرے تو کئی افراد ملت نے ہمت سے کام لیتے ہوئے "دوکانداری" کا پیشہ اختیار کرلیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی قابلیت و ذہانت سے میدان تجارت میں چمکتے نظر آئے۔ پھر قدرت نے جب "تقسیم ہند" کے سلسلہ میں ہندوؤں کو نکل جانے پر مجبور کیا تو خالی تجارتی جگہوں کو پر کرنا ناگزیر تھا۔ اب پٹھانوں نے سابقہ عقائد یا خیالات کو خیرباد کہتے ہوئے ہندو کی ہر خالی شدہ تجارتی جگہ پر قبضہ کیا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت نہ صرف یہ کہ وہ اپنے وطن یا علاقہ میں تجارت کو اپنائے ہوئے ہیں بلکہ اپنے وطن اجداد سے دور دراز علاقوں میں بھی ان کی تجارت چمکتی دکھائی دیتی ہے۔

بلاشبہ ایک زمانہ میں پٹھان تجارت کو معیوب خیال کرتا اور اس کا نام تک سننے کا روادار نہ تھا۔ لیکن حالات زمانہ کے ساتھ اسے بدلنا پڑا تو اس وقت وہ تجارت کو باعث فخر خیال کرتا ہے۔ عہد انگلشیہ میں دوسرے پٹھان علاقوں کی طرح علاقہ یوسف زئی کی تجارت بھی کلیتہً غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے اپنی عیارانہ چالبازیوں سے پٹھان کو میدان تجارت میں قدم رکھنے ہی نہ دیا اور سحر پھونکا جاتا رہا کہ بہادر اقوام کا پیشہ زراعت اور شمشیر زنی ہوتا ہے اور تجارت وغیرہ تو ہندو جیسے کمزور انسانوں کا کام تھا یہ سحر اپنا کام کرتا رہا۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد جب یہ سحر پھونکنے والے باقی نہ رہے اور ذمہ داریاں خود اپنے کندھوں پر آگریں تو اس بوجھ کا اٹھانا ناگزیر ہوگیا۔ بخوشی یا بہ امر مجبوری اس نے اس بارگراں کو اٹھانے کی سعی کی اور پھر بہت دن گزرنے نہ پائے تھے کہ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس پر حقیقت حال واضح ہونے لگی اسے تجارت کے فیوض و برکات دکھائی دینے لگے۔ اس وقت اسے پتہ چلا کہ کس طرح غیر مسلم

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بنیا اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا تھا۔ اور کس طرح وہ اراضی کا مالک ہونے ہل چلانے اور محنت مشقت کرنے کے بعد بھی ہمیشہ گاؤں کے دیکھنے کو چھوٹے سے کمزور بنیا کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقروض رہا کرتا تھا۔

صنعت و حرفت

صنعت و حرفت میں بھی یہ علاقہ کسی قدر پسماندہ نہیں۔ مقبوضہ علاقوں میں ترقی دیہات کی اسکیموں کے ساتھ اس وقت تک اس علاقہ میں بڑے بڑے کارخانے مصروف کار نظر آتے ہیں۔ مثلاً پریمیر شوگر مل۔ یا تخت بائی شوگر مل۔ البتہ قبائلی علاقہ تعلیم کی طرح اس سلسلہ میں بھی بہت ہی پسماندہ ہے۔ اگرچہ قبائلی علاقہ کی گھریلو صنعت کو ترقی دے کر بام ترقی پر پہنچایا جا سکتا ہے۔ سوات اور دیر کے دور دراز علاقوں سے گھریلو صنعت کی اشیاء نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون پاکستان بھی پہنچ رہی ہیں۔ لیکن اس تجارت یا صنعت کو کسی طرح منظم نہیں کہا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں بھی ریاست سوات اپنے علاقوں کی گھریلو صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی سعی میں مصروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقہ کی اشیاء اب زیادہ تعداد میں اس علاقہ سے باہر بھیجی جا رہی ہیں ضروری ہے کہ دوسرے ملحقہ قبائلی علاقوں کو بھی اس طرف اقدام کرنے کی ترغیب دی جائے۔

برقی قوت (بجلی)

حکومت کے قوت برق پیدا کرنے کے اولین عظیم الشان منصوبہ کا اجراء مالاکنڈ ہائڈرو الیکٹرک سکیم کے نام سے اس علاقہ یوسف زئی سے ہی ہوا تھا۔[1] مالاکنڈ کے قرب میں جبن کے مقام سے یہ قوت برق دور دراز علاقوں تک پہنچائی جا رہی ہے اور قیام پاکستان کے بعد

---

[1] اس اسکیم کی تکمیل نواب سر عبدالقیوم خان کی رہین منت ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس کی تاریں سابقہ صوبہ سرحد سے نکل کر سابقہ پنجاب کے بہت سے حصہ کو بھی روشن کرنے کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ حکومت پاکستان کے جدید زیر تعمیر منصوبہ "تربیلہ بند" کا تعلق بھی بڑی حد تک اسی علاقہ یوسف زئی سے ہے اس منصوبہ کے تحت جس علاقہ پر کام ہو رہا ہے اس کا ایک سر ہزارہ میں ہے تو دوسرا تحصیل صوابی میں اور اسی صوابی کے علاقہ میں موضع لوٹپی کے ملحقہ علاقہ میں اس منصوبہ پر کام شروع ہو چکا ہے۔

قبائلی علاقہ میں اس وقت تک قوت برق پیدا کرنے کا کوئی انتظام نہیں البتہ مالاکنڈ ایجنسی میں بہت سے مقامات اور ریاست سوات کے کئی مقامات اس مالاکنڈ کے بجلی گھر سے مستفید ہو رہے ہیں۔

علم و ادب

قبیلہ یوسف زئے کو علم و ادب میں ابتدا ہی سے نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس علاقہ میں ملک کے بہترین عالم فاضل۔ مفکر اور مقنن پیدا ہوئے اور قبائلی علاقوں میں مرتب شدہ تصانیف کی ابتدا بھی اسی علاقہ سے ہوئی۔ اس قبیلہ میں ابتدائی تاریخ کی کتابیں لکھی گئیں۔ شعرا و ادبا نے جنم لیا۔ مسائل تقسیم اراضی یا با اصطلاح حاضرہ "بندوبست" کا اولین شاہکار بھی اسی قبیلہ کے قابل فخر فرزند شیخ ملی[1] کے ہاتھوں مرتب ہوا تھا اور اس قبیلہ کی زبان کو پشتو علم و ادب میں فوقیت حاصل رہی تعلیم قدیم و جدید دونوں میں قبیلہ یوسف زئی کے ارکان درخشندہ ستاروں کی طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں اس قبیلہ میں نہ تو علم قدیم کے علماء کی کبھی کمی محسوس ہوئی نہ علمائے جدید کی۔ بہترین مفکر۔ مقنن۔ منتظم اور حکمران اس علاقہ میں اور اس علاقہ سے نکل کر دوسرے علاقوں میں اپنی قابلیت کا سکہ جماتے رہے ہیں۔

---

[1] اس کے متعلقین موضع مینی (تحصیل صوابی) میں مقیم شیخ مل خیل پکارے جاتے ہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دورِ گزشتہ کے چند قابلِ ذکر شعراء اور ادباء کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ حافظ علے پوری (سوات)۔ غلام قادر (موضع ادینہ) رسول خان اخوند۔ نادان شاہ (موضع ترلاندی)[۳]۔ امان اخوند (سلیم خان)۔ امانت اخوند۔ رسول اخوند (موضع مینی) امان اخوند (موضع گجرات نجشالی)۔ خواص خان۔ قادر خان۔ (پلو) احمد دین طالب (موضع مرغز)۔ حافظ[۱] (موضع مرغز)۔ محمود اخوند (موضع کوٹہ) ابراہیم (کالوخان) امیرالدین (علاقہ چملہ) گلاب شاہ (ڈاگئی) جان خان شکر (موضع ترقی (رزڑ)، حمیداللہ خان (گڑھی اسمعیل زئے) عبدالمنان (موضع اسمعیلہ) شاہ نظر خان (موضع یار حسین)۔ میاں سمیع الدین (سرخ ڈھیری) بادرئے موضع کدھی) اسد اخوند (موضع ٹھنڈی کوئی) الہ داد خان (امبار) معظم (لنواں کلی)[۲]

دوسرے معاملات کی طرح انگریز کی آمد کے بعد تعلیم کے سلسلہ میں بھی یہ علاقہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ مقبوضہ علاقہ میں تو حصول تعلیم جدید و قدیم کی سہولتیں میسر آجاتی رہیں۔ اس میں متعدد سرکاری اور غیر سرکاری مدارس نظر آنے لگے اور قیام پاکستان کے بعد تو اس علاقہ نے اس سلسلہ میں اور بھی ترقی کی حتیٰ کہ مردان میں "اکبر میموریل کالج"[۴] نے طلباء کو اعلیٰ تعلیم دینے کے لئے اپنے دروازے کھول دئے۔ لیکن قبائلی علاقہ میں چونکہ کوئی منظم حکومت قائم نہ تھی اور ان باشندوں کو آئے دن خانہ جنگی اور انگریز سے مقابلہ ناگزیر تھا اس وجہ سے

---

[۱] خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا تعلق مولانا محمد علی جوہر کے خاندان سے تھا۔ [۲] توقع ہے کہ علاقہ یوسف زئے کے علم دوست احباب ان شعراء کے حالات و کلام کے لئے جستجو کریں گے تاکہ ان کی یاد قائم رہ سکے۔ [۳] موضع ترلاندی کے شیر محمد خان مینوش نے علامہ اقبال کے کلام کا بڑی قابلیت سے ترجمہ کیا ہے۔
[۴] نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تعلیم کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی جا سکی اور وقتی طور قیام امن کے دوران میں بھی ان علاقوں کے سربرآوردگان نے مجرمانہ غفلت سے کام لیتے ہوئے تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ زیادہ سے زیادہ یہی دکھائی دیتا ہے کہ افراد خود اپنے شوق تعلیم میں مقامی طور یا وطن سے نکل کر دور دراز علاقوں کا سفر کرتے ہوئے حصول علوم دینی کے لئے کوشاں رہے۔ اور جیسی کچھ غیر مکمل تعلیم حاصل کر سکے اسی پر ملت کو فخر رہا۔

علوم جدید کی ہوا بھی اس علاقہ تک پہنچ نہ سکی اس وجہ سے اس کا ذکر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں جب جدید ریاست سوات کی بنیاد پڑی تو اس کے بیدار مغز حکمران نے اپنی اولین فرصت میں اس طرف توجہ دی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ریاست سوات میں مدارس کا جال بچھا نظر آنے لگا۔ باشندگان وطن کو سہولتیں مہیا کی جانے لگیں۔ مفت تعلیم دینے کا فیصلہ ہوا۔ اور صرف ابتدائی تعلیم ہی نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم کے ادارے بھی دکھائی دینے لگے۔ جن میں جہانزیب ڈگری کالج[1] خاص طور قابل ذکر ہے۔ (تفصیلات باب "ریاست سوات" میں ملاحظہ کیجئے)۔

لیکن جہاں ریاست سوات میں تعلیم کو اتنی اہمیت اور وسعت دی جا رہی ہے وہاں دوسرے ملحقہ علاقوں یا ریاستوں میں اس وقت تک کوئی تسلی بخش انتظام نہیں دکھائی دیتا۔ قیام پاکستان کے بعد حکومت قبائلی علاقہ میں حتی المقدور تعلیم کو رائج کرنے میں مصروف عمل ہے۔ اور مختلف قبائلی علاقوں میں مدارس کے اجرا کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا جا چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود

سابقہ صفحہ کا نوٹ

[1] یہ کالج کرنل نواب سر محمد اکبر خان مرحوم رئیس ہوتی کی یاد میں قائم کیا گیا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضروری ہے کہ اکثر قبائلی علاقوں میں جہاں قبائلیوں کی اپنی حکومتیں قائم ہیں مثلاً دیر وغیرہ وہاں حکومت ان حکمرانوں کو اس طرف اقدام کرنے کو مجبور کرے اور انہیں مجبور کیا جائے کہ وہ اس معاملہ میں ریاست سوات کے نقش قدم پر گامزن ہو جائیں۔

یہاں یہ ذکر بھی کر دینا ضروری ہے کہ افغان یا پٹھانوں کو بحیثیت قوم تعلیم دلانے کے لئے جس قابل ذکر شخصیت نے اقدام کرتے ہوئے دار العلوم اسلامیہ (اسلامیہ کالج پشاور کے قیام کا بندوبست کیا تھا وہ اس علاقہ یوسف زئے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہی شخص صوبہ سرحد میں نفاذ اصلاحات کے بعد عہد انگریزی میں پہلا وزیر اور پھر وزیر اعظم مقرر ہوا۔ تو نواب سر صاحبزادہ عبد القیوم خان کے نام سے اس نے شہرت حاصل کی اور تعلیمی معاملات میں عملی دلچسپی کی وجہ سے "سرسید سرحد" پکارا گیا۔ (پیدائش ۱۸۶۳ء۔ وفات ۲ دسمبر ۱۹۳۷ء) آپ موضع لوپی صوابی میں مدفون ہیں۔

مذہب اور رسم و رواج

قبیلہ یوسف زئی کلیتہً مسلمانوں پر مشتمل اور حنفی العقیدہ ہے۔ مذہب سے انہیں ہمیشہ سے شغف رہا ہے۔ ان کی تمام تحریکات مذہب کے نام پر مذہب ہی کی روشنی میں پھلتی پھولتی رہی ہیں۔ وہ اسلامی مساوات۔ اسلامی برادری عبادت اور اس قسم دوسرے تمام عقائد پر سختی سے پابند رہے۔ یہ اور بات ہے کہ تعلیم کی کمی کی وجہ سے وقتاً فوقتاً نیم تعلیم یافتہ علماء نے انہیں مذہب کے نام پر غلط اقدامات پر بھی مجبور کئے رکھا۔ ویسے بحیثیت قوم جب کبھی کوئی مذہبی مسئلہ اجتماعی حیثیت میں ان کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اس کی پوری پوری حمایت کی۔ یہی جذبۂ اسلام تھا کہ جو انہوں نے بایزید انصاری کی تحریک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی ہمنوائی کی۔ پھر حضرت اسمٰعیل شہید کی تحریک کی تقویت کا باعث بنے تحریک ہجرت۔ تحریک خلافت یا آزادی وطن گویا کوئی ایک تحریک بھی نہ تھی کہ جسے انہوں نے مذہبی فریضہ سمجھکر نہ ادا کیا ہو۔

اپنے ابتدائی دور میں کہ جس وقت وہ علاقہ یوسف زئے میں مقیم ہوتے تھے انہیں فن سپاگہری کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کشتی لڑنے کا خاص اہتمام رہا۔ ورزش اور جسمانی تقویت کے ایسے دوسرے امور ہر وقت پیش نظر رہے۔ ان کی کھیلیں بھی عام طور ایسی ہی تھیں کہ جن سے ان کی سپاہیانہ قابلیت کو اجاگر کرنے کا موقع ملتا تھا۔ چنانچہ ان کا ایک مشہور کھیل یوں کھیلا جاتا تھا کہ وہ ایک بت بنا کر کھڑا کر دیتے تھے اس کے سر پہ اندازاً کوئی دو انچ قطر کا گول لکڑی کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا جسے وہ اپنی اصطلاح میں کوڑا کہتے تھے۔ نوجوان دو پارٹیوں میں تقسیم ہو کر مذکورہ لکڑی کے ٹکڑے کا جو ٹکئے کہلاتا تھا تیروں وغیرہ سے نشانہ باندھتے اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ نشانہ ٹھیک ٹکئے پہ لگے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ٹکئے کے گرد کا حلقہ تیر میں حمائل ہو جاتا اور اگر کسی کا نشانہ ٹکئے اور کوڑے سے باہر جا لگتا تو کہتے "اس نے تو بت (کافر) کو ہی خطا کر دیا۔ یہ تیر اندازی یا نشانہ بازی اور یہ بت اسی جذبہ کے تحت تھے کہ وہ اپنے آپ کو کافروں یا مخالفین کے خلاف تیار کرتے تھے اس قسم دوسری کھیلیں بھی تھیں۔

علاوہ ازیں وہ گھوڑوں کے بہت شوقین تھے۔ سواری اور نیزہ بازی سے خاص دلچسپی تھی اس میں شاندار مقابلے ہوتے تھے۔ ان کی جنگوں میں سواروں کو خاص اہمیت حاصل رہی اور قومی لشکر میں سواروں کا موجود ہونا ضروریات سے تھا۔ چنانچہ ان کی جنگوں کے اذکار میں ان گھوڑ سواروں کے حالات خاص

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اہمیت سے بیان کئے جاتے رہے ہیں ان کے اس شوق کی وجہ سے گھوڑوں کی پرورش نے خاص اہمیت حاصل کرلی تھی کہ اس دوران میں یہ علاقہ اپنے اعلیٰ قسم گھوڑوں کے لئے بھی خاص وقعت سے دیکھا جاتا تھا۔

ابتدائی دور کے حالات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے پٹھان قبائل کی طرح ابتداء ہی سے ان میں جرگہ (پنچایت) سسٹم کا رواج تھا وہ اپنے تمام معاملات میں، اپنے جرگوں کے ذریعہ فیصلہ کرلیا کرتے تھے۔ مہمان نوازی میں بھی وہ اپنے دوسرے پٹھان قبائل سے برابر کے شریک دکھائی دیتے ہیں ان کے حجروں کے دروازے مسلم وغیر مسلم ہر آنے والے کے لئے کھلے دکھائی دیتے ہیں اور لباس اسلحہ القابات میں بھی دوسرے قبائل سے کہ جنکا ذکر کتاب "افغان یا پٹھان" میں کیا جا چکا ہے برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علاقہ یوسف زئے کی آبادیوں کے حجرے عام طور آبادی کے ارد گرد تعمیر کئے جاتے تھے۔ ان سے یہ فائدہ تھا کہ اول تو مہمانوں کو سہولت رہتی تھی اور وہ حدود آبادی میں پہنچنے کے ساتھ بہ آسانی کسی نہ کسی حجرے میں پہنچ جاتے تھے۔ دوسرے حجروں کے مذکورہ محل وقوع سے مقیمین حجرہ گاؤں میں داخل ہونے والوں کی بہ آسانی نگرانی کرسکتے تھے اور کوئی غیر پسندیدہ شخص گاؤں میں داخل نہ ہوسکتا تھا۔ تیسرے یہ حجرے آبادی کے تحفظ کے لئے فوجی چوکی کا کام بھی دیتے تھے اس وجہ سے کسی حملہ آور کو روکنے یا دفاع کے لئے سہولتیں بھی میسر رہتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس دور میں حجرے کے دروازوں میں کواڑ نہ لگائے جاتے تھے تاکہ ایک طرف وہ مہمانوں کے لئے کسی وقت بند دکھائی نہ دیں تو دوسری طرف حملہ کے وقت آبادی کے افراد کی آمد و رفت میں کسی طرح مخل نہ ہوسکیں۔

غیر مسلموں سے ان کا سلوک بھی ہمیشہ قابل ذکر رہا ہے اور کسی کو کمزور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سمجھکر پریشان کرنے کی اس قبیلہ میں مثال پیدا کرنا مشکل ہے۔ مختصر یہ کہ ان میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو دوسرے آزاد پٹھان قبائل میں پائی جاتی ہیں۔[1]

نظم و رواداری

میں یہ قبیلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی ابتدائی تاریخ پر غور کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس وقت پورا قبیلہ ایک خاندان یا جماعت کی حیثیت رکھتا تھا اور جب قبیلہ کسی ایک فرد کو اس کی قابلیت و اہلیت کی وجہ سے اپنا قائد منتخب کرتے ہوئے اس کی دستار بندی کر دیتا تو سب افراد قبیلہ اس کی زیر قیادت آ جاتے تھے اور پھر بعد میں جب انہوں نے اپنی ملکی تقسیم شروع کی تو یہ وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک ایسی جنگجو اور غیر تعلیم یافتہ قوم اس تقسیم کو خاموشی سے سرانجام دے سکے گی یا تقسیم کرنے والوں کے فیصلوں کو قبول کر سکے گی۔ یہی خیال کیا جا سکتا ہے کہ ہر ہر قبیلہ اپنے لئے بہترین اراضی کا طلبگار ہوگا تو نتیجہ میں کشت و خون ناگزیر تھا۔ لیکن اس قبیلہ کے نظم کو دیکھئے کہ اس تقسیم کے سلسلہ میں کسی جنگ خلش یا جھگڑے کا پتہ نہیں چلتا۔ ان کے اپنے اولین قومی بندوبست میں جب اراضی یا علاقے تقسیم ہوئے تو وہ بلا چون و چرا ان علاقوں پر جا مقیم ہوئے جو ان کے نام مختص کر دیئے گئے تھے اور فریضہ تقسیم ادا کرنے والے شیخ ملی کی تقسیم کو انہوں نے اس وقت بھی عزت و احترام سے دیکھا اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب اس کا ذکر کرتے ہیں تو اپنے ایک بزرگ قوم ہی کی حیثیت سے کرتے ہیں۔[2]

---

[1] دیکھو کتاب افغان یا پٹھان۔ [2] شیخ ملی کے مزار کو جو مردان کے قریب ہے بزرگانہ احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ یار ہوتی کے مشہور تاجر طواب شاہ کے والد اور دادا اس کی نگرانی کرتے رہے اور اب طواب شاہ نے مزار کو خوبصورت شکل میں تعمیر کر دینے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس کے ساتھ اس کو بھی ذہن نشین رکھئے کہ بوقت تقسیم انہوں نے اپنی روائتی رواداری کے پیش نظر ان غیر یوسف زیئوں کو بھی فراموش نہ کیا جو ان کے ساتھ ان کے ملاتڑ (حمائتی) کی حیثیت میں مقیم تھے یا مذہبی امور اور سجادہ نشینی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ چنانچہ تقسیم املاک کے موقعہ پر ان کے بقاء و قیام اور انہیں ضرورت زندگی مہیا کرنے کی غرض سے اراضی دے دی گئی تھی جس سے وہ اس وقت تک مستفید ہو رہے ہیں۔

اس قبیلہ کی رواداری کا اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ افغانستان سے ہجرت کر آنے کے بعد جب گیگیانیوں کو جائے رہائش کی ضرورت پیش آئی تو گودہ افغانستان میں یوسف زیئوں کے خلاف صف آرا رہ چکے تھے۔ انہوں نے دوآبہ کا علاقہ انہیں رہائش کے لئے پیش کیا اور پھر جب محمد زئے اس طرف آئے تو یوسف زیئوں نے خندہ پیشانی سے ہشتنگر جیسا زرخیز علاقہ ان کی نذر کر دیا تھا پھر یہ واقعہ بھی کچھ کم اہم نہیں کہ قبیلہ خٹک کے مشہور ترین جنگجو شاعر خوشحال خان ہی نہیں بلکہ ان کے اجداد بھی یوسف زیئوں کی مخالفت پر کمربستہ رہے۔ آپس میں جنگیں ہوئیں۔ قتل مقاتلے ہوئے حتیٰ کہ خوشحال خان نے اپنے ایک شعر میں یہاں تک اعتراف کیا تھا کہ

میں یوسف زیئوں کے لئے زہر قاتل تھا اور (میرا) مغلوں کی خدمت کرنے کا سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہ تھا۔[1]

ان حالات میں بھی جب خوشحال خان کے خاندان کو مغلوں کی طرف سے گرفتاری کا خطرہ درپیش تھا تو انہی یوسف زیئوں نے نہ صرف یہ کہ خوشحال خان کے خاندان کو اپنے

---

[1] زہ د یوسفزیو پہ خان زہر دم قاتل
بل مقصود مے نہ و د پہ خدمت کښے د مغل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

علاقہ میں عزت و احترام سے رکھا بلکہ اس کے ساتھ ایک سو دوسرے خٹک خاندانوں کو بھی اپنے دامن میں لے لیا۔[1] اور جہاں خوشحال خان نے اپنے کلام میں یوسف زیوں کے خلاف بھی بہت کچھ کہا تھا وہاں یوسف زیوں نے باوجود یکہ ان میں شعراء ادباء اور صاحبان علم کا کسی وقت بھی فقدان نہ رہا تھا۔ خوشحال خان کے خلاف کوئی قلمی حرکت نہ کی نتیجہ یہ ہے کہ خٹک بڑی تعداد میں آکر علاقہ یوسف زئی میں آباد ہوگئے اور اس وقت تک یہ دونوں قبیلے محبت و پیار سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں

غیر مسلم پٹھان

قبائلی علاقہ میں غیر مسلم بھی بہت قدیم سے آباد چلے آتے ہیں وہ اپنے قد۔ جسامت۔ توانائی اور بول چال ہر حیثیت میں اپنے آپ کو پٹھانوں کے ساتھ برابر کی حیثیت میں ظاہر کرتے رہے۔ وہ انہی قبائلیوں کی زبان بولتے اور فخریہ اپنے آپ کو "پٹھان" پکارتے تھے۔ اور جب کبھی اس ملک پر حملہ ہوا وہ جنگجو پٹھانوں کے ساتھ کسی نہ کسی رنگ میں اسے اپنی ملکی جنگ سمجھکر حصہ بھی لیتے رہے۔[2] مختصر یہ ہے کہ قبائلیوں کے جذبۂ آزادی سے یہ غیر مسلم متاثر ہوئے۔ لیکن بعد میں جو دوسرے علاقوں سے ایسے غیر مسلم بھی پہنچ گئے جن کا حقیقتاً پٹھانوں سے کوئی تعلق یا ان سے کوئی لگاؤ نہ تھا ان کا مطمح نظر اقتصادی حیثیت میں لوٹ مار کرنا تھا اور وہ قیام پاکستان سے قبل دل کھول کر پٹھانوں کو لوٹتے رہے۔

صوبہ سرحد کی تشکیل کے بعد انہی قدیم غیر مسلم خاندانوں سے پنڈت رام چند

---

[1] یہ لوگ موضع سیکری (شکئی) میں آباد کئے گئے تھے جو جہاں گڑھی اور کالنگ کے درمیان مردان سے گیارہ میل جانب شمال واقع ہے۔ [2] اس مسئلہ پر کتاب افغان یا پٹھان میں بحث کی جا چکی ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ساکن یار حسین (علاقہ یوسف زئی) نے آواز بلند کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ جدید صوبہ کو صوبہ سرحد کی بجائے کسی پٹھان نام سے موسوم کیا جائے اس نے ۱۹۰۷ء میں اخبارات میں مقالات لکھے۔ پھر ۱۹۱۱ء میں امریکہ چلا گیا اور وہاں کے مشہور انقلابی اخبار "غدر" کا ایڈیٹر بنا۔ اسے انگریز کے اشارہ پر ۲۳ اپریل ۱۹۱۸ء کو ایک سکھ نے قتل کر دیا تھا۔

تحریک آزادی ہند کے سلسلہ میں اس علاقہ یوسف زئے کے موضع غلاڈھیر سے نوجوان بھگت رام ہندوستان کے مشہور لیڈر سوباش چندر بوس کے ساتھ اس سرزمین سے نکل بھاگا تھا اور اس کے بھائی نے پنجاب کے گورنر پر پستول کے فائر کئے تھے۔ جس کی پاداش میں اسے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا تھا۔

بستیوں کے نام

علاقہ یوسف زئے کی بستیوں کے ناموں پر غور کی جائے تو ان میں دو اقسام کی آبادیاں دکھائی دیتی ہیں ایک وہ جنہیں اس وقت تک اپنے قدیم ناموں یا ان میں معمولی ردوبدل سے پکارا جاتا ہے۔ مثلاً سوات۔ باجوڑ۔ مالاکنڈ۔ نوگرام (نورہ)۔ سورئے (سورہ یا مسورہ) بازار (بازیرہ) لاہور (لہور) ادیگرام۔ ہوڈی گرام۔ مہابن۔ ڈوما وغیرہ تو دوسری بکثرت وہ ہیں کہ جنہیں خود یوسف زئیوں نے اپنے ناموں سے آباد کیا تھا۔ یوسف زئیوں کی اس علاقہ میں آمد کے وقت ان کی آبادی کسی طرح گنجان نہ تھی۔ پھر ابتداء میں تقسیم اراضی کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ انہوں نے بحیثیت قبیلہ آکر جہاں موقع ملا اپنے ڈیرے ڈال دئے۔ ان مقامات کو اپنے کسی نہ کسی قائد کے نام سے موسوم کیا اور جب بعد میں باہمی قبائلی تقسیم میں انہیں ان آبادیوں کے تبادلے کرنے پڑے تو بھی چونکہ یہ تبادلے اور نقل مکانی باہمی صلاح و مشورہ سے ہو رہی تھی۔ نو واردوں نے ان مقامات کے نام تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ ویسے ہی جیسے کہ ہشتنگر سے یوسف زئیوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے نکل آنے کے بعد۔ وہاں کے خود وار محمد زئیوں نے سابقہ ناموں کو رہنے دیا تھا۔ جو اس وقت تک تنگی عمر زئے۔ اتمان زئے۔ چارسدہ۔ رزڑ وغیرہ کے نام سے دکھائی دے رہے ہیں۔

اس روشنی میں علاقہ یوسف زئے کی بستیوں پر نظر ڈالی جائے تو اکثر و بیشتر آبادیاں وقت کے قائدین یا سرداروں کے نام سے موسوم دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً غالب خیال ہے کہ موضع رستم کو رستم بن عنایت کمال زئے نے۔ مردان[1] کو مردان بن جلال مانی زئے (رزڑ) نے۔ ہوتی[2] کو ہوتی بن عالی سالار زئے نے۔ موضع اسمٰعیلہ کو اسمٰعیل بن بابی اکوخیل رزڑ اور موضع شاہ منصور کو منصور خان بن سیفو خان سدوزئے (اتمان زئے)۔ نے تو گجوان ڈھیری کے مقام پر گجو خان بن فروز خان بیزادخیل نے موضع ذکریا نزد ہنڈ کو ذکریا بن ردی خان نصرت خیل (اتمان زئے) نے آباد کیا تھا یہ اور اس قسم دوسرے نام تو ایسے ہیں کہ جو خاص مقامات تک محدود رہے۔ لیکن ایسے قائدین کے نام بھی دکھائی دیتے ہیں جن کے نام سے ایک سے زائد مقامات منسوب نظر آئے مثلاً کالو خان بن علی خان۔ مانی زئے (جو اکبر اعظم کے خیگل سے نکل بھاگا تھا) کو اقتدار حاصل ہوا تو اس نے قبیلہ کے لئے مختلف

---

[1] مردان کے متعلق بعض افراد کا یہ خیال ہے کہ یہ قبیلہ منڈڑ کے جد اعلیٰ منڈیا اس کے لڑکے منڈڑ کی بگڑی ہوئی شکل ہے بدیں وجہ درست نہیں معلوم ہوتا کہ یوسف زئیوں نے افغانستان سے نکلنے کے بعد کسی جگہ اس نام سے کوئی مقام آباد نہ کیا تھا۔ اور پھر جب اس وقت تک منڈنہ اور منڈڑ کے تلفظ نہیں بدلے تو اس موضع کے نام کا تلفظ کیونکر بگڑ سکتا تھا۔

[2] ہوتی کے متعلق یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا کہ یہ یونانی الاصل اور چھاؤنی کے معنی رکھتا ہے اگر واقعی اسکے معنی چھاؤنی کے ہوتے تو اسکی اہمیت بہت بڑھ جاتی لیکن سکندر اعظم کے مورخین نے ہوتی کا کہیں ذکر نہیں کیا جس سے ظاہر ہے کہ یہ چھاؤنی نہ تھی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مقامات پر "ذخیرہ ہائے آب" کا انتظام کیا تھا۔ چنانچہ کالو خان ڈھنڈ اور اس کے قریب میں موضع کالو خان[1]۔ طوطالی اور پنجتار سے کوئی تین میل جانب مشرق کالو درہ تپہ بازئے میں کالو کا مختصر گاؤں اور پھر اس علاقہ سے نکل کر چھچھ میں اس کے نام سے کالو خان ڈھنڈ اس وقت تک دکھائی دے رہی ہے

اسی طرح جب مصری خان بن سالار رئے کو قیادت ملی تو اس نے اکوڑہ کے مقابل مصری بانڈہ آباد کیا۔ نوگرام سے جانب جنوب مصری ڈھنڈ اور اس علاقہ سے نکل کر چھچھ میں ایک اور مصری ڈھنڈ کی بنیاد ڈال دی تھی۔ اس طرح دوسری آبادیوں کے ناموں کی تحقیقات کی جائے تو ان کے آباد کرنے والوں کا پتہ چل سکتا ہے۔

قومی تحریکات

یوسف زیئوں کی قومی تحریکات پر نظر ڈالی جائے تو ان کی اولین تحریک تو وہی تھی کہ جسکے تحت ملک احمد خان انہیں افغانستان سے منظم کرتے ہوئے موجودہ علاقہ میں لے آیا تھا اور پھر یہاں اس نے پورے نظم و نسق سے اس قبیلہ کو آباد کیا۔ ان میں اراضی تقسیم کرائی اور اسے ایک بار پھر زندہ کر دکھایا۔ اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کی حیثیت سے گجو خان کا ذکر کیا جا سکتا ہے جس نے ملک احمد خان کے بعد ایک دفعہ پھر اس قبیلہ کو متحد کرنے کی سعی کی تھی۔

دوسری ہمہ گیر تحریک بایزید انصاری نے شروع کی جو تحریک روشنائی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اگر بہ نظر تعمق دیکھا جائے تو اس تحریک کو کسی ایک قبیلہ

---

[1] موضع کالو خان کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اسے کسی گجر نے آباد کیا تھا۔ لیکن یہ خیال بدیں وجہ درست معلوم نہیں ہوتا کہ اس دور میں اور اسکے بعد بھی پٹھان کسی گجر کو خان کے لقب سے نہ پکارتے تھے اس وجہ سے کالو خان کا نام گجر کی نسبت سے نہیں بلکہ کالو خان بن عالی خان کی ڈھنڈ کی نسبت سے اس آبادی کو کالو خان پکارا گیا ہوگا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی تحریک کی بجائے ملت افاغنہ کے اتحاد و تنظیم ہی کی تحریک کہا جا سکتا ہے۔ بایزید انصاری نے حقیقتاً پٹھانوں کو منظم کرنے کی اولین تحریک کی بنیاد رکھی تھی اور اس میں اسے اس حد تک کامیابی بھی ہوئی کہ یوسف زئے۔ افریدی۔ مہمند اورکزئی۔ بنگش وغیرہ سب ہی اس میں شامل ہو گئے۔ اس وقت ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیادوں کو مضبوط کیا جا رہا تھا۔ مغل افغانستان اور ہندوستان کے درمیان کسی دوسری مضبوط سلطنت کو برداشت نہ کر سکتے تھے اور خصوصاً ایسی حالت میں کہ خود ہندوستان کے اندر ایک افغان۔ شیر شاہ سوری۔ مغلوں کو پریشان کر رہا تھا انہوں نے اس اتحاد پختون کی تحریک کو کچلنے کے لئے اقدامات کئے تو سب سے پہلے زد علاقہ یوسف زئی پر ہی پڑی۔ اس مخالفت کو کفر اور اسلام کی جنگ قرار دے کر بایزید انصاری اور اس کے معتقدین پر کفر کے فتوے لگے۔ وہ تحریک جو روشنائی کے نام سے افغانوں کو گرویدہ کر رہی تھی "تاریک" پکاری جانے لگی۔ مذہب کی آڑ اور حکومت کی امداد سے یوسف زیوں کو بایزید کے مخالف کھڑا کر دیا گیا۔ گو دوسرے قبائل ایک عرصہ دراز تک اس تحریک کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے رہے تاہم اس سے انکار نہیں کہ یوسف زیوں کی وسیع جنگجو آبادی کی حمایت چھوڑ کر مخالفت پر اتر آنے سے اس تحریک کو ایسا دھکہ لگا کہ پھر وہ سنبھلے سنبھل نہ سکی۔ مغل حکمرانوں کا مقصد پورا ہو گیا اور تحریک کے مخالفین بایزید انصاری پر خلاف وزری احکام اسلام کے نام سے کفر کے فتوے لگاتے رہے۔ حالانکہ مباحث و مناظرہ میں کسی وقت وہ دلائل و براہین سے اسے شکست نہ دے سکے تھے۔ جوش انتقام یا خوشنودی حکومت کے لئے تگ و دو کا اندازہ ان پابند شریعت اسلامیہ علماء کے اس غیر شرعی فعل سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب بایزید انصاری کی لاش ان کے ہاتھ لگی تو اسے نذر آتش کر دیا گیا جس کا کوئی شرعی جواز پیدا نہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کیا جا سکتا ہے۔[1]

اس کے بعد پھر تحریک مجاہدین کا ذکر کیا جا سکتا ہے گو اس کے بانی و قائد حضرت سید احمد شہید اور مولوی اسمٰعیل شہید تھے جن کا نسلاً برائے راست پٹھانوں سے تعلق نہ تھا۔ تاہم اس تحریک سے ملت افاغنہ خصوصیت سے یوسف زیوں کو تنظیم کا موقع ملا تھا اس میں بڑے قابل ذکر یوسف زئے سرداروں نے حصہ لیا۔ لیکن بدقسمتی سے باہمی کشمکش یا کارکنوں کی ناتجربہ کاری نے اسے جلد موت کی نیند سلا دیا۔ مقصد اتحاد اسلامی اور اجرائے احکام شریعت کو فروعی اختلافات کی نذر کر دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہمارے اکثر قابل عزت و فخر علماء ایک دفعہ کسی مسئلہ پر آپس میں الجھ جائیں تو پھر وہ فریق مخالف کی ہر بات کو غیر شرعی غیر اسلامی اور نامعقول ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی رہنے نہیں دیتے۔ ایسے ہی ایک افسوسناک واقعہ کا ذکر یوں کیا جاتا ہے کہ جب حضرت سید امیر المعروف کوٹہ ملا صاحب سے بعض علماء کو مذہبی اختلافات شروع ہوئے اور ان پر الزامات لگائے گئے۔ تو ملا صاحب نے ان الزامات سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیا۔ جس پر دور دراز حتیٰ کہ افغانستان تک کے علماء نے اجتماعی حیثیت میں ان سے بمقام مرغز حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے علماء کی بھری مجلس میں اعلان کر دیا کہ وہ اس عقیدہ کے پیرو نہ تھے جو ان سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ باہر سے آئے ہوئے علماء تو مطمئن

---

[1] مقامی روایات کے مطابق بایزید انصاری کا لڑکا موضع جھنڈا اور مینی کے درمیان مارا گیا تھا۔ اس کے نام کی نسبت سے وہ جگہ "جلال درہ" کے نام سے موسوم ہوئی اس جگہ کے قرب میں یادگار فتح کے طور ایک جھنڈا نصب کیا گیا تھا بعد میں وہاں چند مسکن نظر آنے لگے تو اسے موضع جھنڈا کا نام دیدیا گیا ایک انگریز مورخ اس جگہ ۱۸۸۷ء میں صرف چودہ مکان ظاہر کرتا ہے۔ جو پینے کا پانی چار میل کے فاصلے سے لاتے تھے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہو گئے لیکن ان کے مقامی مخالفین نے مطالبہ کیا کہ ملا صاحب حلف اٹھائیں حالانکہ افغانستان کے علماء انہیں سمجھاتے رہے کہ عقائد کے معاملہ میں حلف اٹھانا ضروری نہیں۔ لیکن انہیں مطمئن نہ کیا جا سکا۔ مخالفت جاری رہی اور ہو سکتا تھا کہ مخالف علماء کی کثرت تعداد کے معتقدین کو ملا صاحب کو قتل ہی کر دیتے اگر باشندگان "اتمان نامہ" نے یہ اعلان نہ کر دیا ہوتا کہ بحث مباحثہ میں جو چاہو کہو لیکن اگر کسی نے ملا موصوف پر ہاتھ اٹھایا تو اس کا بدلہ قومی حیثیت سے لیا جائے گا۔

مختصر یہ کہ عوام میں تعلیم کے فقدان نے ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں "شریعت اسلامیہ" کی باگ ڈور دے رکھی تھی۔ وہ اپنی رائے اور خواہش سے مذہب کے نام پر ملت کو ہانکتے رہے۔ ایسی حالت میں بھی اگر ان کا قدم کسی صراط مستقیم کی طرف اٹھتا تو مستحسن ہوتا۔ لیکن بدقسمتی سے ہر ہر موقع پر یہ قائدین آپس میں دست و گریبان ہو کر ملت کو متحد کرنے کی بجائے اسے منتشر کرتے رہے اور ان کے اعمال نے ملت کو کسی وقت متحد نہ ہونے دیا۔[1]

اس سلسلہ کی آخری تحریک وہ تھی جو حاجی عمر خان جندولی نے شروع کی تھی اس نے اپنے حسن تدبر سے بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی تھی اور اگر کامیاب ہو جاتا تو ہو سکتا تھا کہ چترال سے مالاکنڈ یا سرحد مردان تک ایک ایسی وسیع حکومت قائم ہو جاتی کہ جس کی کلیتہ" آبادی جنگجو سپاہیوں پر مشتمل ہوتی۔ لیکن جس طرح مغل تحریک روشنائی کو برداشت نہ کر سکتے تھے اسی طرح انگریز بھی پٹھانوں کی اس تنظیم کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ طاقت و قوت اور مال و دولت سب کچھ اس کے ہاتھ میں تھا اور باوجودیکہ عمر خان نے اپنی طرف سے انگریز کو مخالفت پر اترنے کا موقع

---

[1] اس مسئلہ کی قدرے وضاحت "سید احمد شہید کے بعد" کے زیر عنوان متن کتاب میں ملے گی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہ دیا تھا۔ پھر بھی چونکہ حاجی عمر اخان کے تعمیر کردہ قلعے۔ اس کا منظم لشکر حصول اسلحہ کے لئے تگ و دو اور پٹھانوں کی تنظیم انگریز کے مقاصد کے لئے شمشیر برہنہ کا حکم رکھتی تھی اس نے حق و انصاف۔ جائز و ناجائز۔ شرافت و اخلاق سب طرف سے آنکھیں بند کئے نہ صرف یہ کہ مخالفت کی بلکہ لشکر لئے اس کی طاقت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اور ایک انگریز نے فخر سے کہا کہ عمر اخان کی طاقت کو قدرت نے نہیں بلکہ انگریز کی طاقت نے برباد کیا تھا۔

اس کے بعد بیسویں صدی کے شروع میں پھر ایک تحریک کا آغاز ہوا سرزمین سوات پر حضرت **بادشاہ گل** رہانئے ریاست سوات تگ و دو کرتے دکھائی دینے لگے۔ انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ لیکن حالات کے پیش نظر وہ حدود ریاست سوات تک محدود رہی انگریز کسی طرح کسی منظم ریاست کے قیام کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس نے حضرت میاں گل کے راستہ میں کانٹے بچھائے۔ لیکن وہ مرد آہن اپنے عزم و ارادہ پر پورے استقلال سے گامزن رہا اور تمام مشکلات کے باوجود اس نے قیام پاکستان سے قبل سوات۔ بونیر اور کوہستانی علاقہ کو متحد و متفق کرتے ہوئے یوسف زئے کے نام سے ایک مضبوط اور منظم حکومت قائم کرلی جو اس وقت ریاستوں میں مثالی حیثیت رکھتی ہے۔

قومی اتحاد حقیقت یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ یوسف زئیوں میں وہ اتحاد و اتفاق باقی نہ رہا جو ملک احمد خان۔ گجو خان یا بہاکو خان وغیرہ کے عہد میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس وقت تک قبیلے کے تمام فیصلے باہمی صلاح مشورہ سے جرگہ کے ذریعے ہوتے تھے۔ قیادت کے لئے کسی خاندان یا قبیلہ کو کوئی وقعت نہ دی جاتی تھی۔ بلکہ قائد اسی کو منتخب کیا جاتا تھا جس میں قیادت کی اہلیت ہوتی تھی۔ تدبر ہوتا تھا۔ عقل و سمجھ ہوتی تھی اور جو مفاد ملت کی نگہبانی کو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اپنی زندگی کا مقصد بنالیتا تھا۔ بہاکو خان کے بعد یہ جذبات باقی نہ رہے ہر ہر قبیلہ نے اپنی جداحیثیت منوانے یا بنانے کی کوشش کی۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں منقسم ہو گئے۔ اس طرح قبیلہ کی مرکزیت ختم ہوئی تو اجتماعی طاقت کا بھی خاتمہ ہوا نتیجہ یہ کہ جب سکھوں نے اس طرف یلغار کی تو گو یوسف زئے بڑی بہادری سے مقابلہ کرتے رہے لیکن اس سے انکار نہیں کہ ان میں کوئی مرکزی شخصیت موجود نہ تھی۔ یہی حال عہد انگریز میں ہوا۔ ان دونوں اقوام نے یوسف زئیوں کو روند ڈالنے میں کوئی کسر باقی رہنے نہ دی اور مسلسل ایک سو سال تک وہ روندے جاتے رہے۔

یقیناً انہیں اپنی غلامی اور سکھ و انگریز کے جبر و استبداد کے پیش نظر اپنی منتشر حالت اور عدم مرکزیت کا احساس ہوا ہوگا۔ لیکن پھر کوئی ایسی مرکزی شخصیت پیدا نہ ہوئی جو اس قبیلہ کو یکجا کرنے کی سعی کرتی تا آنکہ جب ہندوستان میں انگریز کے طوق غلامی کو اتار پھینکنے کے لئے قومی تحریکات شروع ہوئیں تو یوسف زئیوں نے بھی موقع کو غنیمت جان کر ان میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ چنانچہ جب خلافت عثمانیہ پر مصائب و آلام کے بادل برسنے لگے اور تحریک ہجرت کا آغاز ہوا تو صوبہ سرحد میں پشاور کے بعد میدانی علاقہ کے یوسف زئیوں نے ہی اسے اپنایا جوق در جوق ان کے قافلے افغانستان کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ مال و متاع سب کچھ لٹتا رہا اور یہ اسلام کے نام پر دیوانہ وار وطن اور املاک وطن کو خیرباد کہتے رہے۔ پھر جب منظم طریقہ پر تحریک خلافت شروع ہوئی تو اس کے بانیوں میں اس قبیلہ یوسف زئے سے متعلق مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی پیش پیش دکھائی دیئے[1]۔ قبیلہ یوسف زئے نے اس تحریک میں بھی دل کھول کر حصہ لیا تو پورے علاقہ میں خلافت کے چرچے ہونے لگے۔ (۱ نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بدقسمتی سے بعد میں جب مجلس خلافت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ علی برادران کے زیر قیادت رہا اور دوسرا گاندھی جی کے ساتھ جا شامل ہوا۔ تو علاقہ یوسف زئے بھی دو حصوں میں بٹ گیا۔ کثرت تعداد خلافت کو چھوڑ کر کانگرس میں جا شامل ہوئی اور پھر کانگرس میں بھی انہوں نے اس جذبہ و عزم سے کام کیا کہ ہندوستان کا شاید ہی کوئی علاقہ اس کا مقابلہ کر سکا ہو۔ مجلس آئین ساز کے انتخابات میں گو کانگرس کو اکثریت حاصل نہ ہو سکی تاہم اس نے غیر کانگرسی ارکان کو اپنے ساتھ شامل کرتے ہوئے صوبہ سرحد میں وزارت بنالی۔ ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ مرکزی کانگرس نے صوبہ سرحد میں کانگرسیوں کو وزارت بنانے کی اجازت دے دی تھی لیکن خود ہندوستان میں وزارتیں قبول نہ کیں اسی عہد کانگرس میں وائسرائے ہند نے علاقہ یوسف زئے میں مالاکنڈ بجلی گھر کے افتتاح کے لئے دورہ کیا تو مرکز نے کانگرسی وزراء کو ہدایت دی کہ وہ کسی سرکاری تقریب میں شمولیت نہ کریں لیکن کوشش کے باوجود ڈاکٹر خان صاحب بائیکاٹ کرنے پر آمادہ نہ کئے جا سکے۔ انہوں نے مع اپنے دوسرے وزیروں کے ریلوے اسٹیشن پر وائسرائے ہند کا استقبال کیا اور مالاکنڈ کی تقریبات میں بھی شامل رہے۔

اس کے بعد مسلم لیگ کی باری آئی۔ حصول پاکستان کے لئے کوشش و سعی

(پچھلے صفحہ کا نوٹ) مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی گورياست رام پور کے رہنے والے تھے لیکن نسلاً ان کا تعلق قبیلہ یوسف زئی سے بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب تحریک مسلم لیگ کے دوران میں مولانا شوکت علی کو آزادانہ طریقہ پر صوبہ سرحد کے دورہ کا موقع ملا تو انہوں نے اپنی پہلی فرصت میں موضع مرغز (ضلع مردان) کا دورہ کیا وہاں کے چند خوانین سے ملاقات ہوئی جنہیں وہ نسلاً اپنے خاندان سے متعلق بتاتے تھے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہونے لگی تو صوبہ سرحد میں کانگرس کے طابع فرمان سرخپوش مخالفت میں آہنی دیوار کی طرح کھڑے نظر آئے ابتداء میں مسلم لیگ اپنے قدم نہ جما سکی۔ تا آنکہ خود مولانا شوکت علی نے اس علاقہ کا دورہ کیا۔ عوام کو حقیقت سے آگاہ کرنے کی کوشش ہوئی اس سلسلہ میں ایک تاریخی اور یادگار جلسہ موضع ترلانڈے میں ہوا اور حقیقتاً اسی جلسہ نے علاقہ کی رنگت بدل دی تھی۔ اب ہر ہر آبادی میں مسلم لیگ کے دفتر نظر آنے لگے اور پھر بہت عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ جس طرح پہلے کانگرسی رضاکار سرخ وردیوں میں ملبوس نظر آتے تھے اب سبز وردیوں میں مسلم لیگ کے رضاکار دکھائی دینے لگے۔ اور جب صوبہ سرحد میں بہ سلسلہ قیام پاکستان استصواب رائے عامہ کے سلسلہ میں تحریک چلی اور گرفتاریاں شروع ہوئیں تو سرحدی جیلوں کو بھرنے میں بڑی کثرت سے یوسف زئے دکھائی دیتے رہے۔ اس کے ساتھ اس سے بھی انکار نہیں کہ مسلم لیگ کی ہمہ گیر تحریک کے اثر سے سرخپوشوں کی قابل ذکر تعداد متاثر نہ ہو سکی۔ ان کی مخالفت دب ضرور گئی لیکن ختم نہ ہوئی تھی۔

فیصلہ تقسیم ہند کے بعد عبوری دور حکومت میں کانگرس نے بڑی شدومد سے سرخپوشوں کو مسلم لیگ کے مقابل لا کھڑا کرنے کی کوشش کی تھی چنانچہ پنڈت جواہر لال نہرو نے جو اس وقت مذکورہ عبوری حکومت میں شامل تھے صوبہ سرحد کا دورہ کیا۔ سرحد میں کانگرسی وزارت برسر اقتدار تھی لیکن اس وقت تک مسلم لیگ بھی اپنے قدم جما چکی تھی۔ چنانچہ پنڈت جی کو ہر جگہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور مالاکنڈ پہنچنے پر تو یہ حال ہوا کہ عوام کی مخالفت کی وجہ سے انہیں سیدھے راستہ کی بجائے ایک کچی سڑک سے واپس لوٹایا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں مالاکنڈ ایجنسی کے پولٹیکل ایجنٹ نواب محبوب علی خان کے خلاف مرکزی حکومت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے مقدمہ قائم کیا۔ حکومت الزام ثابت نہ کر سکی تو نواب موصوف باعزت طریقہ بری کر دئے گئے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد کانگرس کوئی قابل ذکر مخالفت نہ کر سکی تاہم آہستہ آہستہ اس کے کارکن مسلم لیگ میں شامل ہوتے رہے اور اس کا اثر ایک محدود حلقہ میں محدود ہو کر رہ گیا۔

قیام پاکستان کے بعد جب مہاراجہ کشمیر کی سازش سے حکومت ہند نے کشمیر کے چالیس لاکھ مسلمانوں کو غلام بنانے کے لئے لشکر روانہ کرتے ہوئے ان پر مصائب و آلام کے بادل برسانا شروع کئے تو مسلمانان پاکستان تلملا اٹھے۔ اور قبل اس کے کہ حکومت پاکستان کوئی فوجی اقدام کرتی پٹھان اپنے کندھوں پر بندوقیں اٹھائے محاذ جنگ پر مصروف جہاد دکھائی دینے لگے۔ اس جنگ آزادی میں تمام قبائل نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یوسف زئے بھی کسی طرح پیچھے نہ رہ سکتے تھے۔ مقبوضہ اور قبائلی دونوں علاقوں سے جوق در جوق میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ ریاست سوات کا ذکر اس سلسلہ میں کیا جانا ضروری ہے کہ والئی سوات خود اپنی نگرانی میں لشکر روانہ کرتا رہا۔ بہ یک وقت آٹھ سو سواتی میدان جنگ میں مقیم رہے جن کے اخراجات بھی والئی سوات برداشت کرتا رہا۔ اگر قبائلی لشکر کو آزادانہ حیثیت میں جنگ کی اجازت دے دی جاتی تو اس وقت ملک کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن التوا جنگ کے اس بے وقت فیصلہ نے اس تحریک پر پابندی لگا دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستانی لشکر اس وقت تک کشمیر کے ایک بہت بڑے حصہ پر قابض دکھائی دے رہا ہے۔

ا تفصیلات کے لئے دیکھو کتاب "افغان یا پٹھان"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یوسف زئے بیرون وطن

قبیلہ یوسف زئے کے حالات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے ابتدا ہی سے سیاسیات میں نمایاں حیثیت حاصل کئے رکھی تھی اگر مورخین کے اس قول کو تسلیم کر لیا جائے کہ اس قبیلہ کے اجداد چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح میں تاتاریوں کی آمد پر موجودہ علاقہ سے ہجرت کر گئے تھے اور پھر کوئی ایک ہزار سال بعد دوبارہ اپنے اس وطن اجداد کو لوٹے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی سیاست کا شکار نہ ہو سکے تھے۔ اسی سلسلہ میں جب ان کے علاقہ قندھار سے کابل کے گرد و نواح میں مقیم ہونے کے دور پر غور کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وہاں بھی اپنے سیاسی تدبر سے اہمیت حاصل کر لی تھی۔ انہی کی سعی و کوشش سے الغ بیگ کو تخت افغانستان ملا تھا۔ بعد میں جب اس نے انہیں کانٹا سمجھ کر راستہ سے دور کر دینے کی نیت سے زعماء یوسف زئیوں کو قتل کر دیا تو بھی وہ ہمت نہ ہارے اور ملک احمد خان اپنی قابلیت سے اپنے قبیلہ کو الغ بیگ کے چنگل سے نکال لانے میں کامیاب رہے۔

اس کے بعد بابر نے اس طرف کا رخ کیا۔ باجوڑ میں شدید جنگیں لڑتا رہا اس وقت اس علاقہ میں یوسف زئے مقیم نہ تھے۔ چنانچہ باجوڑ کو فتح کرنے کے بعد اس نے اپنی توزک میں سواد (سوات) یا یوسف زئیوں کے خلاف اقدام کرنے کا ذکر کیا۔ لیکن پھر جلد ہی ان کا تعاقب چھوڑ کر چلتا بنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملک احمد خان کے حسن تدبر نے بابر کے اس قبیلہ کے خلاف جم کر لڑنے کی ہمت کو پست کر دیا تھا۔ اور ملک احمد خان کے نمائندہ یا سفیر ملک منصور[1] نے بھی بابر پر یوسف

---

[1] ملک منصور غالباً قبیلہ اباخیل (اتمان زئے) کے سیفو خان کے لڑکے تھے۔ انہی کے نام موضع شاہ منصور اس وقت بھی آباد نظر آتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

زئیوں کے تدبر اور ان کی شجاعت کا اثر ڈالا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بابر نے بارہ سو یوسف زئیوں کو اپنے لشکر میں شامل کرنے پر فخر کیا۔

یہ مذکورہ بارہ سو یوسف زئے جو بابر کے ساتھ ہندوستان کی طرف یلغار میں شامل ہوئے تھے پھر وطن اجداد کو واپس نہ لوٹے اور ع۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے سرزمین ہند پر ہی مقیم ہو گئے۔ اپنے حسن تدبر سے انہوں نے اہمیت حاصل کی اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں مغل حکومت کی بڑی حد تک وہی رکھوالی کرتے رہے۔ انہوں نے شاہی دربار سے اعزازات حاصل کئے۔ جاگیریں حاصل کیں۔ گورنریاں اور حکمرانیاں نصیب ہوئیں اور جب مغل سلطنت کلیتہً کمزور ہو کر مرہٹوں کے ہاتھ میں جا رہی تھی اور احمد شاہ درانی نے فتح و کامرانی کے بعد پھر مغل سلطنت تاجدار مغلیہ کو بخش دی، تو بھی نجیب الدولہ (یوسف زئی) ساکن مینی کو اس حکومت کا نگران مقرر کیا گیا تھا

یہ یوسف زئے ہی تھے جنکے کارناموں کی وجہ سے ہندوستان کے ایک وسیع علاقہ کا نام ہی بدل کر "روہیلکھنڈ" بن گیا جہاں اس قبیلہ یوسف زئے کے نجیب خان (نجیب الدولہ)۔ ضابطہ خان۔ اور تاریخ کے مشہور حکمران حافظ رحمت خان نے حکومت کی تھی۔ اور ایسی پر امن رواداری۔ عدل و انصاف سے حکومت کی تھی کہ جہاں ایک طرف اس کی وفات پر اس کے مخالف اس کے اہل و عیال پر جبر و استبداد کی بارش کر رہے تھے وہاں اس کی رعایا اور خصوصیت سے غیر مسلم رعایا اپنی آنکھوں سے رنج و الم میں مبتلا ہو کر ہمدردی میں آنسو کی جھڑیاں لگا رہی تھی۔

انہی یوسف زئیوں نے ہندوستان کی سرزمین پر اپنی شاندار ریاستیں قائم کیں۔ جن میں کی بعض تو اس وقت تک زندہ و سلامت یا نیم سلامت شکل میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دکھائی دے رہی ہیں۔ مثلاً جادرہ۔ پالن پور۔ بلاسنور۔ ٹونک۔ بنٹوا۔ سردارگڈھ رادھن پور وغیرہ۔ اور ریاست جوناگڈھ اور مانا دادر کے یوسف زئے حکمران ہز ہائنس نواب سر محمد مہابت خان بابی المخاطب جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کے۔ سی۔ ایس آئی اور میجر خان غلام معین خان نے بڑی ہمت و استقلال سے حکومت ہند کی طاقت کو نظر میں نہ لاتے ہوئے تقسیم ہند کے موقع پر اپنی ریاستوں کا الحاق پاکستان سے کر دیا تھا۔[۲] جس کی پاداش میں اول تو انہیں حکومت ہند کے جبر و استبداد کا شکار ہونا پڑا اور پھر بڑی مشکل سے انہیں سرزمین پاکستان پہنچنے کا موقع ملا۔ حکومت ہند کے بزور مذکورہ ریاستوں پر قبضہ کرنے کے خلاف پاکستان نے مجلس اقوام متحدہ میں سوال پیش کر رکھا ہے۔ جس کی اس وقت تک سماعت شروع نہیں ہوئی۔

مذکورہ دونوں حکمران خاندان یوسف زیوں کے قبیلہ بابی سے تعلق رکھتے ہیں جو ذیلی قبیلہ اکوخیل (رزڑ) کی ایک شاخ ہے۔

۱؎ نواب موصوف نے پاکستان آنے کے بعد کراچی میں داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کے فرزند شہزادہ دلاور خان ان کی جگہ مسند نشین ہوئے۔ ۲؎ جوناگڈھ کی راجپوت ریاست پر ۱۷۴۳-۴۴ء میں احمد آباد کے سلطان محمد نے قبضہ کیا تھا۔ عہد اکبر میں وہ صوبہ احمد آباد کے زیر اثر رہی۔ ۱۷۳۵ء میں قبیلہ یوسف زئے کے شیر خان بابی نے مغل اقتدار کو ختم کرتے ہوئے اس پر اپنا اقتدار قائم کیا تھا اس وقت سے یہ ریاست اس خاندان کے قبضہ میں چلی آرہی ہے۔ مانا دادر شیر خان بابی نے جوناگڈھ پر اقتدار حاصل کر لینے کے بعد اپنے دونوں بھائیوں دلیر خان اور شیر زمان خان کو کچھ علاقہ دیدیا تھا۔ اول تو ان دونوں کے مشترکہ قبضہ میں رہا بعد میں انہوں نے اس جائداد کو تقسیم کر لیا تو مانا دادر پر دلیر خان کا قبضہ ہوا تو شیر زمان خان کے حصہ میں بنٹوا اور گیدرد وغیرہ کا علاقہ آیا جو..... اس خاندان کے قبضہ میں رہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مختصر یہ کہ تاریخ ہند کے اوراق پر مذکورہ اور دیگر یوسف زئے ریاستوں کے علاوہ دوسرے کئی قابل ذکر نام بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً شیر شاہ سوری[1] حافظ رحمت خان روہیلہ[2]۔ غلام قادر خان روہیلہ[3]۔ ضابطہ خان۔ نجیب خان (نجیب الدولہ) مفکر جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء۔ عظیم اللہ خان[4]۔ اور تحریک آزادی ہند کے علمبرداران مولانا شوکت علی و مولانا محمد علی[5] وغیرہ اور ان سب کا تعلق اسی قبیلہ یوسف زئے سے ہے

یہ امر قابل افسوس ہے کہ اکثر پٹھان خاندان ہندوستان میں مقیم ہو کر اس فضا میں ایسے گم ہوئے کہ انہیں پھر اپنے اصل وطن اجداد کی یاد تک باقی نہ رہی اور رفتہ رفتہ ان کی اولاد بھی اپنی زبان اپنے اجداد کے نام اپنے قبائل اور سابقہ مسکنوں کو یک سر فراموش کرتے ہوئے صرف اتنی ہی یاد باقی رکھ سکے کہ وہ اصلاً و نسلاً افغان یا پٹھان تھے۔ اور کسی نے زیادہ ہمت کی تو یہ کہ کسی بڑے قبیلہ کا نام یاد کر لیا اور بس۔

---

[1] شیر شاہ کا تعلق علاقہ چملہ کے موضع سورے سے تھا .... اس گاؤں سورے کی وجہ سے وہ سوری کہلاتا تھا۔ بعض مورخین کا یہ خیال کہ اس کا تعلق قبیلہ سور سے تھا مقامی روایات کی روشنی میں درست معلوم نہیں ہوتا۔ [2] حافظ رحمت خان یوسف زئے کے ذیلی قبیلہ عمر خیل (منڈڑ) کی شاخ خوئیدا خیل سے تعلق رکھتا تھا۔ [3] غلام قادر خان ولد ضابطہ خان ولد نجیب الدولہ جنہیں عہد مغلیہ کے آخری دور میں شہرت ملی اسی قبیلہ یوسف زئے سے متعلق تھے اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر میرٹھ جیل میں جام شہادت نوش کرنے والا محمود خان روہیلہ ضابطہ خان کا پوتا تھا۔

[4] عظیم اللہ خان یوسف زئیوں کے ذیلی قبیلہ عمر خیل (منڈڑ) کی شاخ سید خان خیل سے تعلق رکھتا تھا۔ [5] علی برادران یوسف زئیوں کے ذیلی قبیلہ میر احمد خیل (منڈڑ) سے متعلق تھے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مقبرہ حضرت اخوند درویزہ - پشاور

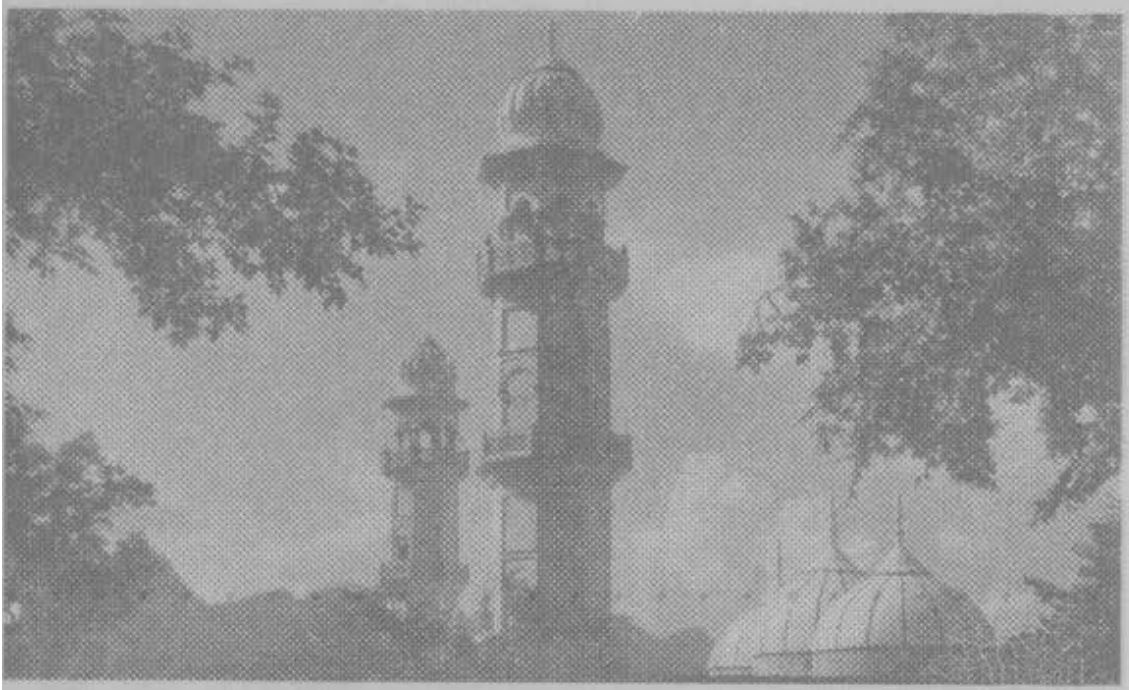

مسجد پیر بابا کا ایک منظر - بونیر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مقبرہ خان رحیم خان - بابا عالی خیل - رزڑ (نواں کلی)

سلطان محمود غزنوی کے محبوب ایاز کا مقبرہ - (نواں کلی)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لیکن اس کے ساتھ ہندوستان میں ان کی اکثر آبادیوں کے نام چونکہ اپنی سابقہ قبائل ہی کے نام کی نسبت سے رکھے گئے تھے وہ ایک عرصہ دراز تک سنائی دیتے رہے اور کئی ایک اس وقت بھی سنے جاتے ہیں اور ہندوستان میں بہت سی آبادیاں ایسی ہیں کہ جن کے ہمنام مقامات بہت قدیم سے علاقہ یوسف زئے میں دکھائی دیتے ہیں مثلاً دلی۔ اجمیر۔ لاہور۔ آگرہ۔ الہ آباد۔ تھانہ وغیرہ اور بعض شہروں مثلاً رام پور یا فرخ آباد وغیرہ میں تو کئی محلے آج بھی انہی قبائل کے نام سے موسوم دکھائی دیتے ہیں انہی پٹھانوں کے اکثر خاندان برسوں یا صدیوں کے بعد قیام پاکستان کی وجہ سے واپس لوٹے ہیں تو بلاشبہ اب انہیں اپنے از یاد رفتہ اجداد کے حالات معلوم کرنے کی فکر ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ تاریخ کا زیر مطالعہ سلسلہ کسی حد تک انہیں مذکورہ معلومات بہم پہنچانے میں ممد و معاون ثابت ہو۔

اعزازی یوسف زئی

قیام پاکستان کے بعد سے بین الاقوامی حیثیت کے مہمانوں اور سیاحوں کی آمد و رفت کا سلسلہ قائم ہو چکا ہے ان میں ایک اہم ترین شخصیت اشتراکی چین کے وزیر اعظم کی ہے جن کا اس علاقہ یوسف زئی میں بڑی عزت و احترام سے استقبال ہوا اور ۲۵ دسمبر ۱۹۵۶ء کے دن ایک خاص تقریب میں ان کے سر پہ پٹھانی صافہ رکھتے ہوئے مسٹر چو این لائی کو اعزازی طور یوسف زئی برادری میں شامل کر لیا گیا تھا اس تقریب دستار بندی میں اس وقت کے کمانڈر انچیف اور موجودہ صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے بھی حصہ لیا اور مسٹر چو این لائی نے اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا: "اب میں بحیثیت پٹھان بھائی اور دوست آپ کی برادری میں شریک ہو گیا ہوں"

مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی قسم کی یہ دوسری تقریب تھی اول تقریب کوئی چار سو سال قبل انعقاد پذیر ہوئی تھی جس میں ہندوستان کے حکمران

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شاہجہان کو بعض یوسف زئے قبائل نے ایسا ہی اعزاز بخشا تھا۔ غالباً یہ تقریب اس وقت عمل میں آئی تھی جب کہ شاہجہان نے بہاکو خان کو علاقہ یوسف زئے میں اپنی نمائندگی کا اعزاز بخشا تھا۔

اسی مغل حکمران شاہجہاں کے عہد میں بہاکو خان کو میدانی علاقہ کی آبادی سے دست برداری وصول کرنے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ جس کا ذکر متن کتاب میں "خدد خیلوں" کے زیر عنوان کیا گیا ہے۔ بہکو خان کے نام شاہجہان کے ایک فرمان کی نقل کا بلاک اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۶ پر شائع کیا جا رہا ہے۔

یوسف زیوں کے تاریخی حالات

یوسف زیوں کو موجودہ علاقہ میں روز ورود سے ہی کشمکش حیات میں مبتلا رہنا پڑا کوئی وقت بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا کہ انہیں مشرق یا مغرب کی طرف سے کسی نہ کسی حملہ کا خطرہ درپیش نہ رہا ہو۔ وہ اندازاً گذشتہ پانچ صدیوں سے اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے نبرد آزما رہے۔ انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور اندرون ملک نظم و نسق کو بھی قائم رکھا۔ ملک احمد خان۔ ملک گجو خان۔ ملک مصری خان۔ ملک کالو خان۔ ملک بہاکو خان یا اس قسم قائدین نے وقتاً فوقتاً منظر عام پر آکر اس قبیلہ کی زندگی کو پائیدار اور ان کی آزادی کو استوار رکھنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ملک میں تقسیم اراضی کا بہترین کارنامہ کر دکھایا۔ لیکن جنگ و جدل سے اتنی فرصت ہی نہ مل سکی کہ وہ کسی وقت اپنی اقتصادی یا تعلیمی حالت پر بہ اطمینان غور کر سکتے اور بعد میں چل کر جب بدقسمتی سے ان کی مرکزیت ہی باقی نہ رہی گھر گھر خانی نظر آنے لگی۔ ہر ہر قبیلہ نے اپنی جدا حیثیت اختیار کرنا شروع کی تو پہلی سی تنظیم بھی

---

۱ یہ تقریب مردان کے رئیس کرنل محمد امیر خان کے دولتکدہ پر ہوئی تھی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دکھائی نہ دی۔ جو بلند توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں۔ وہ بھی پوری نہ ہو سکیں

بہ ایں ہمہ یہ قبیلہ اپنی پانچصد سالہ تاریخ پر فخر کرتا رہا ہے اور فخر کر سکتا ہے اس کی روایات اس کے قصے کہانیاں اور سینہ بسینہ یاد کئے ہوئے حالات اس قابل ہیں کہ پوری چھان بین کے بعد ان سب کو ضبط تحریر میں لایا جائے۔ یہ کس قدر قابل افسوس درنج وہ حقیقت ہے کہ اتنی شاندار روایات کا متحمل قبیلہ اس وقت تک اپنی کوئی ایسی کتاب پیش نہ کر سکا کہ جسے یوسف زئیوں کی تاریخ کہا جا سکتا۔ اس قبیلہ میں کبھی صاحبان علم کی کمی نہیں رہی لیکن تعجب ہے کہ اس کے باوجود انہوں نے اس قبیلہ کی تاریخ لکھنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ بلا شبہ بعض زعماء نے اس طرف اقدام کرتے ہوئے چند تصانیف پیش کی تھیں۔ مثلاً ملا اخوند درویزہ بایزید انصاری۔ ملا اختر وغیرہ۔ لیکن وہ بھی اول تو مخصوص مقاصد مخصوص حالات اور مخصوص اوقات کے لئے لکھی گئی تھیں۔ پھر باہمی کشمکش نے مذہب کے نام پر بایزید انصاری اور ملا اختر کی کتابوں کا نام و نشان تک باقی رہنے نہ دیا اور ملا اخوند درویزہ کی کتابیں تاریخی حیثیت میں اس قبیلہ یا اس وقت تک کے حالات کو چونکہ پوری طرح اپنے احاطہ میں نہ لے سکیں اس وجہ سے کسی خاص توجہ کا مرکز نہ بن سکیں۔

عہد مغلیہ میں تاریخ ہند یا اس دور کے حالات لکھنے میں بڑی سرگرمی دکھائی گئی تھی۔ خود حکمران اور ان کے پروردہ مصنفین اپنے دور کے حالات قلمبند کرتے رہے۔ ان کا مقصد ملک کے طول و عرض میں اقتدار حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کارنامے اور فتوحات کو ہی قلمبند کیا۔ ہر جگہ اپنی شان ہی دکھاتے رہے۔ اور جہاں کہیں شکست بھی کھائی تو اس کا ذکر ایسے الفاظ میں ہوا کہ اس سے فتح و کامرانی ہی ظاہر ہوتی تھی۔ بابر ہمایوں اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہاں اورنگ زیب یا یوں کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ مغل حکومت کی ابتداء سے انتہا یوسف زیوں کو کھلنے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی کوشش ہوتی رہی۔ اس تمام دوران میں جنگیں لڑی جاتی رہیں اور کسی وقت بھی دربار مغلیہ کا علاقہ یوسف زئے پر حقیقی اقتدار قائم نہ ہو سکا۔ لیکن غور کیجئے کہ اس ناقابل انکار مسلسل کشمکش کے باوجود عہد مغلیہ کے مورخین نے کسی خاص اہمیت سے یوسف زئیوں کا ذکر نہ کیا۔ جنگیں لڑنے کے باوجود ان کے اذکار کو نظر انداز کرتے رہے۔ اور جہاں کہیں ذکر کیا بھی تو بس اتنا کہ یوسف زئیوں کو مغلوں نے شکست دیدی تھی۔ یا مغل دربار کے سامنے وہ وقتاً فوقتاً سر تسلیم خم کر دیتے رہے۔ لیکن ان مورخین نے اس کا قطعاً خیال نہ کیا کہ ان کی تحریری تمہیدوں کے باوجود سر تسلیم خم کرنے والے پھر انہی کی تحریروں کے مطابق ہر وقت میدان کارزار میں سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ مغل دور کے مورخین بے لاگ اور آزادانہ حیثیت میں کسی وقت اس قبیلہ کا ذکر کر نہ سکے۔ اور جہاں ذکر کیا بھی تو یوسف زئیوں کو شکست خوردہ کی حیثیت سے ہی ظاہر کیا اور انہیں اغراض نے ایسا اندھا کر رکھا تھا کہ وہ کالو خان جیسے قائد قبیلہ کے سلسلہ میں لکھ سکے تو بس اسقدر کہ "کالو اکبر کے ہمرکاب آگرہ پہنچا تھا حالانکہ یہ وہی کالو خان ہے کہ جس کی قیادت میں مغل اعظم کے لشکر نے اپنے عہد میں بدترین قسم شکست کھائی تھی۔

مختصر یہ کہ خود انہوں نے اس طرف توجہ نہ دی اور جو تھوڑی بہت تحریریں ضبط تحریر میں لائی گئی تھیں وہ بھی مرور زمانہ کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکیں تو عہد مغلیہ کے مورخین کی تحریروں پر ہی بھروسہ کرنا پڑا۔ قلم در دست دشمن وہ جو چاہتے تھے لکھتے رہے۔ حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور جنہیں حاصل نہ تھی وہ بھی آزادانہ لکھ نہ سکے۔ اس کے بعد انگریز آئے۔ انہیں تاریخ نویسی کا بلا شبہ شوق تھا۔ انہوں نے تجسس کی۔ وہ استفادہ کر سکتے تھے تو مذکورہ عہد مغلیہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی تحریروں سے ہی کر سکتے تھے۔ وہ انہی کی بنیاد پر اپنی عمارت تعمیر کرتے رہے۔ اس پر بھی اگر تلاش و جستجو کی جاتی تو بہت سے گم شدہ یا پس پردہ حالات منظر عام پر آ سکتے تھے۔ لیکن جس طرح مغلوں نے یوسف زئیوں کو کچلنے کی کوشش کی تھی اس طرح انگریز بھی ان کے درپے آزار رہا۔ اس نے بھی انہیں غلام بنا لینا چاہا اب قلم ایک مصنف کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں جا لگا تو اس ذہنیت میں کیسے فرق آ سکتا تھا۔ وہی روش جو عہد مغلیہ کے مورخین کی تھی۔ انگریز کے عہد میں بھی دکھائی دینے لگی۔ انہوں نے مغلیہ دور کی تحریروں کو بنیاد قرار دیکر اپنے سیاسی مقاصد کے پیش نظر اپنی طرف سے جو تحریریں پیش کیں وہ بھی رنگ و مقاصد میں مغلوں سے کسی طرح جدا نہ تھیں۔

مختصر یہ کہ مغل تھے یا انگریز دونوں نے عدل و انصاف سے قبیلہ یوسف زئے کا ذکر نہ کیا اور خود قبیلہ کے صاحبان علم کو بھی یہ توفیق نہ ملی کہ وہ اپنی تاریخ مرتب کرنے کے لئے کوئی قابل ذکر اقدام کرتے۔ نتیجہ یہ کہ اپنی شاندار روایات پر فخر اور بجا طور فخر کرنے والے یوسف زئے آج اپنی کوئی مستند تاریخی کتاب پیش کرنے کے قابل نہیں۔ اور یہ موجودہ اوراق اس طرف پہلا اقدام ہے۔ خدا کرے اسے مستحق نگاہوں سے دیکھا جائے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تصاویر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کتاب کی تصاویر

خان روشن خان (صفحہ ۱۱) بابا عالی خیل۔ محمود زئے۔ رزڑ (متندڑ) جنہوں نے اس کتاب کے مرتب کرنے میں پوری سرگرمی سے تعاون کرتے ہوئے ہر طرح مؤلف کی حوصلہ افزائی کی۔

لفٹننٹ جنرل محمد اعظم خان (صفحہ ۷) تصویر کے ساتھ پٹھان قوم کے متعلق ان کے تاثرات درج ہیں۔

الہ بخش یوسفی (صفحہ ۱۵) مولف کتاب جن کی دوسری کتابیں "افغان یا پٹھان" سلسلہ تاریخ آزاد پٹھان جلد دوئم (درہ کوہاٹ) وغیرہ خاصی مقبول ہو چکی ہیں۔

رانی گٹ (صفحہ ۳۳) یہ زمانہ قدیم کی ایک یادگار ہے۔ جس کی اونچائی کوئی پچاس فٹ سے بھی زائد دکھائی دیتی ہے۔ بغیر سیڑھی لگائے اس پر چڑھا نہیں جا سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے دور کی ملکہ اس پر بیٹھکر ارد گرد کا نظارہ دیکھا کرتی تھی۔

نوگرام کے آثار قدیمہ (صفحہ ۳۳) ان آثار قدیمہ میں پتھر کو تراش کر ایک کرسی بنائی گئی ہے جس میں ایک آدمی بہ اطمینان بیٹھ سکتا ہے۔ جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رانی گٹ کا دوسرا آثار (صفحہ ۳۴) یہ پتھر تصویر نمبر ۲ سے کم بلند ہے اس کے ساتھ قدیم سیڑھیاں دکھائی دیتی ہیں لیکن اب قابل استعمال نہیں ہیں ویسے مشکل سے اس پر چڑھا جا سکتا ہے چنانچہ تصویر میں ایک لڑکا اس پر چڑھکر فوٹو اتروا رہا ہے۔

نوگرام کی قدیم آبادی (صفحہ ۳۴) قدیم آبادی کے آثار اس وقت تک اس جگہ کی عظمت کا پتہ دے رہے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس جگہ سکندر اعظم کے عہد کا نورہ آباد تھا۔

اشوک کے کتبے۔ شاہباز گڑھ (صفحہ ۵۱) یہ عہد اشوک (بدھ) کے دو کتبوں کی تصاویر ہیں ایک کتبہ تو اس وقت تک پڑھا جا سکتا ہے البتہ دوسرے کی عبارت مٹ چکی ہے۔ (دیکھو باب بدھ مت کے آثار قدیمہ)

نوگرام کے دو مناظر (صفحہ ۵۲) اوپر کی تصویر میں نوگرام قدیم اور نچلی تصویر میں نوگرام جدید کا منظر دکھایا گیا ہے۔

مقبرہ ملک احمد خان (موضع الہ ڈھنڈ) (صفحہ ۶۹) یوسف زئیوں کے مشہور قائد ملک احمد خان جنکی قیادت میں یہ قبیلہ افغانستان سے نکل کر موجودہ علاقہ میں آکر مقیم ہوا تھا ملک احمد خان کے والد ملک سلطان خان کی قبر بمقام بٹ خیلہ (صفحہ ۶۹) دکھائی گئی ہے۔

موضع سورے کا منظر (صفحہ ۷۰) یوسف زئے بحیثیت قبیلہ خیال کرتے ہیں کہ شیر شاہ سوری اپنے اس مسکن سورے کی وجہ سے سوری کہلاتا تھا۔ اور قبیلہ یوسف زئے سے متعلق تھا۔

ورند (صفحہ ۷۰) (دریائے سندھ) اسے مغلوں کے عہد میں سرحد خیال کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کہ اکبر اعظم کے عہد کا مشہور بیربل اسی جگہ مارا گیا تھا۔

مقبرہ ملک گجو خان گجوانوں ڈھیری (صفحہ ۸۷) ملک احمد خان کے بعد اسی ملک گجو خان نے قبیلہ یوسف زئی کی قیادت سنبھالی تھی۔

مقبرہ شیخ ملی مردان (صفحہ ۸۷) ملک احمد اور ملک گجو خان کی قیادت میں شیخ ملی نے علاقہ یوسف زئے کا اولین "بندوبست" کیا تھا اور ایسا "بندوبست" کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کے نام کی ماہرین "بندوبست" تعریف کر رہے ہیں۔

مندر سومنات کاٹھیاواڑ (صفحہ ۸۸) یہ اس سومنات کے مندر کی ایک تاریخی تصویر ہے جسے سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۲۶ء میں فتح کیا تھا اور جہاں پٹھانوں کی ہمت اور بہادری اور جنگی قابلیت کو دیکھتے ہوئے سلطان نے انہیں حقیقتاً "خان" کہلانے کا مستحق قرار دیا تھا اس وقت تک صرف ترک خان کا لقب استعمال کرتے تھے اس کے بعد سے پٹھانوں کے نام کے ساتھ خان کا استعمال شروع ہوا۔

مقبرہ بہاکو خان "نکوئے چملہ (صفحہ ۱۰۵) بہاکو خان عہد شاہجہان میں یوسف زیوں کے قائد کی حیثیت سے نمودار ہوا تھا۔ اور جس نے ڈوما کا علاقہ غیر مسلموں سے خالی کرالیا تھا۔

مقبرہ مقرب خان موضع باجا (صفحہ ۱۰۵) بہاکو خان کی نسل سے تھا اور آخر وقت تک حصول اقتدار کے لئے کوشاں رہا۔ (بہ عہد انگریز)۔

فرمان شاہجہاں (صفحہ ۱۰۶) بہاکو خان کے نام مغل حکمران شاہجہاں کے ایک فرمان کی نقل۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مقبرہ حضرت اخوند درویزہ پشاور (صفحہ ۱۳۹) پٹھانوں کے مشہور عالم دین اور مورخ جو حضرت پیر بابا کے دست راست اور بایزید انصاری (پیر روشن) کے شدید ترین مخالف تھے۔

مسجد پیر بابا کا ایک منظر بونیر (صفحہ ۱۳۹) پٹھانوں کے مشہور بزرگ حضرت پیر بابا کے مزار سے متصل مسجد کا ایک منظر۔ حضرت پیر بابا کی اولاد سے سوات کا اولین بادشاہ منتخب ہوا تھا۔

مقبرہ رحیم خان نواں کلی (صفحہ ۱۴۰) یوسف زئیوں کے ذیلی قبیلہ بابا علی خیل کے قابل فخر فرزند جو آخر وقت تک انگریز کی مخالفت کرتا رہا۔

مقبرہ ایاز غنڈی نواں کلی (صفحہ ۱۴۰) مقامی روایات کے مطابق سلطان محمود غزنوی کے محبوب ترین رفیق ایاز اس جگہ دفن ہیں۔ ان کا ایک مقبرہ لاہور (رنگ محل) میں بھی موجود ہے۔

دو اعزازی یوسف زئے (صفحہ ۱۵۷) مغل حکمران شاہجہان اور جمہوریہ چین کے وزیر اعظم مسٹر چو این لائی کو اعزازی طور قبیلہ یوسف زئی کا رکن بنایا گیا تھا۔

معززین کا ایک اجتماع (صفحہ ۱۵۸) عہد انگلشیہ کے ابتدائی دور کے معززین کی ایک قدیم تصویر اس میں مندرجہ ذیل علاقہ یوسف زئے کے معززین دکھائی دیتے ہیں۔ ناموں کے ساتھ وہی نمبر دیئے ہیں جو تصویر میں درج ہیں۔

۵ خواجہ محمد خان ہوتی
۶۔ ابراہیم خان مردان
۷۔ حبیب خان کنڈہ
۸۔ میاں عنوان الدین سرخ ڈھیری۔
۱۱ ابراہیم خان حمزہ کوٹ
۱۵۔ محمد عمر خان اسمٰعیلہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

۱۶۔ ابراہیم خان زیدہ ۲۲۔ محبت خان طورو
۲۴۔ محمد شریف خان اسمٰعیلہ ۲۷۔ میر غزن خان ٹوپی

علی برادران (صفحہ ۱۹۱) مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جنہوں نے جنگ آزادی ہند کی قیادت کی اور وہ یوسف زیوں کے ذیلی قبیلہ میر احمد خیل سے بیان کئے جاتے ہیں۔

نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان (صفحہ ۲۰۹) ملت افاغنہ کے محسن جنہوں نے پٹھانوں کو سربلند کرنے میں ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں تعلیمی اور سیاسی دلچسپیوں کی وجہ سے "سرسید سرحد" کہلائے۔ دارالعلوم اسلامیہ (اسلامیہ کالج پشاور) کے بانی تھے۔ اور صوبہ سرحد کو سیاسی حیثیت میں ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے ساتھ برابر کی حیثیت دلانے میں آپ نے کارہائے نمایاں کر دکھائے تھے۔ موضع ٹوپی تحصیل صوابی میں مدفن ہے۔

بریگیڈیر محمد شیر خان (صفحہ ۲۴۳) اتمان زئے۔ ساکن جھنڈا تحصیل صوابی کراچی کے قریب جمپیر کے مقام پر ہوائی حادثہ میں جاں بحق ہوئے تھے۔

باشندگان علاقہ رزڑ (صفحہ ۲۶۱) موضع کالوخان۔ تصویر کے درمیان مشہور قوی کارکن ملک الیاس خان ہاتھ اٹھائے کھڑے ہیں۔

موضع ترکئے (رزڑ) کا ایک منظر (صفحہ ۲۶۱) باشندگان موضع ترکئے کسی نظارہ کو دیکھ رہے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مالاکنڈ کے دو مناظر (صفحہ ۲۶۲) مالاکنڈ میں قوت برق کی پیداوار کے سلسلہ کے دو مناظر۔

خان فتح محمد خان خضر زئے (زرڑ) (صفحہ ۳۰۳) آپ اس وقت حکومت پاکستان میں وزیر مواصلات ہیں۔

زمینداران علاقہ زرڑ (صفحہ ۳۲۱) اپنے کھیت کے سامنے کھڑے ہیں۔

پولیس تھانہ (صفحہ ۳۲۱) عہد پاکستان میں علاقہ یوسف زئے کا ایک تھانہ (موضع کالو خان)۔

بس سٹینڈ (صفحہ ۳۲۲) دور حاضر میں علاقہ یوسف زئے کا ایک اجتماع (موضع لنواں کلی)

مقبرہ خان خان موضع ہنڈ (صفحہ ۳۲۲) علاقہ یوسف زئے میں قبیلہ دولت زئے کے ایک بزرگ کا مقبرہ جہاں زائرین حاضری دیتے رہتے ہیں۔

میجر جنرل وصال محمد خان مشران زئے (صفحہ ۳۵۵) اس وقت فوجی مرکز راولپنڈی میں فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

خان بہادر ہدایت اللہ خان مشران زئے (صفحہ ۳۷۳) اس وقت کمشنر ڈیرہ اسمٰعیل خان ڈویژن ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خان محمد علی خان کشران زئے (صفحہ ۴۰۷) آپ قابل ذکر زمیندار ہیں صنعت کو ترقی دینے کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور سٹیٹ بنک آف پاکستان کے ڈائرکٹر ہیں۔

خان فردوس خان محمود زئے بابا علی خیل (صفحہ ۴۲۵) آپ علاقہ رزڑ کے ایک معزز زمیندار۔ سوشل ورکر اور خوش اخلاق رئیس ہیں۔

نواب جوناگڈھ (صفحہ ۴۴۳) قبیلہ یوسف زئے بابی خیل رزڑ کے قابل ذکر فرزند ہز ہائنس نواب دلاور خان فرمانروائے ریاست جوناگڈھ۔

نواب محبت خان مرحوم (جوناگڈھ) قبیلہ یوسف زئے۔ بابی خیل رزڑ کے قابل فخر حکمران ہز ہائنس نواب محبت خان سابق فرمانروائے ریاست جوناگڈھ جو اپنی ریاست کا پاکستان سے الحاق کرنے کی وجہ سے حکومت ہند کے ہاتھوں پریشان ہوکر پاکستان پہنچے اور یہیں وفات پاگئے۔ ریاست جوناگڈھ اور مانادار وغیرہ کے الحاق کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش ہے۔ (۴۴۴)

خان مانادار (صفحہ ۴۶۱) قبیلہ یوسف زئے بابی خیل رزڑ کے قابل فخر حکمران نواب میجر غلام معین الدین خان فرمانروائے ریاست مانادار جو ریاست کا پاکستان سے الحاق کرنے کی وجہ سے حکومت ہند کے ہاتھوں پریشان ہوکر پاکستان چلے آئے اور کراچی میں مقیم ہیں۔

والئے ریاست سوات (صفحہ ۴۷۹) ریاست سوات کے بیدار مغز حکمران میجر جنرل عبدالحق جہانزیب خان جن کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عہد میں ریاست سوات ترقی کی طرف گامزن ہے۔

بانئے ریاست سوات (صفحہ ۴۹۷) میاں گل عبدالودود جنہوں نے قبائلی علاقہ میں ایک کامیاب ریاست کی بنیاد ڈالی اور مرد آہن پکارے گئے۔

شہزادہ روم (صفحہ ۴۹۸) والئے سوات کے برادر اصغر جو ریاستی کاروبار میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔

ولیعہد ریاست سوات صفحہ ۴۹۹) والئے ریاست سوات کے خلف اکبر کپتن شہزادہ اورنگ زیب خان جنہیں ریاست سوات کا ولیعہد منتخب کیا گیا ہے۔ آپ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کے داماد ہیں۔

سوات ہوٹل (صفحہ ۴۹۸) ریاست سوات کے دارالخلافہ سیدو شریف میں جدید طرز کا ایک خوشنما ہوٹل۔

سیدو شریف (صفحہ ۵۰۰) ریاست سوات کے دارالسلطنت سیدو شریف کا ایک اہم منظر۔

سوات کا ایک پل (صفحہ ۵۱۷) ریاست سوات میں دریائے سوات پر قبائلی طرز کا ایک خوبصورت پل۔

کوہستانی (صفحہ ۵۱۷) ریاست سوات کے علاقہ کوہستان کے باشندے

کالام (صفحہ ۵۱۸) علاقہ سوات کے خوبصورت ترین علاقہ کالام کا ایک منظر۔

بحرین (صفحہ ۵۱۸) علاقہ سوات کے خوبصورت مقام بحرین کا منظر جہاں دو دریا آپس میں مل رہے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عبدالرؤف خان (یوسف زئے مندڑ) صفحہ ۵۲۷ آپ اس وقت ڈویژنل کمشنر پشاور کے سکریٹری کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

خان غالب خان (صفحہ ۵۴۴) (یوسف زئے۔ مندڑ عمرخیل) انسپکٹر محکمہ مال (اشتمالیات) جن کی امداد و اعانت شجروں کی تکمیل میں مولف کے شامل حال رہی۔

خواجہ محمد خان (یوسف زئے۔ کمال زئے۔ کشران زئے) صفحہ ۱۶۱۱ اپنے وقت کے مشہور رئیس تھے۔ ان کی اولاد سے نواب کرنل محمد اکبر خان نے شہرت حاصل کی اور جن کی اولاد سے کرنل محمد امیر خان قیام پاکستان کے بعد ری پبلکن پارٹی کے مغربی پاکستان میں وزیر منتخب ہوئے تھے۔

بلاک افغان (صفحہ ۲۶۱) سابق صوبہ سرحد کے مشہور آرٹسٹ ایم ایم شریف نے اسلحے سے لفظ افغان مرتب کیا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تاریخ کا ابتدائی دور

تحقیقات جدید کی روشنی میں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو پاکستان کی سرزمین پر بہ اختلاف آراء۔ ڈراویڈین یا سامی الاصل قبائل کوئی تین ہزار سال قبل مسیح پہنچ چکے تھے۔ جبکہ آرین[1] نے کوئی پندرہ سو سال قبل مسیح اس طرف کا رخ کیا تھا۔ اس دور کے حالات کسی مستند یا غیر مستند تاریخ سے دستیاب نہیں ہو سکتے۔ صرف مؤرخین کی قیاس آرائیاں اور آثار قدیمہ کی دیکھ بھال ہی کسی نہ کسی حد تک رہنمائی کرتی ہے اور انہی کی رہنمائی یا قیادت میں تاریخ کے مختلف ادوار کا تعین کیا جاتا رہا اور انہی پر بحثیں ہوتی رہی ہیں۔

ہندوستان کی قدیم تاریخ : مشترکہ ہندوستان کو بجا طور اپنے قدیم تمدن یا لٹریچر پر ناز رہا۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس ملک نے ملکی تاریخ کی تدوین میں کسی شوق و دلچسپی کا کسی بھی وقت اظہار نہ کیا تھا۔ اسی وجہ سے اس ملک کی کوئی قدیم

---

[1] آرین کسی نسل کا نام ہے یا کسی عقیدہ کی وجہ سے آرین کا لفظ استعمال ہوا۔ اس کے لئے دیکھو کتاب افغان یا پٹھان از یوسفی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تاریخ بعد کے آنے والوں تک پہنچ نہ سکی۔ اور جب تاریخ نویسی کا دور شروع ہوا تو لے دے کے اس نے اپنی طرف سے "مہابھارت" اور "رامائن" کو تاریخی حیثیت سے پیش کر دینے کی جسارت کر ڈالی۔ بلاشبہ ان دونوں کتابوں میں کسی مخصوص زمانہ کے تمدن یا طرزِ معاشرت کا ذکر دکھائی دیتا ہے، روایات اور قصے کہانیاں بھی نظر آتی ہیں۔ لیکن وہ تاریخ کہلانے کی مستحق قرار نہیں دی جا سکتیں، نہ ان سے کوئی قابلِ ذکر تاریخی معلومات میسر آ سکتی ہیں اور پھر یہ کہ وہ اپنی اصلی شکل و صورت میں بھی موجود نہیں، اصل کی جگہ تراجم لے چکے ہیں اور تراجم در تراجم کے چکر نے ظاہر ہے کہ اصل کی شکل و صورت ہی بدل دی ہو گی۔ اور پھر یہ ان دو کتابوں پر کیا منحصر ہے، قریب قریب تمام قدیم کتب حتیٰ کہ وہ کتابیں بھی جن کا الہامی ہونا بیان کیا جاتا ہے (بہ استثنیٰ قرآن شریف) زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکیں، ان میں تصرف ہوا اور جب کلیتہً اصل کی جگہ تراجم نے لے لی تو رفتہ رفتہ ان کی اصل شکل و صورت ہی مسخ نظر آنے لگی۔

تاریخ ہند و پاکستان کی ابتداء عام طور سکندر اعظم کے حملہ سے کی جاتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سکندر اعظم کے ساتھ بہترین دل و دماغ کے لوگ آئے تھے، انھوں نے اپنے سفر کے حالات لکھے، ان علاقوں کے نقشے کھینچے کہ جہاں جہاں سے انھیں گذرنے کا موقع ملا تھا۔ مختلف آبادیوں کے افکار سے اپنی تصانیف کو مزین کیا۔ پھر سکندر کی یلغار کی پوری تفصیلات بیان کیں، افسوس کہ آج ان لکھنے والوں کے نوادرات بھی دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اصل کی جگہ تراجم لیتے رہے۔ اور رفتہ رفتہ ان تراجم کو ہی اصل کے مترادف سمجھا جانے لگا، نتیجہ یہ کہ اصل تو نظروں سے اوجھل ہو گیا اور تراجم نے وضاحت و تشریح کے نئے نئے باب کھولنے شروع کیے۔ بہ ایں ہمہ غنیمت ہے کہ ہمیں ان تراجم سے ہی اس دور کے حالات معلوم کرنے میں قابلِ ذکر اور اہم ترین امداد مل رہی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سکندر اعظم کے ان ہمراہیوں نے ہی ہمیں پہلی بار اس طرف متوجہ کیا تو بعد کے لکھنے والے ان کے زیرِ بار احسان ہوئے

سکندر سے قبل کے یونانی حملہ آور انہی مذکورہ مورخین کی تحریروں سے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پتہ چلتا ہے کہ سکندر اعظم سے قبل کئی دوسری اقوام کہ جن میں خود یونانی بھی شامل تھے اس طرف کا رخ کرتے ہوئے پاک و ہند کے کئی علاقوں پر اپنی حکومت کا سکہ چلا چکے تھے چنانچہ سکندر اعظم کے علاقہ سوات یا اس کے قرب جوار میں پہنچنے پر (جس کی تفصیل آگے آئے گی) قوم نیسین (NYSAEN) نے اسے بتایا کہ وہ لوگ بھی یونانی الاصل تھے اور پھر اس وجہ سے سکندر نے اس سے تعارض نہ کیا، بلکہ اپنے لشکر کے اُن افراد کو جو جنگ کے قابل نہ رہے تھے یا واپس لوٹنا نہ چاہتے تھے اس قوم کے ساتھ آباد کر دیا تھا۔ یونان کی مشہور ترین رزمیہ نظم[1] سے جو نونس (NONNUS) نامی ایک مصری شاعر نے جو پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں مسائل الارکان کے رنگ میں لکھی تھی، پتہ چلتا ہے کہ بکوس[2] (BACCHUS) نے ہندوستان کے بعض علاقوں کو فتح کیا تھا اور شاعر اس فتحمندی کو اس کا عظیم ترین کارنامہ ظاہر کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ اس وقت ہندوستانی اپنے وطن سے نکل کر بحیرۂ روم تک یلغار کر چکے تھے اور ان کے اس اقدام کو روکنے کے لئے ہی زنسز (ZENS) نے بکوس کو ہدایت کی تھی چنانچہ وہ لشکر لئے دریائے جہلم (HYDASPES) تک جا پہنچا جہاں دریا داس (DERIADAS) ہندوستانی حکمران مقابلہ کے لئے موجود تھا لیکن شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

ہندوستان کی طرف حملہ کے سلسلہ میں ایک دوسرا یونانی مؤرخ پلائے نس (POLYAENUS) لکھتا ہے کہ:

ہندوستان کے خلاف مہم میں اس خیال سے کہ شاید باشندے اسے

---

[1] اس نظم کا عنوان ہے DIONYSIAKA یا BASSARIKA (انسائیکلوپیڈیا انڈیا)

[2] سر ڈبلیو جونز کا خیال ہے کہ DIONYSES یا بکوس جس نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ راما نامی کشن کا لڑکا تھا۔ مصر، عرب اور حبش میں اس نام کے معبود بھی تھے۔

(انسائیکلوپیڈیا انڈیا)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بخوشی قبول کر لیں، اس نے اپنے سپاہیوں کے ہتھیاروں کو چھپا دیا تھا انھیں سیدھے سادے کپڑے اور آہو رنگ پوستین پہنا دئے تھے، نیزوں پر سرسبز بیلیں[1] لپیٹ دی گئی تھیں اور عصائے بکوس کے سر تیز تھے وہ جنگ چھیڑنے کا اشارہ تری (بگل) کے بجائے جھنجھنا اور ڈھولوں سے دیا کرتا تھا اور دشمنوں کو شراب کی شاہانہ دعوتوں میں مست بنا کر ان کے خیالات کو جنگ کی بجائے پارچ رنگ میں تبدیل کر دیتا تھا۔ بکوس نے اس قسم اور ایسی ہی دوسری چالبازیوں کو کام میں لا کر ہندوستان اور ایشیا کے دوسرے علاقوں کو زیر نگیں کر لیا تھا۔

مذکورہ روائتی حملہ یا بکوس کی مزید سرگرمیوں کا کسی تفصیل سے پتہ نہیں چلتا البتہ ایک قدیم یونانی مورخ میگس تھنیز (MEGAS THENES) کی تحریر ظاہر کرتی ہے کہ بکوس بہت ہی مشہور اور قابل ذکر فاتح تھا۔ اس نے ہی ہندوستانیوں کو شراب کشید کرنا جیتنی باڑی کے طریقے اور ایام گرما میں پہاڑیوں کی طرف نقل و حرکت کرنے کی تعلیم دی تھی یعنی ہندوستان میں گرمیوں کے ایام میں پہاڑی مقامات پر قیام گاہوں کے طریقہ رہائش کی ابتدا اسی بکوس نے کی تھی، مزید یہ کہ وہ اپنے اعلیٰ کارناموں کی وجہ سے بعد میں معبود کی حیثیت سے پوجا جانے لگا۔

اسکے بعد ایرانیوں کے اس طرف آنے کا پتہ چلتا ہے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے بھی بکوس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے غالباً وہی قدیم راستہ اختیار کیا ہوگا جس پر چل کر بعد میں سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔

سکندر سے قبل کے ایرانی حملہ آور

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں کیقباد، اسفندیار اور داراخاندان کے لشکر ہندوستان کی طرف

---

[1] ۱۷۷ ایک قسم کی سدا سبز بیل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یلغار کر رہے تھے، انھوں نے کابل کے شمال مشرق میں غوربند اور پنج شیر کے جائے اتصال پر مشہور شہر کپیسا کو برباد کر دیا تھا، اس کے بعد دریائے سندھ کے مغرب کی طرف کا علاقہ ایرانیوں کے زیر تسلط آگیا تو گندھارا کا نام محکوم علاقوں میں نمایاں حیثیت سے دکھائی دینے لگا۔ ان حکمرانوں میں دارا (DARIUS) کے لقب سے جو حکمرانی کرتے رہے[1] انھیں خاص عزت و وقعت حاصل ہوئی انھوں نے نہ صرف یہ کہ خشکی کے راستے حملے کئے بلکہ اپنے ایک جرنیل سکائے لکس SKYLAX کی قیادت میں دریائے سندھ کے راستے سے وادی سندھ سے گذر کر راجپوتانہ تک پہنچنے کا راستہ بھی ہموار کر لیا تھا[2]۔ دارا خاندان کا آخری حکمراں دارا یا دراب سوئم سکندر اعظم سے مقابلہ کرتے ہوئے ۳۳۱ سنہ قبل مسیح میں مارا گیا تھا[3]۔

پھر چوتھی صدی قبل مسیح کے وسط میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دریائے سندھ کے کنارے سرحد ہندوستان کا علاقہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکا تھا اس وقت دریائے کابل کے شمال کی طرف کا پہاڑی علاقہ جو دریائے کنڑ اور سوات سے سیراب ہوتا ہے اسوا کا نامی ایک قوم کے قبضہ میں تھا جسے سنسکرت کے لفظ اسوا یا ایرانی اسپا (گھوڑے) سے مشتق بیان کیا جاتا ہے اور جسے بعد میں یونانیوں نے اساکانی یا اساکینی بنا دیا تھا۔

سکندر اعظم کی یلغار اس وقت کا ایران پر دارا سوئم حکومت کرتا تھا۔ سکندر اعظم

---

[1] ہسٹر بن سن اس خاندان کے حکمرانوں کا دور حکومت یوں بیان کرتا ہے:

گشت سپ اول (ڈیریس) ۵۲۱ سے ۴۸۶ ق م

گشت سپ ثانی (زرکسس) ۴۸۶ سے ۴۰۵ ق م

گشت سپ سوئم (کڈومنس) ۳۳۵ سے ۳۳۲ ق م (انسائیکلوپیڈیا انڈیا)

[2] ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا۔ موجمدار

[3] اوری اینٹ بائیوگرافیکل ڈکشنری۔ ازبیل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے اس طرف کا رخ کیا اور ایران و افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان کی راہ لی۔ افغانستان سے روانگی کے وقت یونانی لشکر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصہ لشکر نے درۂ خیبر کے راستہ علاقہ پشاور کا رخ کیا جس کی راجدھانی پیوکی لوتیس (PEUKELOOTIS) پکاری جاتی تھی، جسے بعد میں چل کر محققین نے چارسدہ (ضلع پشاور) کے مقام پر آباد بتایا۔ دوسرے حصہ لشکر نے خود سکندر اعظم کی قیادت میں کنڑ کے راستہ سے اقدام جاری رکھا۔ یہ راستہ خیبر سے دور بجائے خود قدیم و مشہور ترین راستہ شمار ہوتا تھا۔ اور زمانہ قدیم میں آمد و رفت زیادہ تر اسی راستہ سے ہوا کرتی تھی۔

سکندر اعظم باجوڑ میں : وادی کنڑ (افغانستان) سے نکل کر سکندر علاقہ باجوڑ (پاکستان) میں داخل ہوا۔ یہاں کے باشندے جو تاریخ میں اسپاسین (ASPASIANS) پکارے جاتے ہیں، مقابلے کے لئے موجود تھے۔ ارنگائن[1] ARICARNUS کے مقام پر شدت کی جنگ لڑی گئی اور مورخین کے قول کے مطابق سکندر کو سرزمین پاکستان پر یہ پہلی جنگ عظیم لڑنا پڑی تھی، سکندر کے ساز و سامان، اس کے نظم و نسق، سامان کی فراوانی اور سپاہیانہ قابلیت و تربیت کے سامنے یہ مقامی باشندے ٹھیر نہ سکے تو انھوں نے ارنگائن کو نذر آتش کر دیا۔ سکندر کے افسر اطلاعات ٹالمی (PTOLEMY) کے بیان کے مطابق سکندر نے اس جگہ کے چالیس ہزار باشندوں کو قیدی بنایا اور دو لاکھ تیس ہزار بیل اپنے قبضہ میں لے لئے، جن میں کی چیدہ تعداد کو افزائش نسل کی غرض سے یونان بھیجا گیا تھا۔ ارنگائن کے محل وقوع کے پیش نظر سکندر نے اسے دوبارہ تعمیر کرنے کی ہدایت کی اور اصل باشندوں کو جو واپس آنے پر رضامند تھے، اور اپنے لشکر کے ان افراد کو جو مستقبل میں خدمات سرانجام دینے کے قابل نہ تھے اس جگہ آباد کر دیا۔

---

[1] ارنگائن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ذوگئی کے قریب کی آبادی تھی (گیس آف انڈیا)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نیسا کے قدیم یونانی باشندے

ب سکندر کو ایک ایسی آبادی سے سابقہ پڑا جو اپنے آپ کو یونانی الاصل ظاہر کرتی تھی، اس آبادی کو نیسا (NYSA) پکارا جاتا تھا۔ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آبادی کس مقام پر تھی، اس کا محل وقوع بعد کے لکھنے والوں کے لئے باعث اختلاف رہا۔ گو خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کوہ مورہ کے قرب و جوار میں ہی ہو گی، مشہور یونانی مورخ ایرین لکھتا ہے کہ

> یہ شہر ڈائے نے سس یا بکوس نے ہندوستان کو فتح کرنے کے وقت آباد کیا تھا لیکن یہ سوال کہ یہ بکوس تھا کون، کس وقت یا کہاں سے چل کر اس نے ہندوستان کو فتح کیا، ایسا مشکل سوال ہے کہ اس کا آسانی سے کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔

بہر حال ان سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر سے قبل بھی یونانی نہ صرف یہ کہ اس علاقہ تک پہنچ چکے تھے بلکہ انھوں نے اس علاقہ میں مستقلاً اقامت بھی اختیار کر لی تھی،

سکندر کے اس مذکورہ نیسا پہنچنے پر اس علاقہ کے "اکل فیس" (AKULPHIS) نامی کسی سردار یا حکمراں کی قیادت میں اس جگہ کے باشندوں نے شرف باریابی حاصل کرتے ہوئے یوں درخواست گزاری کہ:

> اے شاہ! نیسا کے باشندے مؤدبانہ عرض گذار ہیں کہ اس احترام کے پیش نظر کہ جو ان کے معبود ڈائے نے سس کے لئے (اپنے دل میں) رکھتا ہے۔ اس شہر کو صحیح و سلامت چھوڑ دے ... ... کیونکہ بکوس نے ... ... اس شہر کو اپنے ان سپاہیوں کے رہنے کے لئے کہ جو عمر یا حادثوں کی وجہ سے فوجی ملازمت کے قابل نہ رہے تھے آباد کیا تھا... ... ... وہ اس شہر کو اپنی نرس (دایہ) کے نام کی نسبت سے نیسا (نوسن) پکارتا تھا ... ... ساتھ ہی اس پہاڑی کو بھی کہ جو ہمارے قریب میں ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس نے مشتری سے پیدائش کی وجہ سے میرون[1] کے نام سے پکارا تھا
... ... اور اس شہر کی بکوس کے ہاتھوں بنیاد رکھنے کا بین ثبوت
یہ ہے کہ (۷۷۷) سدا سبز دلائتی بیل جو ہندوستان بھر میں کہیں دستیاب
نہیں ہوتی ہمارے علاقہ میں پھلتی پھولتی ہے[2]

سکندر پر اس درخواست کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس نے شرف قبولیت بخشتے ہوئے اس شہر کو صحیح و سلامت چھوڑ دیا، بلکہ اظہار خلوص کے طور پر اس آبادی سے یکصد اچھے افراد کو اپنی ہمرکاب رکھنے کی خواہش کی۔ نیسا کے باشندے بھی عقل و سمجھ سے عاری نہ تھے، انھوں نے اس خواہش کو سنا تو اپنے سردار اکل فیس کے ذریعہ گذارش کی کہ اگر سکندر کو ان کی بہتری و فلاح مقصود تھی تو وہ ایک سو اچھے افراد کی بجائے دو سو پورے افراد کو اپنے ساتھ لیجائے تاکہ ان کی اصلاح ہو سکے سکندر اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ اور ایک دوسری تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے اپنی بات بھی پوری کر لی اور ان لوگوں کی خواہش کو بھی نہ ٹھکرایا چنانچہ ایک دوسرا مصنف لکھتا ہے کہ:

اس آبادی نے تین سو سوار سکندر کے ہمراہ کر دئے جو پیشقدمی میں آخر دم تک
اسکے ساتھ رہے اور کہیں اکتوبر ۳۲ قبل مسیح میں واپس لوٹے[3]

سکندر نے اس پہاڑی کا معائنہ بھی کیا جس کا ذکر مذکورہ درخواست میں کیا جا چکا ہے یہاں اس نے بکوس کے نام پر قربانی بھی پیش کی۔ سپاہیوں نے سدا سبز دلائتی بیل کے ہار بنائے، ان سے اپنے سروں کو آراستہ کیا پھر ناچتے اور گاتے ہوئے اس معبود کو "ڈائے نسس"

---

[1] نیسا کے اوپر والی پہاڑیوں کو اس وجہ سے "میرون" کہا جاتا ہے کہ وہاں سدا سبز دلائتی بیل اگتی ہے اور انگور کی بیلیں بھی اگرچہ ان کا میوہ پوری طرح پک نہیں سکتا اور خوشے بارش کی بہتات کی وجہ سے پکنے سے قبل ہی درخت سے گر جاتے ہیں (سٹریبو)

[2] انڈیکا۔ ایرین ۷ ہسٹری آف انڈیا جلد دوم از جسٹن سمتھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے نام سے ہی نہیں، بلکہ ان تمام ناموں سے جو انھیں یاد تھے چلّا چلّا کر خطاب کرتے رہے۔

سوات میں اسالیوں سے پہلی جنگ اس کے بعد سکندر کو علاقہ سوات کی ایک اور مضبوط طاقت سے مقابلہ کرنا پڑا چنانچہ وہ دریائے پنجکوڑہ کو عبور کرتے ہوئے قبیلہ اساکین (ASSAKEVIAN) کے جا مقابل ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس قبیلہ کا سردار بیس ہزار سوار اور تیس ہزار پیادہ لشکر لئے مقابلہ پر نظر آنے لگا۔ قلعہ مساگا (MASSAGA) کے سامنے میدان کارزار گرم ہوا۔ یہ قلعہ قدرتی اور انسانی تحفظات کا بہترین نمونہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے مشرق کی طرف دریائے سوات، جنوب اور مغرب کی طرف سنگلاخ چٹانیں اور گہری دلدلیں، پھر حملہ آوروں کو روکنے کے لئے شہر کے اردگرد اینٹ پتھر اور لکڑی کے کوئی چار میل کے رقبہ میں تحفظات بنے ہوئے تھے، طرفین نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ شدید جنگ لڑی گئی۔ گنڈھار (افغانستان) کے بعد سکندر دوسری دفعہ یہاں زخمی ہوا۔ شروع میں تو اس نے زخم کو اہمیت نہ دی لیکن جب خون کی گرمی کم ہوئی اور درد نے بے قرار کر دیا تو وہ چلّا اٹھا کہ لوگ اسے مشتری کا بیٹا پکارتے تھے، لیکن اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ عام انسان تھا۔

اس مقابلہ میں اساکین قبیلہ کا سردار مارا گیا قبیلہ میں بے چینی پیدا ہوئی چنانچہ کیورس (CURIUS) لکھتا ہے کہ:

> ناامید ہو کر باشندے قلعہ بند ہو بیٹھے، جہاں ان کے لئے اطاعت کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ انھوں نے ایلچی بھیجکر صلح کی درخواست کی، اور جب وہ قبول کر لی گئی تو ملکہ بڑی تعداد میں معزز بیگمات کو ساتھ لئے خود حاضر ہوئی جو سنہری پیالوں میں شراب دان کرتی رہیں۔ ملکہ نے اپنے خوردسال بچے کو سکندر کے قدموں میں ڈال دیا اور نہ صرف معافی کی طلبگار ہوئی بلکہ اس نے یہ بھی درخواست کی کہ اسکے سابقہ اعزاز کو برقرار رہنے دیا جائے کیونکہ وہ ملکہ کہلاتی تھی اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سکندر نے یہ بخشش

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس کے مصائب کو دیکھ کر نہ کی تھی، بلکہ اس کا محرک ملکہ کا حسن و جمال تھا۔

بہرحال بعد ازاں ملکہ کے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جس کا نام سکندر رکھا گیا۔

اس قلعہ کے اساکینی لشکر میں سات ہزار ہندوستانی سپاہی بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ فتح کے بعد سکندر نے انھیں اس شرط پر معاف کر دیا کہ وہ اس کے لشکر میں شامل ہو کر خدمات سرانجام دیں۔ چنانچہ اس قلعہ سے کوئی نو میل دُور اُن کے لئے کیمپ نصب کیا گیا۔ بعد میں چل کر سکندر نے ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ تو وہ جان توڑ کر لڑے اور عزت کی موت کو غلامی کی ذلت پر فوقیت دیتے ہوئے ایک ایک کر کے سب کٹ گئے۔ سکندر کے اس کیمپ پر حملہ کرنے کی وجوہات پر مؤرخین میں اختلاف رہا ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ سکندر جیسا بہادر حکمران کسی طرح ایفائے عہد سے انحراف نہ کر سکتا تھا لیکن ساتھ ہی بعض لکھنے والوں کی رائے میں ہندوستانی لشکر کسی بیرونی طاقت کا آلۂ کار بن کر اپنے وطن کو غلام بنانے کی حرکت کو پسند نہ کر سکا تو اس نے سکندر کے خلاف سازش کی جس کا اسے پتہ چل گیا تو اس نے اچانک حملہ کر دیا۔

اساکینی اور نیسائی قبائل کے سلسلہ میں مشہور یونانی مؤرخ ایرین لکھتا ہے کہ:

یہ اساکینوئی (ASSAKENOI) ہندوستانیوں کی طرح اونچے لمبے[1] نہیں نہ ہی ان کی طرح بہادر ہیں نہ ہی سیاہی مائل، زمانہ قدیم میں وہ آشوریوں کے تابع فرمان تھے پھر میڈین کے دورِ حکومت میں ایرانیوں کے زیر نگیں ہوئے۔

نیسائی بہرحال ہندوستانی قوم سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان لوگوں کی اولاد سے ہیں کہ جو "ڈائے نے سس" کے ساتھ ہندوستان کی طرف آئے تھے۔

... ... جس پہاڑی پر نیسا آباد ہے اسے میروس کہا جاتا ہے یہ اساکینوں اور نیساکیوں کے درمیان حد فاصل ہے[2]۔

---

[1] یونانی وادیٔ سندھ کو ہندوستان کہا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس علاقہ کے باشندوں کی جسامت سے ہی ساکینوں کی جسامت کا مقابلہ کر رہے تھے [2] انڈیکا۔ ایرین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مساگا کا محل وقوع بھی دوسرے مقامات کی طرح مورخین کے زیر بحث رہا ہے۔ بعض لکھنے والوں کا خیال ہے کہ یہ مقام نواگئی سے کچھ فاصلے پر شکانئے کے مقام پر یا اس کے گرد و نواح میں آباد تھا لیکن تاریخ ہند[1] کے مصنفین اسے منگلور کے مقام پر ظاہر کرتے ہیں۔ منگلور ریاست سوات کے دارالسلطنت سیدو شریف سے بحرین جاتے ہوئے سڑک کے دائیں کنارے کچھ ہٹ کر پہاڑیوں کے اندر اس وقت ایک گاؤں کی شکل میں آباد نظر آتا ہے۔ اس کے قریب مٹی کی ایک قدیم ڈھیری بھی ہے جس کی کھدائی سے سکندر اعظم کے وقت کے سکے وغیرہ بھی ملے تھے قدیم سیاحوں۔ گیتوں وغیرہ میں منگلور کا ذکر ملتا ہے اور محل وقوع کے لحاظ سے ان تفصیلات کا متحمل ہے کہ جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے

ریاست اورا یا نورا اور بازیرہ

مساگا سے چل کر سکندر کو اورا یا نورا (ORA یا NORA) اور بازیرہ (BAZIRA) کی دو چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے نپٹنا تھا۔ یہ دونوں ریاستیں ایک دوسرے کے قریب میں تھیں اور دونوں کو باہمی امداد و اعانت پر بھروسہ تھا۔ ریاست بازیرہ کے باشندوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ لیکن جب یونانیوں کی فوجی چالبازیوں کا شکار ہو کر اپنی کمین گاہوں سے نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کرنے لگے تو ہمہ مقابل ثابت نہ ہو سکے۔ یونانیوں کے منظم لشکر کے سامنے ٹھہرنا مشکل ہو گیا اور جب اورا کی متوقع امداد بھی بروقت نہ پہنچ سکی تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادھر سکندر اس دوران میں خود اورا پر حملہ آور ہو کر اس پر قابض ہو گیا۔ مذکورہ ریاستوں کے باشندوں نے شکست کھانے کے باوجود اطاعت قبول نہ کی اور ملک کو ہی خیرباد کہتے ہوئے کوہ ارنوس AORNOS کی طرف چل دیئے۔

زمانہ قدیم کی ان آبادیوں کے ناموں اور بدلے ہوئے حالات میں بدلے ہوئے ناموں میں تطابق پیدا کرنے کے لئے اکثر مشکلات پیش آتی رہی ہیں چنانچہ اورا اور بازیرہ بھی زیر بحث رہے ماہر آثار قدیمہ مسٹر کننگھم کے خیال میں بازیرہ اس جگہ آباد تھا جہاں اس وقت ضلع مردان میں مشہور موضع

---

[1] ہسٹری آف انڈیا جلد سمتھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رستم آباد ہے اور چونکہ یہ جگہ سوات اور دریائے سندھ کے درمیان واقع ہے اس وجہ سے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور اگر مسٹر کنگھم کے اس خیال کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر اوہ اس جگہ آباد ہوگا جہاں ان دنوں ضلع مردان کا موضع بازار آباد دکھائی دیتا ہے لیکن مسٹر سٹین (STEIN) جو اکثر مواقع پر مقامات کے محل وقوع میں دوسرے مورخین سے اختلاف کرتا رہا ہے اس میں بھی اپنی جداگانہ رائے ظاہر کرتے ہوئے بازیرہ کو

علاقہ سوات میں باری کوٹ کے مقام پر اورا اور وہ کو باری کوٹ سے چند میل دور اودے گرام کی جگہ آباد بیان کرتا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ جن دنوں مذکورہ ماہرین آثار قدیمہ مصروف تحقیقات و تلاش تھے، ان دنوں زیر بحث علاقہ میں گھومنے پھرنے اور تفتیش و تجسس کی وہ سہولتیں میسر نہ تھیں جو اس وقت حاصل ہیں یہی وجہ ہے کہ انھیں کئی مواقع پر ظن و قیاس سے کام لینا پڑا۔ اور وہ اورا۔ نوزایا بازیرہ کا صحیح محل وقوع بیان نہ کر سکے، مسٹر کنگھم تو پھر بھی اصل مقامات کے ارد گرد گھومتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں لیکن مسٹر سٹین تو اس جگہ سے بہت دور نکل گئے کہ جس جگہ مذکورہ مقامات آباد بیان کئے جاتے تھے۔

علاقہ زیر بحث پر نظر ڈالی جائے تو اورا ہمیں اس وقت بھی علاقہ سدھم اور رجڑ کے درمیان آباد دکھائی دیتا ہے اور اسکے قریب ہی "نوگرام" کی قدیم آبادی ہے جسے قدیم نوزا خیال کیا جا سکتا ہے اور اس کی قدامت اس سے بھی ظاہر ہے کہ نوگرام کے قریب ایک وسیع حوض بھی موجود ہے اور 'رانی گٹ' کے نام سے ان بلند پتھری ستونوں کو بھی دیکھا جا سکتا ہے جو کئی کئی فٹ بلند بطرز قدیم ایستادہ دکھائی دیتے ہیں اورا وہ سے پھر کوئی پندرہ میل دور موضع بازار بازیرہ کی بگڑی ہوئی شکل میں موجود ہے۔ اور اس فاصلہ کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اورا اور بازیرہ کی دو چھوٹی چھوٹی ریاستیں ایک دوسرے کے قرب میں تھیں۔ اور ان کے محل وقوع کے تعین میں مسٹر کنگھم اور مسٹر سٹین دونوں سے غلطی ہوئی تھی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اورا اور نورا نام سے دو جدا آبادیاں تھیں، البتہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی حکومت ریاست اورہ کہلاتی تھی یا ریاست نورا؟

کوہ ارنوس یا مہابن پر حملہ : کوہ ارنوس کا محل وقوع بھی زیر بحث رہا۔ مذکورہ "تاریخ ہند" کے مصنفین کے خیال میں یہ پہاڑ کوئی بارہ میل علاقہ گھیرے ہوئے سطح سمندر سے سات ہزار فٹ بلند اور دریائے سندھ سے کوئی پانچ ہزار فٹ اونچا تھا۔ سمت جنوب میں دریائے سندھ بڑی گہرائی میں تھا۔ ساتھ ہی خطرناک چٹانیں اس طرف اقدام کے راستہ میں حائل نظر آتی تھیں، دوسرے اطراف بھی دشوار گزار تھے، چوٹی تک پہنچنے کے لئے صرف ایک راستہ تھا پھر چوٹی پر بھی قدرتی اور انسانی دو اقسام کے تحفظات تھے، سکندر کو اسے سر کرنا تھا جس کے پیش نظر اس نے اورا نورا اور بازیرہ کے تحفظات کو مضبوط کرنا ضروری خیال کیا۔ یہاں سے ایک حصہ لشکر نے اقدام شروع کیا لیکن کامیاب ہو سکا، تو اس نے وقتی طور پر ارادہ ہی بدل کر علاقہ پشاور کے دارالسلطنت پیوکی توتیس کی راہ لی جہاں اس نے وہاں کے حکمراں سے ستمبر میں اطاعت نامہ قبول کیا۔ اور اس قبولیت کے بعد سکندر کا ہشتنگر کے علاوہ اس تمام علاقہ پر بھی قبضہ ہو گیا جو اس وقت یوسف زئی کہلاتا ہے۔

اس طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد سکندر نے دوبارہ کوہ ارنوس کا رخ کیا اور جیسے لکھنے والوں کی کثرت آراء مہابن ظاہر کرتی ہے اور اپنے لشکر کے مرکز یا قیام کے لئے اس نے امبولینا[1] (EMBOLNA) کے مقام کو پسند کیا، یہیں اس نے اپنے رسد و رسائل کا مرکز بنایا اور کہا جاتا ہے کہ اس سفر کے دوران میں علاقہ گندھارا کے دو شہزادے کوفنز COPHAENS اور اساگیٹاس ASSACETAS اسکے ہمرکاب تھے۔ اس تیاری کے بعد سکندر نے یکے بعد دیگرے کئی حملوں کے بعد مہابن کو فتح کر لیا۔

---

[1] امبولینا کو بعض مورخ موضع امب (ضلع ہزارہ) کی جگہ بیان کرتے ہیں لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا اورا یا نورا اور بازیرہ کے بعد امبولینا کو موضع امبار کی جگہ بیان کیا جا سکتا کیونکہ یہی مرزوں مقام نام کی مناسبت کو بھی قرین قیاس ہے۔ اور اس کا فاصلہ بھی موضع ہنڈ سے کوئی دو میل اور نوگرام سے کوئی دس میل ہو گا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اساکینوں سے دوسری جنگ اساکینوں سے نبرد آزما ہونے کا ذکر کیا جا چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کے بعض قبائل آمادہ بہ اطاعت نہ ہوئے تھے انھیں مطیع کرنے کے لئے سکندر کو پھر اس طرف کوچ کرنا پڑا۔ چنانچہ جنگ مہابن کے بعد اس طرف چل پڑا۔ پہلا مقابلہ دائرتا (DYRTA) کے مقام پر ہوا۔ سکندر کی فتح ہوئی لیکن اس علاقہ کے باشندے تاب مقابلہ نہ لا سکنے کے باوجود اطاعت پر آمادہ نہ ہو سکے اور اپنے وطن کو ہی خیرباد کہتے ہوئے دریائے سندھ کو عبور کر کے دریائے جہلم اور چناب کے درمیانی علاقہ میں جو اکھیسارا (ISARA) کہلاتا تھا جا مقیم ہوئے۔ دائرتا سے جو مہابن کے شمال کی طرف بیان کیا جاتا ہے

سکندر واپس بلات وغیرہ کے مشکل راستوں سے گزر کر اوہند (OHIND) جا پہنچا جسے ضلع مردان کا موجودہ موضع ہنڈ خیال کیا جاتا ہے اور اسی ہنڈ کے مقام پر اس نے ٹکسلا کے جید حکمران امبھی (OPHISXAMBHI) کے سفیر یا ایلچی کو شرف ملاقات بخشا تھا۔

سکندر اعظم کی روانگی اس کے بعد سکندر دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے وادی سندھ کی طرف بڑھا اور پھر براستہ بلوچستان و مکران واپس لوٹ گیا۔ سکندر کے حملوں کی چند تاریخیں یوں بیان کی جاتی ہیں:

افغانستان سے روانگی	جون	۳۲۷	قبل مسیح
ہستی پر فتح	اگست	۳۲۷	"
اساکینوں سے مقابلہ	ستمبر	۳۲۷	"
مہابن کا محاصرہ	نومبر	۳۲۷	"
مہابن کی فتح	دسمبر	۳۲۷	"
ہنڈ میں آمد	جنوری	۳۲۶	"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سکندر اعظم کے بعد ہندوستان میں جینم نے کر چھٹی صدی قبل مسیح میں گوتم بدھ نے ایک جدید مذہب "بدھ مت" کی بنیاد ڈالی، اس وقت ہندو دھرم کی مکمل اجارہ داری برہمنوں کے ہاتھ میں تھی۔ انہی کو قوم و ملت کی زندگی یا موت کا بااختیار سمجھا جاتا تھا۔ ان کی زبان کا ہر لفظ قانون، ان کی ہر حرکت فیصلہ کا حکم رکھتی تھی اور اس اجارہ داری کا اندازہ اس سے لگائیے کہ انسانوں کے بہت بڑے حصہ کو انہوں نے حقوقِ انسانی سے محروم کر دیا انھیں شودر اور ملیچھ کا نام دے کر اپنی قوم سے جدا کر دکھایا۔ اور ان سے یہاں تک غیر انسانی سلوک ہوا کہ برہمن ان سے براہِ راست بات بھی کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ قاعدہ و قانون بنا دیا گیا کہ بوقتِ ضرورت اگر کسی برہمن کو اس آبادی کے کسی رکن سے گفتگو کرنا ہی ضروری ہو تو وہ مخاطب کسی دوسرے شخص کو کرے اور اس طرح اپنی آواز شودر یا ملیچھ کے کانوں تک بالواسطہ پہنچا دے اور اگر کسی وقت اتفاقیہ طور پر بھی وید کا کوئی اشلوک کسی شودر کو سنائی دے دے تو اس جرم میں سیسا پگھلا کر اس کے کان میں ڈال دیا جائے۔ ان حالات میں جب بدھ مت کا ظہور ہوا جس کی تعلیم صاف ستھری، عام فہم اور اپنے اندر توحید کا رنگ لئے ہوئے تھی تو عوام نے اس کی آواز پر لبیک کہا اور جلد ہی ہندوستان کی سرزمین پر اس جدید مذہب کا پھریرا لہرانے لگا تھا۔

علاقہ یوسف زئی اور بدھ مت سکندر اعظم کے گندھارا سے رخصت ہو جانے کے بعد دریائے سندھ کے مغرب کی طرف یونانیوں کی حکمرانی دکھائی دینے لگی تھی، دور دراز علاقوں کے چھوٹے موٹے سردارانِ قبائل اپنی آزادی کے قیام یا اس کے دوبارہ حصول کی کوشش میں منہمک رہے۔ اسی دوران میں جب ۳۲۳ قبل مسیح میں سکندر نے فرشتۂ اجل کو لبیک کہا تو اس کے بعد ہی یونانی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہونا شروع ہوئی ہر صاحبِ طاقت جرنیل یا گورنر نے اپنی انفرادی آزادی کا اعلان کیا۔ انہی حالات میں سکندر سے کوئی بیس سال بعد اس کے ایک قابل و بہادر جرنیل سلوکس کو دوبارہ اقتدار حاصل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرنے کی فکر ہوئی اور اس نے سندھ کے مشرقی کے علاقہ کو جس پر اس وقت ہندوستان کے موریا خاندان کا مشہور حکمران چندر گپتا قبضہ کر چکا تھا دوبارہ اپنے تسلط میں لے لینا چاہا چنانچہ وہ لشکر لئے روانہ ہوا۔ ادھر چندر گپتا بھی کیل کانٹے سے تیار تھا۔ بالآخر دونوں میں مفاہمت ہوگئی چندر گپتا نے پانچصد ہاتھی بطور نذرانہ پیش کئے۔ تو سلوکس نے نہ صرف یہ کہ دریائے سندھ کے مشرقی علاقہ پر اس کا تسلط برقرار رہنے دیا بلکہ گندھارا اور وادی کابل کے علاقے بھی اس کے زیر اقتدار کر دئے۔ ساتھ ہی اس سے اپنی لڑکی کی شادی بھی کر دی۔[1]

چندر گپتا نے بدھ مت قبول کر لیا اور اپنے وقت کا مشہور ترین حکمران ثابت ہوا۔ اس نے بدھ مت کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا لیکن زیادہ تر توجہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرف ہی رہی اور گندھارا کے علاقہ میں بدھ مت کی کسی خاص سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا۔ چندر گپتا کے بعد اس کے بیٹے "بندوسرا" نے ۲۹۷ قبل مسیح سے ۲۷۲ قبل مسیح تک اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کامیاب طریقہ پر حکومت کی۔ اس کا بیشتر وقت بھی ہندوستان میں "بدھ مت" کی تبلیغ میں صرف ہوا لیکن سندھ پار گندھارا کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی گئی تھی۔

عہد اشوک اس کے بعد چندر گپتا کے پوتے اور تاریخ ہند کے مشہور ترین بدھ حکمران اشوک کی باری آئی اس نے ۲۷۴ء قبل مسیح میں سریر آرائے سلطنت ہو کر اپنے آپ کو بدھ مت کے لئے وقف کر دیا۔[2] بدھ مت کو حقیقتاً اس کے عہد حکومت میں عروج حاصل ہوا۔ اس نے بدھ بھکشوؤں (علماء) کی کانفرنسیں طلب کیں۔ مذہبی مسائل کی تشریح و توضیح کرائی گئی، مذہبی امور میں جو شکوک یا اختلافات رونما ہو رہے تھے انھیں ختم

---

[1] اوری انٹل بائیوگرافیکل ڈکشنری۔ از بیل

[2] اس کی تاج پوشی سریر آرائے سلطنت ہونے کے چار سال بعد ۲۷۰ء قم میں ہوئی (پٹنا اورینٹل کانفرنس گزٹیر ۱۹۳۱ء مقالہ ہارگریوز)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کر دینا چاہا۔ ملک کے دور دراز مقامات تک مبلغین روانہ کئے۔ یہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک کو بھی بدھ مبلغین اسی دورِ حکومت میں بھیجے گئے تھے۔ اشوک ہی کے زمانے میں بدھ مت کو گندھارا پہنچنے کا موقع ملا۔ اور اسی عہدِ حکومت میں مشہور بدھ مبلغ مادھینتکا (MADHYANTIKA) کو ۲۵۶ء قبل مسیح میں گندھارا اور کشمیر کی طرف بھیجا گیا تھا تاکہ وہ ان علاقوں میں بسنے والوں کو بدھ مت کی تعلیمات سے روشناس کرائے۔ اس طرح گویا عہدِ اشوک میں بدھ مت نے گندھارا کے علاقہ میں قدم آجمائے تھے۔ اسی کے دورِ حکومت میں بدھ مت کو ہندوستان سے نکل کر افغانستان، سیلون اور دوسرے دور دراز مقامات تک پہنچنے کا موقع ملا تھا۔ اشوک کے زمانے میں ملک کے دور دراز علاقوں تک میں کتبے نصب کئے گئے جن میں علاقہ یوسف زئی کا کتبہ بمقام شاہباز گڑھ بہت ہی مشہور اور قابلِ ذکر ہے۔ ۲۳۷ ق م میں ہندوستان اور گندھارا کا یہ مشہور حکمراں دنیا سے چل بسا۔

قبیلہ ساکا کی آمد اس وقت کہ اشوک ہند اور گندھارا پر حکومت کر رہا تھا۔ یونانیوں نے جو اس وقت بلخ پر قابض تھے پھر اس طرف کا رخ کیا۔ انھیں دوبارہ یونانی سلطنت قائم کر لینے کی فکر ہوئی لیکن اشوک نے ۲۵۶ء ق م میں ان سے سمجھوتہ کر لیا۔ جنگ نہ ہوئی پھر اس کے بعد ایک عرصہ تک امن قائم رہا۔ اشوک کے بعد اس علاقہ میں بدھ مت کا زوال شروع ہوا۔ ہندوؤں نے پھر سر اٹھایا۔ یونانی آبادیاں یا چھوٹی چھوٹی ریاستیں پھر اپنی وسیع سلطنت قائم کر لینے کی فکر کرنے لگیں اور اس دوران میں وسطِ ایشیا کے بعض قبائل نے بھی اس طرف کا رخ کیا چنانچہ ۱۳۵ء ق م میں سیتھین قوم کے قبیلہ ساکا نے بلخ (افغانستان) کے علاقہ پر قبضہ کرتے ہوئے یلغار جو کی تو ۱۰۰ء ق م میں گندھارا پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

قبیلہ کشن کا اقتدار عہد کنشکا اسکے بعد قوم سیتھین کے دوسرے قبیلہ یوچی (YEUH-CHI) کی ذیلی شاخ کشن نے اس طرف کا رخ کرتے ہوئے گندھارا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر قبضہ جمایا۔ کشن قبیلہ بہت ہی طاقتور اور منظم تھا۔ اس نے نہ صرف گندھارا پر اپنا پرچم لہرایا بلکہ اس خاندان کے حکمراں پنجاب سے بنگال کر دادی گنگا تک حکمرانی کرتے دکھائی دیتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً یہ قبائل سوکے پجاری تھے۔ گندھارا اور ہندوستان پہنچنے پر انھوں نے بدھ مت اختیار کر لیا۔ کشن خاندان میں کنشکا بہت ہی مشہور حکمراں گذرا ہے اس نے بدھ مت کو ایک دفعہ پھر بام عروج پر کھڑا کر دیا۔ اُسے اپنی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلادی اور تاریخ کے بہترین حکمرانوں میں اپنا نام باقی چھوڑ گیا۔ اس کے سریر آرائے سلطنت ہونے کی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ اختلافات آراء اس نے ۷۸ء یا ۱۲۵ء میں عنان سلطنت ہاتھ میں لی تھی،

کنشکا کا عہد حکومت بہت ہی ترقی یافتہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس عہد میں بدھ مت سے متعلق کئی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اصلاح و ترقی کے کئی کارنامے سرانجام دیئے گئے اور اسی دور میں بمقام شاہ جی کی ڈھیری (پشاور شہر) میں وہ عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی تھی جسے عجائبات عالم میں شمار کیا جانا چاہیئے۔ کنشکا کا دارالسلطنت پرو شاپور یا موجودہ پشاور تھا اور جہاں اس نے:

> اپنے آخری ایام جبکہ وہ بدھ مت کا سرگرم کارکن تھا نوادرات کیلئے ایک عظیم الشان پگوڈا تعمیر کیا تھا جو دنیا کے مخصوص عجائبات میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ عمارت کا بالائی حصہ تراشیدہ لکڑی کی تیرہ چھتوں پر مشتمل تھا جن کی اونچائی کوئی چار سو فٹ تھی۔ اس کے گرد مضبوط آہنی کلس تھا چینی سیاح سنگ یون نے چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں جب اسے دیکھا تو وہ اس سے قبل تین دفعہ آتشزدگی سے برباد ہو کر مختلف حکمرانوں کے ہاتھوں پھر تعمیر ہو چکا تھا اس کے ساتھ ہی ایک غیر معمولی دلکش خانقاہ بھی دکھائی دے رہی تھی [1]

[1] گیٹس آف انڈیا۔ سر تھامس ہولڈچ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اسی جگہ ایک پیپل کا درخت بھی بیان کیا جاتا ہے جس کی اونچائی ایک سو فٹ تک پہنچی ہوئی تھی اور جس کی شاخوں نے وسیع علاقہ کو گھیر رکھا تھا۔ بدھ مت کے پیرو یقین رکھتے تھے کہ گوتم بدھ نے انہی شاخوں کے زیر سایہ کنشکا کی پیدائش یا آمد کی پیشین گوئی کی تھی۔ اسی درخت کے بچے کھچے نشانات بابر نے بھی ۱۵۰۵ء میں دیکھے تھے۔ اس کی عمر کا اندازہ ڈیڑھ ہزار سال لگایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سولھویں صدی عیسوی میں وہ اپنی عمر کی انتہا کو پہنچکر مرور زمانہ کے ہاتھوں خود بخود سوکھ کر ختم ہو گیا کیونکہ فرشتہ کی تحریروں (۱۵۹۴ء) میں اس کا کوئی ذکر دکھائی نہیں دیتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کنشکا تعمیرات کا شوقین تھا اسی وجہ سے اس نے:

> یونانی دستکار اور نقرہ گر ملازم رکھے تھے، چنانچہ پشاور شہر کے قریب شاہ جی کی ڈھیری" سے نوادرات کا جو صندوقچہ ملا تھا اس پر خروشٹی طرز تحریر میں قوم تھا کہ یہ کام اگیسیلاس (AGESILAS) کی محنت کا ثمر ہے جو کنشکا کا ورسیر تھا۔[1]

مختصر یہ ہے کہ کشن خاندان کو کنشکا کے عہد میں عروج حاصل ہوا۔ اس کی وسیع سلطنت پشاور کے مرکز سے شروع ہو کر پورے علاقہ گندھارا کے ساتھ وادی کابل کے دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ خاندان کوئی ایک سو سال تک حکمراں رہا اس کے بعد کمزور ہونا شروع ہوا۔ تو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ ہندو بھی اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی فکر میں تھے۔ وقتاً فوقتاً اس پر ضربیں لگاتے رہے تاآنکہ اس خاندان کی حکمرانی ختم ہو جانے کے بعد کوئی دو صدیوں تک تاریخ ہند کے اوراق پر ایسے پردے پڑے کہ تلاش کے باوجود کوئی روشنی نظر نہ آسکی۔ اس دوران میں سیتھین وغیرہ (تاتاری) کے

---

[1] لیگیسی آف انڈیا۔ جی ٹی گیرٹ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دوسرے قبیلے بھی اس طرف آتے رہے۔ تا آنکہ ہندوؤں کو ایک دفعہ پھر ترقی کا موقع ملا تو چوتھی صدی عیسوی میں تاریخ ہند کا مشہور خاندان گپتا برسر اقتدار نظر آنے لگا۔

کشن کے بعد حقیقت یہ ہے کہ خاندان کشن کے خاتمہ پر گندھارا میں کوئی ایک منظم حکومت دکھائی نہ دی، علاقہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا جس کی داغ بیل اس کی بھینس کے مقولہ پر عمل ہو رہا تھا کہ پانچویں صدی عیسوی کے درمیان وسط ایشیا کی ایک مضبوط قوم "سفید ہن" نمودار ہوئی۔ ہندوستان میں اس وقت گپتا خاندان کی حکومت تھی ان ہنوں نے گندھارا پر قبضہ کرنے کے بعد اس گپتا خاندان کی قیادت کو بھی ختم کر دیا لیکن یہ حکومت دیر پا ثابت نہ ہو سکی بعض مورخین کے خیال میں جاٹ اور راجپوتوں کے کئی خاندان انہی تاتاریوں کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ افغان یا پٹھانوں کے جو قبائل خاصے اور گوڑیا خیل پکارے جاتے ہیں انہی تاتاریوں کے ریوڑ سے تنگ آکر ہجرت کرتے ہوئے افغانستان اور بلوچستان کے درمیانی علاقہ میں جا آباد ہوئے ہوں گے اور پھر حالات بدل جانے پر کوئی ایک ہزار سال بعد اپنے وطن اجداد کو واپس لوٹ کر ان علاقوں میں مقیم ہو گئے ہوں جہاں اس وقت دکھائی دے رہے ہیں۔

بدھ ہندو کش مکش بدھ مت پر ترقی اور تنزل کے کئی دور گزرے اس مت کی آمد سے برہمن کی اجارہ داری پر کاری ضرب لگی تھی۔ اسی وجہ سے "ہندو بدھ" کش مکش جاری رہی۔ اور جب کبھی ہندوؤں کو موقع ملا انھوں نے بدھ مت کو ختم کر دینے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، یہ مخالفت حقیقتاً اشوک کے زمانہ سے ہی شروع ہوئی تھی اور پہلی صدی قبل مسیح میں مشہور ہندو راجہ بکرماجیت کو اقتدار حاصل ہوا تو اس نے بڑے شد و مد سے بدھ مت کی مخالفت کی۔ اسی راجہ کے عہد میں سن بکرمی کا ۵۷ سنہ قبل مسیح میں آغاز ہوا اس کے بعد پھر بدھ مت کو عروج ملا۔ کشن خاندان محافظ بدھ مت نظر آنے لگا۔ پھر بدھ مت کا زوال شروع ہوا۔ ساتویں صدی کے وسط میں ہندوؤں نے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بڑے منظم طریقہ پر ہندو دھرم کی تبلیغ شروع کر دی اور بدھ مت کو مٹا دینے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی گئی ہن کی آمد کے بعد یعنی اندازاً ۵۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک پھر کسی بیرونی حملہ آور کا پتہ نہیں چلتا۔

ہندو شاہیہ ہندوؤں نے مختلف علاقوں میں اپنی راجدھانیاں قائم کر لیں گندھارا کے علاقہ پر وقتاً فوقتاً اقتدار بدلتا رہا کبھی یہ علاقہ کلیتاً آزاد رہا تو کبھی کسی طاقتور حکمران کے زیر اقتدار دکھائی دینے لگا۔ تا آنکہ دسویں صدی عیسوی میں "ہندو شاہیہ" نے اس علاقہ پر اپنا پرچم لہرایا تو اس کا اقتدار موجودہ صوبہ سرحد سے نکل کر علاقہ سوات اور لغمان (افغانستان) تک دکھائی دینے لگا۔ چنانچہ برکیوٹ (ریاست سوات) سے جو ایک کتبہ دستیاب ہوا اس پر زبان سنسکرت مرقوم تھا کہ

عہد فرمانروائے اعلیٰ شاہان عظمیٰ کے بلند مرتبہ شاہ اور مختار اعلیٰ سری جیپالا دیوا۔

جیپالا دیوا سے مراد راجہ جیپال ہے حقیقتاً یہی ایک ہندو خاندان تھا جس نے گندھارا پر حکومت کی تھی اس سے قبل کسی وقت بھی کوئی ہندو حکومت اس علاقہ پر حکمران دکھائی نہیں دیتی اور اس آخری ہندو حکومت کا چراغ بھی جلد ہی سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں گل ہو گیا تھا۔

عہد بدھ کے آثار قدیمہ بدھ مت کے دور عروج کے واقعات سے تاریخ کے صفحے بھرے پڑے ہیں اس مذہب کے پیرو صدیوں تک گندھارا کے علاقہ پر حکومت کرتے رہے انہوں نے اپنے وقت کی بہترین یادگاریں چھوڑیں جو اس وقت تک آثار قدیمہ یا نوادرات کی شکل میں دکھائی دے رہی ہیں ذیل میں ہم چند ان آثار قدیمہ یا نوادرات کا ذکر کرتے ہیں کہ جو ضلع پشاور یا مردان یا علاقہ سوات وغیرہ میں دستیاب ہوئیں کہ یہی علاقے قبیلہ یوسف زئی کے اولین اور آخری مراکز خیال کئے جاتے ہیں۔ ضلع

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہزارہ۔ خیبر اور دوسرے علاقوں کے آثار قدیمہ کا ذکر ان علاقوں کے حالات میں درج کر دیا جائے گا۔

جہاں تک نوادرات کی تعداد کا تعلق ہے وہ سب سے زیادہ علاقہ سوات سے دستیاب ہوئے تھے اس طرف چونکہ ابتداً بہت ہی کم توجہ دی گئی تھی اس وجہ سے ان مدفون خزانوں کا کچھ صحیح اندازہ نہ لگ سکا موجودہ ترقی پذیر حکومت سوات کے عہد میں اس طرف زیادہ توجہ دی جا رہی ہے تو آئے دن نئے نئے نوادرات ملنے کی اطلاعیں بھی مل رہی ہیں اور ابھی یہ تلاش جاری ہے بڑی تاریخی اہمیت کے کتبے۔ مجسمے اور سکے وغیرہ دریافت کئے جا چکے ہیں۔

پشاور شہر کے قریب "شاہ جی کی ڈھیری" کے مقام پر (جو عہد اشوک و کنشکا کا قابل ذکر تعلیمی مرکز خیال کیا جاتا ہے) ۱۹۰۹ء میں گوتم بدھ کے تبرکات کا وہ سنہری صندوقچہ ملا تھا جسے دنیا کے نوادرات میں شمار کیا گیا۔ یہ نوادر بطور تحفہ حکومت برما کو دیدیئے گئے تھے اور صندوقچہ جو از خود فنکاری کا ایک نایاب نمونہ تھا لندن کے عجائب گھر کی زینت بنا۔ اس کی ایک نقل بنا کر پشاور کے عجائب گھر میں رکھدی گئی تھی پاکستان کے عہد فیلڈ مارشل محمد ایوب خان میں اس اصل صندوقچہ کو دوبارہ انگلستان سے واپس حاصل کر لیا گیا ہے۔ شاہ جی کی ڈھیری میں بدھ آثار قدیمہ اس وقت تک سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ یہاں کے بدھ معبد کا ذکر گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

پنج تیر تھ۔ پشاور شہر کے قریب ایک وسیع رقبہ میں پانچ چشموں پر مشتمل یادگار تھی جہاں گوتم بدھ کا کاسہ گدائی رکھا جانا بیان کیا جاتا ہے۔ معتقدین کو روزانہ بعد از دوپہر تا شام اس کے درشن کرائے جاتے تھے اور خیرات حاصل کی جاتی تھی صدیوں تک یہ جگہ بدھوں کے لئے زیارت گاہ کام دیتی رہی۔ لیکن جب اقتدار ہندوؤں کے ہاتھ لگا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تو انہوں نے اسے پانڈوں سے نسبت دیتے ہوئے اپنے لئے یادگار بنالیا وہاں پوجا پاٹ ہونے لگی۔ مرگھٹ بھی اس رقبہ میں بنا۔ قیام پاکستان کے بعد اسے عوام کے لئے سیرگاہ مچھلی پالنے کا مرکز اور ایک یتیم خانہ کی عمارت سے بارونق بنا دیا گیا ہے۔

بالا حصار (بحقیل چارسدہ) یہاں پر ایک مشہور چینی سیاح ہیونگ سانگ کی تحریر کے مطابق کئی سو فٹ بلند بگوڈا تعمیر تھا جو پتھر اور لکڑی سے بنایا گیا تھا اس پر سونے اور چاندی کی گلکاری کی ہوئی تھی اس کی تعمیر اشوک کے زمانہ کی بیان کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ گوتم بدھ نے اپنے کسی پہلے جنم میں اس جگہ اپنی آنکھوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔

شہر ناپرسان (بحقیل چارسدہ) موضع رجڑ کے قریب بدھ دور کی یادگار ہے ۱۹۰۲-۳ء میں یہاں محکمہ آثار قدیمہ نے کھدائی کرائی تھی اور نوادرات و موقع و محل کے لحاظ سے اسے بدھ کا قابل ذکر مقام بتایا گیا تھا۔ بعد میں ہندوؤں نے اسے گورو گورک ناتھ کی عبادت گاہ ظاہر کرتے ہوئے اسے اپنے لئے قابل تعظیم قرار دے لیا۔

پلیتو ڈھیری چینی سیاہ ہیونگ سانگ کا خیال ہے کہ یہاں پہلی صدی عیسوی میں بدھ کے عقیدتمندوں نے عمارت تعمیر کرائی تھی ۱۹۰۲-۳ء میں یہاں بھی کھدائی کرائی گئی تھی جس سے ایک قابل ذکر بدھ کی تصویر پتھر پر منقش ملی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اسے برہمن دیوا اور سکرا نے تعمیر کرایا تھا اور اس پر جواہرات جڑے تھے۔

غنڈ ڈھیری پلیتو ڈھیری کے قریب ہی واقع ہے یہاں سے کھدائی میں ایک مٹی کی صندوقچہ ملا تھا جو بجائے خود فن کا ایک بہترین نمونہ بیان کیا جاتا ہے اس میں کچھ ہڈیاں بطور تبرکات بند تھیں۔

زیارت بی بی سیدہ (بحقیل چارسدہ) موضع عمرزئے کے شمال کی طرف نصف میل کے فاصلہ پر ایک ڈھیری اندازاً ساٹھ فٹ اونچی۔ چھ سو فٹ لمبی اور چار سو فٹ چوڑی ہے۔ ہیونگ سانگ کی تحریر کے مطابق یہ وہ جگہ ہے جہاں گوتم بدھ نے بھوتوں کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پرتی دیوی کو اپنا معتقد بنایا تھا۔

مامانئے ڈھیری (تخمیں چار سدہ) موضع شیرپاؤ کے قریب ہے اس جگہ کی کھدائی تو نہیں ہوئی لیکن یہاں سے گوتم بدھ کے خوبصورت مجسمے ملے ہیں جنہیں کنشکا کے عہد کا بیان کیا جاتا ہے اس وجہ سے اس جگہ کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔

تخت بائی ہوتی مردان سے کوئی نو میل دور سطح سمندر سے ۱۸۲۳ فٹ بلند مالاکنڈ کو جاتے ہوئے سڑک کے مشرق کی طرف واقع ہے یہ آثار قدیمہ وسیع رقبہ گھیرے ہوئے ہیں ۱۸۷۸ء میں پہلی بار یہاں کھدائی کی گئی تھی۔ کئی کمرے راستے اور نوادرات بھی ملے لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی اس کے سن تعمیر کی طرف رہنمائی نہ کر سکا اور اس پر تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اتنی خوبصورت جگہ کا سکے کھنڈروں سے اس کی عظمت کا پتہ چلتا ہے کسی قدیم چینی سیاح نے اپنی تحریر میں ذکر نہیں کیا۔ دوبارہ ۱۹۰۸ء میں اور پھر ۱۹۱۰-۱۱ء اس جگہ کی کھدائی کرائی گئی۔

شہر بالول مردان سے کوئی سات میل دور کوئی ایک درجن ڈھیریوں پر مشتمل ہے۔ یہاں سے بہت سے سکے وغیرہ ملے جن سے اندازہ لگایا گیا کہ یہ جگہ پہلی صدی عیسوی میں آباد تھی۔ ۱۸۶۴ء میں اس جگہ کھدائی ہوئی تھی اور اس سے حاصل شدہ نوادرات کے پیش نظر ماہرین آثار قدیمہ نے اس عہد بدھ کا بہت ہی اہم مقام قرار دیا۔

جمال گڑھی ہوتی مردان سے کوئی آٹھ میل کے فاصلہ پر کاٹلنگ کی سڑک پر آباد ہے۔ اس جگہ دور بدھ کی یادگاریں دکھائی دیتی تھیں ۱۹۰۷ء میں یہاں کھدائی ہوئی تو بڑی تعداد میں نوادرات دستیاب ہوئے۔ چینی سیاحوں نے اس جگہ کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا ایک کتبے سے جو یہاں دستیاب ہوا پتہ چلتا ہے کہ یہ جگہ ۲۷۵ء میں آباد ہوئی تھی۔

ساول ڈھیر چینی سیاحوں نے اس جگہ کا ذکر بھی نہیں کیا لیکن یہاں سے کثیر تعداد میں نوادرات دستیاب ہوئے اندازاً پہلی یا دوسری صدی میں اسے آباد

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خیال کیا جاتا ہے۔

اسوٹا صرف اس جگہ کے کھنڈر ایسے ہیں جنکے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بدھ قبل ان لوگوں کے تعمیر کردہ ہیں جو سورج کی پوجا کرتے تھے۔

لاہور یا لہور (تحصیل صوابی ضلع مردان) یہ جگہ بہت پرانی اور بہت اہم ہے قدیم کتب سے پتہ چلتا ہے کہ سنسکرت کے علم صرف ونحو کے مصنف پانینی نے اس جگہ جنم لیا تھا اس حساب سے گویا کم سے کم ۳۵۰ قبل مسیح تک تو اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں اشوک نے ۲۵۶ ق م میں ایک پگوڈا تعمیر کرایا تھا جس کے کھنڈرات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ہیونگ سانگ نے بھی اس جگہ کا ذکر کیا ہے۔ اس جگہ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ ہندو شاہیہ کا دار الخلافہ تھا اور اسی جگہ سلطان محمود غزنوی نے راجہ جے پال کو گرفتار کیا تھا نہ کہ مغربی پاکستان کے دار السلطنت لاہور میں جیسا کہ عام طور خیال کیا جاتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھو باب عہد اسلامی ابتدائی دور)۔

ھنڈ یہ جگہ بھی تحصیل صوابی میں دریائے اٹک سے کوئی پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اسے ہندو شاہیہ کی راجدھانی بیان کیا جاتا ہے۔ ہیونگ سانگ نے اس جگہ کا ذکر اپنے سفر نامہ میں کیا ہے۔ اور اسی جگہ سلطان محمود غزنوی نے جے پال کا محاصرہ کیا تھا۔ یہ مندرجہ بالا لاہور سے کوئی چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ ابتدائی دور میں یہی ہندوستان کی طرف جانے کی شاہراہ تھی لیکن جب مغلوں نے دریائے اٹک کا راستہ اختیار کر لیا تو اس کی اہمیت ختم ہو گئی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اسے سکندر نے آباد کیا تھا۔ بدھ کے دستیاب شدہ نوادرات پہلی صدی عیسوی کے بیان کئے جاتے ہیں۔

غار کشمیر وادی سدھم (ضلع مردان) کے علاقہ کوہ پاجا میں یہ غار پہاڑ کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چوٹی پر واقع ہے عام طور مشہور ہے کہ وہ کشمیر میں جا پہنچتی ہے اس غار میں تھوڑی دور تک تو روشنی رہتی ہے اس کے بعد خود روشنی کا انتظام کر کے اندر داخل ہونے پر ایک تالاب ملا مزید آگے بڑھنے پر ایک کمرہ جس میں ایک چبوترہ بنا ہے خیال کیا جاتا ہے کہ اس چبوترہ پر کسی وقت بدھ کا مجسمہ نصب ہو گا اس کی تعمیر ماہرین آثار قدیمہ کی نظر میں تخت بائی کی تعمیر سے ملتی جلتی ہے۔ اس میں سے صرف ایک کتبہ ملا تھا جس پر تاتاریوں کے قبیلہ ایوچی کے حروف تہجی کے سات مختلف حروف کندہ تھے جن کا استعمال پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں وہ قبیلہ کرتا تھا۔

شاہباز گڑھ مردان سے کوئی آٹھ میل کے فاصلہ پر موضع شاہباز گڑھ میں اشوک کے کتبوں میں ایک اہم تاریخی کتبہ اس وقت تک موجود ہے قدیم تحریروں میں اس جگہ کا نام ورشاپورہ (VARSHA PURA) یا پولوشا (POLUSHA) درج ہے اور ہیونگ سانگ نے جب ساتویں صدی عیسوی میں اس جگہ کو دیکھا تو اس وقت بھی وہ پوری طرح آباد تھی۔ دوسرے چینی سیاح سونگ ین نے بھی اس جگہ کا بالتفصیل ذکر کرتے ہوئے اسے پولوشا ظاہر کیا ہے کی: ی ہوئی تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ شہباز گڑھ ہندوستان کو جانے والی شاہراہ پر چار مشہور شہروں میں سے ایک تھا۔ اس نے اس کی خوبصورتی اس کے سرسبز اور شاداب ہونے اور اس کے باشندوں کے اخلاق کی تعریف کی تھی اس کے پاس ہی چانک ڈھیری اور صوابی کی سڑک پر مزار اخوند بابا کے قریب "بت سری" اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ یہ تعمیرات بدھ دور حکومت میں تیار کی گئی تھیں۔

شاہباز گڑھ کے مشہور کتبہ کو ابتداً مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک ملازم ایم۔ کورٹ نے ۱۸۳۶ء میں دیکھا تھا۔ پھر ۱۸۳۸ء میں مسٹر مین نے اس کتبہ پر درج شدہ فرمان کے تیرہ احکامات کی نقل اتاری تھی۔ چودھویں حکم کو ایک چھوٹی چٹان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر کیپٹن (بعد میں سر) ہیربرٹ ایڈورڈز اسسٹنٹ کمشنر مردان نے دریافت کیا تھا یہ عبارتیں خروشٹھی زبان میں لکھی ہوئی ہیں جو چوتھی صدی کے وسط میں اس علاقہ کو فتح کرنے کے بعد ایران کے دارا خاندان نے جاری کی تھی اور جو دائیں سے بائیں یعنی اردو کی طرح پڑھی جاتی ہے۔ جاپانی ماہرین آثار قدیمہ نے مشہور چینی سیاح ہیونگ سانگ کی تحریر کی روشنی میں مزید آثار قدیمہ کی تلاش کے سلسلے میں ایک وفد کو پاکستان روانہ کیا جس نے شہباز گڑھ کے قریب "چناکا ڈھیری (چانک ڈھیری) کے مقام کو تاریخی حیثیت دیتے ہوئے ۱۸ ستمبر ۱۹۵۹ء میں کھدائی کا کام شروع کیا اور ان کا اندازہ ہے کہ یہ کام تین سال تک جاری رہے گا۔ نومبر ۱۹۵۹ء کے دوران میں جس اولین معبد کا انکشاف ہوا ہے اس کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں بدھ نے قحط زدہ ایک وفد کو سفید ہاتھی عطا کیا تھا اور مذکورہ ہاتھی جہاں بھی پہنچتا بارش شروع ہو جاتی تھی بدھ کے پیرو سفید ہاتھی کو بڑی عزت و حرمت سے دیکھتے ہیں

علاقہ بونیر میں درسک کے شمال کی طرف پہاڑیوں میں بھی بدھ عہد کے آثار قدیمہ دکھائی دیتے ہیں اور ڈاکٹر سٹین کے خیال میں بنج۔ اسگرام۔ پنج کوئے۔ گمبتی اور گیرارے کے مقامات پر مشہور عبادت گاہیں تھیں۔

سوات سوات کو عہد بدھ میں خصوصی حیثیت حاصل رہی اس علاقہ سے بدھ کی کئی اہم روایات وابستہ ہیں چونکہ اس علاقہ تک انگریز کی دسترس نہ تھی اس وجہ سے آثار قدیمہ کے کھوج لگانے میں کوئی اقدام نہ ہوا بایں ہمہ جب کبھی انگریز نے اس علاقہ کی طرف لشکر کشی کی تو سے کئی نوادرات ملے اور بکثرت ملے جنکا ذکر باب سوات میں درج کر دیا گیا ہے۔ قابل ذکر قدیم مقامات ذیل کے ناموں سے اس وقت بھی موسوم ہیں۔ رام کنڈ (خدوخیل علاقہ میں) منگلور۔ موضع کائی کے قریب قبرستان۔ ہوڈی گرام۔ سونی گرام نیچی گرام وغیرہ۔ اب ایک عرصہ سے ماہرین آثار قدیمہ علاقہ سوات میں کھدائی کر رہے ہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جن سے تاریخ کی اہم معلومات میسر آنے کی امید کی جا سکتی ہے۔ ریاست نے اس سلسلہ میں ایک عجائب گھر بھی قائم کر دیا ہے۔

ریاست سوات کے آثار قدیمہ کا کچھ مزید حال باب ریاست میں درج کر دیا گیا ہے۔

۱۲۸۲۲

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

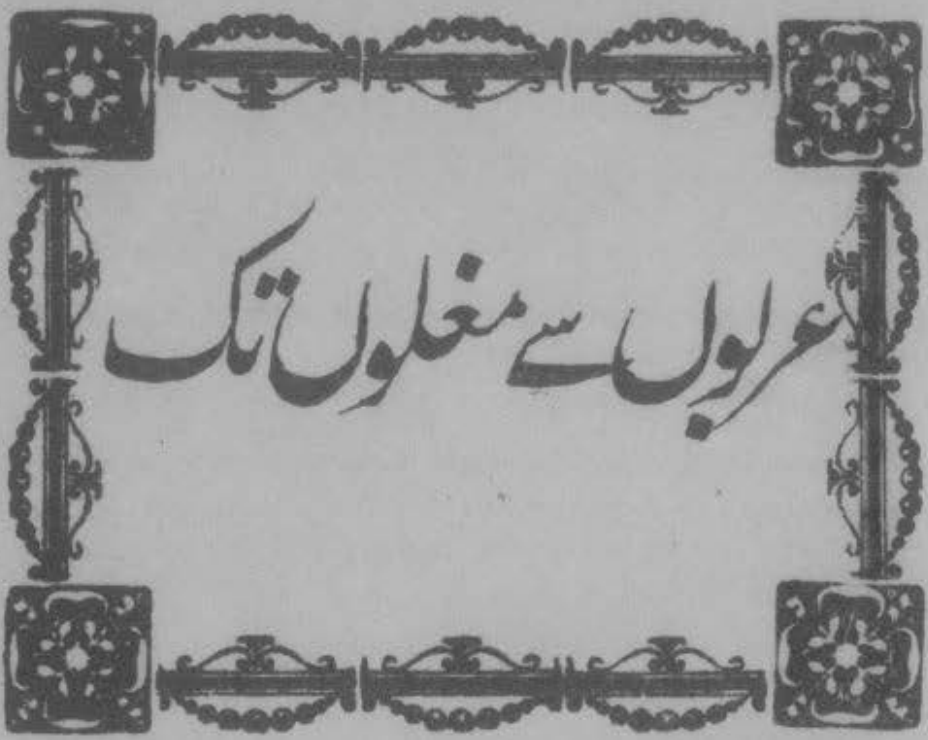

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عہد اسلامی کا ابتدائی دور

وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمان ابتداءً کب اس طرف آئے اور گندھارا یا علاقہ یوسف زئی پر کس نے اولین حملہ کیا تھا عام طور خیال کیا جاتا ہے کہ اس سلسلہ میں اولیت کا فخر سلطان سبکتگین کو حاصل ہوا لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ثالث کے عہد خلافت میں عبداللہ بن احمر بن قریز اموی کی قیادت میں لشکر اسلام نے سرزمین افغانستان پر قدم رکھا تھا۔ پھر حضرت امیر معاویہؓ بن ابوسفیان کے عہد خلافت میں ابن سمرہ اور بعد میں گورنر عراق حضرت ابن زیاد کی قیادت میں مسلمانوں نے مزید اقدامات کرتے ہوئے زابل اور رخج تک جا یورش کی تھی محققین نے رخج کو قندھار اور غزنی کا درمیانی علاقہ اور زابل کو افغانستان میں دریائے ہلمند کے گرد و نواح کا علاقہ قرار دیا۔ اگرچہ بابر اسے غزنی کے جنوب میں مکر کا علاقہ خیال کرتا ہے۔

اس دور میں عربوں نے سجستان سے نکل کر دد حکمرانوں کے خلاف اقدام کیا تھا ایک رتبیل یا زنبیل اور دوسرا کابل شاہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابن سمرہ نے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

۶۶۳ء (۴۳ھ) میں کابل کو باجگزار بنالیا تھا لیکن بعد میں جب ایک لشکر نے ابن زیاد کی ہدایت سے اس طرف کا رخ کیا تو اسے پتہ چلا کہ رتبیل اور کابل شاہ دونوں بغاوت کرتے ہوئے دوبارہ لسبت تک کے علاقہ کو اپنے زیر اقتدار لا چکے تھے۔ مسلمان خاموش نہ رہ سکتے تھے انہوں نے انہیں للکارا تو دونوں نے شکست کے خوف سے معاندہ کر لیا اور شرائط صلح تسلیم کر لیں۔

اس کے بعد ۶۶۴ء (۴۴ھ) میں ابو مہلب ابن ابو صفرہ نے یلغار شروع کی تو بڑھتے بڑھتے بنہ اور الاھوار تک کے علاقہ کو روند ڈالا۔ یہ دونوں مقامات گندھارا میں بیان کئے جاتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گندھارا پر اولین اسلامی لشکر سلطان سبکتگین کے ظہور سے بہت قبل عہد حضرت امیر معاویہؓ میں ابو مہلب کی زیر قیادت پہنچ چکا تھا۔

بنہ اور الاھوار کے متعلق عرب مورخین کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کابل اور ملتان کے درمیان شاہراہ پر مشہور مقامات کی حیثیت سے آباد تھے اب یہ دونوں نام زیر بحث آئے تو دور جدید کے بعض مورخین نے بنہ سے صوبہ سرحد کا مشہور شہر بنوں مراد لیا تو الاھوار کو ضلع مردان کا موضع لاہور کے مترادف خیال کیا جانے لگا۔

بنہ گو لفظ بنہ سے دور جدید کے بعض مورخین نے صوبہ سرحد کا موجودہ شہر بنوں مراد لیا ہے لیکن مقامی روایات یا تاریخ سے اس بیان کی تصدیق میں کوئی ایک واقعہ یا قصہ کہانی تک بیان نہیں کی جا سکتی مقامی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان محمد غوری کے عہد میں قبیلہ منگل اور حسنی اس جگہ آکر آباد ہوئے تھے[1] انہیں بعد میں شٹک[2] نے وہاں سے نکال دیا تو اس کی اولاد نے اس علاقہ پر قبضہ جمایا۔ اس وقت کثرت آب کی وجہ سے یہ جگہ "ڈھنڈ" کے نام سے موسوم تھی۔ اس نام کو انہوں نے شٹک کی بیوی کے نام کی نسبت

---

[1] بنوں آرٹ اور افغان فرانٹیئر۔ تھارپرن۔

[2] شٹک پٹھانوں کے خاندان کرلانڑی کے قبیلہ کاکئے سے متعلق ہیں (دیکھو شجرہ جلد افغان یا پٹھان)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے بدل کر بنوں بنا دیا اس کے گرد و نواح میں جس جگہ بدھ مت کے آثار قدیمہ ملے وہ جگہ اکرا کہلاتی تھی روایات میں کہا گیا ہے کہ ہندوؤں نے اکرا کو بدل کر ست رام بنا دیا تھا[1] جسے سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ء میں برباد کر دیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں کی آمد سے بہت بعد غزنویوں کے عہد تک بنوں یا بنہ نام سے اس جگہ کوئی آبادی موجود نہ تھی۔ اس وجہ سے بنہ کو بنوں کے مترادف خیال کرنا درست معلوم نہیں ہوتا لیکن اس کے ساتھ اس سے بھی انکار نہیں کہ عرب مورخین نے گو بکثرت نہ سہی ایک دو دفعہ بنہ کا ذکر ضرور کیا تھا اس کی تلاش میں گرد و پیش پر نظر ڈالی جائے تو غزنی کے جنوب میں بھی ایک قدیم آبادی بنہ[2] کے نام سے دکھائی دیتی ہے جس کے قرب میں جمہ نامی آبادی بھی تھی پھر غزنی سے بنہ کی طرف کا علاقہ کچھ میدانی بیان کیا جاتا ہے تو اس کے پیش نظر ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بنہ کو عرب مورخین نے بنہ لکھا ہو جسے بعد میں چل کر غلطی سے دور جدید کے مورخین نے بنوں سمجھ لیا ہو۔

لیکن اس سلسلہ میں جب یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مذکورہ بنہ کابل اور ملتان کے درمیانی شاہراہ پر آباد تھا اور پھر بنہ کیساتھ الاھوار (لاہور) کا ذکر بھی دکھائی دے تو ذہن بنہ کو بنہ کا مترادف تسلیم کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مذکورہ بنہ اپنے محل وقوع کے پیش نظر اس راستہ پر دکھائی نہیں دیتا جو کابل سے چل کر الاھوار (لاہور) سے ہوتے ہوئے ملتان تک جا پہنچتا تھا۔ غالب خیال یہی ہے کہ مذکورہ سڑک پر بنہ نامی کوئی آبادی اس وقت تو موجود تھی لیکن زمانہ کی دستبرد نے اسے باقی رہنے نہ دیا تو اس کا نام بھی باقی نہ رہا۔ لیکن بہرحال ہمیں جب ہم اس مذکورہ سڑک کی گزرگاہوں پر نظر ڈالتے

---

[1] بنوں آر اور افغان فرانٹیر۔ ایس ایس تھارپرن صفحہ ۱۷-۱۶

[2] گیٹس آف انڈیا۔ ہولڈرچ صفحہ ۴۶۲

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیں تو ہمیں علاقہ ضلع مردان میں ایک وسیع خطہ ارضی اس وقت بھی "نبلہ" ڈھیری کے نام سے موسوم نظر آتا ہے یہ علاقہ علاقہ سلیم خان اور طوطالی کی سرحد پر بجانب مغرب نہر کے کنارے گوہاٹی سے کوئی دو میل اور الاھوار سے (لاہور) سے کوئی نو دس میل کے فاصلہ پر ہے اس کے ارد گرد اس وقت قبیلہ خدوخیل، سلیم خان، مانیری اور رجڑ وغیرہ کی املاک ہیں اس مبدانی علاقہ میں زمانہ قدیم کی ڈھیریاں ہیں جو محل وقوع کے لحاظ سے دور گزشتہ کی کسی قدیم آبادی کا پتہ دیتی ہیں پھر اس نبلہ کے ارد گرد نظر ڈالی جائے تو جہاں الاھوار (لاہور) اور اوہند (ہنڈ) کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں وہاں سکندر اعظم کے عہد کا نورہ (نوگرام) اور رانی گٹ وغیرہ اس کی اہمیت کو اور بھی تقویت پہنچاتے ہیں اور اس کے کابل سے ملتان جانے والی مشہور سڑک پر واقع ہونے سے اس خیال کو اور بھی تقویت ملتی ہے کہ عربوں نے کابل سے ملتان جانے والے راستہ پر اس نبلہ کا الاھوار کے ساتھ ذکر کیا ہوگا اور ایسا ہی قرین قیاس بھی ہے۔

اس نبلہ کے قرب میں اس قسم کا ایک اور علاقہ "باقر" کے نام سے موسوم ہے۔ اور آلو۔ بلو اور کالو کی قدیم آبادیاں اس وقت آلو ڈھیرے بلو ڈھیرے اور کالو ڈھیری پکاری جاتی ہیں جن کی قدامت یا ابتدا کے سلسلہ میں اس وقت تک کوئی تحقیق نہیں ہو سکی۔ ہو سکتا ہے کہ تحقیقات کے بعد یہ مقامات بھی اپنی اہمیت کو بے نقاب کر دیں۔

الاھوار۔ (لاہور) مشہور مورخ بلاذری نے الاھوار کو الاھوار اور یعقوب الحموی نے معجم البلدان میں اسے ولاھوار لکھا ہے اب ایسی حالت میں کہ تمام مورخین ضلع مردان کے موضع نبلہ کو قدیم واہند یا اوہند کے مترادف خیال کرنے لگے ہیں تو لازماً دریائے سندھ کے کنارے ضلع مردان کے موضع لاہور کو ہی قدیم الاھوار قرار دینا پڑے گا جو واہند سے بمشکل چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جسے البیرونی، رشید الدین اور ابوالفداء نے گندھارا کا دار السلطنت بتایا تھا۔ فرشتہ کی تحریروں میں بھی اس کا ذکر آیا اور مسعودی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھی ۹۱۵ء میں سفر ہندوستان کے دوران میں اس لاہور (ضلع مردان) کو ہندو شاہیہ کا دارالحکومت قرار دیتا ہے۔

زیر بحث موضع لاہور مذکورہ ہنڈ سے کوئی چار میل کے فاصلہ پر ہے اور ماہرین آثار قدیمہ کے خیال کے مطابق یہ جدید آبادی ان قدیم کھنڈروں پر ہی تعمیر کی گئی تھی جنہیں سلاطورہ پکارا جاتا تھا اور جس جگہ سنسکرت زبان کی صرف ونحو کا مشہور عالم پانی نی (Panini) ۳۵۰ ق م میں پیدا ہوا تھا اسی طرح اگر زیادہ نہیں تو کم از کم ۳۵۰ ق م تک تو اس کی قدامت کو تسلیم کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ماہر آثار قدیمہ سر الگزنڈر کننگھم کی رائے میں یہ مقام سلاطورہ سے الاطورہ یا حلاطورہ اور پھر بگڑ کر لوڑ یا لاہور بن گیا ہوگا[۲] اس جگہ پانی نی کی یاد میں اس کا بت بھی نصب کیا گیا تھا جس کی موجودگی کی شہادت مشہور چینی سیاح ہیونگ سانگ نے بھی دی تھی جو ساتویں صدی عیسوی میں اس طرف آیا تھا پھر اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ بدھ مت کے مشہور حکمران اشوک نے ۲۵۶ ق م میں اپنے ایک مشہور ترین مبلغ کو اس طرف بھیجکر بدھ مت کی تبلیغ کی اور اس واقعہ کی یاد میں اس نے لاہور میں ایک یادگار بھی تعمیر کرائی جس کے کھنڈر اس وقت تک دکھائی دے رہے ہیں اور اس یادگار کا بھی ہیونگ سانگ نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے۔

ان حالات میں مذکورہ لاہور کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور کی کابل سے ملتان جانے والی شاہراہ پر اس نام کا کوئی دوسرا شہر دکھائی نہیں دیتا اس سلسلہ میں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ واہند یا موجودہ ہنڈ کو جو دارالسلطنت کہا گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس حیثیت سے استعمال ہوتا رہا ہو لیکن محل وقوع کے لحاظ

---

۱ و ۲ - پشاور روسٹرکٹ گزیٹیر ۱۹۳۱ء۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے وہ اس قدر محفوظ نہیں کہ جس قدر لاہور ہے پھر دونوں میں فاصلہ ہی کتنا ہے صرف چار میل اور بعد میں چل کر عہد غزنویہ میں ہم اس جگہ سلطان محمود غزنوی کو راجہ جے پال کا محاصرہ کرتے دیکھتے ہیں تو پھر کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور بلاشبہ موضع لاہور کو ہی مذکورہ الاصوار تسلیم کر لینا پڑتا ہے ہو سکتا ہے کہ مغربی پاکستان کے دارالحکومت لاہور کا نام اس مذکورہ لاہور کی نسبت سے بعد میں رکھ لیا گیا ہو اور علاقہ یوسف زئے میں بہت سے ایسے نام اس وقت بھی موجود ہیں کہ جن کے مترادف آبادیاں بعد میں سرزمین ہند پر نمودار ہوئیں مثلاً گجرات الہ آباد۔ اجمیر ڈلور (دہلی) آگرہ۔ گوہاٹی۔ لنواں کلی (نواکھالی) سرسدی (بنگال) وغیرہ۔

سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں لاہور کا ذکر کرتے ہوئے مورخ فرشتہ نے لکھا کہ جب سلطان ملتان جانے لگا تو راجہ انند پال نے "لاہور سے پشاور جا کر" سلطان کو روکا اور گردیزی کی تاریخ زین الاخبار میں درج ہے کہ "غزنی سے سلطان نے ملتان کا قصد کیا..... انند پال راستہ میں پڑتا تھا اس سے راستہ مانگا۔ ندیا۔ لڑا۔ انند پال بھاگ کر کشمیر چلا گیا۔" علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی مشہور تصنیف "عرب و ہند کے تعلقات" میں ان دونوں مذکورہ حوالوں کے ساتھ ایک اور حوالہ بھی درج کیا ہے جس میں مرقوم ہے کہ "جب کابل شاہ کو قوت حاصل ہوئی تو اس نے اوہند اور پشاور پر قبضہ کر لیا اور جب رائے لاہور کو موقعہ ملا اس نے کابل اور قندھار تک اپنی سلطنت قائم کی۔"

قطع نظر ناموں کی ترتیب کے جو غالباً ترجمہ کرتے وقت موجودہ ترتیب سے لکھے گئے ہوں گے ورنہ کابل شاہ کے ذکر میں اول پشاور اور بعد میں اوہند کا ذکر آنا چاہیے اس طرح رائے (حکمران) لاہور کے لئے ضروری تھا کہ وہ اول قندھار (گندھارا) اور بعد میں کابل پہنچتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حوالوں کے لفظ لاہور کو نقل کرتے وقت علامہ سید سلیمان ندوی نے اس کے محل وقوع پر غور نہ کی اور غالباً دریائے راوی کے کنارے آباد

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لاہور کو ہی مذکورہ لاہور خیال کرتے ہوئے انہوں نے کسی وضاحت کو ضروری خیال نہ کیا حالانکہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ جے پال یا انند پال کی حکومت کی آخری سرحد دریائے چناب پر ختم ہو جاتی تھی۔ مغربی پنجاب کے لاہور کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا اور غالباً اس وقت تک راوی کے کنارے کی آبادی اس نام سے موسوم بھی نہ تھی۔ یہی فروگزاشت ہمارے اکثر مورخین سے ہوئی تو وہ دریائے سندھ کے کنارے ضلع مردان کی تحصیل صوابی کے لاہور کی بجائے دریائے راوی کے کنارے مغربی پاکستان کے لاہور کا ذکر کرتے رہے اور اس پر بھی غور نہ کیا کہ جب سلطان کو ملتان جانے سے روکنے کے لئے انند پال لاہور (پنجاب) سے چل کر پشاور پہنچنے پر شکست کھا کر بھاگتا ہے تو واپس لاہور (پنجاب) جانے کی بجائے کشمیر کی پہاڑیوں میں کیوں پناہ لیتا ہے اور تاریخی شواہد کے مطابق اس نے اپنا دارالسلطنت نندانہ کو کیوں بنالیا تھا جو دریائے راوی کے کنارے نہیں بلکہ تحصیل پنڈ دادن خان میں واقع ہے اور اس نے بلاوجہ اپنے دارالسلطنت لاہور (پنجاب) کو کیوں چھوڑ دیا تھا؟۔

اور پھر تیسرے مندرجہ بالا اقتباس میں جو کہا گیا ہے کہ جب کابل شاہ کو طاقت حاصل ہوئی تو وہ "ادہند" اور "پشاور" پر قبضہ کر لیتا تھا اور رائے (حکمران) کو موقع ملتا تو وہ کابل تک جا پہنچتا تھا۔ یعنی کبھی اس علاقہ پر ایک کی حکومت قائم ہو جاتی تھی تو کبھی دوسرے کی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر رائے کے لاہور سے مراد پنجاب کا لاہور ہے تو کابل شاہ کابل سے چل کر ادہند پر کیوں رک جایا کرتا تھا اور کونسی چیز اسے پنجاب کو روندنے سے روک لیا کرتی تھی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لاہور سے مراد وہی لاہور ہے جو ادہند (ہنڈ) سے چار میل کے فاصلہ پر ضلع مردان میں اس وقت بھی موجود ہے پھر اس سے بھی تاریخ کی روشنی میں انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سلطان محمود غزنوی نے راجہ جے پال کو اسی ہنڈ کے قریب لاہور میں گرفتار کیا تھا نہ کہ پنجاب کے لاہور میں۔ حقیقت یہ ہے کہ دریائے سندھ کے مغربی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کنارے پر آباد لاہور نے رفتہ رفتہ اپنی اہمیت کھو دی اور جب مغلوں نے اس شاہراہ کو چھوڑ کر دریائے اٹک کا راستہ اختیار کر لیا تو یہ مقام اور بھی غیر معروف ہو گیا اور دریائے راوی کے کنارے لاہور کو چونکہ مسلسل شہرت حاصل ہوتی رہی اس وجہ سے اکثر لکھنے والے اسے ہی قدیم لاہور سمجھ کر غلطی کے مرتکب ہوتے رہے۔ عہد انگریزی میں بھی طلباء کو اسی غلطی پر قائم رہنے کا سبق دیا جاتا رہا اور مدارس کی اکثر کتابوں میں اس وقت تک اسی غلطی کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔

چند سال کے بعد ۶۷۲ء (۵۳ھ) میں سجستان کے گورنر عباد ابن زیاد کی زیر ہدایت عرب مورخین کے مطابق عربوں نے "الہند کی سرحد پر حملہ کیا اور القندھار کے میدانوں سے گزر کر وہاں کے باشندوں کو مار بھگایا۔" اس فقرہ میں "القندھار" کا لفظ زیر بحث آیا کیونکہ اس وقت تک افغانستان کا قندھار آباد نہ ہوا تھا تو یہی خیال ہوا کہ مورخین نے القندھار کو گندھارا کے لئے ہی استعمال کیا ہوگا کیونکہ وادی پشاور اس وقت اسی نام سے موسوم تھی عرب مورخین کے "القندھار" کو گندھارا ثابت کرنے کے لئے مشہور مورخ البرونی کی وہ تحریر بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ جس میں وہ ہند کو دریائے سندھ کے کنارے اسی القندھار کا دار السلطنت بیان کرتا ہے۔

یہ آخری حملہ معلوم ہوتا ہے کہ عارضی اور وقتی ضروریات کے پیش نظر کیا گیا ہوگا اور اس کی غرض عرب حکومت کا قیام نہ تھا تاہم مذکورہ واقعات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ غزنویوں سے قبل عرب مشعل اسلام لئے اس طرف پہنچ چکے تھے۔

خاندان غزنویہ سلطان سبکتگین

عربوں کے جن حملوں کا ذکر کیا جا چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقتی حیثیت کے تھے کسی مستقل حکومت کا قیام ان کا مقصد نہ تھا افغانستان میں حکومت اسلامیہ کی بنیاد پڑ چکی تھی اور جس وقت سلطان سبکتگین[1] نے غزنی میں سریر آرائے سلطنت ہو کر

[1] دیکھو دوسرا صفحہ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

غان سلطنت ہاتھ میں لی اس وقت لغمان (افغانستان) سے دریائے چناب (پنجاب) تک ہندو شاہیہ خاندان حکمرانی کر رہا تھا جس کا پایہ تخت اوہند (ہنڈ) یا بعض مورخین کے خیال کے مطابق ہنڈ کے قریب ضلع مردان کا موضع لاہور تھا راجہ جے پال کی سلطنت پورے عروج پر تھی اسے افغانستان میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت برداشت نہ ہو سکتی تھی وہ اس طاقت کو اپنے پہلو میں کانٹا خیال کرنے لگا اور اسے اس کے عہد معہد میں ہی ختم کر دینا چاہا اور جب سرحد پر معمولی سی جھڑپ ہوئی تو وہ لاؤ لشکر لے غزنی کی طرف چل پڑا اسے اپنی طاقت و قوت پر ناز تھا اپنی وسیع سلطنت کے وسائل پر بھروسہ تھا مقابل میں وہ جانتا تھا کہ سبکتگین نے نئی نئی طاقت حاصل کی تھی اور وہ اتنی وسیع بھی نہ تھی اس کے پاس وہ ذرائع رسل و رسائل بھی نہ تھے جو راجہ کو میسر تھے ان حالات میں اسے اپنی کامیابی کا یقین تھا اور اس یقین و ارادہ کے ساتھ اس نے لشکر کشی کا فیصلہ کیا ہوگا۔

راجہ جے پال کا یہ لشکر عظیم جب ۳۶۷ھ (۹۷۷-۹۸۶ء)[۲] میں غزنی کی طرف اقدام کرنے لگا تو خلاف توقع اسے سلطان سبکتگین پورے عزم و استقلال سے اپنے مقابل کھڑا نظر آیا۔ لمغان (لغمان) اور غزنی کے درمیانی علاقہ میں میدان کارزار گرم ہوا۔ اسلامی لشکر نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے حملہ آوروں کے منہ پھیر دیئے۔ راجہ نے جب یہ حالت دیکھی تو صلح کے لئے درخواست گزاری سبکتگین نے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا سکہ جمالینے کی غرض سے درخواست قبول کر لی تو راجہ نے شرائط صلح کے مطابق دس لاکھ درہم پچاس ہاتھی اور چند سرحدی قلعے خالی کر دینے کے اقرار کے ساتھ ایفائے عہد کی ضمانت کے طور اپنے چند متعلقین کو بطور یرغمال سلطان کے حوالہ کر دیا۔ لیکن اپنے دار السلطنت واپس پہنچکر راجہ ایفائے عہد نہ کر سکا۔ بلکہ رسم حکمرانی کے خلاف سلطان کے ان افسروں کو جو شرائط صلح میں

پچھلے صفحہ کا نوٹ ۱: پیدائش ۹۴۲-۳ء (۳۳۱ھ) وفات اگست ۹۹۷ء مطابق شعبان ۳۸۶ھ

۲: عتبی۔ ناظم۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

فیصلہ شدہ امور کی تکمیل کے لئے راجہ کے ساتھ آئے تھے گرفتار کر لیا۔ سلطان کو اس واقعہ کا علم ہوا تو بے قرار ہو گیا۔ وہ اب چین سے بیٹھ نہ سکتا تھا راجہ کو عہد شکنی کی سزا دینے کی تیاری کرنے لگا اور پہلی ہی جست میں اس نے لغمان کے ارد گرد کے علاقہ پر قبضہ کر لیا جب جے پال کو اطلاع ملی تو اس نے ہندو راجاؤں سے امداد طلب کی ہندوستان کو خطرہ میں ظاہر کرتے ہوئے اعانت کا طلبگار ہوا اور قبل اس کے کہ سلطان مزید اقدام کرتا راجہ کثیر تعداد میں لشکر لئے اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کو واپس لینے کی غرض سے از خود غزنی کی طرف چل پڑا۔

سلطان تو پہلے ہی سے حملہ کی تیاری کر رہا تھا وہ راجہ کو عہد شکنی کی سزا دینا چاہتا تھا اب وہ راجہ خود ہی اس کی طرف آ رہا تھا۔ دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ شدید جنگ لڑی گئی نتیجہ میں راجہ کو دوبارہ شکست ہوئی۔ سلطان نے لغمان سے پشاور تک کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ بقول مورخ عطبی اس وقت اس علاقہ میں دین اسلام کی شمع روشنی پھیلانا شروع ہوئی اور افغان بشمول قبیلہ غلزئی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اس کے بعد ایک عرصہ تک دونوں حکمران ایک دوسرے کے مقابل مقیم رہے غزنی سے پشاور تک کا علاقہ سلطان سبکتگین کے قبضہ اقتدار میں تھا تو علاقہ یوسف زئی اور پنجاب میں دریائے چناب کے کنارے تک راجہ جے پال کی حکمرانی دکھائی دے رہی تھی۔

سلطان محمود غزنوی

سلطان سبکتگین نے اگست ۹۹۷ء مطابق شعبان ۳۸۶ھ میں بمقام بلخ وفات پائی اس کے بہادر اور تاریخ کے مشہور حکمران سلطان محمود[1] نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اسے بچپن ہی سے فنون جنگ سکھائے جا رہے تھے۔ اعلیٰ تربیت دی گئی تھی وہ اپنے والد کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہ کر بہادری و جوانمردی کے میدان میں بھی شہرت حاصل کر چکا تھا اس کی اپنی کارگزاریوں کو دیکھ کر سلطان سبکتگین نے اپنے اس بہادر فرزند کو سیف الدولہ کا خطاب دیا اور بعد میں اس کے حسن تدبر اور طاقت و قوت کے پیش نظر خلیفۃ المسلمین

[1] سلطان محمود غزنوی شب ۹/۱۰ محرم الحرام ۳۶۱ھ مطابق شب یکم دوم نومبر ۹۷۱ء کو (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے بھی اسے یمین الدولہ وامین الملک کے خطابات سے نوازا تھا۔ سریر آرائے سلطنت ہونے پر اس نے جس خوبی خوش اسلوبی عقل و تدبر، فہم و فراست اور عدل و انصاف سے حکومت کی اس کی تعریف و توصیف میں موافق و مخالف ہر ایک نے حصہ لیا اور جو اس اسلامی سلطنت کو برداشت نہ کر سکتے تھے وہ بھی دبی زبان میں تعریف کرنے پر مجبور ہوئے یہ موقع تفصیل کا نہیں تاہم ایک غیر مسلم مصنف کی تحریر کے چند الفاظ نقل کر دیئے جاتے ہیں جس سے مخالفین کی آراء کا پتہ چل سکتا ہے۔

> نپولین نے اپنے مفتوحہ علاقوں سے آرٹ کے نوادرات جمع کرتے ہوئے پیرس کو مزین کیا تھا لیکن محمود نے اس سے بہتر کام کر دکھایا اس نے خود آرٹسٹوں اور شعراء کو لاکر اپنے دربار کو منور کیا۔ دریائے ہاموں کے کنارے اور ساحل کیسپین پر آباد شہروں اور ایران و خراسان سے اس نے ایشیائی صاحبان علم و ہنر کو مجبور کیا وہ بھی کسی جبر سے نہیں کہ وہ اس کے آسمان شہرت میں سیاروں کی طرح گردش کرتے رہیں[1]۔

غزنی میں ایک نوجوان کو سریر آرائے سلطنت دیکھتے ہوئے راجہ جے پال کو اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی وہ اپنے آپ کو شاہوں کا شاہ اور "مطلق العنان" حکمران سمجھتا تھا۔ ایک عرصہ تک جنگ و جدل میں نہ الجھ کر اس نے طاقت بھی جمع کر لی تھی پھر ہندوستان کے کئی راجے مہاراجے اس کی پشت پناہی کے لئے موجود تھے سن و سال کے لحاظ سے بھی زیادہ باعمر اور تجربہ کار تھا اسے خیال ہوا کہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ نوٹ) کو پیدا ہوئے اس کی پیدائش کے سلسلہ میں بہت سی روایات بیان کی جاتی ہیں چنانچہ انہی میں کی ایک روایت کو طبقات ناصری میں یوں درج کیا گیا ہے کہ جس دن محمود پیدا ہوا اسی دن نگرکوٹ (دارالسلطنت راجہ جیپال) کا بت خانہ خود بخود گر گیا تھا۔

[1] ہسٹری آف انڈیا جکسن صفحہ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کہ ایک ہی جست میں وہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے کر محمود کو اس کے باپ کے کردار کی سزا دے سکے گا چنانچہ اس نے از خود حملہ کی ٹھانی۔ لشکر کو تیاری کا حکم ملا تو شوال المکرم ۳۹۱ھ (ستمبر ۱۰۰۱ء) میں اقدام شروع کر دیا گیا۔

محمود بھی بے خبر نہ تھا اسے راجہ کی طاقت سے ناواقفیت نہ تھی وہ سلطان سبکتگین کے ہمرکاب مخالفین کے جنگی طور طریقے دیکھ چکا تھا قبل اس کے کہ راجہ اس کی مملکت میں قدم رکھتا وہ خود لشکر لئے پشاور میں آموجود ہوا اس جگہ شدید جنگ لڑی گئی راجہ کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے بالآخر ۸ محرم الحرام ۳۹۳ھ (۲۷ نومبر ۱۰۰۱ء) کو ہندو بھاگ کھڑے ہوئے اور بقول مورخ گردیزی وہ پانچ ہزار مردے بھی میدان جنگ میں چھوڑ گئے۔ خود راجہ جے پال جو محمود کو نوعمر سمجھ کر اس کے خلاف لشکر لئے میدان جنگ میں کود اتھا بمقام لاہور[1] معہ اپنے پندرہ بیٹوں اور پوتوں کے گرفتار ہو کر سلطان کے سامنے بحیثیت قیدی لایا گیا۔ اس جنگ میں دیگر مال و متاع کے علاوہ کہ جو ہاتھ لگا تھا موتیوں کے پندرہ ہار بھی تھے جن میں کے ہر ایک کی قیمت کا اندازہ دس دس ہزار دینار لگایا گیا۔ غالباً راجہ کے بیٹے اور پوتے یہ ہار زیب گلو کئے ہوئے تھے۔ سلطان نے راجہ کے دار السلطنت ہنڈ (ضلع مردان) تک قبضہ کر لیا تو راجہ نے ڈھائی لاکھ دینار اور پچاس ہاتھی پیش کرنے کے وعدہ کے ساتھ اپنی گلو خلاصی کرائی اور اپنے ایک لڑکے اور ایک پوتے کو بطور یرغمال سلطان کے پاس چھوڑ دیا واپس ہو کر راجہ اپنی شکست کی ذلت برداشت نہ کرتے ہوئے آگ میں کود کر جل مرا۔

سلطان یوسف زئے کے علاقہ میں گھوم کر اپنا دبدبہ قائم کرنے کے بعد اندازاً اپریل ۱۰۰۲ء میں واپس غزنی پہنچ گیا۔ ہنڈ سے نکال دیئے جانے کے بعد ہندو شاہیہ نے اپنا دار السلطنت "نندانہ" میں جا بنایا۔ اسکے بعد تین چار سال تک پھر کسی جنگ کا پتہ نہیں چلتا۔

---

[1] لاہور کا ذکر عربوں کے حملوں کے زیر عنوان کیا جا چکا ہے یہ موضع ضلع مردان میں ہے [2] نندانہ کا مشہور تاریخی مقام تحصیل پنڈ دادن (پنجاب) میں چوہا سیدن شاہ سے چودہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس جگہ آثار قدیمہ بھی موجود ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بعد ازاں سلطان محمود نے ۳۹۶ھ (مارچ اپریل ۱۰۰۶ء) جب ملتان کا رخ کرنا چاہا تو راجہ جے پال کے جانشین بیٹے راجہ انند پال کو اطلاع دے کر خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اس راستہ سے گزرنا چاہتا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت ان دونوں حکمرانوں کے تعلقات کشیدہ نہ تھے راجہ انند پال نے عقل و تدبر سے کام نہ لیتے ہوئے از خود مصائب و آلام کو دعوت دی اور سلطان کے اس راستہ سے گزرنے پر نہ صرف یہ کہ معترض ہوا بلکہ موقع کو غنیمت جان کر جنگ کی تیاری کرنے لگا اس وقت چونکہ ہندوستان کے اکثر راجے اس کی امداد پر آمادہ تھے اس نے اس اجتماعی طاقت سے مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دینا چاہا اس نے اسے مذہبی جنگ کا رنگ دے کر ہندو مسلم جنگ بنا دیا ہندو راجاؤں نے دل کھول کر امداد دی تو اس مشترکہ لشکر نے مجتمع ہو کر دریائے سندھ پر ہی محمود کو روک لینا چاہا اور ہو سکتا ہے کہ وہ بزعم خویش محمود کو شکست دے کر اس کے ملک پر چڑھ دوڑنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو حسب سابق ہندوؤں کا لشکر پسپا ہوا محمود نے تعاقب کیا تو راجہ انند پال نے کشمیر کی راہ لی اور ان پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔

راجہ جے پال سلطان سبکتگین اور سلطان محمود سے شکستیں کھانے کے بعد آگ میں کود کر جل مرا تھا اس کے بیٹے راجہ انند پال نے یکے بعد دیگرے اپنی ذلت و شکست کا بدلہ لینے کی کوشش کی لیکن ہر دفعہ اس ذلت و شکست میں اضافہ ہی ہوتا رہا چنانچہ اس مذکورہ جنگ میں شکست کھانے کے بعد اس نے ایک آخری بار حملہ کر کے "تخت یا تختہ" کا فیصلہ کر لیا۔ وسیع پیمانے پر ہندو راجوں مہاراجوں کو پیغامات بھیجے گئے وہ بھی سلطان محمود کے عزائم دیکھ رہے تھے سب ہی کو یقین تھا کہ انفرادی حیثیت میں وہ اس سیل رواں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اس وجہ سے انہوں نے مشترکہ حیثیت میں ایک کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا اور جب لشکر بہ تعداد کثیر جمع ہو گیا تو اپنے کھوئے ہوئے دار السلطنت ہنڈ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

(ضلع مردان) کی طرف یلغار شروع کر دی اور بڑی تیزی سے اقدام کرتے ہوئے ہنڈھا پہنچا۔ سلطان محمود جیسا بیدار مغز حکمران ان واقعات سے بے خبر نہ رہ سکتا تھا وہ بھی کیل کانٹے سے لیس ہو کر روانہ ہوا تو ۲۹ ربیع الاول ۳۹۹ھ (۳۱ دسمبر ۱۰۰۸ء) کو ہنڈ میں دکھائی دینے لگا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے ہوئے شدید جنگ لڑی گئی ہندوؤں کا لشکر حسب سابق تاب مقابلہ نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ راجہ انند پال کو بھی جان کے لالے پڑے اس کا آخری دم بھی ٹوٹ گیا تو جان بچا کر بھاگ نکلا۔ سلطان کچھ عرصہ تک اس علاقہ میں مقیم رہا اور پھر جون ۱۰۰۹ء کو واپس غزنی لوٹ گیا اس جنگ میں سلطان کو جو مال غنیمت ملا ان میں ذیل کی اشیاء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شاہی سفری خیمہ جس میں راجہ انند پال راستہ میں قیام کرتا تھا۔ اس کی لمبائی چوڑائی ۱۵×۳۰ گز تھی اس کے ستون سونے چاندی کے تھے اور سائبان ریشمی راجہ کے بیٹھنے کے لئے ایک مزین تخت شاہی بھی تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ پانڈوں کے قدیم خاندان سے اس موجودہ خاندان تک پہنچا تھا۔ اس شاہی ساز و سامان میں شاہی خزانہ سے سات کروڑ درہم اور منوں سونا چاندی بھی ملی تھی[1]۔ یہ ہندوؤں کا آخری حملہ تھا اس کے بعد پھر انہیں سرزمین سرحد کی طرف اقدام کرنے کا کبھی خیال تک نہ آسکا اور ان کا چراغ اس علاقہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گل ہوا[2]۔

حقیقتاً سلطان محمود غزنوی کے دور حکومت میں ہی شمع اسلام نے قبائلی علاقہ کو منور کیا اور جلد ہی پھر اس روشنی سے افغان یا پٹھان مستفید ہونے لگے۔ اسلام لانے کے بعد پٹھان بحیثیت قوم خاندان غزنویہ کی حمایت میں شمشیر بکف دکھائی دینے لگے انہوں نے سلطان کے ہر حملہ میں نمایاں حصہ لیا۔ حتیٰ کہ روایات کے مطابق جب سلطان کے لشکر

---

[1] تفصیلات کے لئے دیکھو دی لائف اینڈ ٹائمز آف سلطان محمود آف غزنہ از ڈاکٹر محمد ناظم

[2] سلطان محمود کے مشہور رفیق ایاز کی قبر لنواں کلی (مردان) میں غنڈی کے مقام پر لاہور سے اٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"سر سید سرحد" ۔ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو سومنات کے مقابلہ میں سخت مشکلات درپیش آئیں۔ تو پٹھان اس بے جگری سے نبرد آزما ہوئے کہ ان کی بہادری جرات اور دلیری کی خود سلطان تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا تو اس نے بھرے دربار میں اقرار کیا کہ حقیقت "پٹھان" ہی خان کہلانے کے مستحق ہیں اور اس دن سے لفظ خان افغان یا پٹھان نام کا جزو بن گیا۔ اس سے قبل یہ لقب صرف ترک یا تاتاری ہی استعمال کرتے تھے۔

اس وقت تک افغان یا پٹھان پشاور۔ مردان یا اس طرف کے قبائلی علاقہ میں آباد نہ تھے۔ یہاں دوسری اقوام قیام پذیر ہندو شاہیہ کے طابع فرمان چلی آرہی تھیں ہندو شاہیہ کے خاتمہ پر جب خاندان غزنویہ کا اقتدار قائم ہوا تو آبادی میں بھی رد و بدل ہونے لگا اور غوریوں کے وقت میں اس علاقہ کی طرف افغان یا پٹھانوں نے ڈیرے ڈالنے شروع کر دئے۔ غزنوی یا اس کے بعد کے حکمران مسلم خاندانوں کی چونکہ زیادہ تر توجہ ہندوستان ہی کی طرف رہی اس وجہ سے وہ سرحدی علاقہ کی طرف خصوصاً دور دراز علاقوں کی طرف دیکھ نہ سکے انہیں زیادہ سے زیادہ ضرورت اسی کی تھی کہ ان کے لئے ہندوستان کا راستہ بلا مداخلت کھلا رہے اور اسی غرض سے وہ شاہراہ کے قرب وجوار کے قبائل سے لین دین یا معاندے وغیرہ کرتے رہے۔ یوسف زئے کا پہاڑی علاقہ خصوصاً سوات اور اس کے ملحقہ علاقہ جات کلیتہً آزاد رہے۔ قبیلہ یوسف زئے اس وقت تک اس موجودہ علاقہ یوسف زئے میں پہنچا نہ تھا بلکہ افغانستان کے حدود میں مقیم تھا۔

خاندان غوری

خاندان غزنویہ کے چراغ گل ہو جانے پر عنان سلطنت غوریوں کے ہاتھ لگی ابتداً پٹھان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک نے خاندان غزنویہ کا ساتھ دیا تو دوسروں نے غوریوں کا لیکن جب غزنویہ خاندان کی طاقت کلیتہً ختم ہو گئی اور غوریوں کا اقتدار شروع ہوا تو رسم زمانہ کے مطابق پٹھان اسے اپنی ہی حکومت خیال کرتے ہوئے اس کی امداد و اعانت پر کمربستہ نظر آنے لگے محمد غوری نے بھی عقل و تدبر سے کام لیتے ہوئے ان کی دلجوئی کی انہیں یقین دلایا کہ غوریوں کی حکومت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حقیقت پٹھانوں کی حکومت تھی انہیں ہر حملہ میں اپنے ہمرکاب رکھا ان کی آؤ بھگت کی جاتی رہی اس زمانہ میں پشاور اور مردان کے علاقوں میں دلازاک آباد تھے۔ ان پر غوریوں نے اپنا اقتدار قائم کیا اس کے بعد خاندان غوری کی توجہ کا مرکز ہندوستان کی سرزمین ہی رہی انہوں نے بھی قبائلی علاقہ خصوصاً علاقہ یوسف زئے سوات وغیرہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ انہوں نے بھی زیادہ سے زیادہ ان اقوام یا قبائل سے تعلق جوڑنے کی کوشش کی جو کسی نہ کسی طرح شاہراہ میں رکاوٹیں پیدا کر سکتے تھے اور ہر ممکن ذریعہ سے افغانستان اور ہندوستان کے درمیانی راستہ کو صاف اور پرامن رکھنے کی سعی ہوتی رہی۔

البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ غوریوں کے عہد حکومت میں افغان یا پٹھانوں کو ان کے مقبوضہ علاقوں سے نکل کر اردگرد پہاڑیوں میں آباد ہونے کی رغبت دلائی گئی چنانچہ مختصر سے پیمانہ پر یہ حرکت جاری رہی تو گویا اس طرح اسلام کو زیادہ وسیع علاقہ میں پھیلنے کا موقع ملا۔[1]

غوریوں کے بعد

جب اس خاندان کا زوال شروع ہوا تو موقع سے فائدہ اٹھا کر ۱۲۱۵ء میں خوارزم کے حکمران نے غزنی پر قبضہ کر لیا نتیجہ یہ ہوا کہ اٹک پار کے جن علاقوں پر غوری خاندان کا اقتدار قائم تھا وہاں کے قریب قریب ہر گورنر یا حاکم نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اس طرح صوبہ سرحد اور ہندوستان میں حکومتی اشتراک کا خاتمہ ہوا۔ دریائے سندھ نے ہندوستان اور افغانستان میں حد بندی کے فرائض انجام دینے شروع کر دیئے اس تبدیلی کا علاقہ یوسف زئے کے پہاڑی علاقوں پر کوئی اثر نہ تھا۔ وہ حسب سابق آزاد و خود مختار رہے پھر ۱۲۴۲ء میں

---

[1] پنجاب کے مشہور قبیلہ گھکڑ کا اس عہد (۱۲۰۴ء) میں حلقہ بگوش اسلام ہونا بیان کیا جاتا ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مغلوں نے یلغار کرتے ہوئے دریائے سندھ تک کے علاقہ پر اپنا تسلط جمالیا تو بھی حالات یونہی چلتے رہے۔ یوسف زیوں کا علاقہ کبھی آزاد ہوا کبھی نیم آزاد البتہ سوات وغیرہ کا علاقہ قریب قریب آزاد ہی رہا۔ پچاس پچپن سال اسی حالت میں گزر گئے اس کے بعد دسمبر ۱۳۹۷ء میں تیمور لنگ نے یلغار کی علاقہ کو روند ڈالا لیکن یہ ایک عارضی حادثہ تھا۔ وہ قبائلی معاملات پر کسی طرح اثر انداز نہ ہوا اور صحیح پوزیشن یہی تھی کہ:

> کابل اور غزنی کے سابق سلطان لغمان۔ کنڑ۔ سوات۔ باجوڑ پشاور کو تو اپنے زیر تسلط خیال کرتے تھے۔ لیکن وقتی طور خراج کی جبری وصولی کے علاوہ پہاڑیوں میں رہنے والے ان افغان قبائل کو برائے نام ہی مطیع خیال کیا جا سکتا ہے۔[1]

---

[1] گزیٹیر پشاور ۱۸۹۸ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

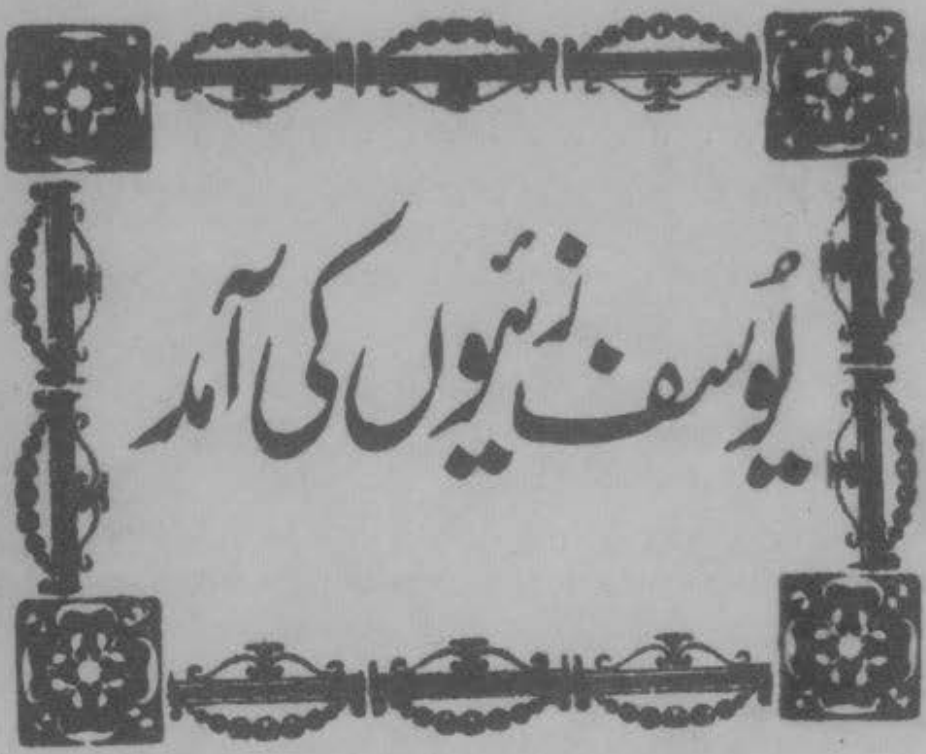

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

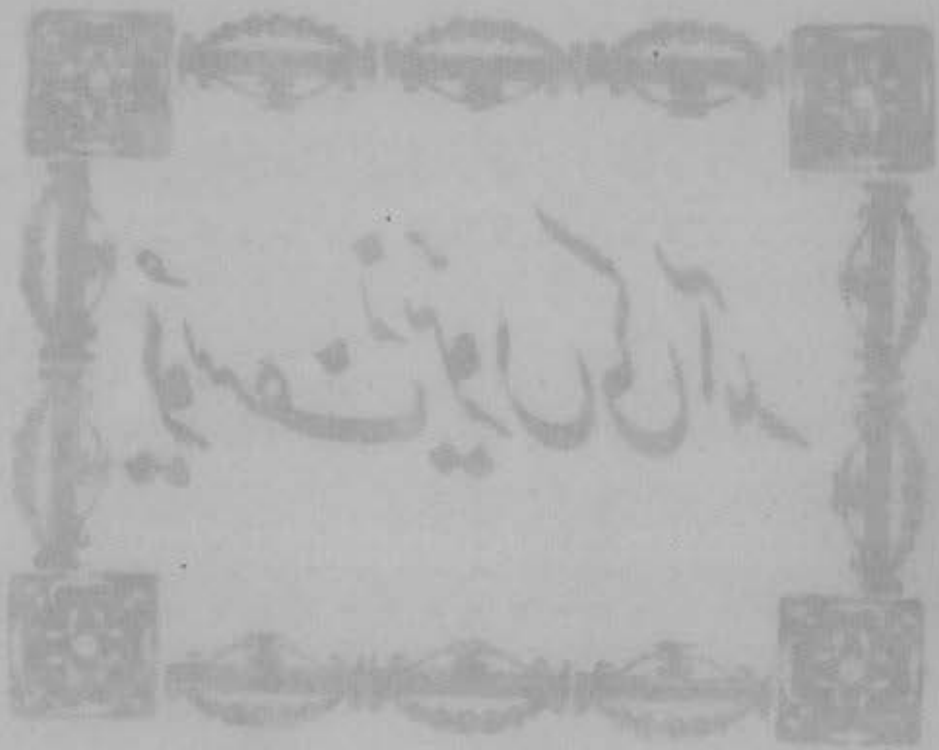

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یوسفزئیوں کی آمد

افغانستان میں قیام

یوسفزئیوں کے متعلق بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ پانچویں صدی عیسوی میں مغرب کی طرف سے یلغار کرنے والی اقوام کے ہاتھوں پریشان ہوکر گندھارا کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے تھے اس کے بعد اس قبیلہ پر کیا گزری اس کا کوئی صحیح پتہ نہیں چلتا اور نہیں کہا جاسکتا کہ موجودہ علاقہ پاکستان مثلاً ضلع مردان ریاست ہائے دیر و سوات۔ بونیر باجوڑ یا ہزارہ میں آباد ہونے سے قبل انہیں کس کس جگہ کی خاک چھاننا پڑی البتہ اس قبیلہ کی ایک قدیم تاریخ ہے کہ جو ملی جلی پشتو فارسی میں لکھی گئی تھی پتہ چلتا ہے کہ وہ تیرہویں صدی عیسوی کے آواخر یا چودھویں صدی کے شروع میں وسط لوطہ کے قریب گارا اور نوشکی کے علاقہ میں مقیم تھے[1] رسم زمانہ کے مطابق جب دوسرے قبائل نے زور پکڑا تو یہ اپنی کمی تعداد یا دوسری وجوہات سے اس علاقہ

---

[1] کنگڈم آف کابل از الفنسٹن ۱۸۴۲ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے وہاں سے نکل کر انہوں نے کابل کے گرد و نواح میں ڈیرے جمائے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔

مغلوں کی حمایت

جب افغانستان میں کچھ عرصہ تک روشن رہنے کے بعد خاندان تیموریہ کا چراغ گل ہونے لگا اور تیمور کے پوتے مرزا شاہرخ کے فرزند الغ بیگ کو جان کے لالے پڑے تو اس نے یوسف زئیوں سے امداد و اعانت طلب کی اور پھر انہی کی امداد سے اپنے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو دوبارہ روشن کر لیا۔ چونکہ یوسف زئیوں کی طاقت سے ہی اسے تاج و تخت نصیب ہوا تھا اس وجہ سے اس قبیلہ کی آؤ بھگت ہونے لگی اسے شاہی دربار میں اثر و رسوخ حاصل ہوا قرب شاہ میں جگہ ملی اور وقت باعزت طریقہ پر گزرنے لگا لیکن اس دوران میں جب مغرور اور بھولے بھٹکے مغل اپنی کمین گاہوں سے نکل نکل کر دربار شاہی تک رسوخ حاصل کرنے لگے انہیں اپنی سلطنت زندہ اور رو بہ عروج نظر آنے لگی تو انہیں دربار شاہی میں یوسف زئیوں کا قرب اپنے راستہ میں کانٹا دکھائی دینے لگا اور کوشش کی جانے لگی کہ دربار شاہی سے ان کا پتہ کاٹ دیا جائے رفتہ رفتہ اختلافات پیدا ہوئے کشمکش شروع ہوئی خود الغ بیگ بھی مغلوں کے ہاتھوں میں کھیلنے لگا اس نے اپنی روش بدل ڈالی یوسف زئی اس تبدیلی مزاج کو تاڑ گئے طاقت و قوت ان کے ہاتھ میں بھی تھی بدامنی شروع ہوئی احکام شاہی کو انہوں نے درخور اعتنا نہ سمجھا تا آنکہ دار السلطنت تک میں قانون کا احترام باقی نہ رہا اور لوٹ مار کا بازار گرم نظر آنے لگا۔

الغ بیگ کی عہد شکنی

اب الغ بیگ نے قبیلہ یوسف زئی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دیں اس نے اس قبیلہ کو ہی ختم کر دینا چاہا منصوبے تیار ہونے لگے چونکہ برائے راست الجھاؤ سے خطرہ تھا کہ تمام افغان قبائل مشتعل ہو کر میدان میں نہ کود پڑیں وہ تقسیم و حکومت کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حکمت عملی کو بروئے کار لایا افغانوں میں باہمی نفاق پیدا کرانے کی کوشش کی گئی اور اسے بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی چنانچہ یوسف زئے اور دوسرے افغان قبیلہ گگیانی میں اختلافات پیدا کرا دیئے گئے اور جب ان اختلافات کو شاہی حلقے سے ہوا ملی تو نوبت جنگ و جدل تک جا پہنچی الغ بیگ نے گگیانیوں کا ساتھ دیتے ہوئے یوسف زئیوں پر حملہ کر دیا اس مشترکہ لشکر کا مقابلہ آسان نہ تھا لیکن یوسف زئی بڑی ہمت و جرأت سے نبرد آزما ہوئے مخالفین کو شکست ہوئی الغ بیگ نے یہ حالت دیکھی تو ساز باز شروع کر دی۔ سیاسی جوڑ توڑ کا ماہر تھا اس نے فوراً پینترا بدلا اور صلح و صلاحیت کی باتیں سنائی دینے لگیں یوسف زئیے جانتے تھے کہ حکومت الغ بیگ کے ہاتھ میں تھی وہ تن تنہا اس کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ پھر ایسی حالت میں کہ خود افغانوں میں اختلافات پیدا کرائے جا چکے تھے اس مسئلہ نے اور بھی اہمیت حاصل کر لی ان حالات میں یوسف زئیوں نے موقعہ کو غنیمت جان کر صلح پر اظہار آمادگی کر دیا صلح و صلاحیت ہو گئی تو اس کی خوشی میں الغ بیگ نے ان کے سرداروں کو ایک دعوت میں مدعو کیا جن میں مدد خان[۲] سلطان شاہ اور شیخ منصور قابل ذکر ہیں چونکہ افغان اپنی رسم کے مطابق کسی طرح عہد شکنی یا اعتبار میں دشمن کو دعوت دے کر مارنے یا تکلیف پہنچانے کے روادار نہ ہو سکتے تھے انہیں کوئی شک و شبہ نہ ہوا انہوں نے بہ اطمینان خاطر اس دعوت میں شمولیت کی لیکن نہ جانتے تھے کہ حقیقت وہ ایک سازش تھی نتیجہ یہ کہ ادھر دعوت کا آغاز ہونا تھا کہ ادھر الغ بیگ کے آدمی ان مہمانوں پر جھپٹ پڑے انہیں سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ ملا ایک ایک کر کے سب قتل کر دیئے گئے صرف ایک نوجوان ملک احمد خان[۱] پسر ملک سلطان خان[۱] کسی نہ کسی طرح اس

---

[۱] ملک احمد خان مندڑ کے ذیلی قبیلہ رزڑ کی شاخ ملک زئے سے متعلق بیان کیا جاتا ہے اس کی قبر یوسف زئیوں کے ایک اہم مرکز تھانہ رمالاکنڈ ایجنسی کے قریب الوڈھنڈ میں دکھائی دے رہی ہے

[۲] مدد خان ولد بام خان خدوخیل قبیلہ سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس سازش سے بچ نکلا تو بعد میں چل کر اسے ہی قوم کی سرداری و قیادت نصیب ہوئی۔

ملک احمد خان کی قیادت

ملک احمد خان ان مذکورہ تمام مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا وہ جانتا تھا کہ الغ بیگ اور اس کے ساتھی قبیلہ یوسف زئی کو ختم کر دینا چاہتے تھے اسے یقین تھا کہ جو الغ بیگ اپنی جانبازیوں سے یوسف زئیوں اور گیگیانیوں میں اختلاف پیدا کرا چکا تھا وہ دوسرے افغان قبائل کو بھی اپنے ہتھکنڈوں کا شکار بنا لے گا۔ اس نے بہتری اسی میں دیکھی کہ ہر قیمت پر وہ اپنے قبیلے کو ہی اس سلطنت کے حدود سے باہر نکال لے جائے بلاشبہ اس میں بھی خطرات پوشیدہ تھے لیکن یہ بھی خیال کیا جا سکتا تھا کہ اس قبیلہ کی روانگی پر اگر حکومت نے کوئی حرکت کی تو ہو سکتا تھا کہ گیگیانیوں کے علاوہ دوسرے قبائل حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور یہ توقع بھی تھی کہ الغ بیگ اپنے پہلو سے اس کانٹے کو نکلتا دیکھ کر خاموش ہی رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا یوسف زئیوں نے جب وہاں سے کوچ کیا تو حکومت کی طرف سے کوئی قابل ذکر مخالفت نہ ہوئی اور ملک احمد خان اپنے قبیلہ کو صحیح و سالم اس علاقہ سے باہر نکال لینے میں کامیاب رہا۔

افغانستان سے ہجرت

اس وقت لغمان (افغانستان) میں ترکانڑی قبیلہ آباد تھا۔ قندھار کے گرد و نواح میں کوڑیا خیل (خلیل مہمند داؤدزئے) ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ خیبر میں خود افریدیوں کے لئے زمین تنگ تھی دلازاک اور ان کے ساتھ دوسرے قبائل پشاور سے دریائے اٹک تک علاقہ مردان، ہزارہ، چھچھ اور باجوڑ وغیرہ میں مقیم تھے۔ یہ ایں ہمہ پشاور کا علاقہ بہت وسیع تھا اور یہی جگہ تھی جہاں یوسف زئی مقامی آبادی سے بہ رضا و رغبت یا قوت بازو سے اپنی رہائش کے لئے جگہ حاصل کر سکتے تھے اور اسی علاقہ میں حقیقتاً ان کے لئے گنجائش بھی تھی اس وقت کی آبادی ایسی گنجان نہ تھی جیسی اس وقت دکھائی دے رہی ہے اور خدا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی زمین اپنی وسعت میں کئی آبادیوں کو جگہ دے سکتی تھی یہ واقعات غالباً پندرہویں صدی عیسوی کے اول نصف میں وقوع پذیر ہوئے پشاور کے قریب پہنچکر ملک احمد خان نے ولازاکوں سے اپنی رہائش کے لئے جگہ حاصل کرنے کو درخواست گزاری۔

ولازاکوں سے رابطہ

قبیلہ ولازاک نے خواہ اس آبادی کے مصائب و آلام کے پیش نظر از راہ ہمدردی یا جنگ کے خوف سے جیسا بھی ہو اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے اس قبیلہ کو خوش آمدید کہی اور موجودہ ضلع پشاور میں دوآبہ کا علاقہ کہ جو مہمندوں کی پہاڑیوں سے لے کر دریائے سوات اور دریائے کابل کے سنگھم تک پھیلا ہوا ہے اور جس میں منجی، شبقدر بٹگرام۔ آدے زئے وغیرہ کے موجودہ مقامات شامل تھے یوسف زئیوں کے حوالہ کر دیا چنانچہ یہ نو وارد اس علاقہ میں آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ قبیلہ کے بقیہ افراد جو مذکورہ قتل کے بعد منتشر ہو چکے تھے یا دوسرے مقامات پر مقیم تھے آہستہ آہستہ اس طرف آنا شروع ہوئے دوآبہ کا علاقہ تنگ نظر آنے لگا۔ وہ ان تمام کے لئے ناکافی دکھائی دیا تو ملک احمد خان نے دوبارہ ولازاکوں کو اپنی کثرت آبادی اور تنگی جگہ کی طرف توجہ دلائی اور اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے مزید اراضی حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

اس زمانہ میں اراضی کی خرید و فروخت دور حاضر کی طرح روپے پیسے سے نہ ہوتی تھی۔ قبائل اپنے اپنے مخصوص علاقوں پر قابض تھے اور یہ قبضہ یا تو بزور شمشیر حاصل کیا جاتا تھا یا کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلہ کی درخواست پر اپنی اندر اراضی اس کی نذر کر دیتا تھا یا کسی قبیلہ کو مصائب و آلام میں مبتلا پاکر اسے جائے رہائش کی پیش کش کی جاتی تھی انہی رسومات کے تحت ولازاک دوآبہ کا علاقہ دے چکے تھے لیکن جب ملک احمد خان نے مزید علاقہ طلب کیا تو بھی ولازاکوں نے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کسی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو اس کی درخواست کو مسترد نہ کیا بلکہ یہی جواب دیا کہ وہ دانش کوہ اور علاقہ مہمند میں دریائے اسمار تک آباد ہو سکتے تھے حتیٰ کہ باجوڑ تک پہنچ جانے میں بھی ان کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اور اگر چاہتے تو ہشتنگر (ضلع پشاور تحصیل چارسدہ) کے علاقہ کو بھی دلازاکوں کی امداد و اعانت سے وہ بزور شمشیر ان دہقانوں سے چھین سکتے تھے کہ جو اپنے آپکو سلطان سوات کا تابع فرمان بتاتے تھے۔

چنانچہ یوسف زئیوں نے ہشتنگر کے علاقہ سے دہقانوں کو جو میر ہنڈہ کی قیادت میں تھے مار نکالا اور خود وہاں آباد ہو کر اتمان زئے عمر زئے۔ رجڑ ترنگزئے تنگی۔ چارسدہ۔ آبازئے۔ پڑانگ وغیرہ کے مواضعات آباد کئے اور جب قیام کے بعد مزید طاقت حاصل کر لی تو پھر انہوں نے مردان کے میدانی علاقہ سوات اور اس سے بھی آگے دیکھنا شروع کر دیا اور ملک احمد خان کی قیادت میں قوت بازو سے دلازاکوں کو ان کی املاک سے بے دخل کرنے لگے۔

غوریا خیلوں کی نقل و حرکت

ادھر پشاور کے علاقہ میں یہ نقل و حرکت جاری تھی ادھر افغانستان میں گوڑیا خیل قبائل (مہمند۔ خلیل۔ داؤدزئے) قندھار کے گرد و نواح میں اب حالات کو سازگار نہ دیکھتے ہوئے یوسف زئیوں کے نقش قدم پر چل کر کابل کے گرد و نواح میں آباد ہونے کے لئے کوچ کر آئے۔ کابل کے قریب گیگیانیوں کے ساتھ ننگرار میں محمد زئے آباد تھے گوڑیا خیل جب اس علاقہ میں پہنچے تو مذکورہ دونوں قبیلوں سے چپقلش شروع ہوئی۔ قبیلہ ترکانڑی لغمان اور ننگرار کے درمیان آباد تھا اس نے حالات وقت کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے چند قبائل کو باجوڑ کی طرف بھیجدیا چنانچہ جب کشمکش بڑھی تو گیگیانیوں نے بھی باجوڑ کا رخ کیا لیکن ترکانڑیوں نے انہیں وہاں ٹکنے نہ دیا اور نکال باہر کیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گیگیانیوں اور محمد زئیوں کی آمد

اس وقت قبیلہ یوسف زئی کی قیادت ملک احمد خان کے ہاتھ میں تھی لورے قبیلہ کو اس پر اعتماد تھا اس وجہ سے اب سب کی نظریں اس پر لگی تھیں گیگیانیوں نے جب دیکھا کہ باجوڑ میں انہیں قدم جمانے کا کوئی موقعہ نہ تھا اور مہمند وغیرہ بجائے خود ان سے زیادہ طاقتور تھے تو انہوں نے محمد زئیوں کی رفاقت میں ملک احمد خان کے ذریعہ قبیلہ یوسف زئے سے درخواست کی کہ وہ ان کے لئے کسی جائے رہائش کا انتظام کرے ملک احمد خان اپنے وقت کا مدبر ہوشیار اور سیاستدان تھا اسے اپنی قوم میں طاقت و قوت پیدا کرنے کی فکر تھی اسے اس قبیلہ کی امداد و اعانت میں افغان قوم کی طاقت مضمر نظر آرہی تھی۔ اس نے سوچا اگر یہ سب قبیلے آپس میں صلح و صلاحیت سے زندگی بسر کرنا شروع کردیں تو اس طرح افغانوں کے بالعموم اور یوسف زئیوں کے ہاتھ بالخصوص مضبوط ہوں گے چنانچہ دوآبہ کا زرخیز علاقہ جو خود یوسف زئیوں کو رہائش کے لئے ملا تھا اب اس نے گیگیانیوں کے حوالہ کردیا۔

گیگیانی جوق در جوق مہمندوں کے علاقہ میں خڑپہ کے راستہ سے اکر اس علاقہ میں آباد ہونے لگے۔ محمد زئیوں کو آباد کرنے کے لئے یوسف زئیوں نے ہشتنگر کا علاقہ پیش کردیا اور خود مردان کے بالائی علاقہ میں مقیم ہونے لگے۔ وہ خود تو ہشتنگر سے نکل گئے لیکن ان کی آبادیاں اپنے سابقہ ناموں یعنی عمر زئے۔ اتمان زئے۔ ابازئے۔ رزڑ وغیرہ کے ناموں سے ہی موسوم رہیں اور اس وقت تک انہی ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔

ہشتنگر سے نکل کر یوسف زئے قبائل نے اپنے جدید مسکن بنائے۔ چنانچہ اتمان زئے ٹوپی مینی۔ کوٹہ وغیرہ میں عمر خیل مایئری صوابی وغیرہ میں اباخیل زیدہ کھڈہ وغیرہ میں آباد ہوئے۔ اس طرح طورو اور خدوخیلوں کی آبادیاں عالم وجود میں آئیں اور رزڑ کا علاقہ اس نام سے دکھائی دینے لگا۔ موضع مینی کے بعض باشندوں کو اب بھی چارسدہ اول پکارا جاتا ہے اور اس گاؤں میں ایک پورا محلہ چارسدہ کے نام سے دکھائی دیتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہشتنگر سے دہقانوں کا اخراج

یہ ظاہر کیا جا چکا ہے کہ ہشتنگر کے علاقہ پر قابض دہقان سلطان سوات کے طابع فرمان تھے

جب یوسف زئیوں نے انہیں ہشتنگر سے نکال کر خود ان کی جگہ لے لی تو اس قبیلہ نے درہ مورہ کے راستہ سے سوات کی راہ لی اور تانرہ میں مقیم ہو جانے کا فیصلہ کیا جہاں ان کے سردار میر بندہ کی املاک و اراضی تھی انہوں نے مالاکنڈ پر قبضہ کر لیا اس طرح گویا یوسف زئیوں کے لئے اقدام کا راستہ بند ہوا انہوں نے درہ مورہ پر اپنی چوکیاں قائم کر دیں اور چراٹ اور شاہ کوٹ کے تحفظات کو بھی پوری طرح سنبھال لیا۔ سلطان ادیس ان دنوں علاقہ سوات پر حکمرانی کر رہا تھا اس کے سر پر یوسف زئیوں کے حملہ کا خطرہ سوار رہا اور خطرہ بیجا بھی نہ تھا کیونکہ یوسف زئیوں کو سوات کے سرسبز اور زرخیز علاقہ کی مکمل اطلاعیں مل چکی تھیں ان کے بعض افراد اس علاقہ کو دیکھ چکے تھے انہوں نے ایک آدھ بار اس علاقہ پر ابتداً قبضہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوئے اس وقت کہ یوسف زئیوں کی طاقت عروج پر تھی انہوں نے پھر اس طرف دیکھنا شروع کیا اور اقدام کرتے ہوئے درہ مورہ کے سامنے ڈیرے ڈال دیئے۔

سوات پر یوسف زئیوں کا قبضہ

دو ماہ تک اس جگہ پڑے رہنے کے باوجود کامیابی دکھائی نہ دی تو انہوں نے ایک نئی چال چلی اور فیصلہ کیا کہ نہایت رازداری سے لشکر کا ایک حصہ کثیر مالاکنڈ پر اچانک حملہ کر دے چنانچہ تیاریاں شروع ہوئیں اور اس رازداری یا حملہ میں یوسف زئی مستورات نے نمایاں حصہ لیا وہ یوں کہ فیصلہ کے مطابق عشاء کے بعد یوسف زئی لشکر چپکے چپکے روانہ ہوا۔ اس نے مالاکنڈ کی راہ لی۔ درہ مورہ کے کیمپ میں حسب معمول آگ کی دھونیاں لگائی گئیں اور مستورات نے نہایت زور سے جنگی گیت گانے شروع کر دیئے گیتوں میں زیادہ تر اس امر کا اظہار تھا کہ صبح ہو لینے دو دشمن کو ہماری طاقت کا پتہ چل جائے گا وہ دراصل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اظہار حقیقت کر رہی تھیں لیکن فریق مخالف نے اس سے یہ اندازہ لگایا کہ اس جگہ صبح شدید حملہ ہونے کو تھا اس وجہ سے انہوں نے جس قدر ہو سکتا تھا اپنی طاقت کو اس جگہ جمع کر لیا۔

ادھر صبح سویرے یوسف زئیوں کے لشکر نے اچانک مالاکنڈ پر حملہ کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو سوتے میں جا لیا۔ سلطان ادریس خود اس جگہ مقیم تھا۔ تانزہ کی طرف بھاگ نکلا۔ میر منہدہ جس نے بڑی قابلیت سے درہ مورہ کی حفاظت کا انتظام کیا تھا۔ یہ حالت دیکھی تو اپنے لشکر کو ساتھ لئے تانزہ کی طرف چل دیا تاکہ وہاں میر منہدہ سے مل کر یوسف زئیوں کے اقدام کو روکنے کی ایک بار پھر کوشش کرے لیکن ان دنوں یوسف زئیوں کا ستارہ عروج پر تھا۔ فتح و کامرانی ان کے قدم چوم رہی تھی کوئی مخالف طاقت اب انہیں روکے نہ روک سکی اور ضلع مردان کے بالائی علاقہ اور پائین سوات کے بعد انہوں نے بالائی سوات پر بھی قبضہ کر لیا۔

قدیم آبادیوں نے بھی جو دور دراز پہاڑیوں میں آباد تھیں سر تسلیم خم کر دیا اطاعت قبول کر لی اس وجہ سے ان سے کوئی تعارض نہ ہوا۔ رہے "سواتی پٹھان" جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سلطان محمود غزنوی کے دور حکومت میں اس جگہ ڈیرے ڈالے تھے۔ یوسف زئیوں کی سیادت تسلیم نہ کر سکے تو اس علاقہ سے کوچ کرتے ہوئے ہزارہ کی پہاڑیوں میں جا مقیم ہوئے اور اس وقت تک وہاں آباد ہیں[1]

---

[1] اس سواتی قبیلہ کے کسی شاہ مرزا نے اپنے وطن سے ہجرت کرتے ہوئے حکمران کشمیر کے ہاں ملازمت اختیار کر لی اور بعد میں بہ اختلاف آراء ۱۳۳۶ء یا ۱۳۴۶ء میں کشمیر پر خود قبضہ کرتے ہوئے شمس الدین کے نام سے حکومت شروع کر دی۔ تاریخ کشمیر کے مشہور ترین حکمران سلطان جمشید علاء الدین قطب الدین اور سکندر وغیرہ اسی خاندان سے بیان کئے جاتے ہیں۔

(ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا موجمدار)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سلطان اویس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یوسف زئیوں سے شکست کھانے کے بعد اس نے باجوڑ اور افغانستان کے درمیان اور کچھ حصہ کافرستان میں اپنی علحدہ حکومت قائم کرلی تھی جہاں چند پشتوں تک اس کی اولاد حکمرانی کرتی رہی۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ۱۵۱۵ء تک یوسف زئی ضلع مردان دیر کے بہت سے علاقوں اور سوات پر اپنا اقتدار قائم کرچکے تھے ان کی امداد و اعانت سے ۱۵۱۷ء میں محمد زئے اور دوآبہ میں گیگیانیوں کی بستیاں دکھائی دے رہی تھیں تو پشاور کے علاقہ میں پائین مہمند خلیل اور داؤدزئی پوری طرح آباد ہوچکے تھے۔

ولازاکوں کا باجوڑ سے اخراج

یوسف زئیوں کے اقدام کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ان کے کئی خاندان دریائے اباسین کے راستہ سے باجوڑ اور جندول کے علاقہ تک جا پہنچے اس جگہ اس وقت قبیلہ ولازاک کا ایک سردار ملک ہیو قابض تھا طاقت و قوت اس کے ہاتھ میں تھی ان نووارد یوسف زئیوں کی کمی تعداد کو دیکھتے ہوئے اس نے اس علاقہ کی اراضی پر قبضہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس وقت قبیلہ خلیل کے وہ خاندان جو ننگرہار میں مقیم تھے وہاں دوسرے افغانوں سے کشمکش میں مبتلا تھے۔ انہوں نے یوسف زئیوں کی حمایت میں اس امید پر اپنے قبیلے روانہ کردیئے کہ اس طرح انہیں باجوڑ میں قیام کرنے کا موقع مل جائیگا لیکن ملک ہیو اپنی طاقت کے نشہ میں دونوں کی درخواستوں کو سن نہ سکا یہ حالت دیکھکر مہمند اور ترکانڑی قبیلہ نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور باجوڑ پہنچکر ثالث کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کردیں۔ ملک ہیو اپنے فیصلہ پر قائم رہا اسے یقین تھا کہ جنگ شروع ہوجانے کی صورت میں بھی وہ قبائل جو ثالث بن کر آئے تھے کسی کی طرفداری نہ کریں گے تو وہ میدان مار لیگا اس نے اندازہ لگانے میں غلطی کرتے ہوئے یوسف زئیے اور خلیل دونوں پر حملہ کردیا۔ ثالث غیر جانبدار نہ رہ سکے انہوں نے یوسف زئی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور خلیل کی حمایت میں اعلان جنگ کیا۔ شدید جنگ ہوئی میدان یوسف زئی اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھ رہا خود ملک ہیبو کا برہان نامی ایک ترکا نڑی نے ایک ہی وار سے سر جدا کر دیا جس پر ملک میر جمال مند ڑ نے ملک ہیبو کا اسلحہ اس کا قیمتی لباس اپنے قبضہ میں کر لیا اور کہا جاتا ہے کہ یہ سامان ایک عرصہ تک شیر درہ میں میر جمال خان کے خاندان میں بطور یادگار موجود رہا۔

چونکہ اراضی کا مطالبہ یوسف زئے اور خلیل کر رہے تھے اس وجہ سے علاقہ ان دونوں قبیلوں نے آپس میں تقسیم کر لیا اور دوسرے قبائل جو ثالث کی حیثیت سے نمودار ہوئے تھے خاموش رہے لیکن زیادہ وقت گزرنے نہ پایا تھا کہ اول الذکر دونوں قبیلوں میں اختلافات شروع ہوئے وہ آپس میں الجھنے لگے آپس میں جنگ ہوئی تو خلیل کا پلڑہ بھاری رہا فریق مخالف غالباً کمی تعداد کی وجہ سے مقابلہ نہ کر سکا کیونکہ میدانی علاقہ میں بسنے والے یوسف زئے اس دوران میں تماشائی کی حیثیت سے دور کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔

خلیلیوں کا باجوڑ سے اخراج

اپنی اس شکست سے پریشان ہو کر انہوں نے ملک احمد خان جیسا کہ قبل ازیں ظاہر کیا جا چکا ہے اپنی قومی تنظیم کی فکر میں تھا۔ آمادہ بہ امداد ہو گیا اور جنگی چال یوں چلی کہ باجوڑ کے یوسف زئیوں کو بطور جرگہ ملک ہیبو کے لڑکوں کے پاس بھیجا تاکہ گزرے ہوئے واقعات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اس سے بھی امداد طلب کریں چنانچہ جرگہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہا۔ ان لڑکوں نے نہ صرف یہ کہ گزشتہ واقعات کو بھول جانے کی درخواست کو قبول کر لیا بلکہ خلیلیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے امداد بھی پیش کر دی چنانچہ اس لشکر نے قصبہ خار (باجوڑ) میں مورچہ قائم کیا ادھر میدانی علاقہ کے یوسف زئے لشکر نے گنداب اور پنڈیالی (علاقہ برمہند) کی راہ سے دانش کوں کو عبور کرتے ہوئے نواگئی کی راہ لی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نواگئی کے قریب شدید جنگ لڑی گئی اور قدرت کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ وہی ملک میر جمال مندڑ جس کے ہاتھوں ملک ہیبو کی زندگی کا خاتمہ ہوا تھا اب اس کے بیٹے کے ساتھ شکم بہ پہلو پہلو جنگ لڑتے ہوئے میدان کارزار کا رخ بدلنے کا باعث بنا۔ یوسف زئی کامیاب رہے۔

اختتام جنگ:۔ ملک احمد خان ملک ہیبو کے لڑکے اور میر جمال خان نے باہمی مشورہ سے قیدیوں کی جن میں بڑی تعداد مستورات کی تھی۔ اس شرط پر آزاد کر دینے کا فیصلہ کیا کہ خلیل آئندہ کبھی اس طرف کا رخ نہ کریں چنانچہ خلیل نے یہ شرط تسلیم کر لی اس علاقہ سے نکل گئے اور ایفائے عہد پر آخر تک قائم رہے مشہور مصنف راورٹی کے خیال میں یہ واقعہ ۱۵۱۷ء (۹۲۳ھ) میں ہوا ہوگا۔ اس طرح بہت سے علاقہ پر اب یوسف زئیوں کا قبضہ نظر آنے لگا۔ لیکن کچھ پر ابھی تک دلازاک حسب سابق قابض رہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یوسف زئی عہد مغلیہ میں

پٹھانوں کے میدانی یا پہاڑی علاقوں میں بابر کامران یا ہمایوں کے زمانہ میں کوئی مغل حکومت قائم نہ تھی یہ حکمران زیادہ سے زیادہ مشکل ترین راستوں کی حفاظت کا انتظام کرتے رہے یا قبائل کی حمایت اس وجہ سے حاصل کرنے کی کوشش ہوئی کہ وہ ان کے خاندانی جھگڑوں میں کام آسکیں۔ (کیرو)

بابر کا اقدام

ادھر پشاور مردان۔ سوات باجوڑ وغیرہ علاقوں میں ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی۔ یوسف زئے اور دوسرے قبائل اپنے اپنے لئے جدا جدا علاقے مختص کیتے ہوئے اپنا اقتدار قائم کر رہے تھے ادھر افغانستان میں محمد ظہیر الدین[1] بابر کو تخت کابل پر قبضہ کرنے کا موقعہ ملا اس کا ستارہ عروج چمکنے لگا فتح و کامرانی اس کے قدم چومنے لگی ان حالات میں اس نے ہندوستان کا رخ کرنا چاہا۔ راستہ میں کی قبائلی آبادیاں

---

[1] پیدائش ۱۵ فروری ۱۴۸۳ء مطابق ۶ محرم الحرام ۸۸۸ھ۔ وفات پیر ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء مطابق ۶ جمادی الاول ۹۳۷ھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اسے اولیں نظر میں کسی طرح باعث مشکلات دکھائی نہ دیں لیکن جب اقدام شروع کرتے ہوئے خیبر کے علاقہ میں پہنچا تو اپنے اندازہ کے برعکس اسے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا جو بہادری اور جوانمردی سے تحفظ وطن کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھے انہوں نے بلا رقومات حاصل کئے بابر کو اپنے علاقہ سے گزرنے کی اجازت نہ دی اور سد راہ ہوئے بابر جیسا حکمران بھی سر تسلیم خم کرنے والا نہ تھا اس نے وقتی طور ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ بدل کر پہلے قبائلیوں سے دو دو ہاتھ کر لینے کا فیصلہ کیا۔

اس سلسلہ میں پہلے پہل اس کی نظر یوسف زئیوں پر پڑی اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اس قبیلہ اور الغ بیگ کی کشمکش سے پوری طرح واقف تھا پھر بعض افراد نے الغ بیگ کے قتل میں بھی یوسف زئیوں کا ہاتھ بتایا علاوہ ازیں کہا جاتا ہے کہ ملک احمد خان کی شہرت اور اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھکر بابر نے اسے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی دعوت دی تھی۔ ملک احمد خان نے اپنے حالات کے پیش نظر دعوت تو قبول کر لی لیکن خود حاضر دربار نہ ہوا بلکہ اپنے ایک عزیز ملک سیفو خان کے فرزند ملک شاہ منصور[1] کو بھیج دیا۔ بابر نے اسے خلاف ورزی احکام اور اپنی بے عزتی پر محمول کیا اس کے ساتھ ہی باجوڑ میں اس سے قبل سلطان حیدر علی مرزا الغ بیگ کے احکام کی خلاف ورزی کر چکا تھا۔ اس نے نہ تو اطاعت قبول کی تھی نہ خراج دینے پر رضامند ہوا۔ ان وجوہات سے بابر نے پہلے ہی اس علاقہ کو منتخب کیا اور لشکر روانہ ہو گیا۔

جنگ باجوڑ مختصر یہ کہ بابر نے اقدام کرتے ہوئے اس علاقہ کو سزا دینا چاہی۔ ۱۵۱۹ء میں یکم محرم الحرام کو باجوڑ کا رخ کیا۔ اس کے ساز و سامان کو دیکھکر بھی سلطان باجوڑ نے جو قبیلہ یوسف زئی سے تعلق نہ رکھتا تھا اور جو یوسف زئیوں سے

---

[1] شاہ منصور کا تعلق قبیلہ اباخیل (سدوزئے) سے ہے۔ اسے شاہ کا لقب غالباً بابر نے دیا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شکست کھاکر باجوڑ اور افغانستان کے درمیانی علاقہ میں اپنی جدید حکومت قائم کرچکا تھا جس کا ذکر گزشتہ سطور میں کیا جاچکا ہے۔ اطاعت قبول کرنے سے انکار کردیا اور آمادہ بہ جنگ ہوکر مقابلہ پر اتر آیا تو شکست کھائی اس وقت تک باجوڑ کے باشندوں نے بندوق (مچ لاک[1]) کی شکل نہ دیکھی تھی۔ اول تو انہوں نے مذاق اڑانا شروع کیا لیکن جب چھ سات آدمی شکار ہوگئے تو انہیں اس کی اہمیت و طاقت کا احساس ہوا۔ اب وہ محتاط ہوکر لڑنے لگے۔ رات گزر گئی۔ دوسرے دن شدت کی جنگ میں میدان بابر کے ہاتھ رہا۔ چنانچہ بابر اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ

> چونکہ باشندگان باجوڑ اسلام کے باغی تھے اور اس بغاوت اور مخالفت کے علاوہ وہ کافروں کی سی رسومات و روایات پر عمل پیرا تھے حتیٰ کہ اسلام کے نام تک کو مٹا رہے تھے اس وجہ سے انہیں تہ تیغ کردیا گیا اور ان کی بیویوں اور اہل خاندان کو قیدی بنالیا گیا غالباً تین ہزار سے زائد افراد قتل کئے گئے تھے۔
>
> پس اس طرح اپنی مرضی کے مطابق معرکہ باجوڑ کا فیصلہ ہوجانے پر میں نے حکم دیا کہ ایک اونچی جگہ پر کلہ مینار[2] بنا دیا جائے۔ ..... بدھ کے دن ۱۰ محرم الحرام کو میں سوار ہوکر باجوڑ کے قلعہ میں داخل ہوا جہاں ہم نے انجن مے نوشی گرم کی قرب و نواح کے کافر چمڑے کی مشکوں میں شراب لے کر آئے ہیں تمام رات وہیں مقیم رہا دوسرے دن صبح میں نے قلعہ کے برجوں اور فصیل کا معائنہ کیا اور بعد ازاں سوار ہوکر واپس کمپ لوٹ آیا۔

پھر اپنے مزید اقدام کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ:

---

[1] وہ ابتدائی بندوق جس میں اوپر نالی سے بارود بھری جاتی اور چقماق سے پیدا کردہ شعلہ سے داغی جاتی تھی [2] مقتولین کے کٹے ہوئے سروں سے بنے ہوئے برج۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چونکہ لشکر کے لئے اناج کی کمی تھی ہم نے وادی کھواج پہنچکر غلہ پر قبضہ کرلیا اور پھر سواد (سوات) میں یوسف زئے افغانوں کے خلاف حملہ کا آغاز کیا۔ دوسرے دن اقدام جاری رکھتے ہوئے ہم نے چندل (چندول) اور دریائے باجوڑ کے مقام اتصال پر ڈیرے جمائے۔ یہاں کے یوسف زئے چند بہت ہی دلکش لیکن انتہائی نشہ آور مدہوش کرنے والی کیمال لائے۔ میں نے ایک کے ٹکڑے کاٹے ایک حصہ میں نے خود کھایا دوسرا طاغائی گودیا اور تیسرا عبداللہ کو اس ایک ٹکڑے نے مجھ پر کافی اثر کیا اور اس قدر مدہوش کردیا کہ جب نماز مغرب کے بعد بیگ مشوروں کے لئے جمع ہوئے تو میں ان میں شامل نہ ہوسکا اور یہ امر بہت ہی تعجب انگیز تھا کیونکہ اب میں اس قسم کا پورا کیمال معمولی اثر لئے بغیر کھا سکتا ہوں حالانکہ اس وقت نصف سے کم نے ہی مدہوش کردیا تھا۔

میدانی علاقہ میں آمد

اس کے بعد توزک بابری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نا معلوم وجوہات سے اس نے سوات کی طرف مزید اقدام نہ کیا بلکہ دریائے اسبار کے راستہ سے میدانی علاقہ یوسف زئی کی راہلی اور تخت بائی کے گرد و نواح سے گزر کر کالنگ پہنچا پھر اس جگہ وہ شہباز گڑھ کے قریب محکم ناکہ کا ذکر کرتے ہوئے اس جگہ کی خوبصورتی کا نقشہ کھینچتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ اس خوبصورت خطہ ارضی میں کسی "شاہباز قلندرؒ" کا مزار تھا۔

میں نے اسے دیکھا اور تمام اطراف کا جائزہ لیا مجھے یہ بہت ہی ناموزوں معلوم ہوا کہ ایسی دلکش اور پر مسرت جگہ پر کسی بے دین کا مقبرہ قبضہ جمائے رکھے اس وجہ سے میں نے حکم دیا کہ اس قبر کو پیوند زمین کردیا جائے چونکہ محل وقوع اپنی فضا اور خوبصورتی کی وجہ سے بہت عمدہ تھا۔ میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے نشہ آور شراب پیا اور کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا۔

یہاں سے بابر نے ہندوستان کی راہ لی وہ لشکر کو دریائے سندھ کو عبور کرنے کے لئے روانہ کرتے ہوئے خود صوابی کے قرب میں گینڈے کے شکار کے لئے چل کھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں یہاں جھاڑیوں کے ایسے جنگل تھے جن میں گینڈے کے قسم کے جانور رہتے تھے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

ہم نے جھاڑیوں کو آگ لگا دی .... ایک آگ میں جل بھن کر نکڑا ہوا اور چلنے کے قابل نہ رہا ہم نے اسے مار دیا اور ہم میں سے ہر ایک نے اس کا ایک ایک ٹکڑا اس شکار کی یاد میں بطور یادگار کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا....

پھر دوسرے دن دریائے سندھ کو عبور کر گئے۔

بابر کے کیل کانٹے سے لیس ہو کر علاقہ سوات کی طرف یلغار کرنے کے بعد بلا کسی وجہ ظاہر کئے اس کا واپس میدانی علاقہ کی راہ لینا زیر بحث رہا ہے عام خیال یہ ہے کہ ملک شاہ منصور اس کے دربار میں ایک دفعہ حاضر ہو کر اس سے تعلقات پیدا کر چکا تھا بابر کو اس علاقہ میں پہنچ کر غالباً احساس ہوا کہ ایسی حالت میں کہ اس کا مطمح نظر ہندوستان جیسے وسیع و مالدار اور زرخیز علاقہ کو فتح کرنا تھا اور ایسی حالت میں کہ خیبر میں آفریدیوں کی روش اور ان کا استقلال دیکھ چکا تھا اسے یقین ہوا ہوگا کہ اگر یوسف زئیوں سے بھی بگاڑ پیدا کر لیا گیا یا وقتی طور اپنی طاقت کے زور سے اس نے اس قبیلہ کو مطیع بھی کر لیا تو وہ اطاعت حقیقی معنوں میں اطاعت نہ ہوگی اور میدانی علاقہ میں مناسب انتظام کر لئے جانے کے باوجود پہاڑی قبائلی علاقہ کے باشندے پریشان کرتے رہیں گے جس سے افغانستان اور ہندوستان کا درمیانی راستہ کسی وقت بھی محفوظ نہ رہ سکے گا۔

بی بی مبارکہ سے شادی۔ اس کا واحد حل یہی تھا کہ یوسف زئیوں سے کسی باعزت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

طریقہ پر تعلقات قائم کر لئے جاتے چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد سے نامہ و پیام ہوتا رہا جس کے نتیجہ میں ملک شاہ منصور نے اپنی دختر نیک اختر بی بی مبارکہ کی شادی بابر سے کر دی جس سے اس قبیلہ کے ساتھ اس کے تعلقات زیادہ بگڑ نہ سکے اور بابر خود لکھتا ہے کہ اس نے یوسف زئی لڑکی سے شادی ہی کو صلاحیت کی بہترین شکل خیال کیا تھا۔ بعض مورخین کی رائے میں بی بی مبارکہ بابر کے ہندوستان کی طرف کوچ کر جانے پر باجوڑ کے قلعہ میں مقیم رہی اور اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔

بابر کے بعد کے اقدامات کے دوران میں بھی وقتاً فوقتاً یوسف زیوں سے جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن کوئی خاص قابل ذکر جنگ نہ ہوئی اور مسٹر الفنسٹن کے قول کے مطابق

"صاف ظاہر ہے کہ بابر کسی وقت بھی اس قبیلہ (یوسف زئی) پر اپنا حقیقی رعب جمانے میں کامیاب نہ ہوا اور انہیں ہمیشہ اپنے پیچھے پہاڑیوں میں لوٹ جانے کے مواقع حاصل رہے۔"

بابر گو یوسف زیوں پر اپنا اقتدار قائم نہ کر سکا لیکن اس قبیلہ میں شادی کر لینے کے بعد بڑی حد تک اس کے تعلقات ان سے خوشگوار نظر آنے لگے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ہندوستان پر آخری حملہ میں دیگر افغان قبائل کے علاوہ بارہ سو تو صرف یوسف زئے تھے جن کی اکثریت فتح کے بعد ہندوستان میں ہی مقیم ہو گئی تھی اور انہی کی اولاد نے بعد میں سرزمین ہند پر کئی ریاستوں کی بنیادیں رکھی تھیں۔

جنگ کائلنگ[1]

جب بابر نے ہندوستان کا رخ کیا تو سرزمین سرحد کے مقیم قبیلہ دلازاک نے اس امید پر اس کی امداد و اعانت کی کہ وہ ان کی حمایت میں یوسف زیوں سے مصروف جنگ ہو جائے گا لیکن جیسا کہ قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے۔ بابر ان سے الجھنا نہ چاہتا تھا وہ کسی قابل ذکر جھڑپ کے بغیر اس علاقہ سے گزر کر چلتا بنا دلازاکوں کی اس روش کو دیکھتے ہوئے گیگیانیوں نے

[1] کائلنگ ضلع مردان کی وادی لوند خوار میں درہ مورہ کے راستہ سوات جانے والی سڑک پر آباد ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ان سے بدلہ لینا چاہا کیونکہ وہ انہیں کے قرب میں آباد تھے چنانچہ دونوں لشکر تیاری کے بعد گل بیلہ کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئے جنگ لڑی گئی تو فتح ولازاکوں کو ہوئی اور وہ فتح کے نعرے لگاتے ہوئے میدان سے واپس لوٹے۔

ملک احمد خان کو اس شکست کا علم ہوا تو اسے اپنی تنظیم کمزور نظر آنے لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر اس طرح ایک ایک قبیلہ نے فرداً فرداً جنگ شروع کی تو ہو سکتا تھا کہ ولازاک پھر پورے علاقے پر قابض ہو جاتے اور یوسف زئی اور ان کے رفقاء کو پھر اپنے لئے سر چھپانے کو کہیں اور جگہ تلاش کرنی پڑتی اس نے اپنے تمام قبائل کو مذکورہ شکست کے دور رس نتائج سے آگاہ کیا اور سب کو ہم خیال بنا کر آخری بار ولازاکوں پر ایک کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا۔ ولازاکوں کو اطلاع ملی تو وہ بھی میدان میں نکل آئے ان کے حوصلے ویسے بھی سابقہ فتحمندی کی وجہ سے بلند تھے کالنگ اور شاہباز گڑھ کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا طرفین نے بہادری کے جوہر دکھائے لیکن ولازاک ٹھہر نہ سکے ان کے پاؤں اکھڑ گئے تو پسپا ہونا شروع ہوئے لیکن شدت جنگ میں سراسیمگی سے بھاگنے میں جب وہ واپس لوٹ بھی نہ سکے تو دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے ہزارہ اور چھچھ کے علاقے میں جا پہنچے جہاں اس وقت تک ان کے اکثر خاندان مقیم نظر آتے ہیں۔ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ جنگ کالنگ کس سنہ میں لڑی گئی تھی مورخین کے خیال میں سنہ ۱۵۲۰ء اور سنہ ۱۵۲۵ء کے درمیان کسی وقت یہ میدان کارزار گرم ہوا ہوگا اس جنگ نے ولازاکوں کا رہا سہا زور بھی ختم کر دیا اور اس شکست کے موقع پر جب ولازاک دریائے سندھ کو عبور کر رہے تھے تو نوجوان ملک گجو خان زخمی حالت میں ان کا تعاقب کر رہا تھا کہ اسے ایک ولازاک دلھن ہاتھ لگی۔[1]

یوسف زئیوں کا پہلا بندوبست

جنگ کالنگ کے بعد ملک احمد خان نے اپنی طاقت و قوت کا صحیح اندازہ لگا کر

[1] اس جنگ میں ملک احمد خان اور گجو خان دونوں شامل نظر آتے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یقین کر لیا کہ انفرادی حیثیت سے اب کوئی قبیلہ اس کی مشترکہ طاقت کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا گویا اس کی وفاقی طرز کی حکومت قائم ہو چکی تھی دوآبہ میں گیگیانی آباد تھے تو ہشتنگر کے علاقہ پر محمد زئے قابض نظر آ رہے تھے۔ مردان، سوات اور ان کے ملحقہ علاقوں پر مندڑ اور یوسف زئی بلا شرکت غیرے مالک و حکمران کی حیثیت میں دکھائی دے رہے تھے تو اب ضرورت صرف اس امر کی تھی کہ اس تمام نظام کو کسی منظم و مستحکم طریقہ پر چلانے کے ذرائع و اسباب سوچے جائیں تاکہ باہمی کشمکش کا جھگڑا باقی دکھائی نہ دے چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے اہم ضرورت یہی خیال کی گئی کہ مختلف قبائل میں مستقلاً علاقے تقسیم کر دیئے جائیں تاکہ ہر قبیلہ اپنے علاقہ میں امن و اطمینان سے زندگی بسر کرتا رہے اور اسے کسی دوسرے قبیلہ کی مداخلت کا خیال کسی وقت پریشان نہ کر سکے لیکن تقسیم اراضی کا کام کوئی آسان کام نہ تھا پھر خصوصاً ایک غیر تعلیم یافتہ اور اپنے آپ کو ہر حیثیت سے آزاد رکھنے کی متمنی قوم میں اس تقسیم میں ہزاروں خطرات پوشیدہ ہو سکتے تھے اور علاوہ ازیں پھر ضرورت اس امر کی تھی کہ کسی ایک یا ایک سے زائد ایسے اشخاص کی خدمات حاصل کی جائیں کہ جو اس فرض کو بہ طریق احسن سرانجام دے سکتے۔ ملک کے اس اوّلین بندوبست سے تمام قبائل کو اپنی اہلیت و قابلیت سے مطمئن کر سکتے اور پھر اسے بھی فراموش نہ کیجئے کہ اس وقت نہ تو کسی انجینیر کی خدمات حاصل کی جا سکتی تھیں نہ ہی ان لوگوں کے پاس کسی خاص قسم کے اوزار یا سامان تھا کہ جس سے ملک کے طول و عرض کی وہ پیمائش کرتے اور وہ بھی کسی طویل المیعاد منصوبے کے تحت نہیں بلکہ کم سے کم وقت میں اور کم سے کم وقت میں اس اہم کام کی سرانجام دہی سے ہی مفید نتیجہ کے مرتب ہونے کی توقع کی جا سکتی تھی کیونکہ طوالت ہزاروں خطرات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی کام کرنے کا عزم کر لیتی ہے تو قدرت خود بخود

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس کی امداد میں سہولتیں پیدا کر دیتی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ملک احمد خان کو اس سلسلہ میں کسی خاص دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا اسے اپنے گھر میں ہی ایک ایسا شخص مل گیا جس نے اس کام کو بطریق احسن سرانجام دینے کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور صرف یہی نہیں کہ اس ذمہ داری کو قبول کیا بلکہ اسے اس احسن طریقہ پر سرانجام تک پہنچایا کہ صدیاں گزر جانے کے بعد دور جدید کے سامان جدید سے مسلح ماہرین بندوبست بھی اس کی تعریف کئے بغیر رہ نہ سکے۔ شیخ علی ابن پیرک قبیلہ امازئے (منڈڑ) سے متعلق ہے اور[1] اس وقت تک عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔

شیخ علی بچپن سے ملک احمد خان کا شریک کار یا رفیق سفر رہا اور اس وقت سے کہ افغانستان میں الغ بیگ نے یوسفزئے سرداروں کا قتل عام کیا یہ دونوں پہلو بہ پہلو اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لئے ہمہ تن مصروف رہے ملک احمد خان کو قبیلہ میں سرداری حاصل تھی تو شیخ علی اس کے بہترین مشیر یا صلاح کار تھے مختصر یہ کہ "بندوبست" کا اہم اور مشکل ترین فرض شیخ علی نے اس خوبی سے سرانجام دیا کہ وہ قبائل جو بات بات پر آپس میں الجھ جانے کے عادی تھے اس کے فیصلوں کو بخوشی قبول کرنے لگے اور ہر قبیلہ اپنے حصہ کے مخصوص علاقہ پر بہ اطمینان زندگی بسر کرنے لگا پھر اس تقسیم میں جس سوچ و تدبر سے کام لیا گیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جہاں اسے خیال ہوا کہ دو قبیلوں میں حد اراضی وجہ نزاع بن سکتی تھی اس نے وہیں درمیان میں ملا۔ سید یا میاں کے نام سیری یا بخشش کے طور زمینیں وقف کر دیں تاکہ ان کے احترام کی وجہ سے طرفین آپس میں الجھ نہ سکیں اور یہ ایسا کامیاب طریقہ تقسیم تھا کہ جس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے[2]۔

---

[1] شیخ علی مردان صوابی کی سڑک پر شاہ دھنڈ بابا کے مزار کے مقابل مدفون ہے۔

[2] ملک احمد خان کا منصوبہ ملک گجو خان کے وقت میں اختتام پذیر ہوا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شیخ ملی نے تمام مقبوضہ علاقہ پر نگاہ ڈالی اس کی جانچ پڑتال کی علاقہ بھی کچھ مختصر سا علاقہ نہ تھا مہمندوں کی پہاڑیوں سے شروع ہو کر ایک طرف دوآبہ ہشتنگر اور علاقہ مردان سے گزر کر دریائے سندھ کو چھوڑ رہا تھا تو دوسری طرف مردان کے میدانی علاقہ سے نکل کر اس کی سرحدیں سوات بونیر دیر اور باجوڑ تک کو اپنی وسعت میں لئے ہوئے تھیں چنانچہ یہ تمام علاقہ یوسف زئے گیگیانی اور محمد زئیوں میں تقسیم کر دیا جس پر وہ قریب قریب اس وقت تک قابض ہیں۔

شیخ ملی کی "بندوبست" دفتر شیخ ملی کہلاتی ہے۔ ایک عرصہ تک یہ نظام بڑی کامیابی سے چلتا رہا۔ بعد میں چل کر کچھ ردوبدل کرنا پڑا شیخ ملی کے فیصلہ کے مطابق یوسف زئیوں کے دو قبیلہ مندڑ کو سوات کی زرخیز وادی میں حصہ وافر ملا تھا۔

ملک احمد خان کی وفات کے بعد یہ نظام کچھ اس مضبوطی سے قائم نہ رہ سکا تو دونوں قبیلوں نے اپنی اپنی املاک کا تبادلہ کر لیا۔ مندڑ جو بکثرت تعداد ایک عرصہ تک سوات کی سرسبز وادیوں سے مستفید ہو چکے تھے اس علاقہ کو قبیلہ یوسف زئے کے لئے خالی کر آئے تاکہ قدرت کی وہ بھی اس جنت ارضی میں وقت کا کچھ حصہ گزار سکیں چنانچہ اس تبادلہ کے بعد یوسف زئی سوات پنجکوڑہ بونیر اور دیر کے علاقوں میں جا آباد ہوئے تو مندڑ کو میدانی علاقہ میں آ کر زندگی بسر کرنا پڑی جہاں وہ اس وقت تک مقیم ہیں وقتی طور مندڑ ایک زرخیز علاقہ سے محروم ہو گئے تھے لیکن بعد میں چل کر اس میدانی علاقوں میں نہروں کے جال بچھا دئے گئے تو وہ پہلے سے بھی زیادہ زرخیز علاقوں کے مالک نظر آنے لگے اور مال و دولت میں بھی اپنے یوسف زئی بھائیوں پر سبقت لے گئے اس سلسلہ میں اس امر کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ املاک کے تبادلہ کے باوجود ان املاک کے نام نہ بدلے جہاں یوسف زئے مقیم تھے اور جن کی وجہ سے وہ علاقہ (ضلع مردان وغیرہ) یوسف زئی کہلاتا تھا تبادلہ کے بعد جب وہاں مندڑ آباد ہو گئے تو بھی وہ علاقہ یوسف زئی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کہلایا اور اس وقت تک اسی نام سے موسوم ہے۔

شیخ ملی کی مذکورہ تقسیم اراضی کے عمل کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ کب اور کس سن میں ہوا اتنا یقینی ہے کہ اس نے اس اہم کام کی ملک احمد خان کی زندگی میں تکمیل نہ کی ہوگی اور اگر جنگ کالنگ کو ۱۵۲۵ء میں قرار دیا جائے تو پھر خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہ کام ۱۵۲۵ء اور ۱۵۳۰ء کے دوران میں ہوا ہوگا۔

ملک گجو خان

ملک احمد خان کی وفات پر جو اندازاً ۱۵۳۰ء میں ہوئی قبیلہ کی سرداری ملک گجو خان کے ہاتھ لگی۔ ملک گجو خان [illegible] سے متعلق بیان کیا جاتا ہے[1] اس نے ملک احمد خان کے بعد موقعہ ملنے پر ایک دفعہ پھر یوسف زئیوں کو منظم کر دکھانے کی سعی کی تھی وہ مدبر بھی تھا خنگجو بھی تھا اور عالم بھی۔ چنانچہ اس نے شیخ ملی کے دفتر کا تکملا بھی لکھا جس سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس مسئلہ تقسیم اراضی پر گہری نظر رکھتا تھا ملک گجو خان کی پختہ قبر تحصیل صوابی کے مشہور مقام گوہاٹی سے اندازاً تین میل کے فاصلہ پر جنوب کی طرف ایک پہاڑی کے دامن میں اس وقت تک دکھائی دے رہی ہے قبر کے محل وقوع کو دیکھ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کسی آبادی سے اسے اتنا دور کیوں دفن کیا کیا گیا تھا؟ لیکن اس کے جواب میں جب ہم اس جگہ کے ارد گرد نگاہ ڈالتے ہیں تو قریب میں ایک قبرستان بھی دکھائی دیتا ہے اور یہ مذکورہ علاقہ ایسا محفوظ دکھائی دیتا ہے کہ اگر وہاں ایک مختصر سی جماعت بھی مقیم ہو جائے تو اس پر حملہ کرنا مشکل ہو جائے ان حالات کے پیش نظر خیال ہے کہ ملک گجو خان نے از خود اس جگہ کو پسند کیا ہوگا یہ جگہ لازماً اس کا جائے قیام تحفظ یا چھاؤنی کی حیثیت سے استعمال ہوتی رہی ہوگی اس کے وقت میں اسے مرکز کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہوگا اور بعد میں چل کر مرور زمانہ سے اس نے غیر آباد میدان کی شکل اختیار کر لی ہوگی۔

---

[1] گجو خان ذیلی شاخ بیزا خیل سے تعلق رکھتا تھا اس کی اولاد سلیم خان اور کلاپ میں مقیم ہے۔ اس کے والد کا نام قرہ خان تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جس وقت ملک گجو خان نے قبیلہ کی قیادت سنبھالی اس وقت تک خلیل اور مہمند اپنے موجودہ علاقوں میں مقیم ہو چکے تھے مہمندوں نے میدانی علاقوں کی زرخیزی کو دیکھتے ہوئے اس طرف حملے شروع کر دئے۔ ادھر یوسف زئے گیگیانی اور محمد زئیوں میں ملک احمد خان کے وقت کا سا اتحاد باقی نہ رہا تھا اس وجہ سے مہمندوں کے خلاف کوئی اجتماعی اقدام نہ کیا جا سکا تو ملک گجو خان نے اس میں بہتری دیکھی کہ خاموش بیٹھے حالات کا مطالعہ کرتا رہے چنانچہ وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا رہا اور ایسے وقت کا منتظر ہو بیٹھا کہ جس وقت ایک دفعہ پھر مذکورہ قبائل حالات زمانہ سے مجبور ہو کر باہمی اتحاد و اتفاق کر لینے پر مجبور ہو جائیں۔

یوسف زئے اور غوریا خیلوں میں جنگ

اسی دوران میں اتفاقاً گیگیانیوں کا ایک سردار جو سرداری کے علاوہ اپنی پرہیزگاری اور تقویٰ کی وجہ سے بھی قابل احترام سمجھا جاتا تھا، پشاور جاتے ہوئے راستہ کی ایک مسجد میں قتل کر دیا گیا۔ اب گیگیانیوں کو جو طیش آیا تو بدلہ لینے کی ٹھانی۔ انفرادی حیثیت میں ان کی طاقت ایسی نہ تھی کہ فریق مخالف کا مقابلہ کر سکتے انہوں نے ملک گجو خاں سے امداد طلب کی ملک گجو پہلے ہی موقع کی تلاش میں تھا اس نے یوسف زئے محمد زئے اتمان زئے جدون وغیرہ تک کو ابھارا حتیٰ کہ ترکلانڑی جو اس وقت تک باجوڑ میں پوری طرح مقیم بھی نہ ہو سکے تھے اس لشکر میں شامل ہوئے گو ان کی طرف سے شمولیت کرنے والے صرف دو سو سوار تھے۔ مہمند اور خلیل مشترکہ حیثیت سے مقابلہ پر اترآئے تو دریائے شاہ عالم کے موجودہ پل کے قریب جو شاہ درجا سدہ سڑک پر واقعہ ہے۔ شدید جنگ ہوئی میدان ملک گجو کے ہاتھ رہا اور خلیل مہمند شکست کھا کر بھاگ گئے۔ مسٹر راورٹی کے اندازہ کے مطابق یہ جنگ غالباً ۱۵۵۰ء (۹۵۷ھ) میں لڑی گئی تھی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بریگیڈیر محمد شیر خان ۔ اتمان زئے
جمپیر کے ہوائی حادثہ کا شکار

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

Adil عادل

MAH Jul. ماہ جل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مذکورہ جنگ کی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت یوسف زیوں کا مشترکہ لشکر شاہ عالم کے کنارے پہنچا تو گوڑیا خیل (خلیل مہمند) دوسرے کنارے پر مقابلہ کے لئے تیار کھڑے تھے۔ ملک گجو خان فنون جنگ سے پوری طرح واقف معلوم ہوتا ہے اس نے دریا کے کنارے کھڑے ہو کر فریق مخالف کو للکارا کہ:

"بھائیو۔ ہمیں جنگ لڑنا ہی ہے تو ہم دریا میں جنگ نہیں کر سکتے نہ ہی دریا کے آر پار تیر پھینکے جا سکتے ہیں اس طرح خون سے دریا سرخ ہو گیا تو ہماری بہنیں اس سے پانی نہ حاصل کر سکیں گی۔ مزید برآں مردانگی یہی ہے کہ مخالفین سے دست بدست جنگ لڑی جائے تو کیا تم دریا کو عبور کرنے کے لئے تیار ہو۔ میں اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا لوں گا تاکہ تمہیں راستہ مل جائے"[1]

گوڑیا خیل اس پر آمادہ نہ ہوئے کہ دریا کو اپنی پشت پر چھوڑ کر جنگ لڑیں۔ از خود خطرہ کو دعوت دیں اور شکست کی صورت میں ان کے لئے بھاگنے کا کوئی راستہ ہی نہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے ملک گجو خان کی دعوت کو مسترد کرتے ہوئے اسی کے الفاظ میں اسے دریا کو عبور کرنے کی دعوت دی۔ ملک گجو خان کے رفقاء اس طریقہ کار کو پسند نہ کرتے تھے لیکن ملک گجو اپنی جنگی چال پر بھروسہ رکھتا تھا اس نے فوراً دعوت قبول کر لی اور جب گوڑیا خیل حسب وعدہ اسے راستہ دینے کے لئے پیچھے ہٹنے لگے تو ملک گجو خان نے اپنے لشکر کو للکارا کہ دیکھو دشمن بھاگے جا رہا ہے پھر کیا تھا اس لشکر نے فتح کی خوشی میں اس شدت سے حملہ کیا کہ مخالف سنبھل ہی نہ سکے میدان ملک گجو کے ہاتھ رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس حملہ کا مقصد کسی علاقہ پر قبضہ کرنا نہ تھا اس طرح باہمی اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ درپیش ہو سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ جنگ کے بعد یوسف زئے اور ان کے ساتھیوں کا لشکر واپس لوٹ گیا۔

---

[1] دی پٹھان از کیرو۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کامران و ہمایوں

بابر کی وفات پر اس کے بیٹوں میں کشمکش شروع ہوئی۔ ہمایوں اور کامران حصول اقتدار کے لئے رشہ کشی کرنے لگے۔ نتیجہ یہ کہ بابر کے عزائم کو پس پشت ڈالتے ہوئے ذاتی اغراض کی آبیاری کی جانے لگی ہر دو نے قبائل سے امداد حاصل کرنے کو تگ و دو شروع کر دی قبائلیوں سے وعدے وعید ہونے لگے اس طرح اکثر قبائل کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا۔ مغل حکمران کا جو اقتدار یا رعب داب بابر نے قائم کیا تھا باقی نہ رہا۔ میدانی اور شاہراہ افغانستان و ہندوستان کے ارد گرد بسنے والے تو پھر بھی اس خیال سے کہ دونوں بھائیوں میں کوئی ایک تو سریر آرائے سلطنت ہو جائے گا زیادہ بگاڑ پیدا کرنے کی طرف مائل نہ تھے دونوں میں سے ایک یا دوسرے کی حمایت کرتے رہے لیکن دور دراز علاقوں میں مقیم باشندوں کو کوئی خوف و خطر باقی نہ رہا وہ کلیتہً آزاد تھے چنانچہ پشاور کے میدانی علاقہ کو چھوڑ کر سوات بونیر باجوڑ یاد یر وغیرہ میں کسی بیرونی سیادت کا کوئی خوف باقی نہ تھا وہ آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے بلاشبہ اس وقت کوئی منظم حکومت ان علاقوں میں موجود نہ تھی اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مقولہ پر عمل ہو رہا تھا تاہم اس سے انکار نہیں کہ اس انتشار کی حالت میں بھی وہ کسی بیرونی طوق غلامی کو برداشت نہ کر سکے اور اپنی اسی حالت پر قانع رہے۔

حصول امداد کے لئے کامران نے افغان قبائل سے ساز باز شروع کی انہیں حکمران ہو جانے کی صورت میں انعام و اکرام سے مالا مال کر دینے کے وعدے ہوئے انہی دنوں یوسف زئے اپنے دوسرے قبائل کی رفاقت میں بچے کھچے دلازاک علاقے پر قبضہ کرنے کی ایک تحریک چلا چکے تھے۔ کامران نے ان کی ہمنوائی شروع کر دی تو اس مقصد کے لئے علاقہ پشاور و یوسف زئے کے قبائل میں اتحاد پیدا ہو گیا گو اس کا لازمی نتیجہ کامران کی حمایت تھی اور کامران اس غرض سے ہمنوائی کر رہا تھا۔ چنانچہ دریائے کابل کے جنوب کی طرف بقیہ دلازاک آبادیوں

۱؎ بابر کے چار بیٹے ہمایوں۔ کامران۔ عسکری اور ہندل تھے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے چھچھ وغیرہ میں جا پناہ لیں یہ واقعات کب ہوئے اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے یہی کہا جا سکتا ہے کہ بابر کی وفات اور ہمایوں کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے دوران میں یعنی ۱۵۳۰ء سے ۱۵۴۵ء کے درمیان کسی وقت یہ سب کچھ وقوع پذیر ہوا ہوگا۔

افغانوں کی اس روش کو دیکھتے ہوئے اور پھر ایسی حالت میں کہ وہ علانیہ کامران کی پشت پناہی کر رہے تھے ہمایوں کو فکر دامنگیر ہوئی اسے خطرات دکھائی دینے لگے ادھر کامران نے بھی ان قبائلیوں کے لشکر جمع کرنے شروع کئے طرفین تیاریوں کے بعد ایک دوسرے کے مقابل نظر آنے لگے ہمایوں نے اپنے بھائی کی طاقت ختم کرنے کا عزم کیا قبائلیوں کو سزا دینی چاہی ان حالات میں کامران نے پہل کرتے ہوئے ہمایوں کے لشکر پر شب خون مارا اس جنگ میں اس کا بھائی مرزا ہندال جو ہمایوں کے ساتھ تھا مارا گیا۔ اس کی تاریخ وفات "شہادتش بہ طلب شد" کے الفاظ سے نکالی گئی۔ کامران کو کامیابی نہ ہوئی تو پسپا ہوا اور جب کامیابی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو بھاگ کر ہندوستان میں سلطان سلیم شاہ افغان کے پاس جا مقیم ہوا۔ مرزا ہندال کی لاش اس کے لڑکے شہزادہ اکبر کی معیت میں غزنی بھیجدی گئی اور اس کے خاندان کو غزنی کا علاقہ بطور جاگیر دیدیا گیا[1]۔ بعد میں ہمایوں نے کابل کی راہ لی اور پھر وہاں سے ۲۹ دسمبر ۱۵۵۴ء کو دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے عازم ہندوستان ہوا[2]۔

---

[1] دیکھو اکبر از نظام الدین احمد (ترجمہ الیٹ ڈاسن) [2] ہمایوں پیدائش ۶ مارچ ۱۵۰۸ء مطابق ۴ ذیقعدہ ۹۱۳ھ وفات ۲۵ جنوری ۱۵۵۶ء مطابق ۱۱ ربیع الاول ۹۶۳ھ کامران وفات در مکہ شریف ۱۵۵۶ء مطابق ۹۶۴ھ عسکری وفات در راہ مکہ شریف ۱۵۵۴ء مطابق ۹۶۱ھ ہندال پیدائش ۱۵۱۸ء مطابق ۹۲۴ھ وفات ۱۹ نومبر ۱۵۵۱ء مطابق ۲۱ ذیقعدہ ۹۵۸ھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یوسف زئیوں کی ناکہ بندی

کامران ماہمایوں کی امداد و اعانت خلیل اور مہمند کرتے رہے یوسف زئی اس معاملہ میں الگ تھلگ دکھائی دیتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت ان حکمرانوں نے یوسف زئی علاقہ کا رخ کیا بھی تو یہ یوسف زئی قبائل مقابلہ پر کھڑے دکھائی دیئے حقیقت یہ ہے کہ:

> پٹھانوں کے میدانی یا پہاڑی علاقوں میں بابر کامران یا ہمایوں کے زمانہ میں کوئی مغل حکومت قائم نہ تھی یہ حکمران زیادہ سے زیادہ مشکل ترین راستوں کی حفاظت کا انتظام کرتے رہے یا قبائل کی حمایت اس وجہ سے حاصل کرنے کی سعی ہوئی کہ وہ ان کے خاندانی جھگڑوں میں کام آسکیں[1]۔

ہمایوں نے جب دیکھا کہ کسی وقتی حملہ یا لشکر کشی سے اس قبیلہ کو مطیع نہیں کیا جا سکتا تو اس کی ناکہ بندی کا فیصلہ کیا اس کے راستے روک دیئے گئے جگہ جگہ چوکیاں قائم کر دی گئیں حتیٰ کہ نوشہرہ کے قریب پچاس ہزار کے صرفہ سے صرف یوسف زئیوں کو روکنے کے لئے ایک قلعہ[2] بھی تعمیر کر دیا تھا۔

تحریک روشنائی

اس دوران میں کہ ابھی کامران حصول اقتدار کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا سرحدی قبائل میں ایک تحریک کا آغاز ہوا۔ بایزید انصاری نے افغان یا پٹھانوں کی قومی حیثیت سے متحد و متفق کرنے کے لئے تگ و دو شروع کر رکھی تھی اور چونکہ قبائلی علاقہ میں کوئی تحریک بھی بلا مذہبی رنگ لئے کامیاب نہیں ہو سکتی اس وجہ سے اس تحریک میں بھی مذہبی

---

[1] دی پٹھان از کیرو۔ [2] توزک جہانگیری۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رنگ بھرا جانا ضروری تھا۔ مذہب کے نام پر خواص و عوام کو اس میں دعوت شمولیت ملی پٹھان جوق در جوق اس میں شامل ہونے لگے۔ قبیلہ و خاندان کی کوئی قید دکھائی نہ دی مرد و زن بوڑھے جوان سب ہی اس تحریک کو اپنانے لگے جلد ہی تمام سرحدی قبائل اس کے حلقہ اثر میں نظر آئے۔ بایزید انصاری "پیر روشن" کے نام سے مشہور ہوا تو اس کی تحریک "روشنائی" کے نام سے صفحہ تاریخ پر اپنا نام چھوڑ گئی۔

قبیلہ یوسف زئے بھی اس کی لپیٹ میں تھا۔ پوری قوم بایزید کو عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ پٹھان بحیثیت قوم پہلی بار متحد و متفق ہو رہے تھے اور اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو شاید تاریخ ہند کا نقشہ ہی بدل گیا ہوتا اور سلطنت مغلیہ کے حالات کی بجائے تاریخ کے اوراق پٹھانوں کے کارناموں سے مزین نظر آتے۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھئے کہ اس دوران میں شیر شاہ سوری[1] نے ہمایوں

---

[1] تاریخ ہند کے مشہور شیر شاہ سوری قومی روایات کے مطابق قبیلہ یوسف زئی کے منڈڑ کی شاخ کمال زئی سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے مسکن "سورے" کی نسبت سے سوری کہلاتے تھے اس طرح بعض مورخین کا یہ لکھنا کہ وہ لودھی یا کسی اور قبیلہ سے متعلق یا کسی بزرگ سور کی نسبت سے سوری کہلاتے تھے درست معلوم نہیں ہوتا۔ شیر شاہ کا اصل نام فرید خان ولد حسن خان ولد ابراہیم خان تھا وہ بہلول لودھی کے زمانہ میں تلاش ملازمت کے سلسلہ میں ہندوستان پہنچا اور جمال خان گورنر جون پور کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا یہیں اس نے تعلیم حاصل کی تو ادیب و شاعر بنا اس کے بعد اس نے دریا خان کا ساتھ دیا جس نے بہار پر قبضہ کرتے ہوئے وہاں محمد شاہ کے نام سے حکومت شروع کی تھی اسی دریا خان کے ساتھ جب فرید خان نے ایک ہی وار میں شیر مار گرایا تو اس نے اسے شیر خان کا خطاب دیا جس نام سے وہ بعد میں تاریخ کے اوراق پر دکھائی دیتا ہے مغلوں سے بہار اور بنگال کا علاقہ چھین کر ۱۵۳۹ء میں اس نے شیر شاہ کے نام سے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور اسکے بعد ہمایوں کو شکست دیکر ہندوستان سے نکل جانے پر مجبور کرتے ہوئے اپنی طرف سے اپنے خواص خان کو پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا تھا (تاریخ پنجاب سید ایم لطیف)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے اپنے دوران فرار میں ہی مستقبل کی فکر کرتے ہوئے سید علی ترمذی کو جو بعد میں چلکر "پیر بابا" کے نام سے مشہور ہوئے تھے اس طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ بایزید کی مذہبی تحریک کا مذہبی رنگ میں ہی مقابلہ کیا جا سکے چنانچہ حضرت پیر بابا نے علاقہ یوسف زئے میں پہنچکر اس طاقت و قوت سے بایزید کا مقابلہ کیا کہ وہی شخص جو "پیر روشن" کہلاتا تھا "پیر تاریکی" پکارا جانے لگا نتیجہ یہ کہ بایزید انصاری کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

حضرت پیر بابا

حضرت پیر بابا کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ ان کے دادا سید قنبر علی کو دربار مغلیہ میں اثر و رسوخ حاصل ہوا اور ان کے خاندان کو عزت و وقعت سے دیکھا جاتا تھا اسی وجہ سے ان کے لڑکے سید احمد ترمذی کی شادی خاندان مغلیہ کے شہزادہ تیمور کی بہن سے کر دی گئی تھی جن سے ان کا لڑکا سید علی پیدا ہوا جس نے بعد میں چل کر پیر بابا کے نام سے شہرت حاصل کی ہندوستان سے بھاگ نکلنے پر سید احمد تو ہمایوں کے ساتھ رہے لیکن ان کے لڑکے سید علی کو پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا انہیں خاندانی روایات کے مطابق تعلیم دلائی گئی تھی وہ سجادہ نشینی کے لئے تمام ضروری خصوصیات سے مزین تھے ایک عرصہ تک اجمیر شریف میں قیام پذیر ہو کر روحانی منازل طے کر چکے تھے۔ ہمایوں کے رحلت ہو جانے کے بعد انہوں نے چند دن گجرات[1] یا گجر خان (پنجاب) میں گزارے اور پھر وہاں سے صوبہ سرحد کی راہ لی اور دوآبہ (پشاور) میں گیگیانیوں کے پاس جا مقیم ہوئے۔

گیگیانیوں کے پاس مقیم رہنے کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا تو معتقدین

---

[1] غالباً اس جگہ بھی نام کی نسبت سے گجرات کو پنجاب میں سمجھ لیا گیا ہے ورنہ میرا خیال ہے کہ ہمایوں کے سکھر کا راستہ اختیار کرنے کے بعد حضرت سید علی تحصیل مردان کے موضع گجرات میں قیام پذیر ہو گئے ہونگے اس جگہ یوسف زئی آباد تھے ہو سکتا ہے کہ یہاں حضرات کو سازگار نہ دیکھتے ہوئے انہوں نے پھر دوآبہ کی راہ لی ہو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں بھی اضافہ ہونے لگا حتیٰ کہ وہاں کے دولت خان نامی رئیس نے اپنی "مریم بی بی" نامی دختر نیک اختر سے ان کا عقد کر دیا کچھ عرصہ بعد وہ تن تنہا عازم افغانستان ہوئے اس وقت تک ان کے والد و دادا وفات پا چکے تھے والدہ سے ملاقات ہو گئی تو پھر آپ واپس لوٹ آئے ان کے تن تنہا اس سفر پر جانے اور واپس لوٹ کر گیگیانیوں کے علاقہ سے نکل کر بونیر میں باچاکلی کے مقام پر قیام سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ ہمایوں نے ہی انہیں اس طرف بھیجا ہو گا۔ بونیر میں قیام کے بعد ہی انہیں شہرت حاصل ہوئی۔ یہیں مریدین کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا اور یہیں پیر بابا کے نام سے شہرت ملی۔ لنگر جاری ہوا تو بایزید انصاری کی شدومد سے مخالفت کی جانے لگی اب انہیں حضرت اخون درویزہ جیسے عالم دین بھی مل گئے تو ان کی تحریک نے اور زور پکڑا اور گو علمی میدان یا مناظرہ میں وہ کسی وقت بھی بایزید انصاری کو شکست نہ دے سکے تاہم ان کی تعلیم و تبلیغ نے تحریک روشنائی کا علاقہ یوسف زئے میں خاتمہ کر دیا اور بایزید انصاری کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ رہا کہ وہ نقل مکانی کرتے ہوئے افریدیوں کے پاس جا مقیم ہو۔ جہاں تحریک ایک عرصہ تک زندہ دکھائی دیتی رہی۔

حضرت پیر بابا نے باچا کے مقام پر ہی فرشتہ اجل کو لبیک کہی اسی جگہ ان کا مزار بنا جس پر اس وقت تک زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور عام عقیدہ ہے کہ اس مزار پر حاضری دینے والوں میں متلاشیان شادی کی امیدی جلد پوری ہو جاتی ہیں آپکا مزار درہ کڑاکڑ سے کوئی دس میل کے فاصلہ پر ایک ندی کے کنارے تعمیر ہے جو بونیر اور سوات میں حد فاصل کا کام دیتا ہے۔ مزار کے شمال کی طرف ایک اور درہ ہے جس سے گزر کر زائرین بہ آسانی سوات کے دار السلطنت سیدو شریف تک جا پہنچتے ہیں اس مزار کا محل وقوع بہت خوبصورت ہے اور اس کی پشت پر ایلم اور دوسرا کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پہاڑی چوٹیاں اس کی خوبصورتی کو اور بھی چار چاند لگا رہی ہیں حضرت پیر بابا کی وفات کے بعد ایک عرصہ دراز تک ان کی اولاد کو بھی روحانی اقتدار حاصل رہا اور سوات کے دور جدید میں انہی کی اولاد سے سید اکبر شاہ اور سید عبدالجبار شاہ کو سوات کا بادشاہ منتخب کیا گیا تھا۔[1]

بایزید انصاری

بایزید انصاری کا خاندان کا نیگرام[2] (دیر زیرستان) سے متعلق بیان کیا جاتا ہے اس کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں شیخ سراج الدین انصاری سے جا ملتا ہے اس کا والد شیخ عبداللہ گھوڑوں کی تجارت کے سلسلہ میں افغانستان سے ہندوستان آیا اور جالندھر میں مقیم ہو گیا اس جگہ ۱۵۲۵ء میں بایزید نے جنم لیا۔ بایزید قابل ہوشیار مدبر اور علم و ادب سے خاص دلچسپی رکھتا تھا اسے مختلف مذاہب کے علماء کی صحبتوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا بالآخر اس نے ایک تحریک کا اجراء کیا جو "روشنائی" کے نام سے یاد کی جاتی ہے پشتو تحریر کو حقیقت اسی کی وجہ سے ترقی ہوئی۔ خود وہ عربی فارسی پشتو اور ہندوستانی پر عبور رکھتا تھا اور انہی زبانوں میں اس نے تصانیف کیں چنانچہ ایک کتاب مقصود المومنین عربی زبان میں تھی تو خیر البیان عربی فارسی پشتو اور چار زبانوں میں منظر عام پر آئی۔ کہا جاتا ہے کہ خیرالبیان نامی کتاب میں اس نے اپنے حالات کے ساتھ رموز قرآن شریف پر ایسی بحث کی تھی کہ اس کے مخالفین بھی حیران و پریشان تھے۔ دور زیر بحث میں طباعت وغیرہ کا تو کوئی خاص انتظام تھا نہیں اس وجہ سے قلمی نسخے تقسیم کئے جاتے تھے۔ بایزید کے مخالفین نے ان کتابوں کا نام و نشان تک باقی

---

[1] دیکھو باب سوات [2] علاقہ دیر زیرستان کا مشہور مقام ہے جو ڈیرہ اسمٰعیل خان سے ۱۰۶ میل اور بنوں سے کوئی ۹۰ میل دور ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہ چھوڑا اور آج ان میں سے کوئی ایک بھی دکھائی نہیں دیتی اور اگر حسن اتفاق سے کسی نہ کسی جگہ ان کے کچھ اوراق ہوں بھی تو وہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے۔

بایزید انصاری نے اپنی تحریک کو بڑی ہمت و استقلال اور علمیت سے چلایا فن مناظرہ میں تو اس کا کوئی مخالف اسے شکست نہ دے سکا حتیٰ کہ حضرت اخون درویزہ جیسا شدید ترین مخالف بھی لکھتا ہے کہ:

علماء اس کے عقلی استدلال کے سامنے بے بس تھے۔ ہمیں عقلی نقلی دلائل سے اس نے زچ کر دیا تھا۔[1]

آزاد قبائل کے مختلف علاقوں میں تحریک روشنائی کی ہمہ گیر مقبولیت سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب کے نام پر بایزید نے پٹھانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ قبائلی اور علاقائی تمام اختلافات کو عوام و خواص نے یک قلم نظر انداز کر دیا سب ہی پٹھان کی حیثیت سے اس کے گرد جمع ہونے لگے اطاعت امیر کا صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے تھا اس نے گوشہ نشینی یا دنیا سے قطع تعلق کی کوئی تعلیم نہ دی تھی بلکہ ہر رکن تحریک مرد مجاہد نظر آ رہا تھا۔ اس نے مغلوں سے ٹکر لی تو ان کے چھکے چھڑا دئے اور علاقہ یوسف زئی سے ناکامیاب ہو جانے کے بعد بھی یہ تحریک ایک زندہ تحریک کی حیثیت میں دکھائی دیتی ہے اور اس کی اولاد بھی اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مغلوں سے مصروف جنگ رہی[2]۔ علاقہ یوسف زئے سے جب نکلنا پڑا تو بایزید خاموشی سے بھاگ کھڑا نہ ہوا بلکہ علمی مناظروں کے ساتھ اس نے شمشیر بھی استعمال کی۔ چنانچہ خیال کیا جاتا ہے کہ موضع بنی کے قرب میں جو وسیع قبرستان

---

[1] مجلہ پختو (پشاور یونیورسٹی) جلد ۲ شمارہ ۲۔

[2] تفصیل کے لئے دیکھو اسی سلسلہ کی جلد "آفریدی"۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہے اس میں بکثرت وہی لوگ دفن ہیں جو ایسی ہی جنگوں میں مارے گئے تھے۔

بایزید انصاری کو افریدی اور کرک زئی۔ بنگش خلیل مہمند مختصر یہ کہ تمام قبائل میں ہر دلعزیزی حاصل ہوئی اور اس نے اتنی طاقت و قوت حاصل کرلی کہ ہر طرف اس کے منظم لشکر دکھائی دینے لگے۔ وہ مرنے مارنے کو ہمہ تن تیار نظر آتے اس کی ابتدائی جنگیں گورنر کابل سے لڑی گئیں اور بالآخر ننگرہار کے قریب بارود کے مقام پر محسن خان مغل جرنیل کے ہاتھوں شکست کھائی تو اس کے بعد ۱۵۸۱ء کے لگ بھگ ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بایزید انصاری سے عوام کی عقیدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کے لڑکے اس کی لاش کو ایک تابوت میں ساتھ لئے پھرتے رہے گویا اس کا مقدس مزار معتقدین کے کندھوں پر سوار رہا بالآخر عہد اکبر میں جب بایزید کا لڑکا گرفتار ہوا اور یہ تابوت مخالفین کے ہاتھ لگا تو حضرت اخون درویزہ کے فتوے یا حکم سے اس لاش کو جلا کر اس کی راکھ دریائے سند میں ڈال دی گئی تھی۔[1]

مخالفین نے بایزید انصاری کے خلاف مذہب کے نام سے جو الزامات لگائے تھے ان کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) وہ اپنے حلقہ مریدین میں مستورات کو بھی شامل کرتا تھا۔

(۲) عقیدۂ وحدت الوجود کا قائل تھا۔

(۳) وقت اجتماع یا عبادت مرد و زن یکجا ہو کر بعض ناگفتہ بہ حرکات کے مرتکب

---

[1] نہیں کہا جا سکتا کہ بایزید انصاری کی لاش کو کیسے ایک عرصہ تک تابوت میں محفوظ رکھے مریدین ساتھ لئے پھرتے رہے اور اس عرصہ میں لاش کسی طرح خراب نہ ہوئی کسی مخالف نے بھی لاش کے خراب ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوتے تھے اور (۴) وہ ان تمام لوگوں کو جو اس کے حلقہ میں شامل نہ تھے مردہ خیال کرتے ہوئے ان کے مال و اسباب کا اپنے مریدین کو وارث قرار دیتا تھا۔

مذکورہ الزامات پر نظر ڈالنے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح کسی غیر تعلیم یافتہ قوم سے مذہب کے نام پر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے بلاشبہ اس وقت اس علاقہ میں مستورات کو حلقہ مریدین میں شامل کرنے کا رواج نہ ہوگا لیکن یقیناً علمائے وقت سے یہ حقیقت پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی کہ دوسرے علاقوں میں بڑے قابل ذکر صاحبان طریقت مستورات کو زمرہ مریدین میں شامل کر رہے تھے۔ اور یہ کوئی کفر و اسلام کا مسئلہ نہ تھا۔ بہرحال اس سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اسی طرح وحدت الوجود کے سوال پر بھی غور کی جائے تو اس پر ہمارے کتب میں کافی لے دے ہوتی رہی ہے اور اس سلسلہ میں بھی کئی قابل ذکر علماء یا زعماء اس کی حمایت میں بیان کئے جا سکتے تھے اور یہ مسئلہ کوئی عوامی یا عوام کی سمجھ بوجھ کا نہ تھا نہ ہی عوام اسے سمجھ سکتے تھے۔ لیکن ان کے سامنے تو کفر و اسلام کے رنگ میں ہر مسئلہ پیش ہو رہا تھا اور وقت کی مناسبت سے تحریک کے مخالفین نے اس سے فائدہ اٹھایا اور یہ متیسر الزام تو اس قابل بھی نہیں کہ اس کا یہاں ذکر کیا جائے یہ بعد کی اختراع معلوم ہوتی ہے یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ پٹھانوں کی غیور قوم مذہب کے نام پر بایزید انصاری کو اپنا پیر مرشد یا قائد تسلیم کرے قومی عصبیت اور اسلام کے نام پر شمشیر بکف میدان میں دکھائی بھی دے اور پھر مرد و زن کے اشتراک اور ان کی ناگفتہ بہ حرکات کو یوں بہ رضا و رغبت برداشت کرے کہ جیسے کوئی ذلیل بے غیرت اور بے حمیت قوم بھی برداشت نہ کر سکے رہا یہ کہ وہ اپنے مخالفین کو مردہ خیال کرتے ہوئے اپنے مریدین کو ان کا وارث قرار دیتا تھا تو نہیں کہا جا سکتا کہ اصل حقیقت کیا تھی رہا وراثت کا سوال تو تاریخ کا ہر فاتح مفتوح اقوام کی جان و مال کا خود کو وارث گردانتا ہے کیا جنگ میں گرفتار شدہ قیدیوں کو لونڈی غلام بنانا اور ان کے مال و

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اسباب پر قبضہ اسی اصول کے تحت ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ بایزید کے کسی ایسے طریقہ کار کو وراثت کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہو۔[۳]

حضرت اخون درویزہ

تحریک روشنائی کی مخالفت کرنے والوں میں حضرت پیر بابا کے ایک مرید یا خلیفہ "اخون درویزہ" خاص شہرت رکھتے ہیں وہ اپنے وقت کے مشہور عالم تھے اور پیر روشن (بایزید انصاری) سے مناظروں میں حصہ لیتے رہے۔ اگرچہ علمی بحث یا مناظروں میں پیر روشن کو کسی وقت شکست نہ دی جا سکی تاہم عوام میں اس کے خلاف کفر و الحاد کے پراپیگنڈہ نے اپنا کام کر دکھایا اور عوام (یوسف زیوں) کی نظروں میں انہیں مطعون کرایا گیا اور بعد میں انہی کے فتوے یا حکم سے بایزید کی لاش کو نذر آتش کیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت اخون درویزہ کے اجداد قبیلہ یوسف زئے کے ساتھ ہی افغانستان سے موجودہ علاقہ کی طرف آئے تھے۔ ان کی پیدائش ۹۴۰ھ اور وفات ۱۰۴۸ھ میں بیان کی گئی ہے[۱]۔ ان کی جائے ولادت کا اس وقت تک صحیح تعین نہیں ہو سکا۔ اغلب خیال ہے کہ وہ وادی بونیر کے علاقہ چغرزئی میں پیدا ہوئے تھے[۲]۔ انہوں نے پشتو زبان کی بہت خدمت کی اور خود مورخ ادیب اور عالم دین کی حیثیت سے شہرت حاصل کی ان کا مزار پشاور شہر کے قریب اندازاً گوئی ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے جہاں زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ اور اس علاقہ میں صرف اسی مقبرہ کے حدود میں مستورات کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے ان کی مشہور تصنیفات یہ ہیں مخزن الاسلام۔ تذکرۃ الابرار والاشرار اور ارشاد الطالبین۔

۱؎ تذکرہ علماء ہند (بحوالہ کاروان سرحد) ۲؎ مسٹر کیرو نے حضرت اخون درویزہ کو تاجک قبیلہ سے متعلق بتایا ہے اور بعض روایات میں انہیں نسلاً مغل بیان کیا جاتا ہے۔
۳؎ یہ تحریک تمام تر مغلوں کے خلاف منظم کی جا رہی تھی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اکبر اعظم[1] ہمایوں کی وفات پر عنان سلطنت نوجوان شہزادہ اکبر کے ہاتھ لگی تو اس نے جلال الدین اکبر کے نام سے ہندوستان پر حکومت شروع کی سلطنت مغلیہ کا ستارہ چمکنے لگا اسے عروج حاصل ہوا اکبر کو بہترین ساتھی بیکارکن بھی مل گئے جس وجہ سے اس کا ہر قدم ترقی کی طرف اٹھتا رہا گو مذہبی عقاید یا ایک جدید مذہب کی تشکیل کی وجہ سے مسلمانوں نے اس پر شدید نکتہ چینی بھی کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس جدید مذہب کا کسی نے نام تک نہ لیا۔

قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ بابر کامران اور ہمایوں کوئی ایک بھی یوسف زیوں پر اپنا حقیقی اقتدار قائم نہ کر سکا تھا وقت گزرنے کے ساتھ ان قبائلیوں کے حوصلے اور بھی بلند ہوئے انہوں نے شاہراہ ہند و افغانستان پر دست درازیاں شروع کر دیں اکبر گزشتہ دور کے حالات سے ناواقف نہ تھا اس نے ان قبائلیوں کے خلاف اقدام کرنے کا فیصلہ کیا اس وقت تک اس کی حکومت مضبوط ہو چکی تھی اسے بہترین جنگی سرداروں کی خدمات حاصل تھیں ہندوؤں سے بھی اس کے تعلقات بہت خوشگوار ہی نہیں بلکہ ان میں شادیاں کرنے کی وجہ سے بہت ہی قریبی اور گہرے ہو چکے تھے اس تمام ماحول طاقت و قوت اور عزم و ارادہ کے ساتھ اس نے اس طرف کا رخ کیا اور اپنے دودھ بھائی زین خان[2] کی قیادت میں لشکر روانہ کر دیا۔

---

[1] اکبر پیدائش (امرکوٹ سندھ) اتوار ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء مطابق ۵ رجب ۹۴۹ھ وفات ۱۶ اکتوبر ۱۶۰۵ء ۱۳ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ

[2] اکبر کے دودھ بھائی ہونے کی وجہ سے اسے زین خان کوکا بھی پکارا جاتا ہے اس کے والد کا نام خواجہ مقصود ہروی تھا اس کی چچا زاد بہن دختر خواجہ حسن کی شادی شہزادہ سلیم سے ہوئی اور اسکے بطن سے شہزادہ پرویز پیدا ہوا اکبر کے زمانہ میں اسے بہترین مغنی خیال کیا جاتا اور عام طور وہ ہندی گانے گایا کرتا تھا وفات بمقام آگرہ ۱۹ ستمبر ۱۶۰۰ء میں ہوئی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یوسف زئیوں پر حملہ

یوسف زئی اس وقت میدانی اور سوات بونیر کے علاقوں میں پوری طاقت سے قابض تھے مغلوں کے تربیت یافتہ لشکر نے ان کا مقابلہ کیا۔ ۱۵۸۶ء کے ابتدائی ایام میں اس حملہ کا آغاز ہوا ابتداء میں تو زین خان نے بڑی ہمت دکھائی لیکن یوسف زئی اس بے جگری سے مقابلہ پر اترے کہ شاہی لشکر کو مزید امداد پہنچنے سے قبل آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہ ہوئی شاہ سے امداد کے لئے درخواست کی گئی اب قبائلیوں اور حکمران کی جنگ میں شاہی لشکر کی عزت و وقار بھی پیش نظر تھا۔ چنانچہ فوراً امداد روانہ کرنے کا فیصلہ ہوا تو راجہ بیربل[1] اور حکیم ابوالفتح کی قیادت میں تازہ دم لشکر نے میدان جنگ میں پہنچکر اقدام شروع کیا اور اس نظام سے یہ لشکر آگے بڑھنے لگا کہ ایک حصہ لشکر کی کمان بیربل کر رہا تھا تو اس کے دوسرے حصے دائیں بائیں حکیم ابوالفتح اور زین خان کی قیادت میں شدت سے حملے کئے جا رہے تھے تا آنکہ یہ شاہی لشکر چکدرہ کے سامنے ڈیرے ڈالے دکھائی دینے لگا۔ یوسف زئے بھی خاموش نہ تھے انہوں نے لشکر کو اپنی زد میں پاکر اس شدت سے تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ شاہی لشکر سراسیمگی کی حالت میں بھاگ کھڑا ہوا اب یوسف زئیوں کو بہترین موقعہ ملا تو انہوں نے تعاقب شروع کر دیا۔

---

[1] بیربل کا اصل نام مہیش داس ذات سے برہمن تھا اپنی قابلیت سے اس نے دربار اکبری میں جگہ حاصل کرلی اس کی خبر وفات سے اکبر از حد متاثر ہوا اور جب اس کی لاش کا بھی پتہ نہ چلا تو مشہور ہو گیا کہ وہ زندہ تھا اور کسی وقت ظاہر ہو جائیگا اس دوران میں کسی شخص نے وقت سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو بیربل ظاہر کر دیا اکبر نے اسے طلب کیا لیکن وہ دربار میں حاضری دینے سے قبل ہی راستہ میں اس دنیا سے چل بسا اور نیٹ بائیوگرافیکل ڈکشنری بیل)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مغل لشکر کی بربادی

یہ جنگ رات کے ابتدائی اوقات میں شروع ہوئی۔ بیربل یہ خیال کرتے ہوئے کہ رات گئے یوسف زئے دوبارہ شدید حملہ نہ کردیں اپنے ساتھیوں یعنی زین خان وغیرہ سے مشورہ یا انہیں اطلاع دیئے بغیر ہی ان پہاڑیوں میں گھس گیا جہاں اس کے خیال میں افغانوں کے تحفظات موجود نہ تھے لیکن یوسف زئے اس کا پہلے سے بندوبست کر چکے تھے بیربل کا لشکر ان پہاڑیوں میں داخل ہوا تو قبائلی اس پر ٹوٹ پڑے اور اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ اس کے لشکر کو تہس نہس کر ڈالا اور بقول مورخ ملا بدایونی شاہی لشکر کے:

آٹھ ہزار یا اس سے بھی زیادہ افراد قتل ہوئے۔ بیربل بھی مقتولین میں شامل تھا اور شاہ اکبر نے کسی عزیز ترین عزیز کا بھی ایسا سوگ نہ منایا تھا جیسا اس نے بیربل کا منایا۔

بیربل کے ساتھ خواجہ عرب بخشی اور ملا شیری بھی اس جنگ میں کام آئے۔ بیربل کی تو لاش کا پتہ ہی نہ چلا۔ مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بیربل امبیلہ اور ملندری کی پہاڑیوں میں کسی جگہ مارا گیا تھا یہ واقعات فروری ۱۵۸۶ء مطابق ربیع الاول ۹۹۴ھ میں پیش آئے تھے۔

زین خان اور حکیم ابوالفتح کے لشکر پر بھی شدید حملہ ہو چکا اسی جنگ و جدل میں رات گزر گئی۔ صبح ہوئی تو ان دونوں نے ملندری کی پہاڑیوں سے پسپائی شروع کی یوسف زئے سائے کی طرح ساتھ رہے پھر بھی انہوں نے سارا دن جہاں تک ممکن تھا اپنے لشکر کو مجتمع کئے رکھا۔ مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن جب رات پڑی تو کسی نے اڑا دی کہ افغان پھر آن پہنچے بس پھر کیا تھا بھاگڑ شروع ہوئی نظام قائم نہ رہ سکا ان لشکریوں کا حسب سابق قتل عام ہوا زین خان اور حکیم ابوالفتح بہ مشکل تمام چند افراد کے ساتھ وہ بھی پیادہ شاہی کیمپ جا پہنچے جو اس وقت اٹک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں نصب تھا۔ اکبر بیرل کی موت سے اس قدر رنجیدہ ہوا کہ اس نے دو دن تک زین خان اور حکیم ابوالفتح کو باریاب تک نہ کیا۔

مغل اعظم کی ناکامی

ان حالات کو دیکھکر خیال پیدا ہوا کہ یہ قبائلی میدانی علاقوں میں ہنگامہ آرائی نہ شروع کردیں شاہی کیمپ بھی اٹک میں کچھ زیادہ فاصلہ پر نہ تھا فوری طور مزید لشکر راجہ ٹوڈرمل[۲] اور راجہ مان سنگھ کی قیادت میں روانہ کردیا گیا اور اس دفعہ ہدایت یہ تھی کہ یوسف زئیوں کے اقدام کو روکا جائے نہ یہ کہ یوسف زئیوں کے خلاف اقدام کیا جائے چنانچہ اس جدید لشکر نے اس علاقہ میں پہنچکر مورچے سنبھال لئے اپنی طرف سے کوئی اقدام نہ کیا اور جب یقین ہوگیا کہ ان کی پوزیشن جنگی نقطہ نظر سے محفوظ تھی تو مان سنگھ کابل پہنچا تاکہ وہاں انتظام کرتے ہوئے وقت ضرورت اکبر کے لئے امداد و اعانت کا بندوبست کرسکے اور راجہ ٹوڈرمل اس علاقہ میں تمام جنگی کارروائی کا واحد ذمہ دار قرار دے دیا گیا۔

اگر بہ نظر تعمق دیکھا جائے تو اکبر کی زندگی میں یہ سب سے بڑی ناکامیابی تھی اور صاف ظاہر ہے کہ جو مغل اعظم ہندوستان کے طول و عرض میں اپنی حکومت کے اقتدار کا ڈنکا بجا چکا تھا وہ قبائلیوں سے لگاڑ پیدا کرکے کسی طرح

۱؎ ہسٹری آف افغانستان۔ کرنل جی بی مالین ۱۸۷۶ء۔ ۲؎ اکبر کا وزیر مال لاہور کا ایک ہندو ذات سے کھتری تھا۔ بنگال کا گورنر بھی رہا پختہ عقائد کا ہندو تھا اس نے بروز پیر ۱۱ نومبر ۱۵۸۹ء مطابق ۱۱ محرم الحرام ۹۹۸ھ بمقام لاہور انتقال کیا۔ ۳؎ یہ جین نگر اور جے پور کے راجہ کی اولاد سے تھا اسکے پاس پندرہ سو داشتہ یا مدخولہ تھیں اور کہا جاتا ہے کہ ان سب سے اولاد ہوئی لیکن مان سنگھ کی موت سے قبل ہی سب مرچکی تھیں اس نے عہد جہانگیر میں بمقام دکن ۱۶۱۴ء مطابق ۱۰۲۳ھ میں انتقال کیا تو ساٹھ داشتہ بیویاں اس کے ساتھ چتا میں جل مریں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

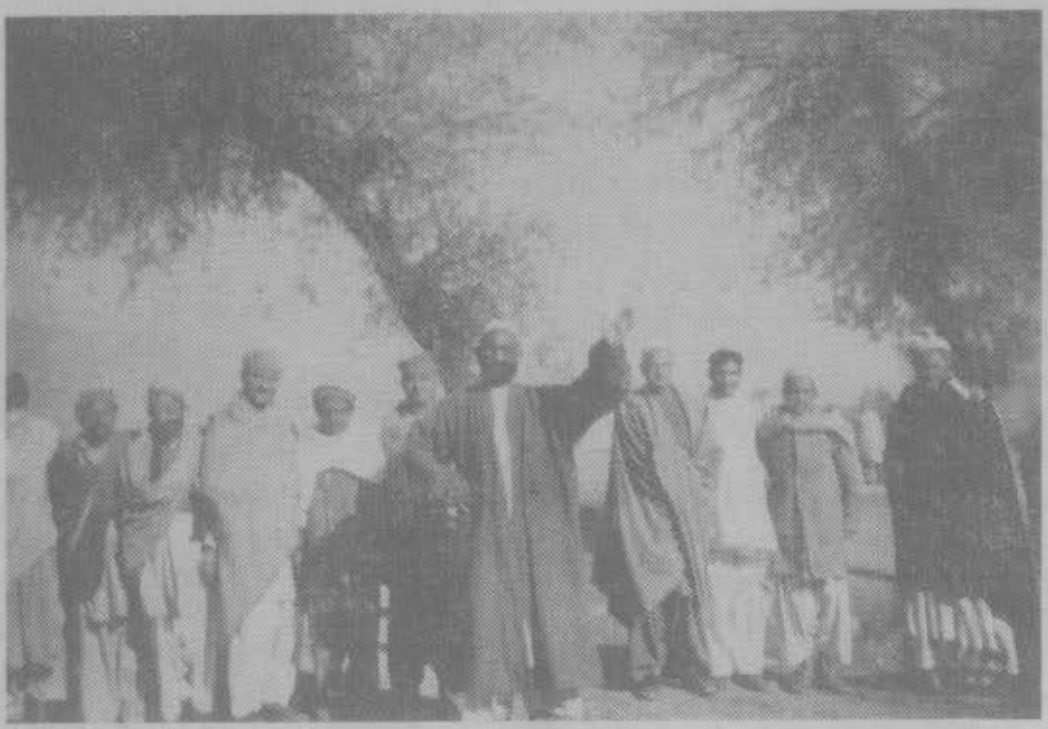

موضع کالو خان (رزڑ) کا ایک منظر
درمیان میں مشہور قومی کارکن ملک الیاس خان کھڑے ہیں

موضع ترکئے (رزڑ) کا ایک منظر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مالا کنڈ بجلی گھر کے دو مناظر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اپنے آپ کو کامیاب نہ کر سکا۔ قبائلی بدستور آزاد رہے انہوں نے سر تسلیم خم نہ کیا یہ سب کچھ جو ہوا اکبر کی غلط پالیسی کا نتیجہ تھا ورنہ اسے ان قبائل سے کافی تعداد میں جنگجو سپاہی مل سکتے تھے اب جو اس نے اپنے لشکر کی ناقابل برداشت تباہی خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو دوسرا غلط اقدام یہ کیا کہ یوسف زئیوں کا داخلہ زیریں علاقہ میں بند کر دیا اس کا خیال تھا کہ اس طرح جب انہیں ضروریات زندگی کے لئے ضروری اشیاء کے حصول میں دقتیں پیش آئیں گی تو وہ اطاعت قبول کر لیں گے لیکن یہ نہ سوچا کہ جو قوم بابر کے سامنے سر نہ جھکا سکی تھی اب کیونکر رضامند ہو جائے گی بلکہ اس کا نتیجہ اس کے خیال کے بالکل برعکس ظاہر ہوا۔ انہوں نے تنگی محسوس کرتے ہوئے دوسرے ذرائع استعمال کرنا شروع کئے جو اشیاء وہ پرامن طریقوں سے حاصل نہ کر سکتے تھے اب بزور بازو حاصل کرنے لگے اور تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مقولہ کے پیش نظر انہوں نے ہر اس حرکت کو جائز قرار دے لیا جو ان کی زندگی و بقا کے لئے ضروری خیال کی گئی۔

یوسف زئیوں کی ناکہ بندی کو موثر بنانے کے لئے اکبر نے موضع ہنڈ (ضلع مردان) میں ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا جو ۳۵۰ مربع گز رقبہ میں تھا۔ یہ وہ مشہور مقام ہے جہاں کسی وقت ہندو شاہیہ کی راجدھانی تھی اور جہاں جے پال اور انند پال حکومت کرتے تھے ۱۸۴۰ء کے سخت سیلاب میں یہ قلعہ برباد ہوا۔ مذکورہ ہنگامہ آرائی کے بعد بھی ۱۵۸۶ء سے ۱۵۹۲ء کے دوران میں یوسف زئیوں کے خلاف مسلسل لشکر کشی کی جاتی رہی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

مختصر یہ کہ اکبر کی تمام کوششیں قبائلیوں کو مطیع کرنے کے سلسلہ میں ناکام رہیں

۱؎ قریب قریب تمام قبائلیوں سے یہی سلوک کیا گیا چونکہ یہاں علاقہ یوسف زئی کے حالات لکھنے مقصود ہیں اس وجہ سے صرف اس علاقہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور یہ سلسلہ کوئی چودہ سال تک جاری رہا جس کے بعد جب مہندوں نے غزنی پر کامیاب حملہ کیا تو حالات میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں عہد مغلیہ کے متعلق میجر راورٹی نے یوں اظہار خیال کیا ہے:۔

"قتل و خونریزی اور ملک کی تباہی و بربادی کے باوجود ان (قبائلی) علاقوں میں مغل کسی وقت بھی مستقلاً اپنے پاؤں جما نہ سکے اور نہ ہی کسی وقت ان حقائق کو ضبط تحریر میں لانے کے قابل ہوئے اس وجہ سے "آئین اکبری" کی کوئی ایک جلد بھی مکمل نہیں کہلا سکتی۔"

جہانگیر شہزادہ سلیم نے محمد نورالدین جہانگیر[1] کے نام سے اکبر اعظم کی وفات کے بعد عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اور ۲۸ اکتوبر ۱۶۰۵ء تک حکمران رہا وہ اپنے والد کے زمانہ میں قبائلیوں سے جنگ و جدل دیکھ چکا تھا خود بھی ہندوستان سے افغانستان جاتے ہوئے اس راستہ سے گزرتا رہا شہزادگی کے زمانہ میں غالباً مارچ ۱۶۰۳ء میں اس طرف سے گزرا تو اس وقت تک یوسف زیوں کی ناکہ بندی جاری تھی اس نے نوشہرہ میں قیام کیا۔ یہیں اس کے سامنے حاکم پشاور کئی قبائلی سرداروں کو جو حکومت سے راہ و رسم رکھتے تھے یا اس کے متلاشی تھے ساتھ لیکر حاضر ہوا تھا اس وقت پشاور میں احمد بیگ کابلی بحیثیت گورنر فرائض سرانجام دے رہا تھا معلوم ہوتا ہے کہ افغانوں کو متاثر کرنے کے لئے اس نے اس گورنر کو برطرف یا تبدیل کرتے ہوئے اس کی جگہ شیر خان افغان[2] کو مقرر کر دیا لیکن اس کے باوجود نہ تو حکومت کی پالیسی میں کوئی فرق دکھائی دیا نہ یوسف زیوں نے اپنی روش بدلی نتیجہ یہ کہ حالات جوں کے توں چلتے رہے۔

---

[1] پیدائش بدھ ۳۱ اگست ۱۵۶۹ء مطابق ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ وفات اتوار ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء مطابق ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۷ھ۔ [2] توزک جہانگیری۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شاہجہاں[1] شہزادہ خورم نے جو جہانگیر کا تیسرا لڑکا تھا باپ کی وفات پر ۱۶۲۸ء مطابق ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ کو شہاب الدین محمد شاہجہاں کے نام سے حکومت شروع کی۔ عہد شاہجہاں میں مقابلتہً امن قائم رہا اس نے اپنی زیادہ تر توجہ تعمیرات کی طرف لگائی رکھی ملک میں سڑکوں کا جال بچھا دیا اعلیٰ قسم عمارتیں تعمیر کرائیں جن میں تاج محل آگرہ خاص طور قابل ذکر اور دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ مقامی روایات اور بعض دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ عہد شاہجہاں میں یوسف زئیوں سے خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کی کامیاب کوشش و سعی ہوئی تھی اور حکومت نے قبیلہ خدوخیل کے مشہور بہادر سردار بہاکو خان کو اپنی حمایت پر رضامند کر لیا تھا دربار دہلی کی طرف سے بہاکو خان کو یوسف زئی کے میدانی علاقہ کی "نصرت" وصول کرنے کے فرائض تفویض ہوتے تھے اور مقامی روایات یہاں تک ان تعلقات کو خوشگوار ظاہر کرتی ہیں کہ جن کے نتیجہ میں ایک موقع پر یوسف زئیوں نے شاہجہاں کی دستار بندی کرتے ہوئے اسے اعزازی طور اپنے قبیلہ میں شامل کر لیا تھا دربار دہلی سے بہاکو خان کے نام جو فرمان جاری ہوتے رہے ان میں کے ایک کی نقل انہی اوراق میں صفحہ پر درج کی جا رہی ہے کہا جاتا ہے کہ جب بہاکو خان نے حکومت کے اس اعزاز کو قبول کرنے پر اظہار رضامندگی کیا تو شاہجہاں نے فرمان تقرر کے ساتھ ایک اعلیٰ قسم گھوڑا جس کی زین پر سونے کی گلکاری کی گئی تھی بطور تحفہ ارسال کیا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر خیال کیا جا سکتا ہے کہ عہد شاہجہاں میں کم از کم میدانی علاقہ کی آبادی سے مغلوں کے تعلقات خوشگوار ہو گئے تھے البتہ پہاڑی علاقہ کے باشندے حسب معمول

---

[1] پیدائش لاہور ۵ جنوری ۱۵۹۳ء مطابق ۲۹ ربیع الاول ۱۰۰۱ھ وفات آگرہ پیر ۲۳ جنوری ۱۶۶۶ء مطابق ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ آگرہ۔ ۲ اس قسم کی ایک رسم میں جمہوریہ چین کے وزیر اعظم چواین لائی کو بھی اعزازی طور اس برادری میں شامل کیا گیا تھا جس کا ذکر صفحہ پر درج ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کسی طرح حکومت کی سیادت تسلیم نہ کر سکے۔

بہاکو خان نے اپنی زندگی کی ابتداء عہد جہانگیر میں کی تھی اس دور میں یوسف زئیوں کے درمیان ملا کا بلگرام یا اخوند سالک نامی ایک بزرگ نمودار ہوا اور جیسا کہ عام طور قبائلی تاریخ کا دستور ہے اس بزرگ نے مذہب کے نام پر اپنے معتقدین کی ایک جمعیت پیدا کر لی تھی۔ جذبہ جہاد سے سرشار قبائلی جوق در جوق اس کے لشکر میں شامل ہونا شروع ہوئے تو قابل ذکر تعداد میں اس کا لشکر دکھائی دینے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت چغرزئیوں کے موجودہ پہاڑی علاقہ میں ڈوما نامی کوئی غیر مسلم قبیلہ آباد تھا جو تاتاری النسل بیان ہوتا ہے۔ اخوند سالک نے اس کے خلاف اعلان جہاد کر دیا۔ اس دوران میں قبیلہ خدوخیل کے رئیس بہاکو خان لپسر ماموخان نے بھی اخوند سالک کی حمایت کا اعلان کر دیا تو اخوند کو اور بھی تقویت حاصل ہوئی اس کے ساتھ ہی بہاکو خان کو بھی جو ایک عام ملک یا خان کی حیثیت رکھتا تھا اہمیت ملی اس نے اپنا اثر و رسوخ بڑھایا اور جلد ہی سالک کے بعد دوسری حیثیت حاصل کر لی اس کی ہمت و شجاعت سے ڈوما کے علاقہ سے ان غیر مسلموں کو نکال باہر کیا۔[۲]

اب بہاکو خان کا ستارہ چمکنے لگا۔[۳] اس نے طاقت و شہرت حاصل کی علاقہ میں اس کی قیادت تسلیم کر لی گئی حتیٰ کہ دربار دہلی کو بھی اس طرف متوجہ ہونا پڑا اس وقت شاہجہاں

۱؎ علاقہ آزاد میں درہ الٰہی کے قریب دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر مشہور گاؤں اور قلعہ ہے۔

۲؎ روایت کہا جاتا ہے کہ قبیلہ ڈوما کی شکست پر اس قبیلہ کے حکمران کی ملکہ خان خدوخیل کے عقد میں آئی اس سے جو اولاد پیدا ہوئی ..... خوانین مخرنئے انہی سے بیان کئے جاتے ہیں۔

۳؎ بہاکو خان کے نام سے بونیر میں ایک آدھ بستی بھی نظر آتی ہے اور باجا بام خیل سے ٹوانکئے کی طرف بہنے والا نالہ غالباً اسی نسبت سے "بابونالہ" پکارا جاتا ہے علاقہ میں بہاکو خان کا تلفظ عام طور باگو خان کیا جاتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس نے بہا کو خان کو انعام و اکرام سے نوازا چنانچہ اس علاقہ کی "حضرت" وصول کرنے پر مقرر کر دیا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے اپنی بڑھتی ہوئی طاقت میں مزید اضافہ کرنے کے لئے اس نے پورے قبیلہ یوسف زئے کو منظم کرنے کی کوشش کی اس میں اسے بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے ضلع ہزارہ میں پکھلی تک کے علاقہ کو روند ڈالا۔

یوسف زئے اور خٹک

اسی عہد شاہجہاں میں قبیلہ خٹک نے جو نہ صرف دریائے سندھ اور نوشہرہ کے درمیان آباد تھا نقل و حرکت شروع کی اب اس کا نام تاریخی واقعات میں سنا جانے لگا اور ایک جدید قبیلہ کی شکل میں اس کی سرگرمیاں منظر عام پر آنے لگیں۔

تاریخ کے ابتدائی ادوار اور عہد اسلامی میں پشاور کے حدود میں خٹکوں کا ذکر دکھائی نہیں دیتا لیکن اکبر کے عہد حکومت میں انہیں اتنی اہمیت ملی کہ دریائے سندھ سے نوشہرہ تک کے علاقہ میں گزرنے والی شاہراہ کی حفاظت ان کے سپرد کر دی گئی تھی ان حالات میں یقین کیا جا سکتا ہے کہ یہ قبیلہ ایک عرصہ سے وہاں آباد ہوگا اور اس کی طاقت اور اثر و رسوخ ہی کی وجہ سے سڑک کی حفاظت سپرد کی گئی ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ نوشہرہ کے قریب کی پہاڑیوں اور درہ موسیٰ وغیرہ کے علاقہ میں جہاں اس وقت بھی ان کی آبادیاں موجود ہیں بہت پہلے سے آباد تھا لیکن نوشہرہ اور اٹک کے درمیان اتنی طاقت اور اثر و رسوخ نہ رکھتا تھا کہ مورخین اس کا کسی جداگانہ حیثیت سے ذکر کرتے اس علاقہ میں زمانہ قدیم سے دلازاک آباد تھے۔ یوسف زئے محمد زئے گیگیانی یا خلیل و مہمند کے آنے پر انہی دلازاکوں سے کشمکش رہی اور چونکہ وہ ایک طاقتور قبیلہ اور صدیوں سے اس علاقہ پر حکمران تھا اس وجہ سے ان کے مقابل خٹک اس وقت درخور اعتنا نہ سمجھے گئے ہوں گے۔ لیکن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جب دلازاک اس علاقہ سے کلیتہً نکالے جا چکے اور یوسف زئے موجودہ علاقہ یوسف زئے پر قابض ہو کر اطاعت قبول کرنے پر آمادہ نہ کئے جا سکے تو لازماً سڑک کی حفاظت کسی دوسرے قبیلہ کے سپرد کی جانی تھی اور چونکہ خٹک وہاں موجود تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی اہلیت بھی رکھتے تھے اس وجہ سے انہیں یہ ذمہ داری سونپ دی گئی حکومت مغلیہ نے ان کی امداد و اعانت شروع کی نتیجہ یہ ہوا کہ حفاظت راہ کے نام سے خٹک اور یوسف زئیوں میں دشمنی کی بنیاد پڑ گئی اور وہ عرصہ دراز تک ایک دوسرے کو دشمن سمجھ کر قتل کرتے رہے۔

ابتدائے عہد اکبری میں شاہراہ ہندو افغانستان کی حفاظت کی غرض سے خٹک قبیلہ کے ایک سردار ملک اکوڑ کو دریائے کابل کے جنوب میں خیر آباد سے نوشہرہ تک کا علاقہ دے دیا گیا تو اس قبیلہ نے حفاظت کی تمام ذمہ داریاں اٹھا لینے پر اظہار رضامندی کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی یوسف زئیوں (مندڑ) سے برائے راست کشمکش شروع ہوئی اب خٹک دریا کے جنوب کی طرف آباد تھے تو شمال کی طرف کا علاقہ مندڑ کے قبضہ میں تھا۔ چنانچہ ان میں مستقلاً جنگ و جدل کا سلسلہ شروع ہوا اور اکبر کے عہد سے شاہجہاں کے تخت نشین ہونے تک چلتا رہا۔ اس وقت تک خٹکوں کی طاقت بڑھ چکی تھی۔ قیادت بھی قابل اعتماد تھی اب انہوں نے اپنی ہستی منوانے کے لئے تگ و دو شروع کر دی اور اس علاقہ سے نکل کر کہ جو ان کے قبضہ قدرت میں تھا مزید علاقوں میں مداخلت شروع کر دی اور دریا کو عبور کرتے ہوئے اس علاقہ پر بھی قبضہ کر لیا جو دریائے سوات کے شمالی کنارے کے ساتھ دریائے سوات اور سندھ کے سنگھم کے درمیان واقع ہے اور پھر اس پر ہی قانع نہ رہے بلکہ اقدام کرتے ہوئے مردان کے شمال میں جمال گڑھی تک انہوں نے جا ڈیرے لگائے یہ مقام مندڑ علاقہ میں دل کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ یہیں سے سوات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور باجوڑ کو راستے نکلتے ہیں ادھر انہوں نے خلیل و مہمند سے کشمکش کرتے ہوئے پشاور کے علاقہ میں بھی قدم جمانے شروع کئے تو ساتھ ہی دوسری طرف کالا باغ کے علاقہ تک پہنچکر کوہاٹ کے علاقہ کے بہت سے حصہ پر قابض ہو گئے اور بنوں کی سرحد تک جا پہنچے اس کے ساتھ انہوں نے دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے پنجاب کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا لیکن سترویں صدی میں ان میں سے اکثر علاقے چھن گئے تو وہ مکھڈ اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ میں محدود ہو کر رہ گئے اور علاقہ یوسف زئی میں وہ اس وقت بولاق نامہ اور وادی لوند خوار کے نصف مغربی حصہ پر قابض دکھائی دیتے ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر

شاہجہاں کے تیسرے بیٹے نے اپنے والد کی زندگی میں ہی ابوظفر محی الدین محمد اورنگ زیب[1] عالمگیر کے نام سے ۲۱ جولائی ۱۶۵۸ء مطابق یکم ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ کو حکومت شروع کر دی۔ خاندان مغلیہ میں اورنگ زیب عالمگیر کو شہرت دوام حاصل ہوئی وہ دنیائے اسلام میں بہت ہی عزت و وقعت سے دیکھا گیا اور اس وقت تک اس کا نام خاص احترام سے لیا جاتا ہے۔ وہ عزم و ارادہ کا پکا بہادر نڈر مدبر اور قابل ترین حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے لیکن اکبر اعظم کی غلط پالیسی سے جو فضاء پیدا ہو چکی تھی وہ اس کے لئے سازگار نہ ہو سکتی تھی اس نے نہ تو ہندو عورتوں سے شادیاں ضروری خیال کیں نہ ہی مذہبی معاملات میں کسی بیرونی مداخلت کو برداشت کیا نہ ہی قیام سلطنت کے لئے اکبر کی طرح کسی جدید دین الٰہیہ کی ضرورت پیش آئی

---

[1] پیدائش اتوار ۱۰ اکتوبر ۱۶۱۹ء مطابق ۱۱ ذیقعدہ ۱۰۲۸ھ وفات جمعہ ۲۱ فروری ۱۷۰۷ء مطابق ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور نہ ہی اپنے اصولوں کو صرف قیام یا استحکام سلطنت کے لئے قربان کرنے پر رضامند ہو سکا اس نے ایک سچے مسلمان کی طرح حکومت کی تمام رعایا سے یکساں سلوک کیا غیر مسلموں کو شریعت اسلامیہ کے مطابق تمام رعایتیں عطا کیں قابلیت کی بنا پر ہندوؤں کو اپنے دربار میں بہترین عہدے دیئے[1] لیکن وہ ہندوؤں کے ہاتھ میں کھیل نہ سکا اس وجہ سے اس کے خلاف متحدہ محاذ بنا دیا گیا لیکن وہ مرد مجاہد قوت و تدبر سے حکمرانی کرتا رہا یہی نہیں بلکہ اس نے اپنی وسیع سلطنت میں پوری طرح قیام امن کی کوشش کی۔ مرہٹے اور دوسری مخالف طاقتیں اپنی تمام کوششوں میں ناکام رہیں اور پھر اس کی وفات کے بعد ہندو اور انگریز نے ایک مخالف محاذ قائم کر لیا اور اپنی تحریروں میں دنیا بھر کی برائیاں اس کے کھاتے میں لکھنے لگے اسے متعصب ظالم اور خدا جانے کیا کچھ ثابت کرنے کی سعی کی اور یہی سبق عہد انگلشیہ میں ہمارے بچوں کو پڑھایا جاتا رہا۔

اورنگ زیب عالمگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد طاقت و قوت سے ملک کے طول و عرض میں اپنا سکہ جما لیا لیکن افسوس کہ سرحدی قبائل سے جو اختلافات یا کشیدگی چلی آ رہی تھی اس میں کوئی کمی نہ آئی اگر اکبر اعظم کی غلط پالیسی کی اس کے جانشین پیروی نہ کر چکے ہوتے تو شاید نہ عالمگیر کے لئے کوئی مشکل پیش آتی نہ ان قبائلیوں کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا اور نہ ہی ہندوستان میں سلطنت اسلامیہ کی بنیاد پر اس کشمکش کا ناقابل برداشت برا اثر ہوتا یوسف زئیوں کی ناکہ بندی کا ذکر تو ہو چکا وہ سالہا سال سے اس مشکل کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی آزادانہ زندگی بسر کر رہے تھے وہ قبائل جو سوات باجوڑ یا اس کے ملحقہ علاقوں

---

[1] دیکھو اورنگ زیب عالمگیر از مولانا شبلی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں آباد ہو چکے تھے ان پر نہ تو مغلوں کا کوئی اثر تھا نہ مغلوں سے برائے راست کشمکش تھی لیکن ان قبائل میں منڈر جو میدانی علاقہ میں آباد تھے ہر وقت حکومت کی طاقت سے ٹکراتے رہتے اور دربار دہلی نے مفاہمت کی کسی سنجیدہ کوشش کی بجائے اول تو انہیں بزور بازو مطیع کر لینا چاہا لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو خود افغانوں کے ایک قبیلہ کو ان کے مدمقابل کھڑا کر دیا گیا اس طرح صلح و مفاہمت کی رہی سہی امیدیں بھی خاک میں مل گئیں۔

مغل لشکر کا اقدام

یوسف زیوں سے بلاشبہ شاہجہاں نے تعلقات بڑی حد تک استوار کر لئے تھے اور ہو سکتا تھا کہ بہاکو خان کی طرح دوسرے سرداران قبائل کو بھی حکومت کا طرفدار بنا لیا جاتا لیکن بہاکو خان کے ہزارہ کی طرف اقدام نے حالات کو پھر خراب کر دیا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہاکو خان نے ہزارہ کی طرف جو اقدام کیا تو اس کی غرض حکومت سے ٹکر لینا نہ تھی بلکہ وہ اس علاقہ کو آزاد سمجھکر اس پر اقتدار حاصل کرنے کا متمنی تھا لیکن اس علاقہ میں سردار شادمان اور دوسرے ان افسروں کی جائیداد املاک تھیں کہ جو قلعہ اٹک کی حفاظت پر معمور تھے انہوں نے لازماً حکومت کو اس طرف متوجہ کیا ادھر بہاکو خان کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے دوسرے یوسف زئی قبائل نے بھی اس طرف یورش شروع کر دی تو معاملہ طول کھینچ گیا۔

حکومت ان حرکات کو برداشت نہ کر سکی پھر اورنگ زیب عالمگیر جیسا بہادر نڈر حکمران تخت دہلی پر متمکن تھا اس نے ناکہ بندی کی بجائے لشکر کشی کا فیصلہ کیا چنانچہ اٹک کا کمانڈر فوجدار خان لشکر لے کر روانہ ہوا ادھر کابل سے بھی امداد پہنچانے کا فیصلہ ہوا اور مرکز سے بھی فوجی امداد ملنے کا پوری طرح بندوبست کر لیا گیا لیکن قبل اس کے کہ یہ تمام لشکر موقع پر پہنچیں فوجدار خان اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اپنا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لشکر لئے مقابلہ پر اتر آیا پھر جلد ہی پشاور سے راجہ مان سنگھ لشکر لئے یکم اپریل ۱۶۶۷ء کو اس سے آملا ادھر یوسف زئے بھی کیل کانئے سے لیس مقابلہ کے لئے بڑی تعداد میں تیار نظر آنے لگے شاہی لشکر نے ان کی تعداد کے پیش نظر اقدام کی ہمت نہ کی تو دریائے ہرو کے کنارے مزید امداد پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔

ہنڈ کے مقام پر جنگ

انتظار انتظار میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے حملے کا پورے ایک ماہ تک انتظار کرتے رہے بالآخر ۲ مئی کو شمشیر خان[1] کی قیادت میں کابل سے مزید شاہی لشکر آن پہنچا اب انہوں نے اقدام شروع کیا یوسف زئیوں نے بھی مورچے سنبھالے تو ہنڈ کے قریب میدان کارزار گرم ہوا جنگیں لڑی جانے لگیں فصل تباہ و برباد ہوئے آبادیاں مسمار ہوئیں۔ لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا جس پر ۴ جون کو شمشیر خان نے پوری طاقت سے بھاکو خان کے ساتھ آخری حملہ میں فتح و شکست کا فیصلہ کر لینا چاہا چنانچہ ہنڈ سے ہٹ کر اس نے پنج پیر چاند منصور اور مرغز سے چار میل دور چار دوسری آبادیوں پر قبضہ کر لیا اس تمام دوران میں شدید جنگ لڑی جاتی رہی فصل اور آبادیاں برباد ہوتی رہیں لیکن طرفین کے ارادوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ جنگ نے طول پکڑا یہ آگ دوسرے قبائل کو بھی گرمانے کا باعث بنی چنانچہ سوات سے اکوزئے ملی زئے حتے کہ تیراہ سے کچھ افریدی بھی آپہنچے اول تو شاہی لشکر کے پاؤں اکھڑنے لگے لیکن جلد ہی اس نے سنبھل کر حملہ کیا تو یوسف زئے شاہ منصور کے قریب مورچوں کو خالی چھوڑ جانے پر مجبور ہوئے جن پر ۲۸ جون ۱۶۶۷ء کو شاہی لشکر نے قبضہ کر لیا۔

---

[1] غالباً اس شمشیر خان کی ہدایت و خواہش سے فردوسی کے شاہنامہ کا نثر میں خلاصہ مرتب ہوا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شاہباز گڈھ کی بربادی

ادھر یہ جنگ ہو رہی تھی ادھر شاہی دربار سے سیاسی چالیں چلی جا رہی تھیں جنگ کے ساتھ قبائل میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش اور انعام واکرام کا لالچ بھی کام کر رہا تھا طرفین شکست ماننے کو تیار نہ تھے ہر روز روز اول نظر آ رہا تھا۔ یہ کشمکش جاری رہی روزانہ کی جنگ ایک معمول بن گیا بالآخر ۲۲ اگست کو محمد امین خان گورنر کابل تازہ دم لشکر لے کر میدان جنگ میں آنمودار ہوا۔ محمد امین خان قابل اور مدبر تھا۔ وہ فنون جنگ کے ساتھ سیاسی جوڑ توڑ بھی خوب جانتا تھا اس نے اپنی چالبازیوں سے یوسف زئیوں کی طاقت کو تقسیم کرنا شروع کر دیا اور انعام واکرام کے لالچ میں اتمان زئے کے ایک قبیلہ کو جنگ سے جدا کھڑا کر دینے میں کامیاب رہا۔ ۲۵ اگست کو اس نے لشکر کے ایک حصہ کو شہباز گڈھ کی طرف روانہ کیا تو دوسرے حصہ لشکر نے باجوڑ کی راہ لی۔ شہباز گڈھ کو برباد کر دیا گیا اور وہاں سے کوئی چھ ہزار مویشی بھی شاہی لشکر اپنے ساتھ ہانک کر لے گیا۔

باجوڑ کی طرف اقدام

باجوڑ کی طرف اقدام کرنے والے لشکر کی قیادت محمد امین خان خود کر رہا تھا اس نے سوات کے علاقہ میں داخل ہو کر کئی مقامات کو برباد کر ڈالا پھر غالباً اس ڈر سے کہیں اس کے لشکر کا حشر بھی راجہ بیربل کے لشکر کا سا نہ ہو اس نے مزید اقدام روکتے ہوئے ۶ اکتوبر کو واپس ہو جانے کا فیصلہ کیا اور لڑتا جھگڑتا پھر ہنڈ کے کرپ تک آ پہنچا اسی دوران میں اسے دربار شاہی میں حاضر ہونے کا پیغام ملا تو رخصت ہوا پورے لشکر کی کمان پھر شمشیر خان کے ہاتھ لگی اب زیادہ زور جنگ کی بجائے دوسرے ذرائع کے استعمال پر ڈالا گیا قبائلیوں کو سیم وزر اور جاہ وجلال کی لالچ دی جانے لگی خود شاہی لشکر کی طرف سے میدان کارزار سرد نظر آنے لگا تو وقتی طور یوسف زئے بھی خاموش ہو گئے اس جنگ کے دوران میں مشہور افغان تیغ زن شاعر خوشحال خان خٹک[1] شاہی لشکر میں شامل

---

[1] اورنگ زیب۔ پروفیسر سرکار

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یوسف زئیوں کے خلاف نبرد آزما تھا۔

خوشحال خان خٹک کی مخالفت

اورنگ زیب کے سامنے ایک وسیع سلطنت کا نظم ونسق تھا ہزاروں مخالفتیں تھیں۔ ہندو اور مرہٹے ہر راستہ میں کانٹے بچھا رہے تھے ان تمام مشکلات کے باوجود وہ پیکر عزم واستقلال اس کشتی کو بڑی قابلیت سے کھیتا گیا اس کی سلطنت کو شہرت دوام حاصل ہوئی اپنے وقت کا بہترین اور مخلص ترین حکمران ثابت ہوا اس کے باوجود اس رنجدہ حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شمال مغربی سرحد پر بسنے والے قبائل سے خوشگوار تعلقات پیدا نہ کئے جاسکے گو یہ حالات اورنگ زیب کے پیدا کردہ نہ تھے بلکہ اس کے پیش رو حکمرانوں کی غلط حکمت عملی کا نتیجہ تھے تاہم ان کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا سرحد ہندوستان پر مسلسل جنگ وجدل ہوتی رہی اور مخالفت کم ہونے کی بجائے دن بدن بڑھنے لگی اور قریب قریب تمام سرحدی قبائل میدان میں کود پڑے اس بدامنی پیدا کرنے میں پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خان خٹک کا بہت کچھ دخل تھا جو کسی وقت دربار مغلیہ کا قابل اعتماد افسر تھا لیکن اس نے محض اپنے ذاتی انتقام کے لئے قبائل میں لگی ہوئی آگ کو ہوا دی۔

اس وقت آفریدیوں میں امیں خان یا اکمل خان کے نام کی دھوم تھی اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی بادشاہت کا اعلان کیا بلکہ اپنے نام کا سکہ بھی جاری کردیا اور شاہی لشکر کو جو گورنر محمد امین خان کی قیادت میں کابل سے پشاور آرہا تھا راستہ میں غریب خانہ کے قریب ۶ مئی ۱۶۷۲ء کو تہ تیغ کر ڈالا محمد امین بمشکل جان بچا سکا اندازاً چھ ہزار شاہی لشکر کے افراد مارے گئے ان کا مال واسباب قبائلیوں کے ہاتھ لگا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانی سر سے گزر چکا تھا حالات یونہی چلتے رہے۔

۱؎ کنگڈم آف افغانستان۔ ٹیسٹ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اورنگ زیب نے یکے بعد دیگرے کابل کے گورنروں کو تبدیل کیا پشاور کے نظامی افسروں میں ردوبدل ہوا بالآخر جب اس نے شجاعت خان کی قیادت میں لشکر روانہ کیا اور اس لشکر کو بھی قبائلیوں نے ۱۶۷۴ء میں تتر بتر کر دیا۔

اورنگ زیب کی آمد

ان حالات میں اورنگ زیب نے یہی فیصلہ کیا کہ خود موقع پر پہنچکر موقع و محل کے لحاظ سے اقدام کرے چنانچہ وہ ۱۰ اپریل ۱۶۷۴ء کو دہلی سے روانہ ہوکر ۲۶ جون ۱۶۷۴ء کو سرحد کے قریب حسن ابدال (پنجاب) میں جا مقیم ہوا اور لشکر کو اپنی نگرانی میں لے کر مختلف اطراف میں اقدامات کرنے کے احکام جاری کرتا رہا مختلف اطراف میں جنگ و جدل کے میدان گرم نظر آتے رہے اور اسے طویل عرصہ تک اس علاقہ میں مقیم رہنا پڑا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جون ۱۶۷۵ء میں مکرم خان[1] لشکر کثیر لیے باجوڑ کے علاقہ تک جا پہنچا قتل و خونریزی ہوتی رہی طرفین اپنی اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے رہے اگر شاہی لشکر کو اپنی تعداد اور ساز و سامان پر ناز تھا تو قبائلی اپنے طریقہ جنگ پر فخر کر رہے تھے۔ بالآخر قبائلیوں کی چال کامیاب رہی۔ مکرم خان سالار لشکر نے دھوکہ کھایا قبائلیوں نے اپنے تعاقب میں اسے ایسا پھنسایا کہ پھر اس جال سے نکلنا اس کے لئے مشکل ہوگیا بھاگنے کو راستہ نہ مل سکا۔ کافی تعداد میں شاہی لشکر کے افراد مارے گئے خود مکرم خان کا بھائی شمشیر خان اور اس کے بہنوئی میر عزیز اللہ خان بھی اس جنگ میں کام آئے۔ البتہ مکرم خان جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا۔

مختصر یہ کہ اورنگ زیب خود اس علاقہ سرحد میں مقیم ہوکر طاقت اور دماغ دونوں کو کام میں لاتا رہا جنگ کے ساتھ سیاسی جوڑ توڑ بھی ہوتے رہے کئی قبائل اور سرداران قبائل کو شاہی حمایت پر رضامند کر لیا گیا بہت سے مخالف طرفداری کرنے لگے انعام و اکرام کی بارش بھی ہوئی اور طاقت کا مظاہرہ بھی۔ کتنوں کو جاگیریں

[1] عہد اورنگ زیب میں وہ نواب مکرم خان کے نام سے ملتان کا گورنر بھی رہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ملیں اور کتنوں کو مغل لشکر میں عزت و احترام کے عہدے ملے۔ اس کے ساتھ حفاظت سڑک کے نام سے چھ لاکھ روپے بھی نچھاور کئے گئے[1]۔ ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر اپنے حصول مقاصد میں بڑی حد تک کامیاب رہا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود ابتدائی ہنگامہ آرائی کے قائد بہا کو خان کا لڑکا خود اس کے سامنے حاضر ہو کر اظہار وفاداری کرنے لگا[2]۔ اورنگ زیب کے سب سے شدید مخالف خوشحال خان خٹک کا لڑکا شاہی کیمپ میں دکھائی دینے لگا یہی نہیں بلکہ اس کے کئی متعلقین وفاداری کا دم بھرتے نظر آئے۔

اورنگ زیب کی واپسی

اورنگ زیب کی مرکز سے غیر حاضری اور آزمودہ لشکر کے سرحدی علاقوں میں مصروف جنگ ہو جانے کی وجہ سے مرہٹوں کو اپنی طاقت جمع کرنے کا زرین موقعہ مل گیا انہوں نے ہر ممکن طریقہ سے اس مغل چراغ کو گل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں جس وجہ سے اورنگ زیب کے لئے واپس لوٹ جانا ناگزیر تھا وہ اس عرصہ میں سرحدی سرکشی کا بڑی حد تک قلع قمع کر چکا تھا۔ یوسف زئے خاموش ہو چکے تھے دوسرے قبائل میں بھی وہ پہلی سی سکت باقی نہ تھی۔ افریدی بھی آمادہ بہ صلح ہوئے ان حالات میں اورنگ زیب واپس لوٹا تو ۲۷ مارچ ۱۶۷۶ء کو دہلی جا پہنچا۔ لشکر کی قیادت بادشاہ کی نمائندگی شہزادہ اکبر کے سپرد ہوئی اور پھر جلد ہی سرحدی علاقہ کی یہ آگ سرد پڑ گئی۔ محمد امین خان گورنر افغانستان (۱۶۷۷ء تا ۱۶۹۸ء) اورنگ زیب کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے صلح و صلاحیت کی حکمت عملی پر گامزن رہا۔ محمد امین خان کو اپنے وقت کا بہترین گورنر خیال کیا جاتا ہے اور تاریخ کے ایک مشہور مورخ اس کی اہلیہ "صاحب جان" کو جو علی مردان

---

[1] مغل رول ان انڈیا۔ ایس آر شرما۔ [2] معلوم ہوتا ہے کہ بہا کو خان اس سے قبل وفات پا چکا تھا دربار مغلیہ سے بہا کو خان کی اولاد کو پشت در پشت جاگیریں ملتی رہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خان کی لڑکی تھی بہترین مشیر خیال کرتا ہے[1]۔ اس دوران میں اورنگ زیب نے قبائلیوں کو حفاظت راہ کے نام سے چھ لاکھ روپے عطا کئے تھے[2]۔

خوشحال خان خٹک[3]

سطور بالا میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ سرحد پر جس ہنگامہ آرائی نے اورنگ زیب عالمگیر کو اس طرف آکر حسن ابدال میں مقیم ہونے پر مجبور کیا تھا اس میں خوشحال خان خٹک کو بھی دخل تھا دربار مغلیہ کے خلاف نفرت پیدا کرنے اور قبائلیوں کو حکومت کے خلاف نبرد آزما کرانے کے لئے اس نے کوئی کسر باقی رہنے نہ دی تھی اس نے سرحدی علاقہ میں گشت کرتے ہوئے مخالفت کو ہوا دی اور جہاں مخالفت موجود نہ تھی وہاں اس کے پیدا کرنے کو ماحول بنایا مختصر یہ کہ وہ ہمہ تن مخالفتِ حکومت میں مصروف ہو چکا تھا۔

خوشحال خان نہ صرف یہ کہ خود خاندان مغلیہ کا وفادار تھا بلکہ اس کی وفاداری پشتنی تھی اس کے پردادا ملک اکوڑ کو عہد اکبر میں حفاظت راہ کے نام سے وقعت حاصل ہوئی تو اس کے دادا یحییٰ خان اور باپ شاہباز خان نے بھی پوری وفاداری سے خاندان مغلیہ کا ساتھ دیا اور جب قبیلہ خٹک کی سرداری خوشحال خان کو تفویض ہوئی تو وہ بھی پوری وفاداری سے دربار مغلیہ کے لئے اپنی جان وقف کئے خدمات سرانجام دیتا رہا اور اس کی وفاداری کا اندازہ اس کے اس شعر سے کیا جا سکتا ہے کہ:

میرا تو خیال تھا کہ مغلوں کی نوکری میں اپنے گھوڑے کی رکابیں سونے کی
اور اس کے نعل چاندی کے بنواؤں گا[4]

اور تسلیم کرتا ہے کہ وہ مغلوں کا نمک پروردہ تھا[5]۔

---

[1] ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا۔ موجمدار۔ [2] مغل رول ان انڈیا ایس آر شرما۔ (۱۹۴۰) [3] پیدائش جون ۱۶۱۳ء وفات ۲۰ فروری ۱۶۸۹ء مطابق جمعہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۱۰۰ھ

[4] ما وے زہ بہ د مغل پہ نوکری کښ — رکیبونہ کیم د سرو د سپینو نال

[5] پرورده که د مغلو په نمک یم۔ (خوشحال خان)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مذکورہ ذاتی اور پشتنی وفاداری کے باوجود وہ درباریوں کی سازشوں کا شکار ہوا اورنگ زیب کے دل میں شکوک پیدا کئے گئے جن کے راستہ میں وہ کانٹا بن چکا تھا انہوں نے اسے اپنے راستے سے جدا کر دیا تا آنکہ بلا کسی قصور دکھائے یا الزام لگائے اسے پشاور میں گرفتار کر لیا گیا اور یہی نہیں بلکہ پابجولاں دہلی بھیجدیا گیا اور پھر مختلف مقامات پر قید و بند کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوا اسے شکایت رہی کہ جس خاندان کی وہ پشتوں سے وفاداری کا دم بھر رہا تھا اس کے افراد نے اس قید و بند کے دوران میں نہ تو کسی وقت حقیقت حال دریافت کی اور نہ ہی کسی الزام کی نوعیت سے اسے آگاہ کیا بالآخر جب قید و بند سے رہائی ملی تو اسے پھر حسب سابق سرکاری ملازمت میں لے لیا گیا اسے پھر یوسف زئیوں کے علاقہ پر حاکم یا گورنر مقرر کیا گیا اس نے گڑھی کپور میں قیام کیا اس وقت اس کی عظمت و طاقت کا اندازہ اس کے اس شعر سے لگائیے جس میں وہ کہتا ہے کہ :

ایک ہی ذات کے بیس ہزار جوان یکتا ہر وقت میری خدمت میں کمربستہ سر جھکائے رہتے ہیں[1]

بلاشبہ دربار مغلیہ کا یہ اقدام کہ اس نے خوشحال خان کی وفاداری کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے بلا الزام دکھائے قید و بند میں ڈالا جائز و درست نہ تھا لیکن اس کے ساتھ مندرجہ بالا شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب اس کی بیگناہی آشکارا ہو چکی تو اسے حسب سابق عزت و احترام سے دیکھا گیا۔ حکومت اس پر بھروسہ کرنے لگی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اورنگ زیب عالمگیر جیسا طاقتور اور مدبر حکمران اسے بیس ہزار اور وہ بھی خوشحال خان کی قوم کے بیس ہزار افراد کی قیادت کبھی نہ سونپتا برخلاف ازیں معلوم ہوتا ہے کہ خوشحال خان کے دل میں دربار مغلیہ کی نفرت جاگزیں ہو چکی تھی وہ قابل بھروسہ قرار دیئے جانے کے باوجود بدلہ لینے کی فکر میں رہا اس نے اس مخالفت کی آبیاری

---

[1] راشل زرہ خوانان لرم ھمہ لہ یوہ ذاتہ دا مرہ یکانہ شاپہ خدمت کښ راتلہ خم

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی اور موقع و محل کی تلاش میں ہو بیٹھا اور جب کوٹ میں قلعہ تعمیر ہونے لگا تو اس نے یوسف زئیوں کی حمایت میں اس کی مخالفت کی حالانکہ دربار مغلیہ کے اشارہ پر اس کے اجداد اور وہ خود ہمیشہ یوسف زئیوں کے خلاف نبرد آزما رہا تھا اور جب شنوائی نہ ہوئی تو علانیہ مخالفت پر اتر آیا اور مخالفین حکومت کی ہمنوائی کرنے لگا۔

مندرجہ حالات سے ظاہر تھا کہ خوشحال خان نہ تو کسی قومی جذبہ کے تحت مغلوں کے خلاف نبرد آزما ہوا نہ ہی کسی ملی ضرورت نے اسے اس مخالفت پر آمادہ کیا اور نہ ہی مغلوں کو وطن سے نکالنے کی خواہش اس کی رہنمائی کر رہی تھی وہ اور اس کے اجداد خاندان مغلیہ کے وفادار رہ چکے تھے اب جو جذبات ابھرے تو اس کی وجہ ایک اور صرف یہی ایک تھی کہ مغلوں سے بدلہ لیا جائے ذاتی انتقام لینے کی خواہش کی آبیاری کی جانے لگی دران حالات میں اسے خیال پیدا ہوا کہ اگر یوسف زئے اس کی حمایت پر کمربستہ ہو جائیں تو پھر کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی اسی خواہش و جذبہ سے اس نے یوسف زئی علاقہ کا چکر لگایا یوسف زئیوں کو آمادہ بہ امداد کرنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی حتیٰ کہ سوات تک کے علاقہ کا سفر کیا تو واپسی پر مایوسی کے عالم میں مثنوی سوات نامہ لکھکر باشندگان سوات کو انہی خواہشاتِ حصول جلب جاہ و جلال کا مجرم ٹھہرایا کہ جس پر وہ خود برسوں عمل پیرا رہ چکا تھا۔

اس نے اپنی ذاتی مخالفت اور جذبۂ انتقام کو قومی مخالفت کا رنگ دے کر قبائلیوں کو دربار مغلیہ کے خلاف ابھارا ہزاروں جانیں بلا کسی مقصد کے قربان کرا دی گئیں ملکی اور غیر ملکی مسئلہ کو سامنے لاکر مغلوں کے خلاف نفرت پیدا کی گئی نتیجہ یہ کہ شاہی لشکر کے تعداد کثیر ہندوستان کی سرزمین کو چھوڑ کر صوبہ سرحد کی طرف کوچ کر آنے سے مرہٹوں کو ایک اسلامی سلطنت کو کمزور کرنے کا موقع ملا انہوں نے دل کھول کر اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ ملت افاغنہ کو تو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خوشحال خان کی پیدا کردہ یا پیدا شدہ مخالفت کو ہوا دینے سے تو کوئی فائدہ نہ پہنچا البتہ مرہٹہ سردار نے اپنے دشمن کے لشکر کی تقسیم کے موقع سے فائدہ اٹھایا تو گولکنڈہ سے کرناٹک اور پھر واپسی میں میسور اور بیجاپور سے رائے گڑھ تک دسمبر ۱۶۷۵ء کے بعد پندرہ ماہ تک اپنی کامیابی کا پرچم لہراتا[1]

بلاشبہ ان سرحدی جنگوں کی تمام تر ذمہ داری خوشحال خان خٹک کے سر نہیں ڈالی جاسکتی اس میں افریدی پیش پیش تھے اور ہو سکتا ہے کہ ان کے پیش نظر پٹھانوں کو مغلوں کی غلامی سے نجات دلانا ہو یا متوقع طوق غلامی پہنائے جانے کی روک تھام ہو لیکن اس سے انکار نہیں کہ اس ہنگامہ آرائی میں خوشحال خان خٹک کے جوش و خروش نے یقیناً جلتی آگ پر تیل کا کام کیا تھا۔

---

[1] اورنگ زیب۔ پروفیسر جے ایں سرکار۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

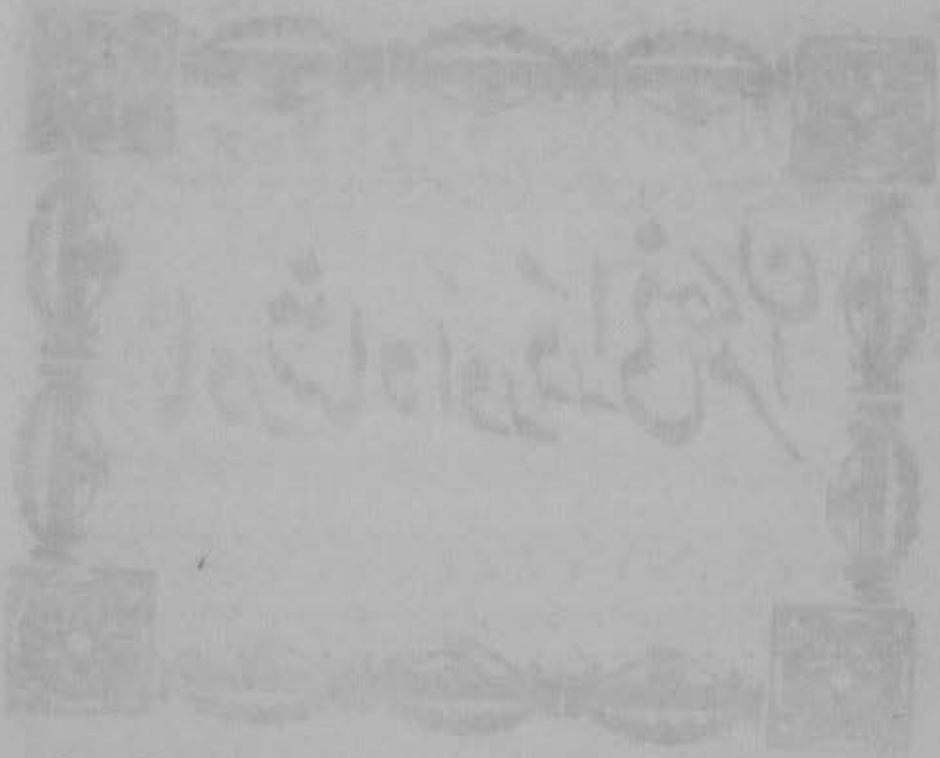

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نادر شاہ اور درانی حکمران

یہ ایک قابل ذکر حقیقت ہے کہ سرحدی قبائل مختلف خاندانوں کے دور حکومت کی تبدیلیوں کے باوجود۔ خواہ ان کا تعلق کابل سے رہا ہو یا پنجاب سے اپنی آزادی کو اس وقت تک برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ (کرنل مالیسن)

نادر شاہ[1] اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغل حکومت کمزور ہونا شروع ہوئی۔ اس کے جانشین حصول اقتدار کے لئے آپس میں دست و گریباں ہونے لگے۔ جہاں کسی گورنر کو موقع ملا اس نے اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ جہاں جسے طاقت ملی اس نے اپنی جدا حکومت قائم کرنے کی فکر کی ادھر مرہٹے پورے زور سے اس حکومت کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ شاہی خاندان میں کوئی ایسا مدبر یا قابل فرد پیدا نہ ہوا جو

---

[1] ہسٹری آف افغانستان۔ کرنل جے بی مالیسن ۲ پیدائش خراسان ۱۶۸۷ء وفات شب الوار ۱۹ جون ۱۷۴۷ء مطابق ۱۰ جمادی الثانی ۱۱۶۰ھ (دفن در مشہد ایران)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اپنے اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تمام مصائب و آلام سے عہدہ برآ ہونے کی سعی کرتا نتیجہ یہ کہ سلطنت انتہائی کمزور دکھائی دینے لگی۔ اور جہاں جہاں سیادت باقی رہی بھی تو برائے نام ہی رہی۔ جب خود مرکز کمزور ہو چکا ہو تو دور دراز علاقوں اور سرحدوں کی حالت کا اندازہ لگا لینا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ انہی حالات میں محمد شاہ[1] کے عہد حکومت میں ناصر خان نامی ایک شخص کو ۱۷۱۹ء میں پشاور کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اسے اپنی طاقت و قوت معلوم تھی وہ جانتا تھا کہ مرکز میں کوئی سکت باقی نہ تھی ایسی حالت میں قبائل سے بگاڑ خود اسکی خودکشی کے مترادف ہوتا اس نے عقل و تدبر سے کام لیتے ہوئے افغان یا پٹھانوں سے ایسا سلوک کیا کہ جلد ہی ان میں ہر دلعزیز دکھائی دینے لگا۔

ناصر خان کو نادرشاہ کے عزائم کا پتہ چل چکا تھا اس نے مرکز کو بار بار اس خط کی طرف متوجہ کیا لیکن کچھ عدم تدبر اور کچھ اپنی کمزوری کی وجہ سے مرکزی حکومت مغلیہ اس طرف متوجہ نہ ہو سکی یا اسے اپنی بے بسی نے مجبور کر رکھا تھا اس دوران میں نادرشاہ ۱۷۳۸ء میں پشاور آ پہنچا۔ ناصر خان نے تاب مقابلہ نہ لاتے ہوئے اطاعت قبول کر اور اپنے تدبر سے نادرشاہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ چنانچہ جب نادرشاہ دہلی کو فتح کرنے کے بعد واپس لوٹا اور اس نے سلطنت مغلیہ دوبارہ محمد شاہ کو سونپ دی تو صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ کو دہلی سے جدا کرتے ہوئے افغانستان کے ساتھ ملا دیا اس طرح ۳۹ میں دریائے سندھ پار کے سرحدی علاقہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مغل سیادت کا خاتمہ ہوا۔

---

[1] محمد شاہ ولد جہاندار شاہ پیدائش بروز جمعہ ۷ اگست ۱۷۰۲ء مطابق ۲۴ ربیع الاول ۱۱۱۴ھ تخت نشین ۲۹ ستمبر ۱۷۱۹ء مطابق ۲۵ ذیقعد ۱۱۳۱ھ وفات جمعرات ۱۶ اپریل ۱۷۴۸ء مطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ مدفن نزد درگاہ نظام الدین او

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دہلی سے واپسی پر نادر شاہ نے ناصر خان کو اس کی وفاداری کے صلہ میں پشاور اور کابل دونوں جگہ کا گورنر مقرر کر دیا اس کی پالیسی صلح کل تھی اس وجہ سے قبائلیوں میں ہر دلعزیز رہا۔ پہاڑی علاقوں میں بسنے والے یوسف زئے افریدی مہمند اورکزئی وغیرہ تو کلیتہً آزاد رہے ان سے کوئی تعارض نہ کیا گیا البتہ اس نے میدانی علاقوں میں بسنے والوں سے واجبات حکومت (مالیہ وغیرہ) وصول کرنے کے لئے خود ان قبائل کے سرداروں کو ہی مقرر کر دیا نتیجہ یہ کہ یہ سرداران قبائل خود انعام واکرام کے لالچ میں اپنے فرائض ادا کرتے رہے اور اس سلسلہ میں انہیں وقتاً فوقتاً جاگیریں عطا ہوتی رہیں یہ طریقہ کار نادر شاہ کی وفات ۱۷۴۷ء تک جاری رہا جس کے بعد حالات نے نیا رنگ اختیار کیا تو درانی خاندان منظر عام پر نظر آنے لگا۔

احمد شاہ درانیؒ

نادر شاہ کی وفات پر وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ درانی یا ابدالی نے قندھار میں افغانستان یا پٹھانوں کی اپنی حکومت قائم کر لی اس وقت کابل میں نادر شاہ کا مقرر کردہ گورنر ناصر خان فرائض حکومت انجام دے رہا تھا۔ وہ احمد شاہ کی اطاعت سے انکار کرتے ہوئے مقابلہ پر اترا آیا لیکن شکست کھا کر پشاور کی طرف بھاگ نکلا اسے خیال تھا کہ پشاور میں وہ لشکر جمع کر کے دوبارہ حملہ کرنے کا بندوبست کر سکے گا لیکن خلاف توقع اس جگہ کے باشندے بھی اس کے خلاف صف آراء نظر آئے جس پر مایوس ہو کر اس نے پنجاب کی راہ لی تو جلد ہی احمد شاہ بھی اپنی طاقت و قوت کو یکجا کرتے ہوئے پنجاب کو فتح کرنے کے لئے اقدام کرتے دکھائی دیا

۱؎ احمد شاہ ابدالی ہرات کے علاقہ میں پیدا ہوا بچپن ہی میں نادر شاہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا لیکن اپنی قابلیت سے نادر شاہ کا محبوب بنا ابتداءً شاہ کے چوبدار کی حیثیت حاصل ہوئی تو پھر فوج میں اعلیٰ اعزاز حاصل کیا نادر شاہ کے قتل ہو جانے پر اس نے قندھار پر قبضہ کرنے کے ساتھ اس خزانہ پر بھی قبضہ کر لیا جو کابل اور سندھ سے نادر شاہ کیلئے بھیجا گیا تھا پھر کابل اور پشاور پر قبضہ کرنیکے بعد ہندوستان پر کئی حملے کئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

احمد شاہ درانی نے قبائل میں جلد ہر دلعزیزی حاصل کرلی افغان یا پٹھان اسے اپنا قومی حکمران خیال کرتے ہوئے اس کی امداد و اعانت کرنے لگے لیکن اس کے ساتھ اکثر قبائل نے امداد کی عملی پیش کش کے باوجود اس کی اطاعت قبول نہ کی اور آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے میدانی علاقہ کے یوسف زئیوں نے اپنے سرداروں کے توسط سے محصولات ادا کئے لیکن پہاڑیوں میں رہنے والے اس پر رضامند نہ ہو سکے تو کئی دفعہ ان کے خلاف لشکر کشی کی گئی یہ معرکہ آرائی سرحدات تک محدود رہی۔ سرحدی آبادیاں پریشان ہوئیں لیکن اندرون ملک سوات وغیرہ کی طرف عملاً کوئی اقدام نہ کیا گیا تھا۔

احمد شاہ کے دور حکومت میں قیام امن کا بہترین طریقہ پر انتظام کیا گیا تھا۔ پشاور کے علاقہ میں جدید عمارتیں تعمیر ہوئیں کئی قابل ذکر مشہور خاندان یہاں آکر آباد ہوئے۔ باغات لگائے گئے اور ملک فلاح و ترقی کی طرف گامزن نظر آنے لگا احمد شاہ درانی نے جنوری ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے مقام پر مغل تاجدار دہلی کے لشکر کو شکست دی لیکن بعد میں سلطنت ہندوستان کے مغل حکمران کو جو اس وقت بنگال میں تھا پھر یہ فتح شدہ سلطنت بخش دی اور خود واپس لوٹ گیا اور ۲۶ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۷۲ء مطابق ۱۱۸۲ھ میں اس نے وفات پائی اس وقت اس کی عمر پچاس سال بیان کی جاتی ہے۔

تیمور شاہ

احمد شاہ درانی کی وفات پر اس کے بیٹے تیمور شاہ نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی وہ وقت کا زیادہ تر حصہ پشاور میں شاہی شان و شوکت سے گزارنے لگا اس نے قبائلیوں سے خوش گوار تعلقات قائم رکھنے کی کوشش جاری رکھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر پنجاب اور دوسرے علاقوں پر اپنا اقتدار قائم رکھنا چاہتا تھا لیکن خانگی جھگڑوں اور رقابتوں نے اس کے یہ عزائم پورے نہ ہونے دیئے تاہم اس نے سندھ کے علاقہ میں اپنا اقتدار قائم کرلیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہاں کی بغاوت کا سدباب ہوا اور بھنگیوں کو جنہوں نے احمد شاہ کی زندگی میں ہی ملتان پر قبضہ کر لیا تھا اس علاقہ سے مار باہر نکالا۔ حالات یونہی گزرتے رہے تا آنکہ ۱۷۹۹ء میں اس نے پنجاب کی طرف اقدام کا ارادہ کرتے ہوئے تیاری شروع کر دی تھی۔

اس دوران میں اسے تاج و تخت سے محروم کرنے کے لئے سازش ہوئی چنانچہ مذکورہ لشکر کے ایک حصہ نے خود شاہی قیام گاہ پر حملہ کر دیا لیکن تیمور نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اپنی جان بچا لی بلکہ اپنے اقتدار پر بھی آنچ آنے نہ دی حضرت میاں عمر صاحب کوکہ جو اس وقت اپنے علم اور زہد و تقویٰ کے لئے شہرت عام رکھتے تھے اس سازش میں شریک بتایا گیا جس وجہ سے وہ پشاور سے نکل کر سوات اور بونیر کے درمیان پہاڑیوں میں جا مقیم ہوئے تو وہ جگہ "امان کوٹ" کے نام سے مشہور ہوئی حضرت میاں عمر صاحب کے اثر و رسوخ کی وجہ سے تیمور ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کر سکا تو وہ واپس لوٹ آئے یہیں وفات پائی پشاور شہر سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر موضع چمکنی میں ان کا مزار تعمیر ہوا۔

یوسف زئیوں کے میدانی علاقہ پر برائے نام اقتدار قائم رہا اور خود اس قبیلہ کے سرداروں کے ذریعہ مالیہ وصول کیا جاتا رہا اور اس وقت ایسی رقومات وصول کرنے والوں میں موضع ہوتی کے خادی خان اور شاہ ولی خان دو ملکوں یا سرداروں کے نام بھی دکھائی دیتے ہیں تیمور نے ۱۷۹۳ء میں وفات پائی۔[1]

تیمور شاہ کے بعد تیمور شاہ کی وفات پر اس کے بیٹے حصول اقتدار کے لئے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ رسہ کشی شروع ہوئی تو شاہ محمود

---

[1] تیمور کے سات بیٹے تھے۔ ہمایوں۔ شاہ محمود۔ شاہ زمان شہزادہ عباس۔ شاہ شجاع الملک شاہ پور فیروز الدین۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور شاہ زمان آپس میں جنگ لڑتے دکھائی دئے شاہ شجاع نے جو اس وقت پشاور میں تھا وہیں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا لیکن جلد ہی اپنے بھائی کے ہاتھوں شکست کھائی آدمی باہمت تھا بار بار عنان سلطنت سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا لیکن کسی وقت بھی قسمت نے یاوری نہ کی ہر دفعہ شکست کھائی شروع ۱۸۰۹ء میں پشاور پر پھر ایک دفعہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا ہی تھا کہ مار بھگایا گیا لیکن جلد ہی دوبارہ قابض ہو گیا اس وقت تک انگریز بھی افغانستان کی طرف دیکھنا شروع ہو چکے تھے گو راستہ میں خالصہ دربار حائل تھا پھر بھی انگریز کی وسعت نظر نے اسے افغانستان سے نکل کر سرحد روس تک کا جائزہ لینے پر مجبور کیا چنانچہ انہی ایام میں افغانستان جانے کے لئے سٹورٹ الفنسٹن کی زیر قیادت ایک انگریز وفد نے باریابی حاصل کی اس کی خاطر مدارات ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی شاہ شجاع کی حکومت کا پھر خاتمہ ہوا الفنسٹن کابل کی بجائے پھر ہندوستان لوٹ جانے پر مجبور ہو گیا شاہ شجاع مسلسل کوششیں کرتا رہا بالآخر کلیتہً مایوس ہو کر اس نے دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے کشمیر کی راہ لی اس راستہ میں بھی ہزاروں مصائب کا شکار ہوا جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں اور بالآخر ۱۸۱۵ء میں مجسمہ مایوسی بنا انگریزوں کے زیر سایہ لدھیانہ میں مقیم ہو کر پناہ گزین کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگا۔

مندرجہ حالات سے ظاہر ہے کہ پشاور کے علاقہ میں قیام امن کی کوئی صورت نہ تھی کوئی نظام قائم نہ رہ سکتا تھا پھر خود افغانستان میں تخت حکومت مابین النزاع تھا وہاں کے شاہی خاندان کو صرف علاقہ ہرات پر قناعت کرنا پڑی تو دوسرے علاقے دوسرے با اثر سرداران قبائل کے ہاتھ لگے۔ کابل میں محمد عظیم خان عنان سلطنت سنبھالے دکھائی دینے لگا تو پشاور کا علاقہ بارک زئی قبیلہ کے چار بھائیوں نے قبضہ کر لیا۔[1]

---

[1] سردار یار محمد خان۔ سردار سلطان محمد خان۔ سردار سید محمد خان۔ سردار پیر محمد خان جو سرفراز خان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ان سرداروں نے پشاور۔ دوآبہ وغیرہ کے علاقہ پر کچھ نو اقتدار حاصل کر لیا تھا لیکن افریدی وقت کا ساتھ دیتے رہے ادھر میدانی علاقہ کے یوسف زئی بھی کسی مالیہ کی ادائیگی پر تیار نہ تھے گو اس علاقہ پر اندازاً ایک لاکھ روپیہ سالانہ محصولات عائد کر دیئے گئے تھے لیکن وہ رقم بمشکل ہی کبھی وصول کی جا سکی رہے وہ یوسف زئی جو پہاڑی علاقوں میں مقیم تھے مثلاً سوات بونیر وغیرہ تو ان پر درانی حکومت کا سایہ بھی نہ پڑ سکا وہ حسب سابق آزاد رہے اور اس تمام کشمکش کا ان پر کسی طرح اثر نہ تھا اگرچہ درانی اپنے آپ کو ان علاقوں کا حکمران سمجھتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ:

> تاریخ کے کسی دور میں حتیٰ کہ عہد اکبر یا اورنگ زیب میں بھی اور درانیوں کا تو ذکر ہی کیا یوسف زئے کسی حکومت کے تابع فرماں نہیں رہے۔

(حضرت میاں گل عبدالودود بانی ریاست سوات)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یوسف زئی اور خالصہ دربار

اگر احمد شاہ ابدالی کی وفات پر کابل میں کوئی مضبوط حکومت قائم ہو جاتی یا زمان شاہ کے بعد ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے جو ۱۸۰۳ء میں موجود تھے تو پنجاب پر رنجیت سنگھ کے اقتدار کو روک دیا گیا ہوتا۔

(روشن لال چوپڑہ)

سکھوں کی یلغار

گزشتہ سطور میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ افغانستان میں "بادشاہ گری" کا دور دورہ تھا حصول اقتدار کے لئے کشمکش ہو رہی تھی بھائی کے خون کا بھائی پیاسا نظر آ رہا تھا ان حالات میں شاہ محمود نے عنان سلطنت سنبھالی تو فتح محمد خان بارک زئے جیسا مدبر اسے مل گیا۔ فتح محمد خان نے حالات پر قابو پا لیا شاہ محمود تو برائے نام حکمران تھا حقیقی طاقت فتح محمد خان کے ہاتھ میں تھی شاہی خاندان کے دوسرے افراد اسے برداشت نہ کر سکے تو ۱۸۱۸ء میں شاہ محمود کے بیٹے کامران نے اسے قتل کر دیا۔ فتح محمد خان کا بھائی محمد عظیم خان اس وقت کشمیر میں مقیم تھا اطلاع ملتے ہی کابل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پہنچا اور اپنے تدبر اور اثر و رسوخ سے اس نے حالات پر قابو پالیا جس وقت ۱۸۱۴ء میں سکھوں نے دریائے سندھ کے کنارے اٹک کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اس وقت افغانستان کے شاہی خاندان میں اختلافات زوروں پر تھے۔ شاہی خاندان میں قتل و خونریزی ہو رہی تھی سکھوں نے موقع کو غنیمت جانا تو ۱۸۱۸ء میں اچانک اقدام کرتے ہوئے جمرود کی پہاڑیوں تک کے میدانی علاقہ کو روند ڈالا لیکن زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکے اور واپس لوٹ گئے۔ محمد عظیم خان اپنے ملکی معاملات میں پھنس چکا تھا اس کے ساتھ ہی مشرق کی طرف سے سکھوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار نے بھی پریشان کیا خصوصاً ان حالات میں کہ خود شاہی خاندان کے افراد کا سکھوں سے اتحاد عمل کر لینے کا خطرہ دامنگیر تھا۔ بہ ایں ہمہ اس نے سکھوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کے ارادہ سے ۱۸۲۳ء میں اقدام شروع کیا پشاور تک جا پہنچا۔

سکھوں کی طاقت بھی اس وقت عروج پر تھی وہ پہلے سے اس علاقہ پر اپنی سلطنت قائم کر لینے کی فکر میں تھے چنانچہ پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر سکھ لشکر دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے نوشہرہ کے قریب آپہنچا رنجیت سنگھ خود اس لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ عظیم خان کی دعوت پر اس وقت دوسرے قبائل تو شریک جنگ نہ ہو سکے لیکن خٹک اور یوسف زئے میدان میں کود پڑے اور انہوں نے عظیم خان کے بھائی سمند خان کی قیادت میں دریائے کابل کے شمال کی طرف میدان میں قدم جما لئے ادھر محمد عظیم خان اپنا لشکر لئے میدان جنگ میں آپہنچا سکھوں کا لشکر بہت بڑی تعداد میں مصروف جنگ تھا افغان دو حصوں میں بٹ گئے ایک سمند خان کی قیادت میں دوسرا محمد عظیم خان کے زیر کمان دونوں کے درمیان دریائے کابل حائل ہو گیا اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کی امداد و اعانت کے قابل نہ تھے اس حالت میں بھی افغان یا پٹھان اس شدت سے مصروف جنگ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوئے کہ ایک ہندو مصنف کو لکھنا پڑا کہ:

افغانوں نے کمال بہادری سے جنگ لڑتے ہوئے سکھوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے کہ ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔[1]

لیکن رنجیت سنگھ نے یہ حالت دیکھی تو لشکر کا علم اٹھائے خود حملہ آور ہو گیا جس پر سکھوں کے حوصلے بڑھے انہوں نے پھر شدت سے حملہ کیا تو اپنی کثرت تعداد اور فوجی نظام کی وجہ سے کامیاب رہے اس جنگ میں یوسف زئیوں کی بہادری کا مورخین نے خاص طور ذکر کیا اور بتایا کہ شام کے قریب آخری حملہ میں دو سو یوسف زئی مجاہدین نے اس جرات و دلیری سے جنگ کی جس کی مثال مشکل سے ملے گی اور جس میں وہ ایک ایک کر کے سب ہی مارے گئے تھے۔[2]

اس جنگ میں سکھوں کا مشہور جرنیل پھولا سنگھ مارا گیا۔ رنجیت سنگھ نے پشاور تک یلغار جاری رکھی تاخت و تاراج کی پالیسی پر عمل ہوا پشاور شہر کی عمارتوں کو توڑا پھوڑا گیا اب افریدیوں نے جو سکھوں کے لشکر کو اپنی پہاڑیوں کے قریب دیکھا تو فکر دامنگیر ہوئی انہوں نے ایک رات دریائے باڑہ کا بند توڑ دیا جس کے نتیجہ میں سکھ لشکر کو سخت پریشانی و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ افریدی ان کا مال و اسباب لوٹ کر لے گئے رنجیت سنگھ ان حالات سے سخت دل برداشتہ ہوا تو افغانستان کے بارک زئے خاندان کے چار سرداروں کو جو اس وقت پشاور میں تھے اس شرط پر اقتدار قائم رکھنے کی اجازت دیدی کہ وہ سالانہ خراج ادا کرتے رہیں۔ اگرچہ یہ خراج کسی وقت بھی سکھ لشکر کی امداد کے بغیر وصول نہ کیا جا سکا۔

---

[1] پنجاب ایز اے سادرن سٹیٹ۔ گلشن لال چوپڑہ۔ [2] یہ جنگ نوشہرہ میں موضع پیر سباق کے قریب لڑی گئی تھی جہاں اس کی یاد میں سکھوں نے ایک گوردوارہ تعمیر کیا تھا جو اس وقت تک موجود ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سکھ درانی اتحاد

ظاہر کیا جا چکا ہے کہ کس طرح سردار فتح محمد خان کے کابل میں قتل کر دئے جانے پر افغانستان میں حصول اقتدار کے لئے دعویداران اقتدار میں باہمی رسہ کشی شروع ہوئی اور کس طرح سکھوں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرزمین سرحد کو روند ڈالا تھا اور جب ان سرحدی قبائل پر اس وقت خود حکومت کرنے کی سمت پیدا نہ ہوئی تو چار بارک زئی بھائیوں کو اپنا نائبین مقرر کرتے ہوئے رنجیت سنگھ خود واپس چلا گیا تھا اور گو مذکورہ سرداروں نے مالیہ کی رقومات وصول کر کے خزانہ خالصہ دربار میں جمع کرنے کا اقرار کر لیا تھا لیکن عملاً وہ رقومات سکھ لشکر کی یلغار ہی سے وصول کی جاتی رہیں اسی دوران میں حضرت سید احمد شہید اپنے مجاہدین کو ساتھ لئے نمودار ہو گئے انہوں نے سکھوں سے جنگ لڑی اور ان کے پیرو مسلسل نبرد آزما رہے جن کا ذکر آئندہ اوراق میں دکھائی دے گا۔ پھر حضرت سید احمد شہید کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد جب ان کی جماعت منتشر ہو گئی اور سکھوں کو اپنے مقابل صرف بارک زئی سردار نظر آنے لگے جو ایک سے زائد بار اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کر چکے تھے تو سکھوں نے انہیں بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کا فیصلہ کیا اس وقت تک خالصہ دربار کافی طاقت بھی جمع کر چکا تھا چنانچہ رنجیت سنگھ موقع کی تلاش میں ہو بیٹھا۔

ان حالات میں دوست محمد خان نے کابل میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ پشاور کے بارک زئے سردار اسے برداشت نہ کر سکے تو انہوں نے دوست محمد خان کو تخت سے اتارنے کے لئے رنجیت سنگھ سے شروع کر دی جو حقیقتاً خود ان کی اپنی تباہی کا باعث بنی رنجیت سنگھ تو موقع کی تلاش میں پہلے سے تیار بیٹھا تھا اس نے سرداران پشاور کی درخواست

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر اپنے مشہور جرنیل ہری سنگھ نلوہ کو دریائے سندھ عبور کرنے کی ہدایت کر دی چنانچہ ہری سنگھ نے اپنے لشکر کے ساتھ مارچ کرتے ہوئے پشاور شہر کے قریب موضع چمکنی کے گرد و نواح میں اپنا کیمپ نصب کر دیا وہی سردار جو رنجیت سنگھ کو دوست محمد خان کی طاقت ختم کرنے کی نیت سے دعوت دے رہے تھے اب نلوہ کے لشکر کی آمد کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے اور جو جال دوست محمد خان کے لئے بچھایا جا رہا تھا اس میں خود گرفتار ہونے لگے۔ ہری سنگھ نلوہ نے انہیں جب بلا بھیجا تو وہ گھبرا کر شہر کو خالی چھوڑ اپنے اہل و عیال کو ساتھ لئے شبقدر کی طرف چل دئے تاکہ وقت ضرورت مہمندوں کی پہاڑیوں میں پناہ لے سکیں۔ نلوہ نے جو یہ حالت دیکھی تو بہ اطمینان خاطر ۱۸۳۴ء میں پشاور پر قبضہ کر لیا اس کے بعد ۱۸۳۵ء میں دوست محمد خان نے سکھوں کو نکال باہر کرنے کی کوشش کی وہ لشکر لئے درہ خیبر میں پہنچا لیکن خود ان بارک زئی سرداروں سے مشکوک ہو کر واپس لوٹ گیا اس طرح پشاور پر سکھوں کا مستقلاً قبضہ ہو گیا۔

اب سکھوں کی طرف سے ہری سنگھ نلوہ فوجی گورنر کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا اس نے پشاور میں بالاحصار کی برباد شدہ بنیادوں پر قلعہ بالاحصار تعمیر کیا یوسف زئیوں کی ردک تھام اور پشاور اٹک کی درمیانی سڑک کی حفاظت کے لئے جہانگیرہ میں دوسرا قلعہ تعمیر کرایا۔ اس نے اپنی برتری کے ثبوت میں یوسف زئیوں کے میدانی علاقوں کو تاراج کیا ان کی آبادیاں برباد ہوئیں ان کے فصل تباہ ہوئے اور اس علاقہ کا شاید ہی کوئی گاؤں اس کے ظلم و ستم سے بچ سکا ہو اس کے باوجود یہ قبائلی طوق غلامی زیب گلو کرنے پر آمادہ نہ کئے جا سکے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مسندوں کے بہت سے قابل ذکر افراد مقبوضہ علاقہ سے نکل کر قبائلی علاقہ میں جا مقیم ہوئے اور وہیں سے انہوں نے سکھوں کو پریشان کرنا شروع کیا موقع ملنے پر دوست محمد خان نے بھی اپریل ۱۸۳۷ء میں سکھوں پر شدید وار کیا جنگ ہوئی۔ جرنیل ہری سنگھ نلوہ مارا گیا لیکن بعض وجوہات سے دوست محمد خان پشاور پر قبضہ نہ کر سکا[1]۔ اور واپس لوٹ گیا۔

مندرجہ بالا جنگ کے بعد رنجیت سنگھ نے جسے اس وقت تک سرحد پر حکومت کرنے کی ہمت نہ پڑ سکتی تھی۔ پھر بارک زئے برادران کی طرف رخ پھیرا سردار سید محمد خان کو ہشتنگر اور سردار پیر محمد خان کو دوآبہ کا علاقہ سپرد ہوا۔ سردار سلطان محمد خان کو کوہاٹ کے محصولات وصول کرنے کے فرائض تفویض ہوئے تو پشاور اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ برائے راست ہری سنگھ نلوہ کے جانشین تیجا سنگھ کی گورنری میں دیدیا گیا اور قریبی سرحد افریدی وغیرہ کے ساتھ بہت سے خیل و مہمند ملکوں کو اضافی ارات تفویض ہوئے تھے تاکہ قبائلیوں کی یورشوں سے جان بچی رہے

سردار تیجا سنگھ زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکا تو اس کی جگہ ایک اطالوی جرنیل اویٹیبائل کو بھیج دیا گیا جو پشاور میں اس وقت تک الوطبیلہ کے نام سے مشہور ہے[2]۔ یہ گورنر ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۲ء تک پشاور میں مقیم رہا یوسف زئے کے میدانی علاقوں سے کسی وقت بھی محصولات لشکر کشی کے بغیر وصول نہ کئے جا سکے۔ اسی گورنر کے عہد میں سکھوں نے درہ کوہاٹ میں اقدام

---

[1] تفصیلات کے لئے دیکھو "افریدی" از یونسی۔

[2] Paolo di Bartolomeo Avitabile اس کا اصلی نام تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرتے ہوئے نقصان عظیم اٹھایا تو رنجیت سنگھ کابل فتح کرنے کے ارادہ کا ایک مصنف یوں ذکر کرتا ہے کہ:

رنجیت سنگھ کے لئے کابل فتح کرنے کا خیال ایسا ہی ہے جیسے وہ چین کو فتح کرنے چلے۔[1]

کیونکہ بقول سکھ گورنر پشاور ابوطبیلہ:

خیبر کی طرف رخ کرنے کے خیال سے ہی سکھوں کو دردِ قولنج شروع ہو جاتا تھا۔

سکھوں کا یہ جرنیل ابوطبیلہ اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے اس وقت تک یاد کیا جاتا ہے اس نے زور و بازو سے محصولات وصول کرنے شروع کئے نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف زئی تو پہلے سے ہی اس جبر و تشدد کے عادی ہو چکے تھے۔ اب خلیل اور مہمند ملک بھی کہ جو تعاون پر آمادہ تھے مقبوضہ علاقہ سے بھاگنا شروع ہوئے۔

ابوطبیلہ کے عہد میں ہندوؤں کو پہلی بار پٹھانوں پر ظلم ڈھانے کا موقع دیا گیا کئی علاقوں میں ہندو سرمایہ داروں کو محصولات وصول کرنے کے فرائض تفویض ہوئے۔ انہوں نے من مانی کارروائیاں کیں۔ انہوں نے اپنی عیاری کو کام میں لاتے ہوئے مختلف حیلے بہانوں سے اصل مقررہ رقومات سے زائد مال و زر جمع کرنا شروع کیا۔ دوئم اس کے عہد میں مقامی باشندوں کی باہمی دشمنیوں کو ہوا دی جانے لگی۔ جس سے فائدہ اٹھا کر طرفین پر جرمانے لگائے گئے تھے۔ اندرون ملک میں کسی وقت امن قائم نہ ہو سکا

---

[1] ہسٹری آف انڈیا۔ مارش مین۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور سرحدات پر قبائلی حملوں یا ڈاکوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی نتیجہ یہ کہ شہر کے ارد گرد جگہ جگہ پھانسی دینے کا سامان موجود نظر آنے لگا۔

ابوطبیلہ کے بعد سردار تیجا سنگھ نے دوسری بار پشاور کی گورنری کا چارج لیا اور ۱۸۴۶ء کی ابتدائی ایام تک مقیم رہا۔ اس کے بعد سردار شیر سنگھ نے چارج لیا۔ لیکن اس سال سکھوں سے انگریزوں کی پہلی جنگ نے حالات کو بدل دیا۔ شیر سنگھ کی جگہ سردار گلاب سنگھ بحیثیت گورنر پشاور پہنچا لیکن اب ایک انگریز افسر میجر جارج لارنس لاہور میں مقیم انگریز ریذیڈنٹ کے نمائندے کی حیثیت سے ساتھ تھا جس کے فرائض میں سکھ لشکر کی نگرانی بھی تھی سکھوں کی اول جنگ کے بعد ان میں اختلافات پیدا ہو چکے تھے چنانچہ ۱۸۴۸-۴۹ء میں سکھ لشکر نے لارنس کی قیادت میں بغاوت کر دی جس پر میجر لارنس بھاگ کر کوہاٹ پہنچا۔ جہاں سلطان محمد خان نے اول تو اظہار دوستی کیا اور بعد میں اسے قیدی کی حیثیت سے خالصہ دربار کے حوالہ کر دیا پھر جب سکھوں نے دوسری جنگ میں انگریز سے شکست کھائی تو پشاور کا علاقہ ۱۸۴۹ء میں سکھوں کے قبضہ سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھ لگا جہاں مذکورہ میجر لارنس پہلا ڈپٹی کمشنر مقرر ہوا۔

یوسف زئیوں نے رنجیت سنگھ کو جس قدر پریشان کیا اس کا اندازہ اس تحریر سے لگائیے کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالصہ دربار کے خزانہ میں اتنی رقم بھی باقی نہ رہی تھی کہ ملازمین کو تنخواہیں دی جاتیں اور اگر قبائلیوں میں اتحاد و اتفاق قائم رہتا تو لازمی امر تھا کہ رنجیت سنگھ کی سلطنت دیوالیہ ہو کر میدان خالی چھوڑ جاتی۔ بوٹے شاہ اپنے قلمی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مسودہ میں لکھتا ہے کہ:

دیوان بھوانی داس کو حکم دیا گیا کہ تم فرنسیس کے مکان پر پہنچکر سرکار کی طرف سے انہیں بتاؤ کہ اس سال جنگ یوسف زئی وغیرہ میں خزانہ سرکار سے بہت زیادہ خرچ ہو چکا ہے اس وجہ سے لازم ہے کہ وہ اپنی اور اپنے ہمراہ فوج و پلٹن کے لئے دو ماہ کی تنخواہ کا مطالبہ نہ کریں۔[1]

اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ یوسف زئے ہی تھے جنہوں نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے سکھوں کو صوبہ سرحد میں قدم جمانے کا موقع نہ دیا اور جس کا ایک مصنف میجر جنرل سر ولنسنٹ آرئیر یوں ذکر کرتا ہے کہ:

سکھوں نے پنجاب پر اپنی حکومت کے دوران میں اپنے مخالف یوسف زئیوں کو بہادر و نڈر پایا اور انہیں خوف زدہ یا اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے سکھوں کو ہمیشہ پشاور کے ارد گرد کثیر تعداد میں لشکر جمع رکھنا پڑا۔[2]

سکھوں کی مخالفت میں مقرب خان خدوخیل نے نمایاں حصہ لیا تھا چنانچہ سکھ اسے "شیر کا بچہ" کے نام سے پکارتے تھے اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک موقع پر جب میرہ یار حسین میں لشکر پہنچا اور کسی نے آواز دی کہ "شیر کا بچہ" آگیا تو سکھ نہایت ابتری اور بے قاعدگی سے بھاگ نکلے۔

---

[1] قلمی مسودہ بوٹے شاہ (کتب خانہ لندن)

[2] دی کابل انسرکشن آف ۱۸۴۱-۴۲ء مطبوعہ ۱۸۷۹ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

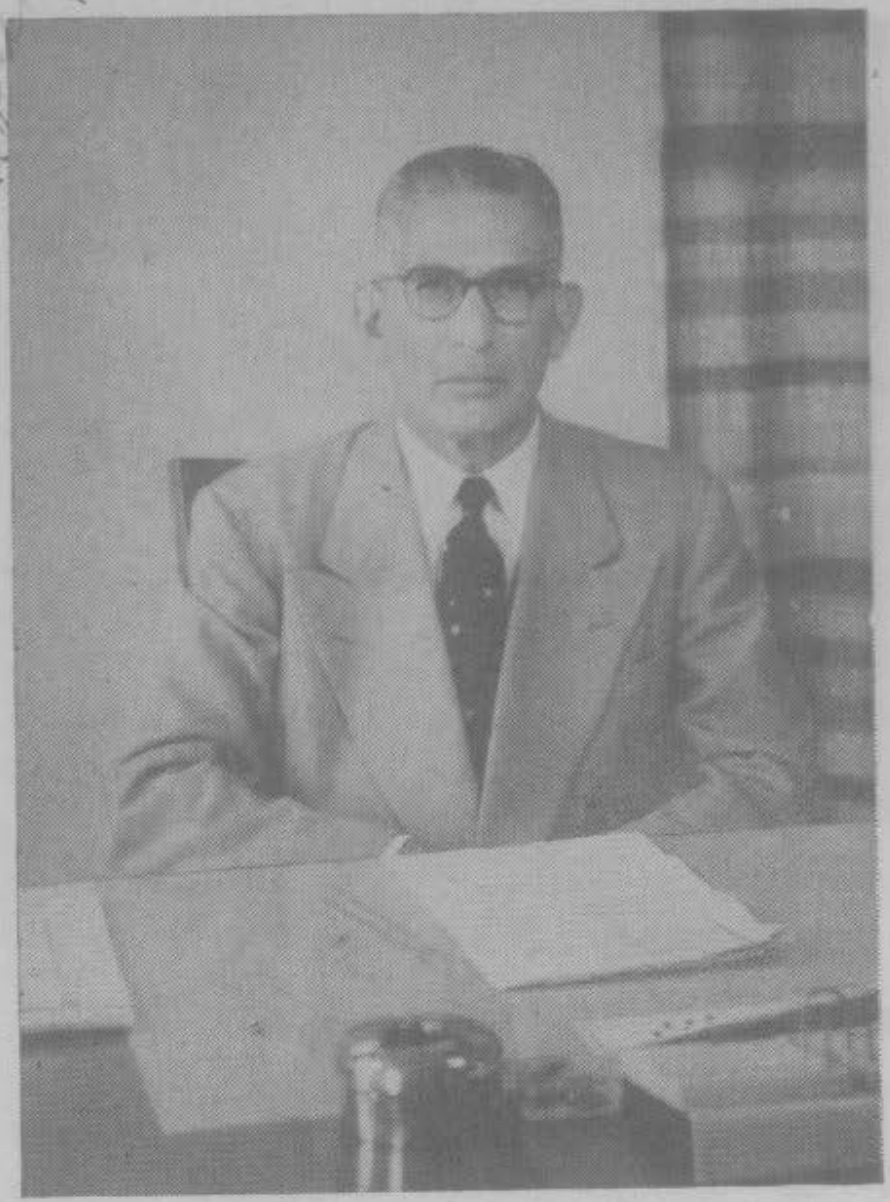

خان فتح محمد خان - خضر زئے
وزیر مواصلات حکومت پاکستان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

Hamida Hafiza Rathtara.

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

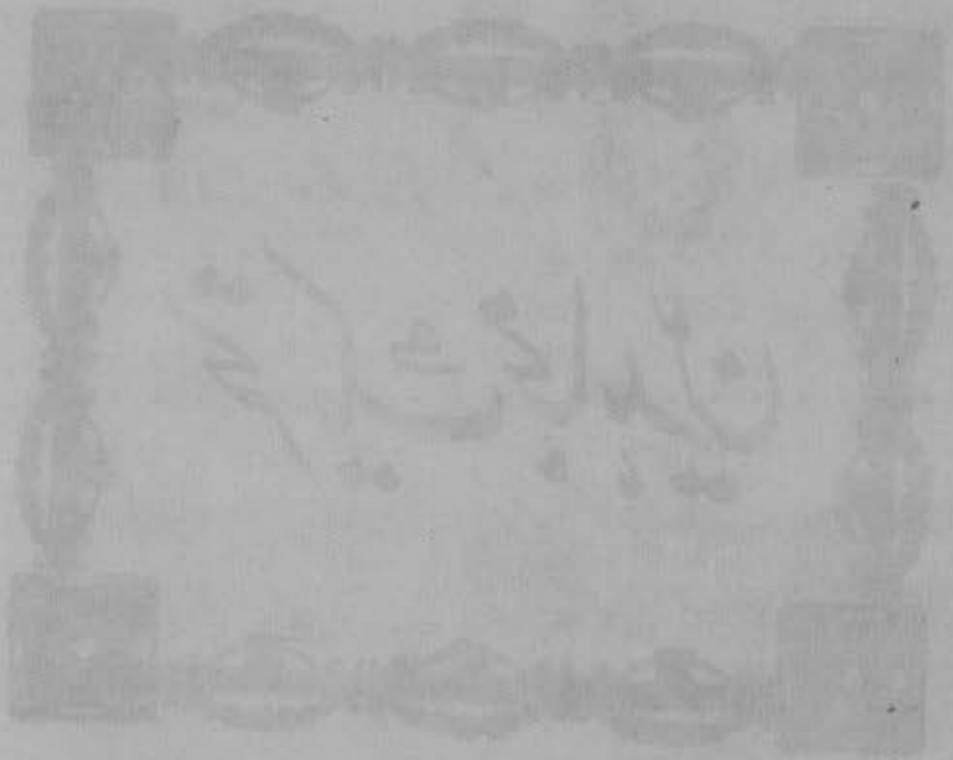

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تحریک مجاہدین

یہ مرد مجاہد ۶ صفر ۱۲۰۱ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو رائے بریلی (ہندوستان) میں پیدا ہوا والدین نے سید احمد نام رکھا۔ تاریخ میں سید احمد شہید پکارا گیا۔ تو دوست دشمن سب سے اپنے اعلیٰ اخلاق۔ مجاہدانہ کردار خدمت اسلام اور جذبہ فداکاری وطن کے لئے خراج تحسین حاصل کرتے ہوئے بروز جمعہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ (ہزارہ) کے مقام پر سکھوں سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر گیا۔

سید احمد شہید ہندوستان میں جب خاندان مغلیہ کا زوال شروع ہوا اور یہ وسیع سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگی۔ مسلمانوں پر مصائب و آلام کے بادل امنڈ آئے جبر و استبداد کی بارش کا زور ہوا تو اس وقت ایک طرف مرہٹے اپنے اقتدار کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے دوسری طرف انگریز تاجر کی حیثیت سے سرزمین ہند پر قدم رکھنے کے بعد اپنی حکومت کی بنیاد ڈال چکا تھا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پھر اس کے ساتھ پنجاب میں سکھا شاہی کا دور دورہ شروع ہوا ان کی وحشت اور بربریت سے نہ صرف مسلمانان پنجاب بلکہ صوبہ سرحد کے میدانی علاقہ میں بسنے والے افغان یا پٹھان بھی تا بہ حد جمرود تلملاتے دکھائی دینے لگے۔ قدرت کو ایک دفعہ پھر ان کی حیات و بقا کے لئے سامان پیدا کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ اس دوران میں ایک مجاہد اسلام نے جنم لیا جو سینہ سپر شمشیر بکف میدان جہاد میں کود پڑا اور اپنے وطن اجداد کو غیر مسلموں کے تسلط سے نکال لیجانے میں وہ سب کچھ کر گزرا کہ جو اس کے بس میں تھا اور اسی راہ جہاد میں اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

یہ مرد مجاہد ۶ صفر ۱۲۰۱ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو رائے بریلی میں پیدا ہوا والدین نے سید احمد نام رکھا۔ تاریخ میں سید احمد شہید پکارا گیا تو دوست دشمن سب سے اپنے اعلیٰ اخلاق۔ مجاہدانہ کردار خدمت اسلام اور جذبۂ فداکاری وطن کے لئے خراج تحسین حاصل کرتے ہوئے ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو جام شہادت نوش کر گیا۔ مروجہ تعلیم کی طرف بچپن سے ہی کوئی رغبت نہ تھی ہوش سنبھالنے کے بعد جہاد اور صرف جہاد کی دھن میں مگن رہا۔ اٹھتے بیٹھتے یہی ورد زبان تھا اور اسی جذبہ کو لئے نواب امیر احمد خان[1] کے لشکر میں جا شمولیت کی تاکہ فنون جنگ سے واقفیت حاصل کر سکے۔

استخلاص وطن کے لئے اب اسے کسی ایسے مرکز کی تلاش تھی جہاں مقیم ہو کر وہ غیر مسلموں کے خلاف جہاد کا نظم قائم کر سکے۔ ہندوستان میں ہر طرف سلطنت اسلامیہ ہندیہ کو مٹانے کے

---

[1] نواب امیر خان سرحد آزاد کے قبیلہ سلار زئے سے تھا اس کا دادا اطاع محمد خان محمد شاہ کے عہد میں ہندوستان آبا تھا روہیلکھنڈ کی لڑائیوں میں شریک رہا اور سنبھل میں توطن اختیار کر لیا وہیں فوت ہوا اس کے بیٹے محمد حیات خان نے بھی آبائی پیشہ اختیار کیا لیکن حافظ رحمت خان مشہور روہیلہ سردار کی شہادت کے بعد گوشہ نشین ہو گیا امیر احمد خان اس کا بیٹا تھا جو ۱۱۸۲ھ مطابق سنہ ۶۸-۹ء میں پیدا ہوا تھا (سید احمد شہید۔ مہر) امیر خان نے ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں وفات پائی اس کے سوانح حیات بساون لال نے لکھی جسکا مسٹر ٹی پرنسپ نے انگریزی میں ترجمہ کیا تھا (ایڈیٹر بالیوگرافیکل ڈکشنری۔ بیل)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خواہش مند تگ و دو کر رہے تھے کوئی ایسی جگہ یا علاقہ موجود نہ تھا جہاں سے بہ اطمینان وہ جیوش مجاہدین کو میدان جنگ کی طرف روانہ کر سکتا۔ لامحالہ نظر اگر اٹھ سکتی تھی تو صوبہ سرحد کی پہاڑیوں ہی کی طرف اٹھ سکتی تھی جہاں کے باشندے میدان جنگ میں ابتدائی دور تاریخ سے اپنی بہادری اور جوانمردی کا سکہ بٹھا چکے تھے اور جنہیں دقت کے جابر سے جابر حکمران بھی اطاعت قبول کرنے پر رضامند نہ کر سکے۔ سید صاحب کو بھی یہی علاقہ پسند آیا کیونکہ وہ اس جگہ سے جہاد کا نظم بہ طریق احسن کر سکتے تھے اور سامنے اگر دشمن کی طاقت قوت یا سلطنت تھی تو پشت پر دور دراز علاقوں تک مسلمان ہی مسلمان آباد تھے اور ان سے امداد و اعانت کی امید بھی کی جا سکتی تھی۔[1]

سرحد کی طرف ہجرت ان حالات میں سید صاحب نے رخت سفر باندھا، ۷ جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء بروز دوشنبہ عزم جہاد لئے راہ ہجرت اختیار کی اہل و عیال کو نواب امیر احمد خان کے پاس ٹونک میں چھوڑ دیا اور براستہ سندھ، کالپور، کوئٹہ، قندھار، غزنی اور کابل سے ہوتے ہوئے اواخر نومبر ۱۸۲۶ء کو پشاور پہنچے۔ مختصر سے قیام کے بعد چارسدہ کی طرف چل دیئے۔ دوران سفر میں انہوں نے راستہ ہی سے حکومت کابل کو اپنے ارادہ کی اطلاع دے دی تھی اور اس میں بالوضاحت ظاہر کر دیا تھا کہ ان کا ارادہ یوسف زئی قبیلہ کے ساتھ قیام کرنے کا تھا لیکن چارسدہ پہنچنے پر جہاں قبیلہ محمد زئی آباد ہے حالات نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ اس جگہ سے عملاً جہاد

---

[1] عازم سرحد ہونے سے قبل آپنے فریضہ حج ادا کیا کوئی چار سو ساتھی ہم سفر تھے۔ ۳۰ جولائی ۱۸۲۱ء (شوال ۱۲۳۶ھ) پیر کے دن گھر سے رخصت ہو کر براستہ کلکتہ عازم حرمین شریفین ہوئے اور فریضہ حج ادا کرنے کے بعد براستہ بمبئی ۲ صفر ۱۲۳۹ھ کو واپس کلکتہ پہنچے وہاں سے انہوں نے رائے بریلی کی راہ لی تو دو سال دس ماہ کے بعد ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۹ اپریل ۱۸۲۴ء کو اپنے وطن لوٹ گئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے آغاز کا اعلان کر دیں۔

پہلا شب خون ۔ چارسدہ پہنچے ہی تھے کہ انہیں سکھوں کے اقدام کی اطلاع ملی اور پتہ چلا کہ سہ لشکر بدھ سنگھ کی قیادت میں دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے نوشہرہ کی طرف گامزن ہو چکا تھا۔ اب اس بے سروسامانی کے عالم میں کہ اس علاقہ میں نو وارد تھے عوام سے ابھی راہ و رسم پیدا نہ ہوئی تھی۔ پھر پٹھانوں کے اپنے رسم و رواج دوستی دشمنی کسی چیز سے بھی تو پوری طرح واقفیت نہ رکھتے تھے۔ مقابلہ میں سکھوں کا منظم لشکر اور وہ بھی کثیر تعداد میں موجود تھا۔ ان حالات میں بھی سید صاحب خاموش تماشائی نہ بن سکے انہوں نے خدا کا نام لے کر اعلان جہاد کر دیا۔ اس وقت کوئی پانچ سو ہندوستانی اور کوئی دو سو قندھاری ان کے شریک سفر تھے آٹھ سو مقامی باشندے بھی ہمنوا ہو گئے تو ان پندرہ سو مجاہدین کو ساتھ لے آپ مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

جذبۂ ایمان اور ولولہ جہاد کے سوا ان پندرہ سو مجاہدین کو کونسی طاقت سکھوں کے مقابلہ کی ہمت دلا سکتی تھی۔ قدرت نے یاوری کی دلوں میں جوش اسلام کا تلاطم اٹھا اور خدا کا نام لے کر میدان کارزار کی طرف چل پڑے۔ ۱۹ دسمبر ۱۸۲۶ء کی صبح کو نوشہرہ کلاں (ضلع پشاور) جا پہنچے۔ شب خون مارنے کا فیصلہ ہوا تو نو سو مجاہدین کو اس کام کے لئے منتخب کیا گیا اس کشمکش کے دوران میں جب خواص خان خٹک اپنی جماعت ساتھ لئے سکھوں سے جا ملا تو اس کے چچا امیر خان خٹک نے سید صاحب کی قیادت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور پھر مذکورہ منتخب شدہ جماعت نے ۲۱/۲۰ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ مطابق ۲۱/۲۰ دسمبر ۱۸۲۶ء کو شب خون جا مارا۔

ابتدا میں تو سکھ سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ مجاہدین کامیاب و کامران نظر آنے لگے۔ لیکن چونکہ ان میں کوئی نظم و نسق نہ تھا ان میں کے اکثر اپنے مخصوص فرائض کو چھوڑ کر لوٹ مار کرنے لگے۔ مقابلہ یا دشمن کو نقصان پہنچانے کی بجائے سکھوں کو سراسیمگی کی حالت میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں دیکھ کر مال و اسباب پر قبضہ کرنے کی فکر ہونے لگی نتیجہ یہ کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ سکھ پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے اور مجاہدین کو واپس لوٹ آنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

مذکورہ شبخون میں سید صاحب کی ہمت، استقلال کو دیکھتے ہوئے خواص و عوام اس طرف متوجہ ہونے لگے سکھوں کے مظالم سے تو پوری کی پوری آبادی نالاں تھی انہیں جب ایک مجاہد قائد مل گیا تو پھر اس کی امداد و اعانت میں کسی تساہل کو روا رکھنا برداشت نہ ہوا چنانچہ اس جنگ کے فوراً بعد ہنڈ کے رئیس خادی خان اور زیدہ کے رئیس اشرف خان مع اپنے ساتھیوں کے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور پھر خادی خان نے سید صاحب کو اپنے ساتھ ہنڈ میں مقیم ہونے پر بھی رضامند کر لیا۔ قبیلہ خدوخیل کے رئیس فتح خان ساکن پنجتار نے بھی ساتھ دینے کا اعلان کیا تو بارک زئے خاندان کے حکمران سید محمد خان اور سلطان محمد خان نے بھی بیعت کر لی۔ فتح محمد خان خدوخیلوں کے مشہور قائد بہاکو خان کے خاندان سے تھے۔

جنگ شیدو مذکورہ شبخون کے بعد ایک طرف سکھ تیاری میں مصروف نظر آنے لگے تو دوسری طرف سید صاحب بھی میدان کارزار کو گرم دیکھنے کے متمنی تھے لشکر جمع کیا جانے لگا یوسف زئے بہ کثرت جذبہ جہاد سے سرشار میدان جنگ میں کود جانے کو بے قرار نظر آئے۔ لشکر کی فراہمی میں فتح خان پنجتار۔ اشرف خان زیدہ اور خادی خان ہنڈ کے علاوہ امیر محمد خان باجوڑی اور دوسرے رؤسا بھی ہمہ تن مصروف تھے۔ نوشہرہ میں لشکر کا اجتماع ہونا تھا۔ رسم ملک کے مطابق ہر جماعت اپنا نشان اٹھائے چلی آرہی تھی۔ پٹھانوں میں رواج ہے کہ جنگ کے لیے جس قدر افراد یکجا روانہ ہوں وہ اپنا علم ساتھ رکھتے ہیں چنانچہ سینکڑوں پرچم لہراتے دکھائی دینے لگے۔ یار محمد خان اور اس کے بھائی سلطان محمد خان اور پیر محمد خان بھی مع اپنے لشکر کے ان مجاہدین میں آملے۔ سکھ لشکر جس کی تعداد پینتیس ہزار بتائی جاتی ہے اس وقت شیدو میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا اسلامی لشکر نے اکوڑہ کے قریب کیمپ نصب کر دیا۔

۱؎ شیدو تحصیل نوشہرہ میں اکوڑہ خٹک کے قریب واقع ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سکھوں نے شیدو کے خواڑ (خشک نالہ) میں مورچے جمائے تھے ادھر سے مجاہدین نے جو برق کی طرح بڑھتے ہوئے حملہ کیا تو سکھوں کے پاؤں اکھڑ گئے انہوں نے پھر مورچہ قائم کیا لیکن پھر شکست کھائی پھر بھاگے۔ فتح یقینی نظر آنے لگی۔ سید صاحب کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ خود میدان جنگ میں سخت علیل پڑے تھے اور ان کے دست راست مولوی محمد اسمٰعیلؒ تیمارداری میں مصروف تھے۔ اس دوران میں کہ جنگ ابھی ہو ہی رہی تھی کہ یار محمد خان بارک زئے جس نے میدان جنگ میں مع لشکر موجود ہوتے ہوئے بھی عملاً کوئی حصہ نہ لیا تھا میدان سے نکل بھاگا اسے دیکھا دیکھی کئی دوسرے افراد بھی رخصت ہوئے نتیجہ یہ کہ جنگ کا رخ پھر گیا تو مسلمانوں کی فتح شکست سے بدل گئی۔

اس جنگ میں قبائلی تو مردانہ وار مصروف جنگ رہے لیکن یار محمد خان بارک زئے کی غداری مسلمانوں کی تباہی کا باعث بنی۔ اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ سکھوں کو جب اس اقدام کا علم ہوا اور اس کی تیاری ہو رہی تھی اسی وقت سے انہوں نے یار محمد خان کو دھمکانا شروع کر دیا تھا اور اسے متنبہ کر دیا تھا کہ اگر اس نے مجاہدین کے لشکر کی امداد و اعانت کی تو اسے اس کا بدلہ دینا پڑے گا۔ کہتے ہیں کہ اس دھمکی سے گھبرا کر یار محمد خان نے غداری کی وہ میدان جنگ میں تو پہنچ گیا لیکن وہاں ایسا مورچہ سنبھالا کہ جہاں جنگ کا کوئی خاص خطرہ نہ تھا اور پھر جب بلاوجہ دکھائے میدان جنگ سے بھاگ نکلا تو "شکست"

۱؎ سید اسمٰعیل شہید دہلی کے مشہور ترین بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے تھے پیدائش ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۷۹ء۔ وفات بمقام بالاکوٹ (ہزارہ) بروز جمعہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو ہوئی آپ سید احمد شہید کے اولین بیعت کرنے والوں میں تھے۔ بیعت کے بعد تادم آخر سید احمد شہید کے ساتھ رہے۔ اپنے وقت کے جید عالموں میں شمار ہوتے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"شکست" کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ فطرۃً لشکر اسلامی میں ابتری پھیلی اور شکست کا باعث بن کر رہ گئی جس پر سکھوں نے اپنی پوری مملکت میں جشن خوشی منایا یہ جنگ ۱۸۲۷ء میں لڑی گئی تھی۔[1]

علاقہ یوسف زئی کا دورہ

مذکورہ جنگ کے بعد حضرت سید احمدؒ نے بونیر اور سوات کی راہ لی۔ اپنے لئے کسی مستقل مرکز کی تلاش شروع ہوئی۔ چنانچہ ان علاقوں میں انہوں نے ایک ایک آبادی کا دورہ کیا۔ ہر جگہ لوگوں نے عزت و احترام سے استقبال کیا ہر جگہ سے امداد و اعانت ملتی رہی ان کی طاقت میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ:-

> ..... فقیر نے یوسف زئے کے مختلف اضلاع مثلاً چملہ بونیر اور سوات کا دورہ کیا اور ان بستیوں کے مومنوں اور مسلمانوں کو بالمشافہ اقامت جہاد و ازالہ فساد کی ترغیب دی۔ افغانوں کے متعدد گروہوں مثلاً افریدیوں مہمندوں خلیلوں کو تحریری دعوت نامے بھیجکر اس سعادت عظمیٰ کے حصول اور اس عبادت کبریٰ کی بجاآوری پر متوجہ کیا الحمدللہ مومنین صادقین نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔[2]

فتح خان رئیس پنجتار کی دعوت پر اس مقام کو مرکز کی حیثیت دے کر پھر سید صاحب نے اس کے ارد گرد علاقہ کا دورہ کیا ہر جگہ نتائج خاطر خواہ نکلتے رہے پھر بعض وجوہات سے انہوں نے ختار کو اپنا مرکز بنالیا۔ جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ مطابق دسمبر ۱۸۲۷ء کو وہاں پہنچے تو ایک عرصہ تک قیام کے بعد جمادی الآخر ۱۲۴۴ھ مطابق دسمبر ۱۸۲۸ء / جنوری ۱۸۲۹ء

---

[1] دی پنجاب ایز اے ساورن اسٹیٹ جوپڑہ

[2] سید احمد شہید از مہر صفحہ ۴۳۰

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تک وہاں مقیم رہے اور اس عرصہ میں گرد و نواح میں تبلیغ کا کام جاری رہا جنگ شیدو کے بعد مولوی محمد اسمٰعیل شہید کی قیادت میں کچھ مجاہدین ہزارہ کی طرف چلے گئے تھے ادائے فرائض کے بعد وہ بھی دوبارہ پنجتار میں سید صاحب سے آملے تھے اور بعد میں ان کے ہمراہ رہے۔

جنگ اتمان زئی مختصر یہ کہ وقت نے پوری طرح حضرت سید احمد کا ساتھ دیا جس علاقہ میں انہوں نے قدم رکھا کامیابی نے قدم چومے۔ علاقہ کے رئیس و عوام آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ ہزاروں کی تعداد میں باشندگان سرحد نے میدانِ جہاد میں اپنی جانیں قربان کرنے کو پیش کر دیں لیکن جب یہ سب عروج حاصل ہوا جب یہ سب طاقت یکجا ہونے لگی کہ جس کی ضرب سے سکھوں کا قلع قمع کیا جا سکتا تھا حالات نے پلٹا کھایا۔ تو وہ طاقت خود مسلمانوں کو کچلنے کے لئے استعمال ہونے لگی ان لوگوں کو جنہوں نے سید صاحب کے خلاف اقدام کیا تھا یا کرنا چاہتے تھے اب رد کنا ضروری ہو گیا اور یہ اطلاع ملنے پر کہ درانیوں کا لشکر (جو اس وقت پشاور و ہشتنگر وغیرہ کے علاقہ پر حکمران تھی) سید صاحب پر حملہ کی تیاری میں مصروف تھا۔ سید صاحب کو اس کی مدافعت کے لئے اقدام ناگزیر ہو گیا چنانچہ مجاہدین اتمان زئے کی طرف روانہ ہوئے اب مسلمان کے مقابلہ میں مسلمان شمشیر بکف نظر آنے لگے۔ مجاہدین میں چونکہ کوئی باقاعدہ نظم نہ تھا اس وجہ سے شکست کھائی اور اس خون مسلم سے غالباً مئی ۱۸۲۶ء[1] میں موضع اتمان زئی تحصیل چارسدہ کی سرزمین کی آبیاری ہوئی۔

شریعت اسلامیہ کا نفاذ اس جنگ کے بعد اپنے حقیقی مقاصد کے حصول کے لئے سید صاحب تگ و دو کو اور تیز کر دیا اور خار سے چل کر پھر پنجتار میں جا مقیم ہوئے

---

[1] سید احمد شہید از مہر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اب تجاویز کی جانے لگیں کہ علاقہ بھر کے علماء رؤساء اور دیگر قابل ذکر اشخاص کو مجتمع کیا جائے چنانچہ یکم شعبان ۱۲۴۴ھ مطابق ۶ فروری ۱۸۲۹ء کو اجتماع عظیم ہوا یا دور حاضر کی اصطلاح میں وسیع پیمانے پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی تو علمائے اسلام نے "شریعت اسلامیہ" کے نفاذ کے فوری قیام و اجرا کا فیصلہ سنا دیا اس اجتماع میں شمولیت کرنے والے رؤساء میں اشرف خان خادی خان اور فتح خان قابل ذکر ہیں جن کے ساتھ اپنی اپنی بھاری جمعیتیں تھیں اور جو حقیقتاً اپنے اپنے علاقہ میں حکمران کی حیثیت رکھتے تھے ان میں فتح خان رئیس پنجتار نے کانفرنس یا سید صاحب کو آنے والے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ:

صدہا برس کے مراسم ترک کرنے کے باعث افغانوں کے ساتھ اختلافات بھی رونما ہو جائیں گے۔[1]

لیکن اس کی کوئی شنوائی نہ ہوئی اور جہاں ہمارے علمائے کرام نزاکت وقت حالات گرد و پیش اور کسی فیصلہ پر سنجیدگی سے غور و فکر کئے بغیر اپنے اقتدار کے قیام و زعم علم میں فیصلہ کر دینے کے عادی ہو گئے وہاں کسی کی کیا چل سکتی تھی اور اظہار اختلاف کا جواب کافر بنا دینے کے سوا اور کیا مل سکتا تھا اس جگہ بھی علماء اپنے فیصلہ پر بضد رہے۔ حکم خداد رسول کے نام سے ان کے فیصلے نافذ کر دینے کا فیصلہ ہوا تو اشرف خان زیدہ خادی خان ہنڈ اور فتح خان پنجتار کے ساتھ کئی دوسرے رؤساء نے بھی بہ امر مجبوری سر تسلیم خم کر دیا۔

اختلافات کی ابتداء لیکن جس خطرہ کی طرف رئیس پنجتار اشارہ کر چکا تھا وہ کسی طرح غیر اہم نہ تھا اس پر اگر غور و فکر کر لی جاتی تو شاید بعد میں مجاہدین کو بہت سی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی ان خوانین میں کشمکش شروع ہو گئی انہیں اپنے اقتدار کی فکر نے تڑپانا شروع کیا فتح خان اور اشرف خان تو سید صاحب کے ہمرکاب

---

[1] سید احمد شہید - مہر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رہے لیکن خادی خان کو اپنے اقتدار میں کمی برداشت نہ ہوئی اور یہ بھی گوارا نہ کر سکا کہ سید صاحب کی امداد و اعانت کے باوجود وہ ان کی نظروں میں وہ وقعت نہ رکھے کہ جو وقعت فتح خان کو حاصل تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ خادی خان اور اشرف خان میں چپقلش ہو گئی اشرف خان گھوڑے سے گر کر داعی اجل کو لبیک کہہ گیا اس کے بعد خادی خان سید صاحب کا ہمنوا نہ رہا اور اس نے اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ سکھوں نے یہ حالت دیکھی تو جنرل دنتورہ[1] کی کمان میں اقدام شروع کر دیا۔ سید صاحب نے اس کے مقابلہ کے لئے تین سو مجاہدین پر مشتمل ایک جماعت روانہ کر دی سکھوں کو ان کی آمد کا علم ہوا اور ارد گرد علاقہ میں نقل و حرکت دیکھی تو شب خون کے خطرہ سے گھبرا کر لوٹ گئے۔

جو اندرونی مخالفت زور پکڑ رہی تھی وہ کسی کے سنبھالے سنبھل نہ سکی سید صاحب چاہتے تھے کہ علمائے کرام کے فتووں سے سب کے دلوں پر قابو پالیں لیکن جو عادتیں راسخ ہو چکی تھیں انہیں جلد بدلا نہ جا سکا۔ حالات کی تشویشناکی یقیناً پریشانی کا باعث بنی ہو گی ان حالات میں اگر قابل ذکر خوانین کو یکجا کرنے کی کوشش کی جاتی تو ہو سکتا تھا کہ صلاحیت کی کوئی صورت نکل آتی۔ خوانین اپنے وقار کے لئے بھی ایک دوسرے کی رائے کو شاید اختراماً ہی تسلیم کر لیتے۔ لیکن اس کی بجائے پھر علمائے کرام کا اجتماع کرایا گیا اصل مقصد یہ تھا کہ خادی خان کو راہ راست پر لایا جائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو علماء سے ایسے شخص کے متعلق فتویٰ حاصل کر لیا جائے۔

---

[1] جنرل دنتورہ کے حسب نسب کا صحیح پتہ نہیں چلتا بعض انگریز مورخین اسے اطالوی ظاہر کرتے ہیں ایک اسے یہودی النسل بتاتا ہے اور اسکی رائے میں اس کا اصل نام بنطورہ تھا اس نے نپولین کے لشکر میں خدمات سرانجام دی تھیں کچھ عرصہ ایران میں رہا اور وہاں سے براستہ افغانستان ۱۸۳۲ء میں پنجاب پہنچکر اس نے رنجیت سنگھ کی ملازمت قبول کر لی تھی یہاں اس نے اپنے طرز پر لشکر تیار کیا جسے "فوج خاص" پکارا جاتا تھا اور جس کا وہ خود کمانڈر تھا۔ رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد اس نے اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے یورپ کی راہ لی اور باقی عمر فرانس میں گزار دی (پنجاب ایز اے سادرن اسٹیٹ)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سید صاحب اور مولوی محمد اسمٰعیل نے بڑی درد انگیز تقریریں کیں لیکن بالآخر معاملہ علماء کو سونپ دیا گیا جنہوں نے بلا تکلف فتویٰ دیدیا کہ "باغیوں کی سزا قتل ہے"۔ خادی خان اپنے علاقہ کا رئیس اور نشیب و فراز زمانہ سے ناواقف نہ تھا وہ سمجھ گیا کہ سب کچھ اسی کی سرزنش کے لئے کیا جا رہا تھا چنانچہ جب سید صاحب نے اسے اپنے پاس بلا کر سمجھانا چاہا تو وہ دل کی بات کہے بغیر رہ نہ سکا کہ:

"حضرت ہم پختون (پٹھان) لوگ کاروبار ریاست کار کھتے ہیں اور یہ مشورہ ملاؤں نے مل کر کیا ہے۔ یہ لوگ ہمارے ہاں اسقاط اور خیرات کے کھانے والوں میں ہیں کاروبار ریاست میں ان کو کیا شعور ہے" (سید احمد شہید)

افسوس کہ اس وقت سید صاحبؒ بھی اپنے جوش جذبہ جہاد میں خادی خان کے ان الفاظ کو برداشت نہ کر سکے اور انہیں اس پر غیض آگیا کہ علماء کرام کی شان میں ایسے الفاظ کیوں استعمال ہوئے تھے اور بجائے اس کے کہ خادی خان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جاتی جواب کچھ اس تلخی سے دیا کہ خادی خان وہاں سے چپ چاپ رخصت ہو گیا۔

سکھوں کا دوسرا حملہ اس کے بعد سید صاحب نے پھر ارد گرد علاقوں میں امداد و اعانت کے لئے پیغام بھیجے۔ مجاہدین جمع ہونے شروع ہوئے اسی دوران میں سکھوں نے دنتورہ کی قیادت میں دوبارہ پنجتار کی طرف اقدام کیا اور موضع سلیم خان سے نکل کر طوطالی تک جا پہنچے یہاں مجاہدین مقابلہ کے لئے تیار کھڑے تھے پہاڑیوں میں مجاہدین کو اس طریقہ سے تقسیم کر دیا گیا تھا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ دکھائی دے رہی تھی اس وجہ سے دنتورہ نے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کی اور واپس لوٹ گیا اور آمد و رفت دونوں اوقات میں اس راستہ کی آبادیوں کو سکھوں کی روایات زندہ رکھنے کے لئے نذر آتش کرتا گیا۔

خانہ جنگی اب مجاہدین اپنے مستقبل کی فکر کرنے لگے انہوں نے سوچا کہ یا تو بارک زئیوں کے خلاف اقدام کیا جائے کہ جو سکھوں کے طابع فرمان اور مجاہدین کے راستہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں کانٹے بچھاتے تھے پھر خادی خان ہنڈ کے کانٹے کو راستہ سے دور کر دیا جائے کہ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے خوانین یا قبائل شریعت اسلامیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار نہ تھے۔ اور بالآخر فیصلہ یہی ہوا کہ خادی خان سے پہلے نپٹ لیا جائے اور اس کے بعد بارک زئیوں کی باری آئے۔ چنانچہ سید صاحب ہنڈ پر نہایت رازداری سے حملہ کی تیاری کرنے لگے۔ ساز و سامان تیار کرایا تاکہ شب خون مار کر قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے چنانچہ لشکر روانہ ہوا اور صبح ایسے وقت قلعہ کے سامنے پہنچا کہ مقیمین قلعہ بے خوف و خطر دروازہ کھول کر باہر نکلنے کو تھے شب خون کا وقت گزر چکا تھا لیکن جونہی دروازہ کھلا مجاہدین بندوقیں داغتے ہوئے قلعہ میں داخل ہو گئے۔ خادی خان جس نے سید صاحب کی آمد پر بحیثیت الضاء کے فرائض سرانجام دیئے تھے مارا گیا اس کی لاش اس کے ورثاء کے حوالہ کر دی گئی لیکن ان کے اہل و عیال کو ایک عرصہ تک اپنے ورثاء کے پاس جانے کی اجازت نہ ملی ہنڈ پر حملہ ماہ صفر ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ اگست ۱۸۲۹ء کو بیان کیا جاتا ہے۔

جنگ ہریانہ اس واقعہ کے بعد خادی خان کے ساتھیوں نے بدلہ لینے کی ٹھانی اور خادی خان کے اہل و عیال کو رہائی دلانے کی کوششیں شروع ہوئیں مقرب خان رئیس زیدہ جو سید صاحب کے فدائیوں میں تھا جب اپنے قریبی رشتہ دار خادی خان کے اہل و عیال کی مدد نہ کر سکا تو گاؤں چھوڑ کر کہیں غائب ہو گیا جس پر اسے مفرور قرار دیدیا گیا اور فتح خان رئیس زیدہ منتخب یا نامزد ہوا۔ خادی خان کے بھائی نے دوسرے خوانین سے امداد طلب کی بالآخر پشاور میں یار محمد خان بارک زئے کے پاس پہنچا تو اسے اپنی امداد پر رضامند کر لینے میں کامیاب ہو گیا یار محمد خان کے ایک معتمد نے ہنڈ پر یورش کی اور وقتاً فوقتاً چھاپے مارتا رہا تا آنکہ خود یار محمد خان بھی لشکر لئے ہریانہ پہنچ گیا۔ ہریانہ سے نکل کر بدیٔ نالہ کے قریب یار محمد خان نے اپنی توپیں نصب کر دیں۔ مقابلہ شروع ہوا یار محمد خان کو شکست ملی وہ خود زخمی ہو کر بھاگا تو راستہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں ہی وفات پاگیا۔ مال و اسباب مجاہدین کے ہاتھ لگا (یہ جنگ ۱۴ یا ۱۵ ستمبر ۱۸۲۹ء کو ہوئی)

سید صاحب ہزارہ میں اس کے بعد سید صاحب کی توجہ ہزارہ کی طرف منعطف ہوئی۔ چنانچہ لشکر اس طرف روانہ کیا گیا وہاں کئی جنگیں لڑی گئیں بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا گیا (ان واقعات کا تعلق چونکہ علاقہ یوسف زئے سے نہیں اس وجہ سے اس موقعہ پر انہیں درج نہیں کیا گیا) قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ مجاہدین ہنڈ کے قلعہ پر قبضہ کر چکے تھے چنانچہ اس میں ان کی ایک جماعت مقیم رہی یار محمد خان مرحوم کے بھائی سلطان محمد خان نے جب دیکھا کہ سید صاحب اپنی خاصی جمعیت کو ساتھ لئے ہزارہ کا رخ کر چکے تھے تو اس نے ہنڈ پر حملہ کرتے ہوئے اس پر قبضہ کر لیا مقیمین قلعہ ہنڈ گرفتار کر لئے گئے جو بعد میں قید خانہ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ سید صاحب ان حالات کو سنکر پنجتار میں مقیم ہوئے اور جب تسلی ہو گئی کہ پشاور کی طرف سے حملہ نہیں ہو رہا تو پھر ہزارہ کی طرف چلے گئے وہیں سکھوں نے انہیں پیغام دے کر اپنی طرف سے یوسف زئی کے علاقہ میں وہاں کے محصولات وصول کرنے کی پیش کش کی لیکن آپ نے مسترد کر دی۔

عشر وصول کرنے پر اختلافات سید صاحب نے یہاں سے پھر ایک جماعت کو یوسف زئے کے میدانی علاقہ کی طرف بھیجدیا تاکہ احکام شریعت کا نفاذ کرے عشر پہلے علماء کو ملا کرتا تھا اس پر ان کی زندگی کا دارومدار تھا۔ جماعت مجاہدین نے اسے امام یا امیر کا حق ظاہر کرتے ہوئے خود وصول کرنا شروع کر دیا۔ علماء نے مخالفت کی لیکن بعد میں طاقت سے دب کر ہمنوا ہو گئے۔ لیکن دلوں میں مخالفت پکنے لگی اس دوران میں خان کلابٹ مقابلہ پر اتر آیا لیکن شکست کھائی اس کے ساتھ ہی قلعہ ہنڈ پر بھی قبضہ کر لیا گیا اور ارد گرد کے علاقے مثلاً مرغز ٹھنڈی کوئی کڈی اور پنج پیر پر اقتدار حاصل ہوا اب حقیقتاً ادائیگی عشر کا مسئلہ مابین النزاع بن چکا تھا۔ جہاں طاقت دکھائی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیتی وہیں اقرار کرلیا جاتا اور جہاں طاقت دکھائی نہ دی وہیں لوگوں نے انکار کردیا اب کسی بحث و دلیل کی گنجائش نہ تھی۔ فیصلہ دے دیا گیا کہ عشر امیر کا حق ہے اور اس سے اختلاف کفر کے مترادف سمجھا گیا چنانچہ ایک موقعہ پر جب مذکورہ جماعت کے ایک قائد قاضی سید محمد جہان کے اس ارشاد پر کہ جو اہل رسوم خدا اور رسول کے حکم کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں وہ عملاً کافر ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ "منیۃ المصلی" میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونسوں سے دیا گیا اور قائد موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہ چھوڑا جب تک کہ اس نے دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بالفاظ واضح تر اسے دوبارہ مسلمان کیا گیا۔ مسائل کو علماء کی سرکردگی میں طاقت کے زور سے منوایا جاتا رہا نتیجہ یہ کہ دلوں میں کدورتیں بڑھنے لگیں اور اندر ہی اندر مخالفت کی آگ سلگتی رہی اگرچہ اس جماعت کے سامنے یکے بعد دیگرے مختلف گاؤں اظہار اطاعت و وفاداری بھی کرتے رہے۔

ہوتی پر حملہ ان حالات میں روسار ہوتی مردان سے بھی اختلاف پیدا ہوا مجاہدین نے ان دونوں قصبوں پر ہلہ بول دیا اس وقت احمد خان کمال زئے رئیس اعظم تھا شکست کھا گیا تو اس کا مال و اسباب بحق مجاہدین ضبط کرلیا گیا اور اس کے بھائی رسول خان کو معافی دیکر اس علاقہ کے قبیلہ کا سردار مقرر کردیا اس حملہ آور جماعت کے قائد قاضی سید محمد جہان جنگ میں شہید ہوئے اب لشکر نے واپسی کا اہتمام کیا تو علاقہ میں جگہ جگہ عشر وصول کرنے کے لئے تحصیلدار مقرر ہوئے اور اس جماعت کی قیادت مولوی اسمٰعیل رح کے حصہ میں آئی۔

بارک زئیوں سے ارادہ جنگ بارک زئیوں نے بھی جنگی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ چنانچہ جب سید صاحب کو علم ہوا تو وہ ہزارہ سے پنجتار اور پھر شیوہ اور اسماعیلہ سے ہوتے ہوئے گڈھی امان زئے پہنچ گئے ادھر بارک زئے لشکر پشاور سے چارسدہ ہوتے ہوئے اتمان زئے میں جا مقیم ہوا اب دونوں طرف

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

علاقہ یوسف زئے کا ایک پولیس اسٹیشن (کالو خان) ←

↑ زمینداران علاقہ رزڑ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

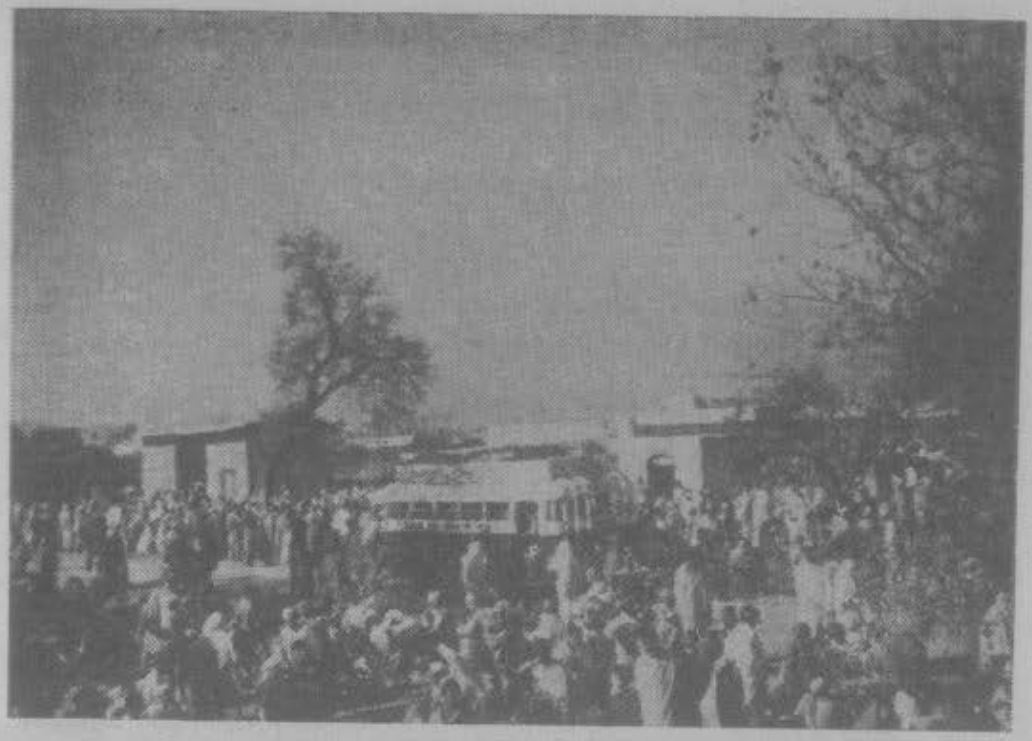

علاقہ یوسف زئے کا ایک بس اسٹینڈ (نوان کلی)

مقبرہ خان خاں - دولت زئے - (ھنڈ)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہے جنگ کی تیاری ہونے لگی ایک طرف بارک زئیوں کو یہ خیال کہ وہ ملک کے جائز حکمران تھے تو دوسری طرف سید صاحبؒ کی امارت اور نفاذ احکام شریعت کا دعویٰ تھا بالآخر طورو بارک کے درمیان دونوں لشکروں میں شدید جنگ ہوئی بارک زئیوں نے پھر شکست کھائی اور سید صاحب کا وقار اور بلند ہوا۔

پشاور میں آمد اب انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وقت کی مناسبت سے بارک زئے اقتدار کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ لشکر کو ساتھ لے چل پڑے چارسدہ سے تنگی اور شب قدر ہوتے ہوئے منجی کے راستہ ریگی (پشاور) پہنچے تو پتہ چلا کہ ان کی آمد کی خبر سن کر سلطان محمد خان بارک زئے پشاور کو خالی کر گیا تھا اس جگہ کوئی جنگ نہ ہوئی اور سلطان محمد خان بارک زئے کی طرف سے ارباب فیض اللہ خان ساکن ہزار خوانی (پشاور) نے وکالت کرتے ہوئے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی وہ اپنے اس نیک مقصد میں کامیاب رہا سید صاحب معہ اپنے رفقاء کے بطور مہمان کابلی دروازہ سے پشاور شہر میں داخل ہو کر گور کھتڑی میں مقیم ہوئے ارباب فیض اللہ خان نے شرائط صلح طے کیں تو فیصلہ ہوا کہ حکومت سلطان محمد خان کو سونپ دی جائے اور وہ وقت ضرورت سید صاحب کی امداد و اعانت کرتا رہے اور اپنی بری عادتوں کو چھوڑ دے اس کے بعد پشاور میں اجرائے شریعت کے لئے قاضی وغیرہ مقرر کر کے سید صاحب واپس لوٹ کر پنجتار جا پہنچے۔

مجاہدین کا قتل عام سلطان محمد خان کو جب مجاہدین کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور پشاور کا علاقہ بھی اسے واپس مل گیا یا یوں کہئے کہ جب سلطنت کے لٹ جانے کا ڈر تھا وہ محفوظ ہو گئی تو اس نے سازشوں کے جال بچھانا شروع کر دیئے یہ تو پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ اکثر مقامات کے خوانین و صاحب اثر و رسوخ صرف طاقت سے ڈر کر وقتی طور مجاہدین کے ہمنوا ہو گئے تھے ان سے صدیوں کے رسومات کو بہ یک جنبش لب دور نہ کیا جا سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے کے مصداق سلطان محمد خان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے بھی علماء کی خدمات حاصل کیں انہوں نے سید صاحب اور اس کی جماعت کے خلاف فتوے دیئے۔ مخالفین کو ان فتووں کی آڑ مل گئی بالآخر طے پایا کہ ایک ہی رات میں تمام مجاہدین کو جام شہادت پلا دیا جائے۔ اس کی ابتدا رشکار سے ہوئی جہاں سلطان محمد خان نے ارباب فیض اللہ خان اور سید صاحب کے مقرر کردہ قاضی و تحصیلدار کو قتل کیا اور باقیوں کو مختلف مقامات پر نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا اور یہ بزدلی اور بدعہدی کا ایسا بدنما واقعہ ہے جو پٹھانوں کے دامن سے دھلے دھل نہیں سکتا۔

علماء کے خلاف علماء جس وقت یہ ظلم و ستم ڈھایا جا رہا تھا سید صاحب پنجتار میں مقیم تھے۔ حالات سن کر بہت مایوس ہوئے اس علاقہ کو چھوڑ جانے کا فیصلہ کیا بہ ایں ہمہ ان خوانین کو جو اس سازش میں شریک نہ تھے بلا کر حقیقت حال دریافت کی۔ بعض مجرمین نے بھی سید صاحب کے مقرر کردہ افسروں کی سختیوں کا ذکر کیا بعض نے کہا کہ ہماری لڑکیوں کے نکاح بلا ہماری اجازت کے کرائے جاتے تھے اور بعض نے بتایا کہ سلطان محمد خان کی طرف سے ہندوستانی علماء کے فتوے انہیں ملے تھے جن میں مجاہدین کو انگریزوں کا جاسوس ظاہر کیا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ وہ اس ملک کو انگریزوں کے حوالہ کر دیں گے غرض ہر ایک نے کوئی نہ کوئی حیلہ تلاش کر لیا درآنحالیکہ حقیقت یہ سب سلطان محمد خان کے جذبہ انتقام کا نتیجہ تھا۔

سید صاحب کی شہادت سید صاحب کے خیالات سن کر بعض رؤساء نے اختلاف کیا لیکن جب سید صاحب نے اس علاقہ سے انتہائی نفرت کا اظہار کر دیا تو سب خاموش ہو گئے اس دوران میں باشندگان سوات سے بھی مذہبی اختلافات زور پکڑ چکے تھے ان حالات میں سید صاحب نے صاف کہدیا کہ میدانی علاقہ کی مخالفت کو وہ دیکھ چکے تھے۔ پشت پر سوات کا علاقہ وہ بھی مخالف اور خود فتح خان پنجتار پر بھی انہیں اب بھروسہ نہیں رہا تھا حالانکہ اس وقت تک وہ پوری دیانتداری سے ساتھ دے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رہا تھا۔ بہرحال حالات سے مایوس و مجبور ہو کر سید صاحب نے مچھلی (ہزارہ) جانے کا آخری فیصلہ کر دیا اور وسط رجب ۱۲۴۶ھ میں خدا کا نام لیکر روانہ ہو گئے کچھ عرصہ ہزارہ میں تبلیغ کرتے رہے۔ بالآخر بالاکوٹ (ہزارہ) میں سکھوں کے نرغے میں پھنس کر مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے بروز جمعہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو اپنے خلیفہ نائب یار دست راست مولوی محمد اسمٰعیل اور کئی دوسرے ساتھیوں کو ساتھ لیکر جام شہادت نوش کر گئے۔

تحریک مجاہدین پر سرسری نظر

ظاہر ہے کہ حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کی یہ تمام تگ و دو یہ سفر و قیام۔ مسافرت کی صعوبتیں طول طویل راستوں کی مشکلات حتیٰ کہ اپنے وطن اجداد کو ترک کرنے کی غرض و غایت اعلائے کلمۃ الحق کا اجرا تھا۔ ہندوستان کو غیر مسلموں کی غلامی سے نجات دلانا تھا۔ صوبہ سرحد اور پنجاب کو سکھوں کے ناپاک قدموں سے پاک کرانا تھا اور ان مقاصد کے لئے جذبہ جہاد اور ولولہ خدمت اسلام نے انہیں ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے سرحد کی پہاڑیوں تک پہنچایا انہیں ابتداءً اپنے نیک مقصد میں کامیابی بھی ہوئی۔ علاقہ کے باشندے جوق در جوق ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ ہر شخص میدان جہاد میں کود جانے کا متمنی نظر آیا ان کے ایک اشارہ ابرو پر سب مرمٹنے کو ہمہ تن تیار دکھائی دیتے۔

اس کے باوجود سوال یہ ہے کہ جو آبادی سکھوں کے مظالم سے پہلے ہی نالاں تھی جس کی گھٹی میں جنگ کا خون پڑا تھا جو استخلاص وطن کو دنیا کا سب سے بڑا جہاد اور دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھتی ہو بالآخر اپنی اس تمام عقیدت و فرمانبرداری کو چھوڑ کر مخالفت پر کیوں اتر آئی؟ اور بیعت و فرمانبرداری کے بعد کیوں اس طوق اطاعت کو بیدردانہ طریقہ پر اتار پھینکنے کو تیار ہو گئی تھی؟

ان حالات یا سوالات پر غور کرنے سے قبل اس قوم کی ذہنیت اس کی جبلت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور اس کے تمام رسم و رواج پر غور کر لینا ضروری ہے۔ صدیوں سے باہمی جنگ و جدل نے انہیں اس قابل نہ ہونے دیا کہ اپنے لئے کسی نظام تعلیم کا بندوبست کرتی تعلیم دین ایک مخصوص طبقہ کے دست قدرت میں رہی جو علمائے کرام کہلائے انہیں ملک و قوم میں اثر و رسوخ حاصل ہوا ان کے ہر حکم فیصلہ یا فتوے کو حکم خدا و رسول سمجھا جاتا رہا قبائل کے سردار ہمیشہ ان علماء کو اپنے زیر اقتدار رکھنے کی سعی کرتے رہے اور بڑی حد تک انہیں کامیابی بھی ہوئی بلاشبہ وقتاً فوقتاً ایسے علمائے دین بھی پیدا ہوتے رہے جنہوں نے ہر چیز سے بے نیاز ہو کر صحیح معنوں میں تعلیم اسلام کی تبلیغ کی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اکثریت انہی لوگوں کی تھی جن کی علمیت محدود تھی جو قرآن و سنت کو پوری طرح سمجھ بھی نہ سکے لیکن اپنے مخصوص ماحول میں انہیں عزت و وقعت اور اقتدار حاصل ہو گیا۔

ایسی قوم سے راہ و رسم پیدا کرنے اسے اپنے صدیوں کے راستہ سے ہٹا کر کسی نئی راہ پر چلانے اور خصوصاً ان امور کو ترک کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے کہ جنہیں وہ حکم خدا و رسول یقین کر چکی ہو بڑے ہی صبر و تحمل فہم و فراست اور سوچ بچار تدبر و حکمت کی ضرورت تھی سید صاحب اپنے پاک جذبات سے اس قوم میں آکر مقیم ہوئے تو ان کے رسم و رواج یا ان کے عادات سے قطعاً واقف نہ تھے حالات کو دیکھ کر وہ یہی فیصلہ کر سکے کہ مروجہ رسومات خلاف شریعت اسلامیہ تھیں اس وجہ سے پہلے ان کی اصلاح ہونی چاہئے اور اس کے لئے اقدام شروع کر دیا گیا اور قرن اول ۔ مخلص مسلمان کی طرح بے یک جنبش لب احکام خداوندی کو نافذ کرنا چاہا اور اس کا مطلق خیال نہ کیا گیا کہ وہ قوم قرن اول کی قوم نہ تھی۔

سید صاحب کو سرزمین سرحد پر بھی بہت سے مخلص ساتھی مل گئے ان کی وجہ سے قوت و طاقت بھی میسر آئی انہوں نے اس طاقت کو استعمال کرتے ہوئے احکام شرعی کا نفاذ کر دیا حالانکہ انہیں کئی مواقع پر بتا دیا گیا تھا کہ وہ لوگ اپنی پشتینی عادتوں کو بہ آسانی ترک نہ کر سکتے تھے۔ طاقت کے زور سے فیصلے نافذ کئے جاتے رہے لیکن دلوں کو قابو میں نہ لایا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جا سکا کسی خطہ اراضی کو جس پر قتل و مقاتلہ کے بعد دوسرا قبیلہ یا خاندان قبضہ کر چکا تھا اور ایک عرصہ سے استفادہ بھی کر رہا تھا۔ کیونکر یہ آسانی اپنے قبضہ سے نکلنا برداشت کر لیتا خواہ وہ فیصلہ کتنے ہی انصاف و عدل کے اصولوں یا احکام شریعت اسلامیہ کے موافق کیوں نہ ہو حکم کے فوری نفاذ کی بجائے کسی ایسے طریقہ کار کو سوچنا تھا کہ جس سے لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی اور سانپ بھی مر جاتا طاقت کے رعب میں انتقال اراضی کے فیصلوں پر عمل تو کرا لیا گیا لیکن طرفین کے دلوں میں کدورت کے بیجوں کی آبیاری ہونے لگی پھر اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ پٹھانوں میں ہر خان ملک یا سردار کو سب سے زیادہ اپنے وقار کی فکر رہتی ہے اور پھر کچھ پٹھانوں پر ہی منحصر نہیں فطرتاً ہر صاحب اقتدار اپنے اقتدار کے بڑھانے کی دھن میں رہتا ہے ایسی حالت میں سید صاحب کا کسی ایک سردار کے پاس مقیم ہو جانا یا دوسروں سے اسے افضل خیال کرنا خواہ اپنے کردار کی وجہ سے سید صاحب کی نظر میں وہ کتنا ہی محبوب کیوں نہ ہو دوسروں کی مخالفت کا پیش خیمہ بن سکتا تھا اور بن گیا جیسا کہ سید صاحب کے سوانح نگار خود تسلیم کرتے ہیں کہ

> خادی خان ایک حد تک رقیبانہ جذبات کے ماتحت سید صاحب سے برگشتہ تھا یعنی اسے یہ منظور نہ تھا کہ یہ صاحب "خان زیدہ" کو اس سے بہتر سمجھیں اور اسے یہ منظور نہ تھا کہ سید صاحب ہنڈ کو چھوڑ کر پنجتار کو مرکز بنائیں اور اس طرح خادی خان کی بجائے فتح خان کو مرکزی حیثیت حاصل ہو جائے۔[1]

بلاشبہ یہ باتیں بہت ہی معمولی اور دنیا داروں کی باتیں ہیں اور سید صاحب دنیا دار نہیں دین دار تھے لیکن ان معمولی باتوں کے دور رس نتائج سے انکار نہیں کیا جا سکتا سید صاحب کسی کے کردار کی وجہ سے جسے جتنا محبوب سمجھتے انہیں حق حاصل تھا لیکن اس محبوبیت کو وجہ نزاع بننے کی مہلت نہ دینی چاہیے تھی یا اگر ایک مضبوط طاقت اپنے مخالف یا حریف کے پاس ان کے قیام کو برداشت نہ کر سکتی تھی تو یہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا کہ اسے بہ طریق احسن طے نہ کر لیا

---

[1] سوانح سید احمد شہید۔ مہر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جاتا جس سے دونوں فریق پسند کرتے اور دونوں شریک تحریک رہ سکتے لیکن اس معمولی سے مسئلہ پر بروقت غور نہ کی گئی تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو فادی خان تحریک کے لئے مفید ثابت ہو سکتا تھا وہ مخالفت پر اتر آیا اور لڑتے لڑتے مارا گیا۔

تمام احترام کے ساتھ اس سے بھی انکار نہیں کہ جس وقت بھی نظام ملکی ایسے لوگوں کے ہاتھ لگا کہ جو احکام شریعت اسلامیہ کو کتابوں کے اوراق پر دیکھنے کے عادی تھے اور سیاست وقت یا بالفاظ دیگر سوچ بچار یا طریقہ نفاذ احکام پر کبھی غور نہ کر سکے ان کے ہاتھوں نظام ملک کبھی سنور نہ سکا الٹا خراب ہوتا گیا۔ کسی سے یہ کہدینا کہ "تشریف لے جایئے" یا "میری آنکھوں سے دور ہو جایئے" کے مطالب میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن دونوں کے نفاذ میں زمین آسمان کا فرق ہے ہر حکم کے نفاذ کے لئے تدبر و تدبیر کی ضرورت پیش آتی ہے اور سید صاحب کے رفقاء میں اس کی کمی تھی۔ مثال کے طور جب ایک قائد تحریک نے حکم دیدیا کہ اہل رسوم کی نماز جنازہ بھی جائز نہیں اور کسی صاحب علم یا جاہل نے اختلاف کیا اور غلط یا درست جواباً کسی کتاب کا حوالہ بھی دے دیا تو اس کا علاج یہ نہ ہونا چاہئے تھا کہ اسے اس وقت تک گھونسے مارے جاتے کہ جس وقت تک وہ دوبارہ کلمہ پڑھکر اپنے تائب ہونے کا اعلان نہ کر دیتا

اثر و رسوخ حاصل ہونے کے بعد پھر جب قاضی یا محاسب وغیرہ مقرر کئے گئے تو وہ بھی وہی لوگ تھے جنہیں عملاً اپنے فرائض کی ادائیگی کا کوئی تجربہ نہ تھا ان کا اخلاص ان کی نیت ان کی دینداری سب مسلم لیکن عدم تجربہ کاری نے ایسی صورت پیدا کر دی کہ جو لوگ سکھوں اور بارکزیوں کے مظالم سے تنگ آکر اس تحریک میں شامل ہو چکے تھے وہ خود ہی اپنے حکام کے مظالم سے تنگ آکر مخالفت پر اتر آئے بری رسومات کو روکنا لازمی و ضروری تھا لیکن اس کے لئے ایسے ذرائع کی تلاش بھی ایسی ہی ضروری تھی کہ جس سے اختلاف پیدا نہ ہوتا اس کی ترغیب دوسرے طریقوں سے بھی دی جا سکتی تھی نہ کہ یک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جنبش لب حکم دیدیا کہ اسقاط جائز نہیں یا اتنے دن کے اندر تم اپنی لڑکی کا نکاح یا رخصتی کا بندوبست کردو۔

خادی خان جنگ میں مارا گیا تو اس کے مال و اسباب اور اہل و عیال پر قبضہ ہوا خادی خان کو کتنا ہی بڑا مجرم یا گردن زدنی کیوں نہ قرار دیا جائے اس کے بچوں اور مستورات کو قید و بند میں رکھنے کا کوئی جواز نہ تھا اور پھر اگر اس مسئلہ پر قدرے عمیق نگاہ سے غور کر لی جاتی تو یہ حقیقت پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی کہ خادی خان کی اہلیہ کے قریبی رشتہ دار سید صاحب کے لشکر میں شامل اور باعث تقویت تحریک تھے۔ لیکن علماء کی ضد آڑے آرہی تھی۔ مستورات اور بچوں کو قید رکھنے میں فخر محسوس کیا جا رہا تھا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طاقتور شریک کار مقرب خان زیدہ اس معاملہ کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے پھر بھی تحمل سے کام لیا مقابلہ پر نہ اترا اور روپوش ہو گیا۔ تو قطع نظر ان خدمات کے کہ جو وہ ادا کر چکا تھا یا کر سکتا تھا اور اس امر سے چشم پوشی کرتے ہوئے کہ وہ اپنی بہن کو قید و بند میں دیکھنا برداشت نہ کر سکتا تھا اور جنگ یا مخالفت کی بجائے اس نے منظر عام سے ہٹ جانے کا فیصلہ کیا۔ ان علماء کرام نے اسے مفرور قرار دے دیا۔ اگر قدرے تدبر سے کام لیا جاتا۔ قیدیوں کو رہائی دے دی جاتی زوجہ خادی خان کو اس کے بھائی کے حوالے کر دیا جاتا تو ظاہر ہے کہ نہ تو مقرب خان زیدہ کو روپوش ہونے کی ضرورت پیش آتی۔ نہ اس کا بھائی سلطان محمد خان کے پاس امداد کے لئے پہنچتا اور بہت ممکن تھا کہ اس کے بعد کے واقعات اس شکل میں وقوع پذیر نہ ہوتے کہ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

ان حالات سے بارک زئیوں نے فائدہ اٹھایا انہوں نے لوہے کو لوہے سے کاٹا۔ اور جب دیکھا کہ مجاہدین کی ہر حرکت کی پشت پر شریعت اسلامیہ اور علمائے کرام کھڑے نظر آتے ہیں تو انہوں نے بھی اس حربہ کو استعمال کیا۔ ہندوستانی علماء سے فتوے منگوا کر جماعت مجاہدین کو شریعت اسلامیہ کا مخالف۔ نفس پرست۔ انگریزوں کا جاسوس وغیرہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ظاہر کرنے لگے۔ وہ لوگ جو پہلے ہی مجاہدین کے نظام جدید سے تنگ آچکے تھے ان فتووں کی آڑ لیکر مخالفت پر اتر آئے۔ ممکن ہو سکتا ہے کہ کئی ایسے بھی ہوں جو اس فتوے پر ایمان لے آئے ہوں۔ حالات کچھ ہی ہوں اس سے انکار مشکل ہے کہ علماء کے نام سے ہی مخالفت کو تقویت ملی جس کا نتیجہ مجاہدین کا قتل عام سید صاحب کی ناکامیابی اور اعلائے کلمۂ حق کے لئے جاری شدہ مسلمانوں کی ایک بہترین تحریک موت کے گھاٹ اتار دی گئی جو تدبر اور دور رس نگاہوں کے میسر آجانے پر کامیاب و کامران ہو سکتی تھی۔

سید احمد شہید کے بعد وہ دردناک واقعات بیان کئے جا چکے ہیں جن کی وجہ سے سید احمدؒ شہید کو علاقہ یوسف زئے سے نکل کر ہزارہ کی راہ لینی پڑی تھی اور جہاں سکھوں نے تعاقب کرتے ہوئے انہیں شہید کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد کوئی نظام باقی نہ رہا۔ جو خوش قسمت جام شہادت نوش کر سکے وہ تو دائمی زندگی کی سعادت حاصل کر گئے جو اس قتل سے باقی بچے وہ تتر بتر ہوئے ان کے لئے کوئی مرکز باقی نہ رہا تھا سید احمدؒ یا سید اسمٰعیل شہید جیسی کوئی شخصیت باقی نہ تھی وہ رخ کرتے تو کدھر کا؟ لازماً یہی خیال کیا جا سکتا تھا کہ وہ شکست خوردہ ذہنیت اور مایوسی کے عالم میں اپنے وطن اجداد کو واپس لوٹ کر اپنی ناکامیابی اور نامرادی پر آنسو بہاتے رہیں گے لیکن واقعات اس کے برعکس ثابت ہوئے وہ خدا کے نام پر کٹ مرنے کے عزم سے نکلے تھے اپنے اس عزم پر کاربند رہے گو قیادت چھن چکی تھی لیکن عزم و استقلال موجود تھا چنانچہ اس انتشار اور پریشانی کے عالم میں بھی انہوں نے اپنے نیک مقاصد کی آبیاری کی اور حصول مقصد کے لئے انہی سرحدی پہاڑیوں میں سرگرداں رہے۔

سید احمدؒ شہید کی زندگی میں ہی پنجتار کو مرکزی حیثیت حاصل ہو چکی تھی بالاکوٹ سے بچے کھچے مجاہدین نے مولوی ولی محمد کی قیادت میں اس طرف کا رخ کیا۔ فتح خان رئیس پنجتار نے خوش آمدید کہی لیکن زیادہ وقت گزرنے نہ پایا تھا کہ اختلاف نے سر اٹھایا کشمکش

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شروع ہوئی تو مجاہدین نے پنجتار کو چھوڑ کر اول بونیر کی راہ لی لیکن وہاں بھی قیام نہ ہو سکا تو پھر ضلع ہزارہ میں علاقہ امب کی طرف گامزن ہوئے والئی امب نے یہ حالت دیکھی تو انہیں اپنے اغراض کے لئے استعمال کرنا چاہا۔ چنانچہ مولوی ولی محمد کو اگرور کے علاقہ کا حاکم مقرر کر دیا وہ اپنی جماعت کے ساتھ اس علاقہ کی طرف چل دیئے لیکن وہاں کے مقامی اور خصوصاً علاقہ تکری کے باشندوں سے ان بن ہو گئی ان لوگوں نے والئی امب کو مجبور کیا کہ وہ مولوی موصوف اور ان کے رفقاء کو اس علاقہ سے واپس بلا لے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ والئی امب سے بھی تعلقات خراب ہوئے تو انہوں نے ستھانہ کی راہ لی جو سید شہید کے معتمد سید اکبر شاہ کا مسکن تھا اور یہیں انہیں قدرے اطمینان مل سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ستھانہ میں مقیم ہو گئے گو طاقت و قوت حاصل نہ تھی اور ارد گرد کے علاقہ کی مخالفت کا ڈر بھی تھا لیکن سید اکبر شاہ کی شخصیت کی وجہ سے خود ستھانہ میں ان پر کوئی حملہ نہ کر سکتا تھا رفتہ رفتہ انہوں نے اسی جگہ کو مرکزی حیثیت دے دی۔ تحریک سے ہمدردی رکھنے والے یا اس میں شمولیت کے خواہشمند یہیں جمع ہونے لگے اور کہا جاتا ہے کہ اس جگہ انہیں مختلف ذرائع سے ہندوستانی مالی امداد بھی پہنچنے لگی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک قبائل میں ان مجاہدین کے خلاف جذبات بھڑک چکے تھے خود ان میں کوئی ایسا قائد تحریک تھا نہیں کہ جو ابتدائی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی رہنمائی کرتا حالات گرد و پیش سے مجبور ہو کر انہوں نے مقامی جھگڑوں اور قبائلی سیاست میں دخل اندازی شروع کر دی کسی قبیلہ یا سردار قبیلہ کی حمایت ہونے لگی تو کسی کی مخالفت۔ چنانچہ جب ستھانہ میں کچھ طاقت جمع کر لی تو مقامی حالات کے زیر اثر آ کر انہوں نے فتح خان کی طاقت کو ختم کر دینا چاہا لشکر کشی ہوئی تو موضع لوپی (ضلع مردان) کے قریب جنگ لڑی گئی میدان فتح خان کے ہاتھ رہا۔ مجاہدین واپس لوٹ جانے پر مجبور ہوئے اور ان کے قائد مولوی ولی محمد نے تو دل برداشتہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوکر اس علاقہ کو خیرباد کہتے ہوئے ہندوستان کی راہ لی۔

سید احمد شہید کے بعد اس جماعت نے ایک جدا مذہبی فرقہ کا رنگ اختیار کر لیا تھا اور ان کے بعض مریدین یا پیروکاروں نے تو ان کی شہادت سے ہی انکار کر دیا اور یہ ایک عقیدہ بن گیا کہ سید احمد شہیدؒ زندہ روپوش ہو چکے تھے اس وجہ سے وہ دوبارہ ظاہر ہوں گے اور چونکہ مسلمانوں کے بعض فرقوں میں ایسے ہی اعتقادات پہلے سے رائج چلے آرہے تھے اس وجہ سے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی اور ان کے اکثر معتقدین ان کی دوبارہ آمد کے انتظار میں ہو بیٹھے۔

اسی سلسلہ میں جماعت مجاہدین کے مولوی محمد قاسم نے ۱۸۴۶ء میں ہندوستان کے ہمدردان تحریک کو سید شہیدؒ کے دوبارہ نمودار ہونے کی اطلاع دی تو بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے جن کی امداد و اعانت سے مولوی محمد قاسم نے امیر خان رئیس گڑھی پر حملہ کرتے ہوئے اس کے قلعہ پر قبضہ کر لیا ساتھ ہی امیر دوست محمد خان، فرمانروائے افغانستان کو بھی لکھا کہ سید شہید کے دوبارہ زندہ ہو جانے کی وجہ سے بہترین موقعہ تھا کہ وہ لشکر روانہ کرتے ہوئے سکھوں سے اپنا ہتھیایا ہوا ملک واپس لے لے دوست محمد خان کے لئے اس سے بڑھکر اور کونسی حوصلہ افزا اطلاع ہو سکتی تھی لیکن اس نے تدبر سے کام لیا اور لشکر کی روانگی سے قبل اپنے ایک خواجہ سرا کو بھیج دیا کہ وہ جاکر بچشم خود سید صاحب کو دیکھ لے۔

اس خواجہ سرا کے پہنچنے پر اسے بتایا گیا کہ سید صاحب ایک غار میں مقیم تھے ان کے نزدیک کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی اور قریب جانا خود مصائب کو دعوت دینا تھا صرف ان کے مقربین ہی انہیں دیکھ سکتے تھے اور وہ بھی ایک خاص فاصلہ پر کھڑے ہو کر بہرحال وہ اس نمائندہ دوست محمد خان کو بڑی عزت و احترام سے ایک غار کی طرف لے گئے اسے جوتے اتار دینے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ جانے کی ہدایت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوئی اس نے غار کے اندر نگاہ ڈالی تو کوئی بزرگ مصروف عبادت دکھائی دیا اس شخص پر ایسا اثر ہوا کہ وہ ہمراہیوں کی ہدایات وغیرہ کو فراموش کر کے والہانہ انداز میں دوڑ کر چلا اٹھا "اے شہید میری خدمات قبول کر" اور جب کوئی جواب نہ ملا تو اس نے لبادہ پکڑ کر کھینچ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے نیچے ایک بکرے کی کھال میں ہوا بھری تھی اور اس کے سر پر "پگڑی" رکھی ہوئی تھی اس نے ان اشیاء کو اٹھا کر غار کے باہر پھینک دیا اور رہنمائی کرنے والے کی دل کھول کر خبر لی اس کے بعد بھی ان کے زندہ رہ جانے کا عقیدہ اپنا کام کرتا رہا۔ مختصر یہ کہ اب یہ جماعت ملک سے کافروں کو نکالنے یا غلامی سے نجات دلانے کے اصل مقصد کو چھوڑ کر قبائلی جھگڑوں میں الجھ گئی ۱۸۵۲ء میں انہوں نے والئی امب کے خلاف لشکر کشی کرتے ہوئے دریائے سندھ کے کنارے کوٹلہ پر قبضہ کر لیا پھر جب سادات کا غان نے امب کے خلاف ہتھیار اٹھائے تو یہ جماعت ان کے ہمرکاب نظر آنے لگی۔

اس دوران میں انگریزوں سے ان کا مقابلہ جنوری ۱۸۵۳ء میں اس وقت ہوا جب کہ وہ حسن زئیوں کے خلاف لشکر کشی کر رہے تھے۔ اس میں مجاہدین نے حسن زئیوں کا مردانہ وار ساتھ دیا جس کی پاداش میں موضع ملکا کے مسکن برباد کر دیئے گئے تھے پھر ۱۸۵۸ء میں انگریز نے قبیلہ خدوخیل کے خلاف جنگ لڑتے ہوئے مجاہدین سے بھی مقابلہ کیا اور بالآخر خدو خیل اور جدون دونوں قبائل سے اقرار لے لیا کہ وہ مجاہدین کو اپنے علاقہ میں قیام کی اجازت نہ دیں گے نتیجہ یہ ہوا کہ مجاہدین نے وہاں سے نکل کر مہابن پہاڑ کی شمالی ڈھلوان پر پھر ملکا میں اپنے ڈیرے لگا دیئے جو اماز ئیوں کی ملکیت تھا

وقت بسرعت تمام گزرتا رہا چنانچہ ۱۸۶۱ء میں مجاہدین پھر اس علاقہ میں نظر آنے لگے کہ جس سے نکالے جا چکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر قبیلہ اپنی طاقت بڑھانے کے لئے انہیں استعمال کرنے کی فکر میں رہا انگریز نے یہ حالت دیکھی تو پھر جدون اور اتمان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

زئیوں کی سرزنش کرنا چاہی ان کی ناکہ بندی کر دی گئی جس پر اتمان زئیوں نے تو یہ کہکر پیچھا چھڑا لیا کہ وہ جدون اور مجاہدین کی مشترکہ طاقت کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتے تھے اس وجہ سے انگریز نے جدون کے خلاف لشکر کشی کی تو انہوں نے اقرار کر لیا کہ وہ مجاہدین کو اپنے علاقہ میں قیام کی اجازت نہ دیں گے۔ بہت وقت نہیں گزرا تھا کہ مجاہدین نے پھر ستھانہ میں بھی آباد ہونا شروع کر دیا رفتہ رفتہ ان کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا انگریز کو فکر دامنگیر ہوئی تو اس نے فیصلہ کیا کہ ایک آخری ضرب لگا کر ہمیشہ کے لئے اس مسئلہ کو حل کر لیا جائے چنانچہ ۱۸۶۳ء میں صوبہ سرحد کی وہ مشہور جنگ لڑی گئی جس کا ذکر تاریخ کے اوراق پر "معرکہ امبیلہ" کے زیر عنوان کیا جاتا ہے اور جس کا قدرے تفصیل سے بیان مذکورہ عنوان کے تحت انہی اوراق میں کسی دوسری جگہ درج کر دیا گیا ہے۔[1]

معرکہ امبیلہ کے مجاہدین کو پھر جائے رہائش کی تلاش ہوئی تو انہوں نے مولوی عبداللہ کی قیادت میں براندو ندی کا راستہ لیا اور ایک محدود تعداد محمد اسحٰق اور محمد یعقوب کی سرکردگی میں سید اکبر شاہ کے فرزند سید مبارک شاہ کے ساتھ پھر ملکا میں آباد ہو گئی۔ کچھ عرصہ گزر جانے پر چغرزئیوں نے تنگورہ اور لطبورہ کے دو گاؤں مجاہدین کو رہائش کے لئے دیدیئے۔ مجاہدین نے اس جگہ زندگی بسر کرنا شروع کی لیکن کچھ زیادہ اطمینان نہ ہوا۔ قبائلیوں نے ان پر کڑی نظر رکھی حتےٰ کہ جب ۱۸۶۶ء میں مولوی عبداللہ نے لطبورہ میں اپنے لئے برج تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو قبائلیوں نے اس کی اجازت نہ دی اور برج تعمیر نہ ہو سکے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دوران (۱۸۶۶ء) محمد اسحاق اور محمد یعقوب نے برائے راست انگریز سے نامہ و پیام شروع کر دیا تھا لیکن جلد ہی یہ راز فاش ہو گیا تو مولوی عبداللہ نے اس منصوبے

---

[1] یہاں مذکورہ جنگوں کا ذکر اختصار سے کیا جا رہا ہے تفصیل اپنے مناسب موقعہ پر متعلقہ قبائل کے حالات کے ساتھ درج کر دی گئی ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو ناکام بنا دیا اس پر آپس میں جماعتی کشمکش شروع ہو گئی۔

جیسا کہ گذشتہ سطور میں ظاہر کیا جا چکا ہے۔ مجاہدین قبائلی سیاست اور ان کی دھڑے بندی میں حصہ لینا شروع کر چکے تھے اس کے ساتھ سید احمد شہید کے وقت سے ہی بعض مذہبی امور میں مقامی زعماء اظہار اختلاف کر چکے تھے اور ان میں حضرت اخوند صاحب سوات بھی تھے۔ فروری ۱۸۶۸ء میں اطلاع ملی کہ عظیم خان رئیس بچ کٹے نے جو حضرت اخوند کے مخالفین سے تھا مجاہدین کو اپنے پاس مقیم کر لینے پر رضامند کر لیا تھا اور وہ محدود تعداد کو ملکا میں چھوڑ کر تنگورہ اور بلوورہ سے عظیم خان کے پاس مقیم ہونے کے لئے بوریا بستر اٹھائے روانہ ہو چکے تھے۔ چند دن کے بعد پتہ چلا کہ فیروز شاہ کی قیادت میں بونیر کے لشکر کا بھی بزگئے کے قریب اجتماع ہو رہا تھا اس اجتماع اور مجاہدین کے اس طرف آنے کو حضرت اخوند صاحب کے وقار کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے جوابی اقدام ضروری خیال کیا گیا چنانچہ حضرت اخوند کے دست راست میرجی نے مختلف قبائل کا جرگہ طلب کرتے ہوئے اپنی قابلیت سے تمام کو ہمنوا بنا کر ۲۵ مئی ۱۸۶۸ء کو یہ فیصلہ سنا دیا کہ مجاہدین کو چغرزئیوں کے علاقہ سے نکالدیا جائے۔ عظیم خان نے یہ حالت دیکھی تو خاموش ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی زید اللہ خان اور نواب خان بھی خاموش نظر آنے لگے جو مخالف پارٹی کی حمایت میں تھے۔

مجاہدین کے لئے اب اس علاقہ سے نکل جانے کے سوا اور چارہ کار ہی نہ تھا وہ فیروز شاہ اور عظیم خان کو ساتھ لئے پھر ملکا کی طرف لوٹے وہاں پھر مکان بنانا شروع کئے تحفظات کا انتظام کیا اور وقت گزارنے لگے۔ ابھی دو ماہ ہی گزرنے پائے تھے کہ ۲ اگست کو زید اللہ خان بونیر وال نے چند سواتی تاجروں کو راستہ سے گزرتے ہوئے گرفتار کر لیا اب حضرت اخوند کے معتقدین کو موقع ہاتھ لگا تو سالار زئی اور عیسیٰ زئیوں نے حملہ کرتے ہوئے قیدیوں کو رہائی دلانے کے ساتھ زید اللہ خان کو اس کے گھر میں جا قتل کیا۔ ۱۲ اگست کو بزگئے میں مقیم مجاہدین کو اطلاع ملی کہ وہ ایک دن کے اندر وہاں سے نکل جائیں انہوں نے مقابلہ کرنا چاہا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لیکن عظیم خان کے مشورہ سے اس جگہ کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گئے اور واپسی پر راستہ میں کئی ایک کو قتل کر دیا گیا۔ پھر بطورہ پہنچکر بھی جب امن نہ مل سکا تو مجاہدین نے مولوی عبداللہ، عظیم خان اور بونیر کے چند دوسرے خوانین کے ساتھ چغرزئیوں کے علاقہ میں گلیمہ بوری کے مقام پر جا دم لیا یہاں انہیں چند دن کے لئے قیام نصیب ہوا لیکن بونیر کے لشکر کے انتشار پر حضرت اخوند کو مزید طاقت مل چکی تھی چغرزئے بھی ان کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے لگے تو مجاہدین کو بالآخر دریائے سندھ کے کنارے موضع بہار کی راہ لینا پڑی جہاں ۱۸ ستمبر ۱۸۶۸ء کو ان کا پہنچ جانا بیان کیا جاتا ہے۔

اب مجاہدین کی پریشانیوں میں اضافہ ہی اضافہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے کسی مستقل مرکز کی تلاش شروع کر دی اور بہار سے موضع "جودھ بائی" میں جا پہنچے۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے چند کشتیاں بھی خرید لیں تاکہ دریائے سندھ کو عبور کرنے کے لئے کسی کا زیر بار منت نہ ہونا پڑے۔ اس دوران میں ٹکری کے رئیس عبدالغفور خان نے انہیں اپنے ہاں قیام کرنے کی دعوت دی۔ ساتھ ہی الاہی جرگہ اور رئیس تنہکوٹ نے بھی انگریز کے خلاف اقدام کی صورت میں امداد کا وعدہ کیا۔ مبارک شاہ بھی ان سے آملا۔ اب پھر طاقت بڑھنے لگی لیکن اس کے باوجود کوئی قابل ذکر حرکت نہ ہوئی۔ غالباً اب وہ سمجھ چکے تھے کہ ہر رئیس ان کی امداد سے اپنا ذاتی فائدہ حاصل کرنے کی فکر میں تھا۔ رفتہ رفتہ اردگرد سے مخالفت ہونے لگی تو انہوں نے حالات سے مجبور ہو کر اپنے آپ کو قبیلہ حسن زئے کے رحم و کرم پر ڈال دیا۔ یہاں انہیں پلوزئے کے ملک حبیب اور حسن زئیوں کے ایک پیرزادہ کی سفارش سے "میدان" کا علاقہ رہائش کے لئے مل گیا۔

اس کے بعد مجاہدین کی سرگرمیوں کا مرکز زیادہ تر ہزارہ کا علاقہ ہی رہا تا آنکہ جب انگریز نے ۱۸۸۸ء میں "معرکہ کوہ سیاہ" کے نام سے جنگ شروع کی تو مجاہدین نے قبائلیوں کے ساتھ پہلو بہ پہلو میدان جنگ میں انگریز کا مقابلہ کیا۔ اور کوٹکی کے محاذ پر تو اس ہمت و

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جوانمردی سے نبرد آزما ہوئے کہ مخالفین بھی تعریف کئے بغیر رہ نہ سکے اور ایک ایک کر کے سب ہی شہید ہو گئے اور جب پلوسی کے قریب ان کی آبادی کو بھی برباد کر دیا گیا تو بچے کھچے مجاہدین نے ایک دفعہ پھر چغرزئیوں کے علاقہ کا رخ کیا۔

پھر دیم معرکہ کوہ سیاہ" ۱۸۹۱ء میں جب انگریز نے بلیغار کی تو بھی مجاہدین قبائلیوں کے پہلو بہ پہلو مصروف جنگ نظر آئے اور انہوں نے غازی کوٹ میں انگریز پر ایک کامیاب شبخون مارا لیکن انگریز لشکر کی کثرت تعداد کے سامنے ٹھہر نہ سکے تو واپس لوٹ گئے۔ دو سال کے بعد ۱۸۹۳ء میں انہوں نے ایک دفعہ پھر جب کچھ طاقت جمع کر لی تو ملاکا کے قریب ایک دوسرے مقام پر علاقہ امازئے میں اپنی نو آبادیاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا اس وقت انگریز خاموش رہا بعد ازاں جب ۱۸۹۷ء میں ملاکنڈ کی طرف یا اس کے بعد سوات کی طرف انگریز بلیغار کرتا رہا تو ہر موقعہ پر مجاہدین قبائلیوں کے پہلو بہ پہلو جنگ کرتے دکھائی دیئے اور مولوی محمد عبداللہ ان کی قیادت کرتا رہا بعد ازاں ۱۸۹۸ء میں جب انگریز لشکر بونیر میں داخل ہوا تو بھی مجاہدین نے قبائلیوں کا ساتھ دیا لیکن انگریز نے اتنی طاقت سے حملہ کیا تھا کہ قبائلی مقابلہ پر ٹھہر نہ سکے تو مجاہدین بھی وہاں سے نکل کر پھر چغرزئیوں کے علاقہ کی طرف چلے گئے۔

حالات یوں ہی چلتے رہے تا آنکہ مجاہدین نے دریائے براندو کے کنارے چملہ اور امازئے کی سرحد پر آسمس کے مقام پر اپنی نو آبادی بنالی۔ وہیں آباد رہے انہوں نے پھر اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی اس عرصہ میں انگریز سے کسی جنگ کا پتہ نہیں ملتا۔ البتہ ۱۹۱۵ء میں جب مشہور مجاہد حاجی صاحب ترنگزئے[1] نے سدھم کی سرحد پر ہل چل پیدا کی تو مجاہدین ان کے ہمنوا تھے افسوس کہ اس کے بعد خود مجاہدین میں اختلاف پیدا ہو گیا اب وہ دو جماعتوں میں تقسیم نظر آنے لگے ایک تو اپنے اس مقام

---

[1] دیکھو جلد "مہمند" از یوسفی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آسمس میں مقیم رہی لیکن دوسری جماعت نے باجوڑ کے علاقہ میں چمرکنڈ کے مقام پر جا ڈیرے لگائے آسمس کی جماعت تو اپنے حالات اور گردونواح کی فضا کے تابع کچھ زیادہ سرگرمی دکھا نہ سکی۔ لیکن چمرکنڈ کی جماعت عملاً انگریز کی مخالفت میں مصروف دکھائی دیتی رہی اور چونکہ اس علاقہ میں حضرت حاجی صاحب ترنگزئے مسلسل انگریزوں کو پریشان کرتے رہے اور تادم وفات انہوں نے انگریز سے مفاہمت پر آمادگی کا اظہار نہ کیا اس وجہ سے مجاہدین کو بھی جہاد کے بہتر مواقع ملتے رہے اور وہ عام طور حاجی صاحب کے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں دکھائی دیتے رہے۔

ہندوستان کی قومی تحریکات مثلاً مخالفت رولٹ ایکٹ تحریکات ہجرت یا خلافت وغیرہ سب سے ہی ان مجاہدین نے وابستگی کا اظہار کیا گو وہ عملاً ان تحریکات میں حصہ نہ لے سکتے تھے تاہم قبائل میں انہوں نے ان تحریکات کے سلسلہ میں کافی معلومات بہم پہنچا دیں۔ اس سلسلہ میں چمرکنڈ کی پارٹی جو مولوی فضل الٰہی کی سرکردگی میں کام کر رہی تھی پوری تن دہی سے مصروف عمل نظر آتی ہے۔ ضرورت وقت کے پیش نظر اس پارٹی نے قبائلی علاقہ میں پہلا اخبار "المجاہد" کے نام سے جاری کیا۔

بعد میں قبائلی علاقہ سے ایک دوسرا "شعلہ" نامی اخبار شائع ہوا اور اس طرح تحریک آزادی کی آبیاری ہوتی رہی۔

گذشتہ سطور میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ باہمی اختلافات کی وجہ سے یہ مجاہدین دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے تھے آسمس کی پارٹی کی قیادت مولوی نعمت اللہ کر رہے تھے جبکہ چمرکنڈ پارٹی مولوی فضل الٰہی کی زیر قیادت مصروف عمل تھی ۱۹۲۱ء میں مولوی نعمت اللہ کو خود اس کے اپنے حجرے میں شہید کر دیا گیا اور اس کا الزام چمرکنڈ کی پارٹی پر لگا نتیجہ یہ کہ اس وقت سے ان دونوں پارٹیوں میں کوئی رشتہ اتحاد باقی نہ رہا اور دونوں ایک دوسرے کو رقابت کی نگاہوں سے دیکھنے لگیں انگریز نے مقبوضہ علاقہ میں ان مجاہدین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی گرفتاری کے لئے جال بچھا دیا اور ان میں کا کوئی مجاہد جب مقبوضہ علاقہ میں پہنچتا تو مشکل ہی سے اس آئینی نیچہ سے بچ کر نکل سکتا تھا۔ اب انگریز کی گرفت اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ مجاہدین کے لئے ہندوستان سے بمشکل ہی کوئی امداد پہنچ سکتی تھی۔ ۱۹۱۹ء کی جنگ افغانستان میں انہیں وقتاً فوقتاً حکومت افغانستان کی طرف سے مالی امداد ملتی رہی اور پھر تحریک خلافت کے زمانہ میں انہیں صوبہ سرحد سے رقومات بھیجی جانی بیان کی جاتی ہیں۔

۱۹۲۲ء میں مجاہدین چمرکنڈ کی ایک پارٹی جو سات افراد پر مشتمل تھی جن کا مقصد کسی قسم جنگ کرنا نہ تھا۔ جو ہندوستان میں پہنچکر اپنی بقاء و حیات کے لئے کچھ سرمایہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔ جن میں ایک تیرہ چودہ سالہ پنجابی نوجوان بھی تھا۔ پشاور کے گرد و نواح میں انگریز کے ہاتھ لگی تو ان پر مقدمات چلائے گئے۔ ان کے قائد حضرت بلال کو مختلف الزامات میں کوئی اڑتیس سال اور دوسروں کو سات سے چودہ چودہ سال کی سزائیں دی گئی تھیں اور صوبہ سرحد کی سب سے بڑی عدالت جوڈیشنل کمشنر نے ان کے خلاف "بادشاہ کے خلاف جنگ" کرنے کے الزام کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں زیر دفعہ ۱۲۱ الف تعزیرات ہند سزا کو جائز قرار دے دیا تھا۔

دونوں جماعتیں اب بھی موجود ہیں انہوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی نو آبادیاں قائم کر رکھی ہیں اب جس مقصد کے لئے حضرت سید احمد شہید نے ہجرت کی تھی کم از کم وہ مقصد علاقہ پاکستان تک میں تو پورا ہو چکا ہے اس وجہ سے غالباً اب ان کی واپسی یا آزادانہ آمد و رفت کے سلسلہ میں کوئی قانونی پابندی باقی نہ ہو گی۔

آخر میں یہ درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہو گا کہ جس وقت حضرت اخوند صاحب سوات تحریک مجاہدین کی اس کے مذہبی عقائد کی وجہ سے مخالفت کر رہے تھے

۱؎ مولف کتاب کو ان مجاہدین سے پشاور جیل میں مسلسل ملاقاتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس وقت علاقہ صوابی کے موضع کوٹہ کے مشہور مذہبی رہنما حضرت ملا سید امیر صاحب المعروف "کوٹہ ملا صاحب"[1] اس تحریک کی حمایت میں تھے اور پشاور کے مشہور عالم دین مولوی غلام جیلانی[2]۔ ملا عبدالمجید اور قاضی منصورا دعلاقہ خلیل کے پیر غیاث ساکن، پلوزئے ان کی ہمنوائی کر رہے تھے۔

[1] محمد جو رشید گورنر صوبہ سرحد اور کرنل ڈاکٹر احمد خان اور کئی دوسری نامور انہی کی اولاد سے ہیں۔

[2] مولوی غلام جیلانی مرحوم کا بیش بہا اور نادر کتب پر مشتمل کتب خانہ نواب سر عبدالقیوم خان مرحوم کی کوشش سے اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری کو منتقل کر دیا گیا تھا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یوسف زئے اور انگریز

اگر سوات کی شرعی حکومت اور مجاہدین قبائل کا سردار سید اکبر شاہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

(سر ہربرٹ ایڈورڈ)

انگریز نے خالصہ دربار کا چراغ گل کرنے کے بعد ۱۸۴۹ء میں پشاور اور اس کے ملحقہ تمام اس علاقہ پر سکھوں کے وارث کی حیثیت سے قبضہ کر لیا کہ جس پر سکھ حکومت کر رہے تھے۔ اس طرح علاقہ یوسف زئے کا بہت سا میدانی علاقہ بھی انگریزوں کے زیر نگین آگیا تو گویا ایک غیر مہذب۔ وحشی اور بربریت نواز سکھ حکومت کی بجائے انگریز کی مہذب بربریت پسند حکومت برسر اقتدار نظر آنے لگی۔ مذکورہ دونوں حکمرانوں کے طریقہ کار میں فرق ضرور تھا لیکن مقاصد میں کوئی اختلاف نہ تھا سکھ لوٹ مار ظلم و ستم تباہی و بربادی سے محصولات وصول کرنے کی فکر میں اس علاقہ کو غلام بنا لینا چاہتے تھے تو انگریز بھی جبر و استبداد میں کسی طرح اپنے پیش رو سے کم نہ تھا البتہ اس نے کڑوا زہر دینے کی بجائے جبر و ستم کی شہد میں لپٹی ہوئی گولیوں سے پٹھانوں کو مدہوش کرنا چاہا۔ جابرانہ قوانین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا نفاذ ہوا۔ ہر انگریز افسر کی مرضی اس کا قانون اور حرکت لب حکم کا درجہ رکھتی تھی لیکن اس کے ساتھ بلاشبہ وہ حکمرانی کرنے کا دلدادہ تھا اس وجہ سے اس نے ملکی ترقی کی طرف بھی قدم اٹھایا اور کم از کم مقبوضہ علاقہ میں قیام امن کی کوشش بھی کی اور اس میں اسے بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی اور اس نے سکھوں کی طرح صرف لوٹ مار میں وقت ضائع نہ کیا۔

ابتدا میں انگریز کی روش

پشاور پر قبضہ کر لینے کے بعد میجر جارج لارنس جو سکھوں کے آخری ایام اقتدار میں لاہور میں مقیم انگریز ریذیڈنٹ کے نمائندے کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہا تھا پشاور کا پہلا ڈپٹی کمشنر مقرر ہوا۔ انگریز شکر کی کمان سر کولن کمبل کر رہا تھا جو بعد میں لارڈ کلائڈ کے نام سے مشہور ہوا پشاور چھاؤنی کی بنیاد اسی نے رکھی تھی۔ قبائلی جدید حکومت کو شک و شبہ سے دیکھنے لگے۔ خطرات کے بادل پورے سرحد پر منڈلاتے نظر آئے لیکن انگریز نے تدبر سے کام لیتے ہوئے ایسی حرکات سے اجتناب کیا کہ جن کی وجہ سے ناخوشگوار صورت حال پیدا ہو سکتی تھی۔ حتی الامکان جنگ و جدل سے گریز کرتا رہا تاکہ نظام سلطنت قائم ہو کر اس کی گرفت مضبوط ہو سکے۔ چنانچہ جلد ہی پشاور ڈویژن کا علاقہ نہ صرف یہ کہ بہت ہی اہم شمار کیا جانے لگا بلکہ ۱۸۵۲ء تک وہ ہندوستان کا وسیع ترین ڈویژن بن چکا تھا جس میں اٹک راولپنڈی اور جہلم کے ساتھ کوہ مری کے علاقے بھی شامل تھے۔[1]

انگریزوں کو سرحد کی سرزمین پر قبضہ کرنے کے بعد ابتدا میں درہ کوہاٹ کے افریدیوں سے اولین جنگ لڑنا پڑی اس وقت علاقہ یوسف زئی میں کسی شورش کا پتہ نہیں چلتا مجاہدین سے انگریز ۱۸۵۷ء سے قبل کئی ایک مواقع پر نبرد آزما ہوئے لیکن ان کا زیادہ تر تعلق تاریخ علاقہ ہزارہ سے ہے اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ بحیثیت مجموعی یوسف زئی علاقہ انگریزوں کی آمد کے بعد ایک عرصہ تک خاموش رہا اس خاموشی سے

[1] فارن ایزان انڈیا۔ لارڈ رابرٹس۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یہ مراد نکلی جانی چاہیے کہ قبائلی مطمئن ہو بیٹھے بلکہ برعکس ازیں وہ انگریز کی آمد کے ساتھ ہی اس کی آمد کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مستقبل کی فکر کر رہے تھے۔

اخوند صاحب سوات کی دور اندیشی حضرت اخوند صاحب سوات نے انگریز کی آمد کے پہلے سال ہی کے دوران اس خطرہ کو محسوس کیا کہ انگریز لازماً ان کے وطن اجداد کی طرف اقدام کریگا۔ چنانچہ انہوں نے علاقہ سوات کے قبائلیوں کو منظم کرنے کی مہم شروع کی اور انہی کی کوشش و سعی سے حضرت پیر بابا کی اولاد سے سید اکبر شاہ کو سواتیوں نے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور حقیقت موجودہ ریاست سوات کی ابتداء اسی وقت سے ہوئی ہے۔ حضرت اخوند صاحب اپنے زہد و تقویٰ کے لئے بہت ہی ہر دلعزیز تھے اس وجہ سے ابتداءً یہی کوشش ہوئی کہ فرائض امارت کو وہ خود ہی سنبھال لیں وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ پہل کرتے ہوئے انہوں نے سید اکبر شاہ کی بیعت یا امامت کا اعلان کر دیا۔[1]

سوات کی پہلی بادشاہت کا خاتمہ عہد سید اکبر شاہ میں حضرت اخوند صاحب ملت کو مجتمع کرنے کی ان تھک کوششیں کرتے رہے لیکن جیسا کہ حالات مجاہدین میں دکھایا جا چکا ہے ان لوگوں کے لئے یک دم اپنی دیرینہ رسم و رواج کو ترک کر دینا آسان کام نہ تھا۔ پھر سید اکبر شاہ کے خاندان کو سید احمد شہید کی تحریک سے قرب حاصل رہا تھا اس لئے زیادہ تر عمال مجاہدین سے ہی مقرر کر دیئے جو وطنی باشندوں کی طبائع سے پوری طرف واقف نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف پیدا ہونے لگے ساتھ ہی بدقسمتی سے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو عین اس دن کہ "جنگ آزادی ہند" (مشہور غدر) کے شروع ہو جانے کی اطلاع پشاور پہنچی تھی سید اکبر شاہ رحلت فرما گئے تھے۔ ان کے بعد ان

---

[1] تفصیلات کے لئے دیکھو باب سوات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے لڑکے سید مبارک شاہ اور حضرت اخوند صاحب کے فرزند عبدالحنان نے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو جلد ہی مذکورہ حکومت ختم ہوگئی۔

یہ دور ہندوستان کی اس جنگ آزادی کا ابتدائی دور تھا جسے اکثر مورخین نے "غدر دہلی" کے نام سے یاد کیا اور اس وقت کہ سید اکبر شاہ کی وفات پر سید مبارک شاہ اس علاقہ کی قیادت سنبھالنے کی فکر میں تھا۔ انگریز فوج سے بھاگے ہوئے کوئی پانچ سو افراد سوات جا پہنچے جبکہ ان کے کوئی ڈیڑھ سو ساتھی انگریز کے ہاتھوں راستہ میں شہید کئے گئے تھے نوجوان متلاشی اقتدار حکمران نے انہیں فوراً اپنے لشکر میں شامل کرلیا۔ ہلچل پیدا ہونے لگی انگریز کے خلاف نبرد آزمائی کے منصوبے باندھے گئے۔ ان سپاہیوں نے تنخواہ کا مطالبہ کیا ملک میں ابتری پھیلی ہوئی تھی کوئی منظم حکومت باقی نہ تھی تنخواہ کہاں سے دی جاتی اس مشکل دور میں مذکورہ سپاہیوں کے ایک سردار نے سید مبارک شاہ کو ایک ہزار روپے قرض دیدیئے لیکن اس سے کتنے دن کام چل سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ قرض دینے والے سردار نے عالم یاس میں خودکشی کرلی حضرت اخوند صاحب نے یہ حالت دیکھی تو یہی فیصلہ کیا کہ اس تنخواہ دار لشکر کو توڑ دیا جائے۔ درحقیقت قبائلی علاقہ میں کسی وقت بھی تنخواہ دار ملازمین دکھائی نہیں دیتے۔ وقت ضرورت اور جہاد کے مواقع پر قبائلی جوش جہاد اور ولولہ قربانی سے سرشار میدان جنگ میں کود جاتے رہے ہیں حضرت اخوندؒ نے اپنے اس دیرینہ طریق کار پر عمل کرتے ہوئے اس لشکر کو برطرف کردیا اور جب سید مبارک شاہ کے لئے بھی فضاء سازگار نہ رہی تو انہوں نے سوات سے نکل کر وادی پنجتار کی راہ لی مذکرہ سپاہی اور جمعیت مجاہدین کے ارکان بھی آپ کے ہمرکاب رہے۔ بعد میں مذکورہ فوجیوں کی اکثریت کشمیر کی طرف چلدی[1] تو سید مبارک شاہ نے ہنتھاڑ میں قیام کیا۔

---

[1] پنجاب میوٹنی رپورٹ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پنجتار کی طرف انگریز کا اقدام پنجتار پہنچنے پر مجاہدین نے منگل تھانہ میں اپنی نو آبادیاں قائم کر لیں۔ مقرب خان پنجتار سے ان کے گہرے مراسم رہے رفتہ رفتہ مجاہدین نے حرکت شروع کی تو انگریز کو پریشان کیا جانے لگا اس وقت مجاہدین کی قیادت مولوی نعمت اللہ کے دست قدرت میں تھی اور انگریزوں کو پریشان کرنے کے سلسلہ میں مجاہدین اور دوسرے قبائلیوں کی قیادت مقرب خان کا چچا زاد بھائی میر باز خان کر رہا تھا انہوں نے میدانی علاقہ کے لوگوں میں تبلیغ شروع کی اور انہیں عدم ادائیگی ٹیکس پر آمادہ کرنے لگے۔ انگریز ان کی حرکات کو برداشت نہ کر سکتا تھا اس نے ۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو لشکر بھیجدیا۔ شدید جنگ لڑی گئی۔ میر باز خان میدان جنگ میں مارا گیا۔ مجاہدین کے ایک قائد اور ایک قبائلی سردار کو جو زندہ گرفتار ہو گئے تھے فوری طور پر تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور دیگاؤں کو نذر آتش کرتے ہوئے انگریز نے اپنا دل ٹھنڈا کیا۔

نارنجی پر انگریز سے دوبارہ جنگ دہلی سے جنگ آزادی کے سلسلہ کی اطلاعیں مسلسل ملنے لگیں تو قبائلی بھی مشتعل ہونے لگے۔ ان کے لشکر نے بھی نقل و حرکت شروع کر دی گو اس وقت ان کی کوئی منظم طاقت نہ تھی تاہم انگریز پریشان ہونے لگا اس نے بھی اپنے لشکر کو حرکت دی قبائلیوں کو انگریزی اقدام کا یقین ہو گیا تو انہوں نے نارنجی کے مقام پر ڈیرے لگا دیئے۔ ہر پارٹی یا جماعت اپنا علم لئے میدان جہاد میں کودنے پر تیار نظر آنے لگی۔ انگریز نے اپنی پوری طاقت سے حملہ کر دیا قبائلی بھی مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن انگریز کے نظم اس کی کثرت تعداد اور فوقیت اسلحہ کے سامنے زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکے تو ۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریز لشکر نے نارنجی پائین کو مسمار کر دیا۔ قبائلی اس جوش سے مصروف جنگ تھے کہ اس دن انگریز مزید اقدام نہ کر سکا۔ اس کے بعد اس نے مزید امداد حاصل کی کشمکش جاری رہی تا آنکہ بمشکل تمام ۳ اگست کو انگریز ہاتھیوں کو ساتھ لئے بالائی نارنجی کو برباد کرنے میں کامیاب ہوا۔

۱؎ اول جنگ کا قصہ تعارف میں دیکھئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس آبادی کو ہاتھیوں کے ذریعہ مسمار کیا گیا۔ برجوں کو انجینیروں نے بارود سے اڑایا تو مجاہدین کے ایک سردار کو جو زندہ گرفتار ہو گیا تھا اس جگہ پھانسی پر چڑھا دیا گیا ایک غیر منظم لشکر پر فتح حاصل کر کے انگریز نے اطمینان کا سانس لیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ

اگر سوات کی شرعی حکومت اور مجاہدین قبائل کا سردار سید اکبر شاہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔[1]

انگریز کا تدبر حقیقت انگریزوں کے لئے بیدور اپنے اندر مصائب و آلام لئے ہوئے تھا اگر کوئی کمزور اور بزدل قوم ہوتی تو فوراً ہتھیار پھینک دیتی لیکن انگریز نے تدبر کے ساتھ ہمت و حوصلہ سے کام لیا وہ سمجھ گیا کہ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہیگا تو ہمت کیوں ہاری جائے اور بقول رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر جب چاروں طرف سے مایوسی عود کر آئے تو گرد و نواح اور نشیب و فراز سے بے نیاز ہو کر تخت یا تختہ کا عزم لئے آخری چھلانگ لگا دینی چاہیئے انگریز بھی اس مقولہ پر عمل پیرا رہا اس نے جب ملک کے اندر اور قبائل میں ہلچل دیکھی تو کسی طرح حوصلہ نہ ہارا۔ ایک طرف لشکر کو تیار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ دوسری طرف اقدام کا حکم دے کر نارنجی میں جنگ بھی لڑی ساتھ ہی اپنا رعب و وقار قائم رکھنے کے لئے اس نے پشاور میں تاجروں سے حکومت کے نام پر قرضہ بھی مانگ لیا۔ حقیقت وہ عوام پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ انگریز کی حکومت مستحکم تھی اسے کسی جنگ و جدل سے خطرہ نہ تھا لیکن عوام کا خیال اس کے برعکس تھا چنانچہ جب کمشنر کی دعوت پر تاجر جمع ہوئے تو بمشکل تمام وہ مشترکہ حیثیت میں پندرہ ہزار روپے تک دینے پر آمادہ نظر آئے۔ انگریز کو اپنے وقار کی فکر تھی۔

---

[1] تاریخ ریاست سوات بحوالہ سر ہربرٹ ایڈورڈ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس نے پانچ لاکھ کا مطالبہ پیش کر دیا اور ظاہر ہو گیا کہ اگر بخوشی یہ رقم وصول نہ ہوئی تو زبردستی وصول کر لی جائیگی اور جب ساتھ ہی اس افواہ کی تردید کر دی کہ انگریز کسی قیمت پر سندھ پار کا علاقہ حکومت افغانستان کو سونپ دینے کے لئے تیار نہ تھا تو اس پر تاجروں کو اطمینان ہوا اب وہ آپس میں سر جوڑ بیٹھے ہر ایک نے دوسرے پر بوجھ ڈالنے کی کوشش کی لیکن انگریز بھی بڑا ہشیار تھا۔ اس نے اپنے ایک ملازم "مان مل" کو مقرر کر دیا کہ وہ حالات کے پیش نظر ہر ایک کا حصہ رسدی مقرر کرے چنانچہ اس طرح چار لاکھ روپے جمع ہو گئے۔ انگریز اپنے مقصد میں کامیاب رہا تو عوام کو یقین ہو گیا کہ وہ ملک کو چھوڑ جانے والا تھا۔

انہی ایام ہنگامہ آرائی میں فتح محمد خان خٹک کو دریائے سندھ میں آمد رفت رکھنے والی کشتیوں کا نگران بنایا گیا تھا جو ایک سو سپاہیوں کو ساتھ لئے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ پشاور کی سرکاری عمارتوں خصوصاً عدالتوں کی حفاظت بنگش سردار بہادر شیر خان کر رہا تھا جو کوہاٹ سے اپنے ساتھ ایک سو افراد لے کر چلا تھا اور درہ کوہاٹ سے گزرتے ہوئے اس نے ان میں پچاس افراد کا اور اضافہ کر لیا تھا۔

---

۱ پشاور گزیٹیر ۱۸۹۷-۹۸ء۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قبیلہ خدوخیل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قبیلہ خدوخیل

قبیلہ خدوخیل۔ منڈڑ کی شاخ اتمان زئے کے قبیلہ سدوزئے کی ذیلی شاخ ہے جس کے مقبوضہ علاقے کا حدود اربعہ یوں بیان کیا جاتا ہے۔ شمال میں کوہ ہائے سپرتئے۔ مشرق میں نگنن نالہ سے منگل تھانہ تک کا علاقہ مغرب میں مقبوضہ حکومتی علاقہ رجڑ جنوب میں پھر مقبوضہ حکومتی علاقہ صوابی سلیم خان وغیرہ اور جنوب مشرق میں علاقہ گدون وغیرہ۔

خدوخیل پھر بام خیل۔ قاسم۔ خواجہ ولیں۔ موسیٰ۔ عثمان اور لعل خیل میں منقسم ہیں سرزمین سرحد پہ قدم رکھنے کے موقعہ پر ڈاگہ طوطالئے۔ ڈکارا۔ چنگلئے۔ باجا۔ پختبار۔ سوادئے درگلائے۔ ہال۔ سرتئے۔ قاسم خیل اور چونار وغیرہ میں آباد تھا۔ دوسرا حصہ بام خیل کے نام سے موسوم۔ طوطالئے۔ غازی کوٹ۔ جنگی درہ۔ غرغشتی۔ خلائے کلی۔ چنگلئے اور ڈنڈائے اور موضع بام خیل وغیرہ میں مقیم دکھائی دیتا تھا اور مقبوضہ حکومتی علاقہ میں باجا اور بام خیل کے نام سے اس قبیلہ کی مشہور آبادیاں ہیں۔ یہ علاقہ زیادہ تر بدری نالہ سے سیراب ہوتا ہے اور گویہ نالہ عام طور خشک دکھائی دیتا ہے لیکن موسم برسات میں وہ دریا کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور علاقے کے دوسرے ندی نالوں کو سمیٹتا ہوا موضع سلیم خان (ضلع مردان) کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قریب سے گزر کر دریائے سندھ میں جا گرتا ہے اس قبیلہ کے قبائلی علاقہ کی طرف جانے کے لئے مشہور راستے یوں بیان کئے جاتے ہیں۔ زنجی۔ لغوچ۔ امان۔ کوٹ۔ درن۔ تگرائے مغل درہ جنڈلی درہ وغیرہ۔

بہاکو خان یوسف زئیوں میں خدوخیل قبیلہ کو عہد مغلیہ سے اہمیت حاصل رہی ہے۔ اسے بہت طاقتور خیال کیا جاتا تھا اور وقتاً فوقتاً اس کے خوانین ملک یا سردار ان نے اپنے تدبر اپنی طاقت اور اپنی ہمت سے اس قبیلہ کے نام کو روشن کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ابتداء عہد شاہجہاں میں اس قبیلہ کا اس وقت خصوصیت سے ذکر ہوا جب کہ ملک بہاکو خان نے اس کی قیادت سنبھالی تھی بہاکو خان کے سلسلہ میں اسی قدر معلوم ہو سکا ہے کہ وہ قبیلہ کے ایک عام سردار مامون خان کا لڑکا تھا اس نے اپنی طاقت اور ہمت سے قوم میں نام پیدا کیا اور عام قاعدہ کے مطابق اس کے عزم و استقلال نے اسے قبیلہ میں ممتاز حیثیت دلادی وہ ابھی عالم شباب میں ہی تھا کہ اس علاقہ میں اخوند سالک بابا کے نام سے ایک بزرگ نمودار ہوئے اور رسم ملک کے مطابق انہوں نے تبلیغ یا ملکی اصطلاح میں "امر بالمعروف" شروع کر دیا۔ قبائلی علاقہ میں ایسے بزرگ وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے اور ان میں سے اکثر اپنے وقت کے مسلمہ قائد شمار کئے گئے تھے اسلام کے نام پر ان حضرات کو فوری حمایت حاصل ہو جاتی رہی اور اس عملی امداد و اعانت سے وہ میدان جنگ تک میں نمایاں خدمت سرانجام دیتے دکھائی دیئے۔ ان میں کے چند ایک کا ذکر گذشتہ اوراق میں بھی کیا جا چکا ہے۔ مثلاً اخوند صاحب سوات ہڈا ملا صاحب ملاستان یا حاجی صاحب ترنگزئے وغیرہ۔

مختصر یہ کہ جس وقت اخوند سالک نے سرگرمی شروع کی اس وقت بالو خان پنجتار میں مقیم تھا اس نے اپنے ساتھیوں کو ساتھ لئے اخوند کے لشکر میں شمولیت کی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بہا کو خان خود اپنے قبیلہ کا خان تھا اور جب اسے اخوند سالک کی امداد بھی حاصل ہو گئی تو اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اقدام کرتے ہوئے ابتداءً ان لوگوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا کہ جو کوہ ڈومامل کے علاقہ میں مقیم اور کافر کہلاتے تھے یہ لوگ تاتاری النسل خیال کئے جاتے ہیں۔ اخوند سالک نے ان سے یہ علاقہ خالی کرالیا تو ان کی جگہ خٹر زئیوں نے لے لی تھی۔ اس جنگ میں بہا کو خان نے اپنی جرأت اور دلیری کا اور بھی سکہ جمایا اخوند صاحب کا زیادہ مقرب بنا تو ہر جگہ اس کی جوانمردی کے چرچے ہونے لگے۔

قبائلی چونکہ فطرتاً ابتدا ہی سے آزادی پسند تھے جنگ و جدل سے انہیں شغف رہا۔ ایسی حالت میں قیادت اسے ہی ہاتھ لگ سکتی تھی جو اپنے رفقاء میں نمایاں حیثیت کا ثبوت دے سکے بہا کو خان کو یہ حیثیت حاصل ہو گئی وہ سرداران قبائل سے تو تعلق رکھتا ہی تھا اب ان میں بھی نمایاں نظر آنے لگا اور رفتہ رفتہ پوری قبیلہ کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دکھائی دے رہی تھی اس کے کردار سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے اپنے تدبر سے قبیلہ کو متحد و متفق کرنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ ایسے موقع پر بھی کہ قبائلی مغلوں کے خلاف اکثر و بیشتر مواقعات پر کمر بستہ دکھائی دیتے تھے اس نے اپنی پہاڑیوں سے نکل کر کسی ایک موقع سے فائدہ اٹھایا تو مغل تاجدار شاہجہاں نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے میدانی علاقے میں یوسف زئیوں سے "دھرت" وصول کرنے کی اسے اجازت دے دی۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ بہا کو خان کو مزید قوت مل گئی لیکن اس کے ساتھ مغل حکمران کو بھی بڑی حد تک بہا کو خان کی موجودگی سے اس علاقہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور یہی وجہ ہے کہ عہد شاہجہاں میں یوسف زئیوں کے خلاف کوئی قابل ذکر اقدام نہ ہوا۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یوسف زئیوں نے شاہ جہان کو اپنے قبیلہ کا اعزازی رکن بھی بنا لیا تھا[1] (نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میجر جنرل وصل محمد خان
کمال زئے - مشران زئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بہاگو خان کی قوت میں دن بدن اضافہ ہونے لگا اب اس کے حوصلے بھی بلند ہوئے چنانچہ اس نے اپنے اقتدار کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے تگ و دو شروع کر دی حتےٰ کہ دریا کو عبور کر کے ہزارہ کے علاقہ میں بہت سی املاک پر قبضہ کر لیا۔ اس وجہ سے دربار مغلیہ کے ساتھ اس کے تعلقات خراب ہوئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کشیدگی نے زیادہ ناخوشگوار شکل اختیار نہ کی اور جلد ہی معاملہ کو سلجھا لیا گیا تھا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد جب قبائلیوں کے خلاف لشکر کشی کرتے ہوئے خود عالمگیر اورنگ زیب اس طرف آیا اور حسن ابدال میں مقیم ہوا اور اس کے حسن تدبر سے آتش جنگ سرد پڑنے لگی تو اسوقت جہاں مشہور افغان شاعر خوشحال خان خٹک کے لڑکے کو ہم شاہی دربار میں ایک وفادار کی حیثیت سے دیکھتے ہیں وہاں اس کے پہلو بہ پہلو بہاگو خان کا لڑکا بھی اس صف میں کھڑا دکھائی دیتا ہے[1] صرف یہی نہیں بلکہ مغل دربار کی طرف سے بہاگو خان کے جانشینوں کو مسلسل رقومات یا عطیات ملتے رہے جو پشت در پشت یوں دکھائی دیتے ہیں۔ زین خان محبت خان۔ رحمت خان۔ نامدار خان اور الف خان۔

الف خان پہلے پہل اس خاندان کو اس وقت اندرونی مشکلات کا سامنا ہوا جبکہ قیادت الف خان کے ہاتھ میں تھی اور پھر یہ مخالفت کسی نہ کسی رنگ میں وقتاً فوقتاً سر اٹھا کر اس خاندان کو کمزور کرنے کا باعث بنی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عہد برطانیہ

(پچھلے صفحہ کا نوٹ) ہمارا ڈان کراچی مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۵۶ء اشتراکی جمہوریہ چین کے وزیر اعظم کے دورہ پاکستان کے دوران میں نہیں مردان کے ایک عام اجتماع میں قبیلہ یوسف زئی کا اعزازی رکن بنایا گیا تو اس تقریب میں ظاہر کیا گیا تھا کہ اس قسم کا اولین اعزاز شاہجہاں کو حاصل ہوا تھا اس تقریب میں جنرل محمد ایوب خان کمانڈر انچیف افواج پاکستان بھی موجود تھے اور انہوں نے مسز چواین لائی کی تقریب دستار بندی میں حصہ لیا تھا۔

[1] دیکھو تعارف قبیلہ اتمان زئی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے دوران میں اس قبیلہ کا مشہور بہادر و نڈر سردار مقرب خان پنجتار کو چھوڑ کر حکومتی علاقہ کے مقام باجامیں مقیم ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔

واقعات یوں بیان کئے جاتے ہیں کہ موضع منگل تھانہ کی ایک گجر لڑکی "پنی" کا موضع درگلئے کے ایک گجر لڑکے "چلانا" سے شادی ہوئی تھی لیکن اس جوڑے میں کوئی ایسا اختلاف پیدا ہوا کہ لڑکی نے بھاگ کر الف خان کے پاس پنجتار میں جا پناہ لی۔ چلنا بھی اس کے تعاقب میں پہنچا کہ اپنی بیوی کو حاصل کرے لیکن الف خان نے اس خیال سے کہ کہیں وہ لڑکی کو قتل نہ کر دے حوالگی سے انکار کر دیا۔ چلنا نے دوسرے خوانین قبیلہ کی طرف رجوع کیا چنانچہ ان خوانین نے جرگہ کی شکل میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ لڑکی اس کے خاوند کے حوالہ کر دی جائے۔ پٹھانوں میں جرگہ کو کبھی واپس نہیں کیا جاتا اور شدید ترین معاملات میں بھی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ اراکین جرگہ کو مطمئن کیا جائے مذکورہ معاملہ کوئی ایسا اہم و سنگین بھی نہ تھا اس میں الف خان کے وقار پر بھی کوئی زد نہ پڑتی تھی لیکن بہ ایں ہمہ اس نے حوالگی سے انکار کرتے ہوئے اراکین جرگہ کو ناراض کر دیا جس کے یہی معنے تھے کہ اس نے خود اپنے قبیلہ کو مخالفت کا موقع دیا نہیں کہا جا سکتا کہ الف خان نے ایسا اقدام کیوں کیا ہو سکتا ہے کہ بعض دیگر خوانین نے قیادت کی رقابت میں حالات کو سلجھنے نہ دیا ہو بہر حال یہ حوالگی سے انکار اختلاف کا باعث بن سکتا تھا اور بنا۔ اراکین جرگہ نے واپس لوٹ کر مذکورہ انکار کو رسم ملک کے خلاف اور قبیلہ کی تذلیل پر محمول کرتے ہوئے الف خان سے بدلہ لینے کی ٹھانی اور لشکر لئے اس کا محاصرہ کر لیا۔ قبیلہ کی کثرت آبادی جو کل تک الف خان کی حمایت پر کمر بستہ تھی اب اپنے قومی وقار اور جرگہ کی عزت بچانے کے نام سے اس کے خلاف صف آرا ہو گئی اس دوران میں وہ لڑکا۔ چلنا اتفاقیہ گولی کا نشانہ بنا۔ صلح و صلاحیت کی کوشش پھر ہوئی تو قبیلہ کی طرف سے شاہ رند امبار شاہ اور رنبور شاہ پھر بطور جرگہ الف خان سے ملے وہ صلح پر رضامند ہو گیا۔ چلنا داعی اجل کو لبیک کہہ چکا تھا لڑکی کا نکاح امبار شاہ رکن جرگہ کے بیٹے زمان شاہ سے کر دیا گیا وہ پھر اطمینان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے زندگی بسر کرنے لگی تو اس سے عبید اللہ اور اوید اللہ نامی دو لڑکے بھی پیدا ہوئے۔

فتح خان الف خان کی وفات پر قیادت اس کے لڑکے فتح خان کے ہاتھ لگی اس نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے قبیلہ کے نام کو روشن رکھنے کے لئے تگ و دو کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی قبیلہ میں باہمی اختلافات نے بڑی سرعت سے سر اٹھایا اور اس کے بعد اس قبیلہ کی تاریخ حقیقتاً فتح خان اور اس کی اولاد کے گرد ہی گھومتی رہی ہے جس کی مختصر روئیداد یوں بیان کی جا سکتی ہے۔

تحریک مجاہدین کے قائد سید احمدؒ جب سکھوں سے اولین جنگ لڑنے کے بعد علاقہ یوسف زئی میں مقیم ہونے کی غرض سے اس علاقہ کا دورہ کرنے لگے تو اس قبیلہ خدو خیل کے خان فتح خان نے انہیں اپنے پاس پنجتار میں مقیم ہو جانے پر رضامند کر لیا تھا چنانچہ وہ پنجتار میں مقیم ہوئے تو اس تحریک میں اس جگہ کو خاص اہمیت حاصل ہوئی فتح خان نے دل کھول کر اس تحریک میں حصہ لیا جس سے اس تحریک کو نمایاں تقویت ملی پھر سید صاحب کی شہادت کے بعد جب بچے کھچے مجاہدین اس طرف لوٹے تو انہیں بھی اس فتح خان نے بنا دوی پنجتار میں انہیں مقیم رکھا[1] بعد میں ان سے اختلافات بھی پیدا ہوئے جس وجہ سے مولوی ولی محمد کی قیادت میں یہ مجاہدین یہاں سے رخصت ہو کر ہزارہ پہنچے تو انہوں نے فتح محمد خان کے خلاف محاذ قائم کر دیا اور لشکر لئے دریا کو عبور کرتے ہوئے مقابلہ پر اتر آئے لیکن فتح خان کی طاقت کے سامنے ٹھہر نہ سکے تو موضع ٹوپی ضلع مردان کے قریب شکست کھائی اور واپس لوٹ گئے اس کے بعد ۶۵ سال کی عمر میں فتح خان نے فرشتۂ اجل کو لبیک کہا تو ۱۸۴۱ء میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

مقرب خان سر فتح محمد خان کی وفات کے بعد قبیلہ کی قیادت اس کے فرزند

---

[1] تفصیلات کے لئے دیکھو باب تحریک مجاہدین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رشید مقرب خان کے ہاتھ لگی وہ بہادر نڈر۔ جفاکش اور مدبر تھا اپنے والد کے ساتھ سکھوں سے مقابلہ کرتے ہوئے ان کی طاقت و قوت سے بھی ناواقف نہ تھا اقتدار ملتے ہی اس نے پوری ہمت و استقلال سے سکھوں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ لوان کلی اور مات خواز وغیرہ میں اس شدت و جوانمردی سے سکھوں کے مقابل ہوا کہ وہ سنبھلے سنبھل نہ سکے اور اپنے عہد کے آخری ایام میں مقرب خان کو "شیر کا بچہ" پکارنے لگے اس کی طاقت و دبدبے کا یہ حال تھا کہ رجڑ سے ٹوپی تک کے علاقہ پر اس کی سیادت تسلیم کی جا رہی تھی مخالفین کا تو ذکر ہی کیا عام طرفدار یا موافقین بھی سامنے آنے سے گھبراتے اور اس کے رعب و داب سے ڈرتے رہتے تھے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مضبوط شخص تن تنہا زیدہ کے راستہ پر گامزن تھا۔ اس نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں راستہ میں مقرب خان سے آمنا سامنا نہ ہو جائے ارادہ کر لیا کہ سامنے آنے کی صورت میں وہ اسے شلک سے یعنی تن کر سلام کرتے ہوئے کہے گا کہ وہ موضع سلیم خان سے آ رہا تھا۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مقرب خان سامنے سے آتے دکھائی دیا تو گھبراہٹ میں اس نے کہا "خان شلک سلیم خان"۔ مقرب خان گھبراہٹ کو تاڑ گیا اس نے کہا کیا سلیم خان سے آ رہے ہو اچھا جاؤ خدا حافظ۔

اس کے اثر و رسوخ اور طاقت کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جب قبیلہ اتمان کی تین خیلوں[2] اور قبیلہ گدون میں اختلافات بڑھے اور دونوں میں سے کوئی ایک اپنی اپنی شکست ماننے کو تیار نہ ہوا حالات نے خطرناک صورت اختیار کر لی دونوں قبائل میں جنگ چھڑ جانے کا خطرہ دامنگیر تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ طرفین کی امداد

---

[1] یہ فقرہ بدحواسی کی ایک دلچسپ مثال ہے وہ سوچ رہا تھا کہ "شلک" یعنی تن کر فوجی طرز پہ سلام کریگا تو بدحواسی میں اپنی الفاظ سے ایسا جملہ بول گیا جو بالکل مہمل ہے اور جسکے کوئی معنے نہ تھے حالانکہ وہ بہادرانہ انداز میں سلام کرکے کہنا چاہتا تھا کہ میں سلیم خان سے آ رہا ہوں۔

[2] اکازئے۔ کنازئے۔ علی زئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں کئی ایک قبائل میدان میں کود جاتے اور پھر قتل و خونریزی میں کوئی کسر باقی نہ رہ جاتی اور اس طرح ایک شدید دائمی دشمنی کی بنیاد بھی پڑ جاتی۔ اسی دوران میں پنیدا خیلوں نے مقرب خان سے امداد طلب کی تو وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پہنچا اور اپنے اثر و رسوخ اور طاقت کی وجہ سے اس شدید جنگ کو رکوانے کا باعث بنا تو دونوں قبیلوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔

وہ بہادر و نڈر قائد جو اپنے تدبر اور اپنی ہمت و استقلال سے صرف اپنے قبیلہ کیلئے نہیں بلکہ پوری قوم کے لئے مفید ثابت ہو سکتا تھا وہ اندرونی کشمکش اختلافات اور رقابت کا شکار ہو گیا۔ سکھ انگریز سے شکست کھا کر بھاگ چکے تھے۔ اب عنان سلطنت انگریز کے ہاتھ میں تھی وہ کسی قیمت پر سرحدیا قبائلی علاقہ میں کسی ایسی شخصیت کو برداشت نہ کر سکتا تھا جو با اثر ہونے کے ساتھ باوقار بھی ہو چنانچہ انگریز نے اندرونی کشمکش سے فائدہ اٹھایا وہ اپنی فیصلہ شدہ حکمت عملی "تقسیم و حکومت" پر گامزن ہو کر قبیلہ کے اندرونی اختلافات کو ہوا دیتا رہا۔ نتیجہ یہ کہ رفتہ رفتہ علانیہ مخالفتیں نظر آنے لگیں مناقشات شروع ہوئے کشمکش دکھائی دینے لگی۔ اب پرخان نے اپنی جداطاقت جمع کرنے کی فکر کی مقرب خان کو کمزور کرنے کے منصوبے تیار ہونے لگے۔ اسی دوران میں کہا جاتا ہے کہ طوطالی کا سرکار خان قتل ہو گیا اسے مقرب خان کا فعل بتایا گیا اس پر قبیلہ میں کھلم کھلا اختلافات نظر آنے لگے لیکن بہ ایں ہمہ مقرب خان مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرتا رہا۔

انگریز کی ثالثی اختلافات یہاں تک بڑھے کہ علاقہ کی اراضی کے وہ واجبات جو پشت در پشت مقرب خان کا خاندان وصول کر رہا تھا اب بند ہو گئے لوگوں نے ادائیگی سے انکار کر دیا۔ مقرب خان بھی خاموش رہنے والا نہ تھا مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا ادھر مخالفین نے بھی تیاریاں شروع کر دیں۔ انگریز کے لئے مفید مطلب موقع تھا اس نے بیچ میں زبردستی ٹانگ اڑاتے ہوئے مقرب خان کو متنبہ کیا کہ ان کی باہمی جنگ کی کوئی چیگاری مقبوضہ علاقہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تک نہ پہنچنے پائے۔ ادھر جب طوطالی کے باشندوں نے خان کے خلاف انگریز سے مدد مانگی تو ان سے کہا گیا کہ تم اپنے خان کو واجبات کیوں ادا نہیں کرتے۔ ساتھ ہی مقرب خان سے یہ بھی دریافت کر لیا کہ اگر وہ انگریز کو ثالث تسلیم کرے تو وہ جھگڑا ختم کرا دے گا۔ مقرب خان انگریز کی نیت سے واقف تھا وہ جانتا تھا کہ اسے مداخلت کا بہانہ چاہئے اس نے ثالثی پر اظہار آمادگی کر دیا جس پر میجر لاڈن نامی ایک انگریز کو ثالث مقرر کیا گیا۔ مقرب خان نے ہر گھر سے دو روپے ہر فصل پر وصول کرنے کا مطالبہ کیا۔ باشندگان طوطالی دو روپے سالانہ ادا کرنے پر آمادہ ہوئے تو سمجھوتہ ہو گیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد جب اس مذکورہ علاقہ میں مقرب خان نے ایک برج تعمیر کر لیا تو پھر اختلاف نے سر اٹھایا۔ پھر جنگ و جدل دکھائی دینے لگی۔ طرفین نے معاملہ کو جرگہ کے سپرد کر دیا چنانچہ اسمٰعیل خان بٹ خیلہ۔ بہرام خان زیدہ اور فتح خان دھوبیان پر مشتمل جرگہ نے طرفین کے بیان سن کر فیصلہ دے دیا کہ مذکورہ باشندے آئندہ کے لئے واجبات ادا نہ کریں اور برج قائم رہے یا الفاظ دیگر برج مسمار کر دیا جائے تو پھر ادائیگی شروع ہو مقرب خان نے رقم کی وصولیابی سے آنکھیں بند کر لیں لیکن اپنے تعمیر کردہ برج کو برباد نہ کرنے پر رضامند نہ ہو سکا اس طرح اسے کافی مالی نقصان اٹھانا پڑا۔

انگریز سے ٹکراؤ

انگریز نے یہ حالت دیکھی تو اختلافات سے فائدہ اٹھانا چاہا چنانچہ مارچ ۱۸۵۶ء میں مقرب خان اور خوانین طوطالی سے ڈپٹی کمشنر پشاور نے قبائلی علاقہ میں مقیم مجاہدین کے متعلق گفتگو کی خوانین طوطالی حکومت کی ہمنوائی کرنے لگے۔ مقرب خان اپنے وقار کا خیال کرتے ہوئے جواب دیتا رہا اس دوران میں انگریز نے رعب جمانے کے لئے مقرب خان سے کہہ دیا کہ اگر مجاہدین نے انگریزوں کے خلاف کوئی حرکت کی تو اس کی تمام تر ذمہ داری مقرب خان کے سر ہو گی۔ مقرب خان اس وقت تو خاموش رہا لیکن اس دھمکی کا اثر تھا کہ پھر اس نے اپنی زندگی میں انگریز کی شکل نہ دیکھی کسی دعوت کو قبول نہ کیا حتیٰ کہ ایک موقعہ پر جب انگریز باجا کی طرف آیا اور اس نے مقرب خان سے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ملنا چاہا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ صاحب فراش تھا بیماری کا بہانہ ہو سکتا تھا لیکن اس کے متعلقین نے اس کی چارپائی باہر ڈال دی تاکہ بہ آسانی ملاقات ہو سکے۔ کمشنر نے سلام کیا تو اس نے منہ پھیر لیا۔ انگریز ہشیار تھا اپنے وقار کو بچانے کے لئے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ شاید بیمار نے اسے دیکھا ہی نہیں مڑ کر پھر اس کے سامنے آ کر کہا "مقرب خان سلام" اس نے پھر منہ موڑ لیا۔ تو وہ مسکراتے ہوئے واپس لوٹ گیا۔

مجاہدین کا پنجتار سے اخراج انگریز بلاشبہ اپنے پہلو میں مجاہدین کے کانٹے کو محسوس کر رہا تھا لیکن مذکورہ دعوت و ملاقات کو بطور آڑ استعمال کرتے ہوئے وہ قبائلی اتحاد کو توڑنے کی فکر میں تھا۔ خوانین طوطالی اس کی ہمنوائی کر رہے تھے اب صرف مقرب خان کو ہمنوا بنانا ضروری تھا اسے حکم ملا کہ مجاہدین کو اپنے علاقے سے نکال دے۔ اس کے ساتھ ہی مقرب خان کے چچا مبارز خان کو بھی رضامند کر لیا گیا کہ وہ خوانین طوطالی کی ہمنوائی میں مقرب خان پر اثر ڈالے۔ مقرب خان سمجھ چکا تھا کہ انگریز کو حیلے بہانوں کی تلاش تھی اس نے اپنے گھر کو گھر ہی کے چراغ سے جلتا دیکھکر ۷ اکتوبر ۱۸۵۶ء کو اطلاع دے دی کہ مجاہدین اس کے علاقہ سے رخصت ہو چکے تھے اور بظاہر اب کوئی وجہ نزاع باقی نہ تھی۔

پنجتار میں مجاہدین کی پھر آمد مبارز خان جس نے انگریز کی حمایت میں مقرب خان کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے علاقے سے مجاہدین کو نکال دے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ۱۸۵۷ء میں خود انہی مجاہدین کو چنگلہ میں مقیم کرتے ہوئے اپنی طاقت بڑھانے کی فکر کی اور جلد ہی پھران کی معیت میں نارنجی اور شیخ جاناں کے مواضعات پر حملہ آور ہو گیا انگریز لشکر نے پہنچکر حالات پر قابو پا لیا اس کے بعد مذکورہ مواضعات کے تعلقات مقرب خان سے خوشگوار ہو گئے تو مقرب خان نے ان کی امداد سے انگریز پر ضرب لگانی چاہی اور اواخر اکتوبر ۱۸۵۷ء میں نارنجی اور شیخ جاناں کے باشندوں کی حمایت سے مردان کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اسسٹنٹ کمشنر (مسٹر ہورن HORNE) پر جو اس وقت شیخ جاناں کا دورہ کر رہا تھا حملہ کر دیا وہ خود تورات کی تاریکی میں بھاگ کر ایک نالہ میں چھپ گیا لیکن اس کے چند ساتھی مارے گئے اس کے بعد اس نے کوشش کی کہ مردان چھاؤنی کے میگزین پر قبضہ کرے لیکن کامیاب نہ ہو سکا تو واپس لوٹ گیا اور تعلقات دن بدن خراب ہونے لگے۔

انگریز لشکر کی یلغار انگریز تو پہلے سے ہی کسی حیلہ بہانہ کی تلاش میں تھا اب اسے ایک اچھا موقع مل گیا تو اس نے لشکر کشی کا فیصلہ کیا چنانچہ ایک مختصر سی آبادی پر حملہ کرنے کے لئے پوری طرح جنگی طریقہ پر تیاری ہونے لگی ۲۲ اپریل ۱۸۵۸ء کو نوشہرہ کے قریب لشکر کا اجتماع ہوا اسی دوران میں ایڈورڈس نامی ایک انگریز کو روانہ کیا گیا کہ وہ سرحد پر "مسلیم خان" نامی آبادی کو غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کرے وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہا جس پر مذکورہ لشکر نے ۲۵ اپریل کو نوشہرہ سے کوچ کرتے ہوئے ۲۶ اپریل کو سلیم خان پہنچکر درہ۔ ورن کے راستہ سے پنجتار کی طرف اقدام شروع کیا۔ گذشتہ سطور میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ خوانین طوطالی سے مقرب خان کے تعلقات خوشگوار نہ تھے انہوں نے انگریز کے اس اقدام سے فائدہ اٹھانا چاہا چنانچہ اقدام کرنے والے لشکر کا مقابلہ کرنے کی بجائے انہوں نے اسے خوش آمدید کہی اور اپنی بندوقیں لئے انگریز لشکر کے ساتھ ہو کر مقرب خان کو گرفتار کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ مقرب خان نے یہ حالت دیکھی تو پنجتار کو خالی چھوڑ کر چنگلئے کی طرف چلدیا۔ انگریز لشکر پہنچا تو قلعہ خالی پڑا تھا اسے نذر آتش کر دیا گیا

پنجتار کو نذر آتش کرنے کے بعد انگریز لشکر نے مقرب خان کے تعاقب میں چنگلئے کی راہ لی راستہ میں موضع باغ تھا اس کی کثرت آبادی سادات پر مشتمل تھی اس نے انگریز کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ظاہر کیا کہ ہر کس و ناکس عقیدت کی وجہ سے ان کے پاس حاضر ہوتا تھا۔ وہ اتنی طاقت نہ رکھتے تھے کہ کسی کو روک سکتے اس وجہ سے کسی مخالف حرکت میں ان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا ہاتھ نہ تھا۔ انگریز نے ان کا یہ عذر قبول کر لیا لیکن پھر بھی اس آبادی کے ہر گھر سے ایک ایک روپیہ جرمانہ وصول کر لیا۔ لشکر آگے بڑھا چنگلئے میں مبارز خان کا مضبوط قلعہ تھا ابتداءً تو وہاں سے مستورات اور بچوں کو مع سامان کے پہاڑیوں کی طرف منتقل کر دیا گیا لیکن جب انگریزی لشکر کی طاقت کا پتہ چلا تو تاب مقابلہ نہ لا کر خود بھی اس جگہ کو خالی کر گئے جس پر انگریز نے اسے تدر آتش کیا اور بارود کے ذریعہ ان آبادیوں کو پیوند زمین بنایا اس کے بعد یہ لشکر واپس سلیم خان کی طرف لوٹ گیا۔

شروع اپریل ۱۸۵۸ء میں مجاہدین کے قائد مولوی عنایت اللہ نے فرشتۂ اجل کو لبیک کہی۔ مجاہدین اس وقت تک منگل تھانہ میں اپنا مرکز قائم کر چکے تھے اس مذکورہ یورش کے دوران میں انگریز کو اطلاع ملی تو اس نے منگل تھانہ کو برباد کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۲۸ اپریل کو انگریز لشکر نے پھر سلیم خان سے اقدام شروع کیا اس میں بھی علاقہ طوطالی کے دو سو باشندے بندوقیں لئے ساتھ تھے۔ راستہ دشوار گزار سہی لیکن چونکہ کوئی مخالفت نہ کر رہا تھا اس وجہ سے لشکر بہ اطمینان منزل مقصود تک جا پہنچا۔ منگل تھانہ کی آبادی دو حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک بالا اور دوسری پائین کہلاتی تھی اس کے پائین حصہ میں سادات مقیم تھے جن کے سردار سید عباس تھے یہ لوگ چونکہ مخالفت پر آمادہ نہ تھے اس وجہ سے انگریز نے بھی مخالفت نہ کی لیکن بالائی آبادی میں مولوی عنایت اللہ اور سید عباس کی مضبوط رہائش گاہیں تھیں جنہیں بڑی محنت و خرچ سے تعمیر کیا گیا تھا۔ انگریز لشکر نے انہیں مسمار کرنے کا فیصلہ کیا۔

تمام رات ان مسکنوں کو مسمار کرنے اور مذکورہ قلعوں کو بارود سے اڑانے کا کام ہوتا رہا اور ۳۰ کی صبح کو جب اس لشکر نے واپس لوٹتے ہوئے اس بارود کو آگ دکھائی تو پورے علاقہ پر دھواں اور گرد و غبار چھا گیا اور جب طلع صاف ہوا تو اس خوبصورت آبادی کی جگہ کھنڈر ہی کھنڈر دکھائی دے رہے تھے۔ انگریز کے تعلیم یافتہ اور مہذب افسروں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے اس پر کتنا فخر کیا ہوگا! مجاہدین نے یہاں سے نکل کر کھبل اور کایا میں جا ڈیرے ڈیرے اگائے

مقرب خان پھر پنجتار میں

اس وقت مقرب خان کا ستارہ گردش میں تھا وہ قبیلہ جدون کے پاس جا مقیم ہوا اور اندازاً ایک سال تک وہاں مقیم رہا خاموش بیٹھنے والا نہ تھا۔ زندگی کے لئے تگ و دو کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے جدون کو رضامند کر لیا کہ وہ بحیثیت قبیلہ انگریز سے مطالبہ کریں کہ وہ مقرب خان کو واپس پنجتار کو لوٹ آنے کی اجازت دیدے انگریز بھی سمجھتا تھا کہ آج نہیں تو کل پھر کسی قبیلہ کی قیادت کرتے ہوئے باعث پریشانی بنے گا۔ اس نے اجازت دیدی اور ساتھ ہی خوانین طوطالی کو کہ جو مقرب خان کی مخالفت کر رہے تھے اس پر رضامند کر لیا کہ وہ زرعی واجبات کے طور دو سو روپے سالانہ مقرب خان کو ادا کرتے رہیں۔ یہ فیصلہ ۵ نومبر ۱۸۵۹ء میں ہونا بیان کیا جاتا ہے جس کے بعد مقرب خان واپس ہو کر پنجتار میں جا مقیم ہوا۔

مقرب خان کو پھر اقتدار حاصل ہو گیا اس نے دوبارہ زرعی واجبات وصول کرنا شروع کئے۔ جو لوگ انگریز کے زیر اثر یا ہمنوا تھے وہ تو دو سو روپے سالانہ ادا کرنے لگے جو انگریز کے زیر اثر نہ تھے ان سے برائے راست گفتگو ہوئی معاملات خوشگوار نظر آنے لگے لیکن اس کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے اندر ہی اندر کوششیں ہوتی رہیں اور بہت زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ باہمی کشمکش شروع ہو گئی انگریز تماشائی بنا تماشا دیکھتا رہا تا آنکہ مقرب خان حالات سے مجبور ہو کر مقبوضہ علاقہ کی طرف آ کر موضع باجاہیں مقیم ہو گیا۔

۱؎ کھبل یہ آبادی دریائے سندھ کے مغربی کنارے ترجیلہ (ہزارہ) کے مقابل ہے اور مردان سے اندازاً ۳۰ میل دور ہوگی یہاں سے مجاہدین کے مرکز ملکا کو راستہ نکلتا ہے جو کوئی ۲۰ میل طویل ہوگا۔ کایا یہ بھی دریائے سندھ کے مغربی کنارے ترجیلہ کے کچھ نیچے آباد ہے اس کے دو حصے ہیں کایا اتلا کایا ترلا یہ دونوں آبادیاں امتیازیوں کی ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حصول اقتدار کی مسلسل کوشش اب اس کے ہاتھ میں ایسی طاقت ہی نہ تھی کہ وہ انگریز کے خلاف کسی قسم اقدام کر سکتا حتی کہ معرکہ امبیلہ میں بھی وہ خاموش رہا۔ اور اختتام جنگ پر اس نے اپنی خاموشی کے صلہ میں جاگیر طلب کی تو یکم جنوری ۱۸۶۵ء کو حکومت نے باجگی اراضی کا معاملہ معاف کر دیا۔ وہ پر امن زندگی بسر کرنے لگا لیکن دل ہر وقت اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کے لئے مضطرب رہا بالآخر اس نے واپس لوٹ جانے کا فیصلہ کیا انگریز کو علم ہوا تو اس نے اطلاع دیدی کہ اگر مقرب خان واپس لوٹ گیا تو اس کی مالیہ کی معافی اور دوسری سہولتیں چھین لی جائیں گی اس نے اس تنبیہ کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور رخصت ہو گیا لیکن حالات سازگار نہ دیکھکر جلد واپس لوٹ آیا۔ انگریز تمام واقعات سے باخبر تھا اس نے کوئی باز پرس نہ کی اور صرف اتنا ہی کہا کہ آئندہ کے لئے وہ قبائلی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔

مقرب خان اپنی دھن کا پکا تھا بظاہر تو خاموش رہا لیکن دل اور آنکھیں اپنے سالبہ اقتدار کی تلاش میں تھیں چنانچہ ۱۸۶۸ء کو وہ ایک دفعہ پھر مقبوضہ علاقہ سے نکل گیا انگریز نے اس کی معافی ضبط کر لی۔ کوئی ڈیڑھ دو سال کے بعد پھر مجبور ہو کر ۱۸۷۰ء میں واپس لوٹ آیا انگریز نے مالیہ کی جو معافی ضبط کر لی تھی واپس نہ دی دوسری کوئی سہولت بھی نہ ملی اس کے ساتھ ہی قبائلی علاقہ سے جو وظائف اسے مل رہے تھے ان کی دستیابی بھی بند ہوئی تو بدقسمتی انتہا کو پہنچ گئی اور وہ مالی مشکلات کے گرداب میں پھنسا دکھائی دینے لگا اس پر بھی اس نے ہمت نہ ہاری جوں توں وقت گزرتا رہا تا آنکہ ۲۵ نومبر ۱۸۷۲ء کو آزاد خان اور غزن خان نامی دو ساتھیوں کو لئے اس نے پھر حصول اقتدار کی کوشش میں قبائلی علاقہ کی راہ لی۔ لیکن بدقسمتی سے اس کے دونوں ساتھیوں نے مخالفین سے سمجھوتہ کر لیا اور مقرب خان تنہا نظر آنے لگا۔ چنگلئے کے خیرد خان نے اس کی ہمنوائی کی لیکن حالات سازگار نہ ہو سکے تو دسمبر ۱۸۷۲ء میں وہ پھر واپس لوٹ آیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اب انگریز مقرب خان کی کمزوری سے واقف ہو چکا تھا اس نے قوانین جرائم سرحد کے تحت اسے کسی دور دراز مقام پر نظر بند کرنے کا فیصلہ کیا لیکن مرکزی حکومت رضامند نہ ہو سکی اس کی رائے میں جب مقرب خان خود ہی اپنی طاقت کھو چکا تھا تو اسے نظر بند کر کے اس کے اخراجات سے حکومت کے خزانہ پر کیوں بوجھ ڈالا جائے چنانچہ وہ حسب معمول باجاہیں مقیم اپنے عزائم کی آبیاری کرتا رہا اور مارچ ۱۸۷۳ء میں پھر قبائلی علاقہ میں جا پہنچا اس دفعہ اس نے قبیلہ امازئے سے امداد و اعانت طلب کی انہی کے پاس مقیم ہوا ضدو خیلوں سے اس قبیلہ کی ان بن تھی اس کے باوجود کامیابی نہ ہوئی تو یکم جنوری ۱۸۷۴ء کو واپس لوٹ آیا اور چونکہ جاتے وقت اطلاع دے گیا تھا تاکہ وہ اپنے علاقہ چوہان سے محصولات وصول کرنے جا رہا تھا اس وجہ سے واپسی پر کسی وجہ سفر دریافت کرنے کی ضرورت نہ تھی

مقرب خان حصول اقتدار کے لئے سیماب کی طرح بے قرار رہا۔ واپس لوٹ کر دو ڈھائی ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ اس نے پھر لوٹ جانے کا فیصلہ کیا تو وسط اپریل ۱۸۷۴ء میں ایک دفعہ پھر باجاہ سے نکل کر عازم قبائلی علاقہ ہو گیا غالباً یہ اس کا اس طرف آخری سفر تھا اس دفعہ اس نے اپنے ہی علاقہ چوہان میں ڈیرے لگائے اور ارد گرد خصوصاً قبیلہ امازئے سے ساز باز کرنے لگا اس کا لڑکا اکبر خان باجاہ میں ہی مقیم رہا اور انگریز نے اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنے باپ کی تگ و دو میں کسی طرح شریک نہ ہو اس وقت تو اس نے اسے تسلیم کر لیا لیکن جب مقرب خان کو مصائب میں گرفتار ہوتے دیکھا تو بھاگ کر اس کی امداد کو پہنچ گیا۔ مقرب خان کی کوشش سے امازئے جرگہ کا "بت سرے" میں اجلاس ہوا تو اس نے فصل کٹ جانے کے بعد امداد دینے کا اقرار کر لیا۔

اسی دوران میں نواب خان اور خادی خان ساکنان بت سرے کو منصور خان غرانئے نے ایک دعوت میں بلایا اور دھوکے سے دونوں کو قتل کر دیا یہ دونوں مقرب خان کے مخالفین سے تھے اس وجہ سے عام خیال کیا گیا کہ اس قتل میں مقرب خان کا ہاتھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھا امازئی مشتعل ہوگئے۔ دولت زئیوں کے طاقتور خان منصور شاہ نے ان کی حمایت کی تو مقرب خان نے بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر امازئیوں کی ہمنوائی شروع کر دی نتیجہ یہ کہ منصور خان اور اس کے ساتھی جو مذکورہ قتل میں شریک تھے لقمۂ اجل بنے۔

اگست ۱۸۴۳ء میں منگل تھانہ کے قریب غازی کوٹ کے مقام پر ملک پیر خان اور ملک منیر خان خدوخیل میں ان بن ہوگئی۔ قومی جرگہ نے ملک پیر خان پر جرمانہ عائد کر دیا۔ لیکن منیر خان مطمئن نہ ہو سکا تو اس نے امازئیوں سے امداد طلب کی۔ چنانچہ غلام محمد خان چڑ درے سے امداد لے کر روانہ ہوا مقرب خان بھی غازی کوٹ میں پہنچکر اس کا ہمنوا ہوگیا اور پیر خان کو غازی کوٹ سے نکال کر اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ ادھر خدوخیل بھی درگلئے اور ڈومنز میں جمع ہونے لگے۔ معمولی کشمکش کے بعد شرائط صلح طے پا گئیں لیکن جب خدوخیل ملک اس کی تصدیق کے لئے آئے تو انہیں اگست ۱۸۴۳ء میں قتل کر دیا گیا۔ عام طور قبائلیوں میں اس قسم قتل کو بہت معیوب خیال کیا جاتا رہا ہے لیکن مذکور قتل کے سلسلہ میں ایک یہ روایت ہے کہ طوطالی کے خوانین نے فیصلہ کیا تھا کہ شرائط صلح کی تصدیق کے دوران میں مقرب خان کا کام تمام کر دیا جائے تاکہ یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو لیکن اس کی اطلاع کسی نہ کسی طرح مقرب خان کے بھائی عبدالغفور خان کو مل گئی تو عین موقعہ پر اس نے مقرب خان کو مطلع کیا اس طرح قبل اس کے کہ اس پر حملہ ہوتا اس نے حملہ آوروں کو ہی ختم کر دیا۔

پنجتار سے پھر فرار اب مخالفت اور بھی بڑھنے لگی طوطالی کے خوانین نے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا اور لشکر کشی کرتے ہوئے عبدالغفور خان کو پنجتار سے نکال کر اس کے گھروں کو آگ لگا دی۔ امازئی واپس لوٹ چکے تھے اس وجہ سے اب مقرب خان کی حالت اور بھی مخدوش نظر آنے لگی تو اس نے باشندگان بونیر سے امداد طلب کی دولت زئے قبیلہ کے خوانین گجر خان اور امبار شاہ کے سامنے معاملہ پیش ہوا یہ سلسلہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گفتگو جاری ہی تھا کہ مارچ ۱۸۷۵ء میں چملہ کی طرف سے عبدالغفور خان کی حمایت میں ایک لشکر آتے دکھائی دیا۔ ادھر خدوخیل گجر خان بجگئے کی قیادت میں مقرب خان کے مقابلہ کی تیاری کرنے لگے۔ ۱۶ مارچ ۱۸۷۵ء کو جنگ ہوئی طرفین کے چھ چھ آدمی مارے گئے جن میں لطیف خان گوگا اور مقرب خان سوہدے بھی شامل تھے اب چنگلئے کے نصف پر دونوں لشکر قابض تھے اسی دوران میں خدوخیلوں نے قبیلہ نورازئے کو کسی نہ کسی طرح رضامند کر لیا تو انہوں نے خدوخیلوں کی حمایت شروع کر دی نتیجہ یہ کہ پورے چنگلئے پر ان کا قبضہ ہو گیا اور مقرب خان اور عبدالغفور خان وہاں سے نکل بھاگے۔

مارچ ۱۸۷۶ء میں امازئے اور خدوخیلوں میں مفاہمت ہو گئی اس وقت مقرب خان قبیلہ جدون کے پاس مقیم تھا قبیلہ خدوخیل کی طرف سے جدون پر زور ڈالا گیا کہ وہ ان کے دشمنوں کو اپنے وطن سے نکال دیں اور کہا جاتا ہے کہ رقم کثیر بھی ادا کی جس پر عبدالغفور خان سبت میں جا مقیم ہوا جہاں مقرب خان پہلے ہی پہنچ چکا تھا اس جگہ ملکا کی نصف آبادی کزی۔ بسک اور دیلوں کے باشندے ان کی پشت پناہی کر رہے تھے۔

مقرب خان چنگلئے میں

قبائلی دلالت کے بدلنے میں کوئی دیر نہیں لگتی تھوڑے ہی عرصہ بعد ماہ جون میں امازئے۔ جدون اور چملہ وال چنگلئے میں جمع ہو گئے تاکہ خدوخیلوں پر یورش کی جائے مقرب خان بھی فوراً ان سے آملا اب گویا پھر مقرب خان کو چنگلئے میں اقتدار حاصل ہوا۔ لیکن حسب سابق یہ اقتدار بھی دیرپا ثابت نہ ہو سکا۔ باہمی اختلافات شروع ہو گئے خوانین خدوخیل نے تدبر سے کام لیتے ہوئے جدون کو واپس لوٹ جانے پر رضامند کر لیا امازئے بھی واپس جانے لگے کہ اسی دوران میں کسی نہ کسی وجہ سے مقرب خان نے اخونزادہ مزمل کو قتل کر دیا وہ اپنے تقدس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے لئے مشہور تھا اب خود مقرب خان کے ساتھی بھی برگشتہ ہونے لگے پھر حالات نے پلٹا کھایا تو چغلے میں مقرب خان کے لئے جائے پناہ تک باقی نہ رہی اس نے لرے نامی ایک چھوٹی سی بستی میں جا پناہ لی اور عبدالغفور خان نارنگ کی طرف چلا گیا۔

مقرب خان کے آخری ایام

مقرب خان نے ۱۸۷۷ء میں ایک دفعہ پھر کوشش کی کہ اس علاقہ کا اقتدار اس کے دست قدرت میں آجائے لیکن کامیابی نہ ہوئی ۱۸۷۸ء میں دوبارہ تگ و دو پر کامیابی کے آثار نظر آنے لگے تھے لیکن جلد ہی یعنی ۱۸۸۰ء میں وہ پھر مخالفین سے جنگ و جدل میں مصروف ہوگیا اور اس کا لڑکا اکبر خان جو مقبوضہ علاقہ سے نکل کر اس کے پاس پہنچ چکا تھا اس کشمکش کے دوران میں قتل کر دیا گیا۔ خدوخیلوں نے جنگلے کو مقرب خان کے متعلقین تک سے خالی کرالیا تو اس کے لئے آخری بار باجا واپس لوٹ آنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ اس وقت اس کی عمر بھی نوے سال کے قریب تھی اگرچہ اس عمر کا اس کے عزائم پر کوئی اثر نہ تھا چنانچہ وہ واپس لوٹ آیا۔ باجا میں مقیم ہوا اور یہیں اس نے فرشتہ اجل کو لبیک کہی اور اس کے ساتھ خدوخیلوں کی تاریخ کا یہ دور بھی ختم ہوا۔

مقرب خان کی اولاد اس وقت بھی باجا اور پنجتار میں مقیم دکھائی دیتی ہے۔

قبیلہ خدوخیل کے عروج و زوال پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ بہاکو خان کے عہد تک اس قبیلہ کو پوری قوم میں وقعت حاصل تھی پوری قوم کا بہاکو خان پر اعتماد تھا اس زمانہ میں عثمان خیل کے ذیلی قبیلہ خدوخیل کو یوں کہیے کہ شاہانہ اقتدار حاصل تھا اور اسی عہد میں یوسف زئے ہزارہ اور چھچھ میں بہ تعداد کثیر جا آباد ہو گئے تھے بہاکو خان کے بعد رفتہ رفتہ انفرادی قیادت کا مرض پیدا ہوا ہر شخص یا خان نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ تعمیر کرنے کی فکر کی انہوں نے تاتاریوں کو ڈومالے علاقے سے نکال باہر کیا تھا اور مغل دربار سے بھی باعزت طریقہ پر نبرد آزما رہے لیکن اب اس انفرادیت کی وجہ سے متحد نہ رہ سکے تو انگریزوں کے ہاتھوں رسوا ہوئے اور قبیلہ کا وقار بھی اس انفرادیت پر قربان کر دیا گیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خان ہدایت اللہ خان - مشران زئے
کمشنر - بہاولپور ڈویژن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

علاقہ بونیر اور انگریز

علاقہ بونیر علاقہ بونیر سرحد پاکستان پر ایسی شکل میں واقعہ ہے کہ اس کے شمال میں کوہستان سوات ہے مغرب میں علاقہ سوات اور سام رانی زئے۔ جنوب میں چند دوسری قبائل اور مشرق میں اس کی سرحدیں ضلع ہزارہ سے جا ٹکراتی ہیں اس کی کثرت آبادی یوسف زئیوں کے ذیلی قبائل الیاس زئے اور مالی زئے پر مشتمل ہے۔ دریائے براندر سے سیراب ہونے والا علاقہ ہموار بھی ہے اور زرخیز بھی اس کے اردگرد کی وادیاں کچھ زیادہ قابل کاشت نہیں لیکن ان میں لکڑی بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ زرخیز آبادی کا رقبہ کوئی دس میل ہوگا اور اس کا دریا براندر ضلع ہزارہ میں امب کے قریب دریائے سندھ میں جا گرتا ہے۔

اس علاقہ کو ابتدائی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل رہی اور بدھ کے دور حکومت میں بونیر کی بہت سی آبادیاں یاترہ کے لئے مشہور تھیں ۱۸۹۸ء میں جب ڈاکٹر سٹین نے انگریز لشکر کے ساتھ اس علاقہ کا دورہ کیا تو اس نے بہت سی قدیم آبادیوں کے کھنڈ نکالے آثار قدیمہ دیکھے اگرچہ اب ان میں کے اکثر تلف ہو چکے ہیں یا انہیں زمانے باقی رہنے نہیں دیا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ڈاکٹر ہٹن کے خیال میں اسگرام پنج کوئے۔ گبتی اور گیرارے حقیقت اسی جگہ آباد ہیں جہاں بدھ مت کی مشہور عبادت گاہیں یا یاترہ کی جگہیں آباد تھیں اس کے خیال میں اسگرام وہی مقام ہے جس کا ذکر ٹالمی نے اسگرا ما ASIO. R MMA کے نام سے کیا تھا اور پنج کوئے کی جگہ مہادانا MAHAWANA اور گبتی کی جگہ موسو MOSU آباد تھے۔ گرارے کے مقام پر مہاتما بدھ نے اپنے کسی پہلے جنم میں ایک فاختہ کو رہائی دلائی تھی تو پنج کے مقام پر اس نے ایک بھوکی شیرنی کو اپنے جسم کا گوشت کھلا دیا تھا۔

اس وقت یہ علاقہ حکومت سوات کے زیر نگین ہے۔

معرکہ امبیلہ ۱۸۵۸ء میں جب انگریز نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر بعض سرحدی قبائل سے یہ اقرار لے لیا کہ وہ مجاہدین کو اپنے علاقوں میں آباد ہونے کی اجازت نہ دیں گے۔ تو مجاہدین کے لئے ستھانا کو خالی کر دینے کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا چنانچہ انہوں نے اس جگہ سے نکل کر ملکا میں اپنی نو آبادی قائم کر لی اور جب ان کے پاؤں اس جگہ جم چکے تو ۱۸۶۱ء میں انہوں نے سیرے کے مقام پر بھی قبضہ کر لیا اس کے بعد حالات وقتاً فوقتاً پلٹا کھاتے رہے لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہ ہوا نہ انگریز سے کوئی براہ راست جھڑپ ہوئی نہ انگریز نے اپنے اغراض کے پیش نظر ان کے خلاف کسی اقدام کو ضروری سمجھا۔

اقدام کا بہانہ ۱۸۶۳ء میں انگریزوں کے دو نفر کسی نامعلوم شخص کے ہاتھوں قتل ہوئے تو اسے ایک دفعہ پھر حرکت کرنے کا موقع ملا اس نے اس واردات کو ستھانا کے سید مبارک شاہ کی سازش کا نتیجہ ظاہر کرتے ہوئے مجاہدین کو اس کی سزا دینا چاہی حقیقت یہ تھی کہ ہزارہ میں مقیم یوسف زئے قبائل بشمول مجاہدین ضلع ہزارہ میں شورش پیدا کر رہے تھے۔ نواب امب جو انگریزوں کا طرفدار تھا ان کی توجہ کا مرکز رہا تو اس نے انگریزوں سے امداد طلب کی ان کے خلاف اقدام کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ انگریز نے بھی یہ حالت دیکھی تو فیصلہ کیا کہ قبائل کو یہ یقین دلا کر کہ انگریز ان کے خلاف

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کوئی اقدام نہ کر رہا تھا وہ ایک ہی حملہ میں مجاہدین کا کام تمام کر دے چنانچہ اس نے مجاہدین کے خلاف اقدام کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک انگریز مصنف کے قول کے مطابق اس کا ارادہ انہیں اس علاقہ سے نکالنا نہ تھا بلکہ گرفتار یا موت کے گھاٹ اتار دینا تھا[1]۔

اخوند صاحب سوات سے غلط توقع ۔ اس وقت تک بدقسمتی سے حضرت اخوند صاحب سوات اور مجاہدین میں اعتقادی اختلافات پیدا ہو چکے تھے حضرت اخوند کے مریدین کسی حیثیت میں مجاہدین کے طرفدار دکھائی نہ دے سکتے تھے۔ اور انگریز کو یقین تھا کہ اگر حضرت اخوند نے انگریز کی حمایت نہ بھی کی جس کی امید نہ تھی تو بھی وہ مجاہدین کی پشت پناہی نہ کریں گے اور جب ان کی امداد و اعانت حاصل نہ ہو تو مجاہدین کو بونیر اور سوات وغیرہ کے علاقوں میں سے کسی قسم امداد نہ مل سکتی تھی نتیجہ یہ ہوتا کہ انگریز اپنی طاقت کے زور سے بلا کسی قابل ذکر مقابلہ کے بہ آسانی مٹھی بھر مجاہدین کو ٹھکانے لگا کر اپنی فتح و کامرانی کا ڈنکا بجاتا۔ اس طرح ایک طرف ایک دشمن کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جاتا تو دوسری طرف اس فتح و کامرانی کا اثر دوسرے آزاد قبائل پر پڑنا بھی ناگزیر تھا۔

مجاہدین کی پیش بندی ۔ ان حالات میں حکومت انگلشیہ نے باوجودیکہ وہ پوری طرح علاقہ بونیر سے واقف نہ تھی صرف اس امید پر کہ بونیر اور سواتی مجاہدین کی امداد نہ کریں گے مجاہدین کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا فیصلہ کر دیا لیکن مجاہدین بھی بے خبر نہ تھے وہ بھی جانتے تھے کہ انگریز اپنی چالبازی سے ایک ایک مخالف کو انفرادی حیثیت میں ختم کر دینا چاہتا تھا اور اس کا کبھی روادار نہ ہو سکتا تھا کہ قبائل مشترکہ حیثیت میں اس کا مقابلہ کریں چنانچہ انہوں نے اردگرد کے قبائلیوں کو انگریز کی

---

[1] پیگٹ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چالبازیوں سے آگاہ کرنے کو خطوط لکھکر بیدار کرنے کی سعی کی ان میں کا ایک خط بقول مصنف ستانا[1] انگریزوں کے ہاتھ لگا جس کی عبارت یوں بیان کی جاتی ہے:

یہ بدکردار کافر اس خطۂ گلزار..... خاص کر علاقہ جات چملہ لونیر سوات نیو ..... کو لوٹ کر تباہ و برباد کرنے کے بعد اپنی مملکت سے اس کا الحاق کرلیں گے اس طرح ہمارا دینی و دنیاوی تمام مال و متاع پامال کردیا جائیگا ان حالات میں حرمت اسلام۔ تحفظ تعلیم اسلام اور دنیاوی معاملات کے پیش نظر آپ اس موقعہ کو کسی طرح نظر انداز نہ کریں۔ یہ کافر صد درجہ کے دھوکے باز اور فریبی ہیں اور جن طور طریقوں سے بھی ہوسکا وہ ان پہاڑیوں میں پہنچ کر قبائلیوں کے سامنے اعلان کردیں گے کہ ان کا ان قبائل سے کوئی سروکار نہیں بلکہ وہ صرف[2] ہندوستانیوں سے نبٹنا چاہتے ہیں۔ وہ قبائلیوں کو کسی طرح تکلیف نہ دیں گے حتے کہ ان کے سر کے ایک بال کو بھی چھوا نہ جائے گا۔ بلکہ وہ ہندوستانیوں کو ملیا میٹ کرنے کے بعد فوراً واپس لوٹ جائیں گے اور اس ملک میں کسی قسم مداخلت نہ کریں گے۔ اس کے ساتھ وہ قبائلیوں کو مال و دولت کا لالچ بھی دیں گے۔

اب یہ آپکا کام ہے کہ آپ ان کے مکر و فریب میں نہ آئیں ورنہ جونہی نہیں موقعہ ملا وہ آپ کو بھی تباہ و برباد کردیں گے۔ مصائب گرائیں گے اور عزت و آبرو سے محروم کرتے ہوئے آپ کی تمام دولت اور مال و متاع پر قبضہ کرنے کے بعد آپ کے مذہب کو بھی نقصان پہنچائیں گے اس وقت

---

[1] ستانا از کرنل ایڈورڈ [2] ہندوستانیوں سے مراد جمعیت مجاہدین سے ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سوائے افسوس کے اور کچھ حاصل نہ ہو سکے گا۔ ہم اس معاملہ کی اہمیت آپ پر واضح کر رہے ہیں۔

ابتدائی حملہ۔ انگریز نے در پردہ انتظامات جنگ شروع کر دیئے۔ مجاہدین نے بھی حرکت شروع کی چنانچہ ۳ ستمبر ۱۸۶۳ء کو مجاہدین نے اپنے قائد مولوی محمد عبداللہ اور ملک عیسیٰ خان جدون کی سرکردگی میں تحصیل صوابی کے موضع ٹوپی میں مقیم انگریزی فوج (گائڈس) پر حملہ کر دیا اور اس کامیابی سے حملہ کیا کہ اس کے لئے راہ فرار کے سوا چارۂ کار ہی نہ رہا اور ایک مصنف کو لکھنا پڑا کہ یہ "فرار ہمہ گیر اور شرمناک تھا"[1]۔ پھر وہاں سے ہٹ کر مجاہدین نے دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر اپنے مورچے سنبھال لئے۔

انگریز لشکر کی تیاری اس دوران میں انگریز لشکر کا اجتماع ہوتا رہا۔ پوری رازداری سے کام لیا جانے لگا کسی کو علم نہ ہونے دیا گیا کہ اقدام کس طرف کو ہوگا اور حملہ کی غرض و غایت کیا تھی۔ افواج پشاور اور دوسرے مقامات سے کوچ کرتے ہوئے تحصیل صوابی کے موضع نواں کلی میں جمع ہونی شروع ہوئیں اور پھر ہزارہ میں بھی لشکر کا اجتماع ہو رہا تھا۔ انگریز کا ارادہ یہی تھا کہ مجاہدین پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ انہیں راہ فرار بھی نہ مل سکے۔ چنانچہ اس رازدارانہ طریقہ سے ہزارہ کا لشکر تو اپنی جگہ درنبد میں مقیم رہا اور نواں کلی کے لشکر نے منگل تھانہ اور درہ امبیلہ سے گزر کر مجاہدین کو جا لینے کا فیصلہ کیا۔ انگریز کو یقین تھا کہ حضرت اخوند صاحب سوات کی قیادت پر بھروسہ کرتے ہوئے بونیر اور سوات کے باشندے کسی طرح مقابلہ پر نہ آئیں گے لیکن انگریز کے لشکر کے اجتماع اور مذکورہ قبائلیوں سے بھی اخفائے راز خود انگریز کے لئے باعث مصیبت بن گیا۔ قبائل نے لشکر کے اجتماع کو شک و شبہ سے

---

[1] پیگٹ اینڈ میین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیکھا اور یقین کر لیا گیا کہ انگریز ان کے ملک کو روندڈالنا چاہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنی طاقت کو جمع کرنا شروع کیا۔ حضرت اخوند کی خدمت میں بھی وفد روانہ کئے گئے ادھر مجاہدین قبائلیوں کو بیدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ پورے علاقہ میں انگریز کے خلاف نفرت کے جذبات ابھرنے لگے تا آنکہ انگریز کو معرکہ امبیلہ کے نام سے سرحد کی ایک اہم و مشکل ترین جنگ لڑنا پڑی۔

انگریز لشکر کا اقدام جب انگریز لشکر کا اجتماع ہو چکا تو ۱۳ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو جنرل چمبرلین نے صوابی پہنچکر اس کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ ۱۸ اکتوبر کو درہ دربن کی طرف کوچ شروع ہوا اس علاقہ کے باشندے پہلے ہی انگریز کی نقل و حرکت کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اب لشکر ان کی آنکھوں کے سامنے تھا ایسی حالت میں ۱۹ اکتوبر کو کمشنر پشاور نے ایک مطبوعہ اعلان کے ذریعہ قبائلیوں کو اطلاع دی کہ انگریز کا مقصد نہ تو ان قبائلیوں سے جنگ کرنا تھا نہ ان کے علاقہ میں کسی قسم مداخلت کرنا مقصود تھی۔ بلکہ وہ صرف مجاہدین کو ان کے کئے کی سزا دینا چاہتا تھا ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں کہ انگریز لشکر قبائلیوں کے دروازہ پر دستک دے چکا تھا اس اعلان کا کیا اثر ہوتا۔ چنانچہ کرنل ایڈے لکھتا ہے کہ:

> اہل بونیر ہمارے اچانک اور غیر متوقع طور ان کے دروازوں تک پہنچ جانے کو کس نظر سے دیکھ سکتے تھے جبکہ ہم نے اپنے مقاصد کو بڑی احتیاط سے اس وقت تک پوشیدہ رکھا کہ جس کے بعد نہ تو وہ کوئی اعتراض اٹھا سکیں اور نہ ہی اپنے دفاع کا موقع انہیں میسر آ سکے؟

اور پھر اسی سلسلہ میں میجر جیمز یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ:

> اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ حکومت کا اعلان ان لوگوں تک پہنچ چکا تھا تو بھی کیا کسی غیر تعلیم یافتہ بہادر قوم سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اس کاغذ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے ٹکڑے کو جسے وہ پڑھ بھی نہ سکے درخور اعتنا سمجھ سکتی ہے۔ پھر ایسی حالت میں کہ مبنیہ حملہ آور کے اسلحہ کی چمک ان کے دروازوں پر دکھائی دے رہی ہو؟

مختصر یہ کہ انگریز نے اپنی حماقت سے ان قبائل کو بھی اپنے مقابل لا کھڑا کیا کہ جو بقول ان کے کسی طرح اس وقت انگریز کے خلاف جنگ لڑنا نہ چاہتے تھے۔ ان قبائل کو اپنا ہمنوا خیال کرتے ہوئے بھی اپنی تمام حرکات کو بڑی احتیاط سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش ہوئی اور جب قبائلیوں کے دلوں پر شکوک کے بادل چھا چکے تو اسلحہ و بارود کی نمائش کرتے ہوئے بہ نوک شمشیر کمشنر پشاور نے اعلان کر دیا کہ ان کی حکومت کی غرض صرف مجاہدین کو سزا دینا تھی اور دیگر قبائلیوں سے وہ کسی طرح تعارض نہ کرنا چاہتی تھی ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کیونکر اعتماد کیا جا سکتا تھا اور جب قبائلیوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے وطن عزیز کی سرزمین پر بلا کسی اطلاع و مشورہ کے انگریز لشکر کی یلغار دیکھی تو ان کے سامنے دو ہی راستے تھے کہ یا تو ذلت کے ساتھ اطاعت قبول کر لیتے۔ انگریز کے اقدام میں ممد و معاون ثابت ہوتے یا پھر مردانہ وار جنگ لڑتے ہوئے بہادروں کی سی زندگی قبول کرتے انہوں نے موخر الذکر طریقہ کار کو ہی پسند کیا اور میدان کارزار میں کھیلتے نظر آئے۔

جنگ کا آغاز نوان کلی سے ۱۹ اکتوبر کو لشکر روانہ ہو چکا تھا وہ ۲۰ اکتوبر کو درہ امبیلہ میں جا پہنچا یہ درہ کوئی نو میل طویل اور راستہ دشوار گزار ہے۔ بہر حال لشکر گزرتا گیا آخر سر کے قریب اہل بونیر نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن لشکر آگے نکل گیا اب انگریز نے کیمپ نصب کرتے ہوئے مزید اقدامات کے منصوبے بنائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ قبائلی مقابلہ نہ کریں گے تو وہ بہ آسانی مجاہدین کی آبادی کو پیوند خاک کرتے ہوئے انہیں یا تو گرفتار کر لیگا یا تہ تیغ کر دینے میں کامیاب رہیگا چنانچہ ۲۱ اکتوبر کا دن منصوبہ بندی میں گزر گیا تو ۲۲ اکتوبر کو گھوڑ سواروں کے دستے چملہ کی طرف اقدام کرنے لگے مقصد یہ تھا کہ علاقہ کی نبض معلوم کر لی جائے اس لشکر سے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قبائلیوں کی معمولی کشمکش ہوئی لیکن جب شام کے قریب یہ سوار واپس لوٹے تو قبائلیوں نے پہاڑیوں سے اتر کر انہیں نہ صرف یہ کہ پریشان کرنا شروع کیا بلکہ تعاقب میں انگریزی کمپ تک جا پہنچے نصف رات تک لڑائی ہوتی رہی۔ انگریزی لشکر میں سراسیمگی پھیلی انہیں یہ وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ قبائلی ان کے کیمپ تک بھی پہنچ سکتے تھے بہر حال نصف رات گزرنے پر قبائلی واپس لوٹ گئے تو انگریز کو احساس ہوا کہ جس معرکہ کو وہ معمولی یورش سمجھ رہا تھا اس کا سر کرنا آسان نہ تھا چنانچہ مزید لشکر طلب کر لیا گیا اور انگریز نے اب سنبھل کر جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔

اخوند صاحب سوات کی آمد اس دوران میں اطلاع ملی کہ دوسرے قبائل بھی میدان جنگ میں اتر آئے تھے اور جس حضرت اخوند صاحب کی غیر جانبداری پر وہ تکیہ لگائے ہوئے تھا اور جسے غیر جانبدار سمجھتے ہوئے بھی انگریز نے اپنے ارادے سے مطلع نہ کیا تھا۔ وہ حضرت اخوند قبائل کی درخواست پر اپنے وطن اجداد کے تحفظ کے لئے اپنی قیام گاہ سے نکل کر میدان کارزار کی طرف گامزن ہو چکے تھے اور جس وقت میدان جنگ میں پہنچے تو انگریز مصنفین کی تحریروں کے مطابق ان کے ساتھ لشکر میں کوئی ایک سو علم یا نشان لہرا رہے تھے بونیر اور سوات کے علاوہ دیر و باجوڑ سے بھی ان کے مریدین نے ان کی آواز پر لبیک کہی بلکہ خود مقبوضہ علاقہ سے بھی بڑی تعداد میں لوگوں نے ان کے لشکر میں شمولیت کی اب جماعت مجاہدین اور قبائلیوں میں کوئی اختلاف نہ تھا اور دونوں پہلو بہ پہلو استخلاص وطن کے لئے سینہ سپر دکھائی دے رہے تھے۔

دوسرا معرکہ ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر کو پھر شدید جنگ ہوئی انگریز اس وقت اپنی چوکیاں مستحکم کرنے کی فکر میں تھا اب اسے یقین ہو چکا تھا کہ ایک ہی جست میں وہ مجاہدین کو ختم نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ کمپ کے اردگرد استحکامات کا بندوبست کیا گیا اس وقت ان کی ایک مضبوط چوکی کمپ سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر "انگل لنسٹ"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے نام سے پہاڑ کی چوٹی پر قائم کرلی گئی تو اس سے کوئی پانچسو گز کے فاصلہ پر قبائلی سینہ تانے کھڑے تھے۔ ۲۵ اکتوبر کے بعد انگریز نے مزید اقدام نہ کیا۔ وہ تازہ دم لشکر کے انتظار میں تھا۔ تین چار دن خاموشی رہی لیکن ۲۹/۳۰ اکتوبر کی درمیانی رات مجاہدین نے اس شدت سے مذکورہ چوکی پر حملہ کردیا کہ انگریز کے پاؤں اکھڑ گئے ان میں کے ۲۹ اشخاص قتل ہوئے اور ۹۲ کو زخم لگے اور ۳۰ کی صبح کو چوکی پر قبضہ کرلیا۔

سواتیوں کا حملہ ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا ادھر سوات کے لشکر نے انگریزی کمپ پر ہلہ بول دیا۔ طرفین نے دل کھول کر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا انگریز کو ہر روز معاملہ زیادہ سے زیادہ سنگین و خطرناک نظر آنے لگا تو اس نے مزید لشکر طلب کرنا شروع کیا اب انگریز کی عزت اور اس کے وقار کا سوال درپیش تھا وہ مجاہدین کے مرکز ملکا کو مسمار کرنے کے عزم کا اعلان کرچکا تھا واپس لوٹتا تو کیسے اب اسے ہر قیمت پر اس مقصد کو پورا کرنا تھا اور اسی طرح اس کی عزت باقی رہ سکتی تھی۔

باجوڑیوں کا حملہ۔ حالات کے پیش نظر اب انگریز اور زیادہ محتاط ہوگیا اس نے جارحانہ اقدامات کی بجائے دفاعی طور مدافعانہ جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا اور اس انتظار میں ہو بیٹھا کہ مزید لشکر کافی تعداد میں پہنچ جائے تو پھر پوری طاقت سے حملہ کیا جائے۔ مجاہدین بھی مردانہ وار مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے ۱۲ نومبر کو باجوڑ کے لشکر نے ایک دوسری چوکی "کریگ" پر حملہ کردیا۔ رات بھر لڑائی ہوتی رہی لیکن چوکی پر قبضہ نہ ہوسکا۔ اس وجہ سے ۱۳ نومبر کو دوبارہ حملہ کرتے ہوئے شدید جنگ کے بعد اس پر قبضہ کرلیا انگریز بھی خاموش رہنے والا نہ تھا اس نے معہ توپ خانہ کے پوری طاقت سے حملہ کیا تو مجاہدین اس چوکی کو خالی چھوڑ گئے۔

انگریز کمانڈر زخمی ہوا انگریز نے یہ حالت دیکھی تو اسے اپنا کمپ خطرہ میں دکھائی دینے لگا اس نے نئی چال یوں چلی کہ اردگرد کی تمام چھوٹی چھوٹی چوکیوں سے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لشکر کو واپس بلا کر تمام طاقت "کرگیگ" پر جمع کر دی۔ چنانچہ ۱۷ نومبر کو "الیگ لنسٹ" اور دوسری چوکیاں خالی نظر آنے لگیں اس پسپائی کا اثر قبائلیوں پر تو خوشگوار پڑنا ہی تھا انہوں نے اسے انگریز کی کمزوری پر محمول کیا لیکن خود انگریز لشکر پر بھی اچھا اثر نہ پڑ سکتا تھا لشکری بددل نظر آنے لگے۔ قبائلیوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پے در پے حملے کئے اور کئی قابل ذکر افسر قتل کر دیئے اور انگریز کی سراسیمگی کو دیکھتے ہوئے پھر "کرگیگ" کی طرف رخ پھیرا۔ انگریز لشکر کا کمانڈر چیمبرلین خود فوج کی قیادت کر رہا تھا قبائلیوں نے اسے زخمی کرتے ہوئے پھر "کرگیگ" پر قبضہ کر لیا۔ قبائلی جس ہمت و جوانمردی سے لڑ رہے تھے اس کا ذکر لارڈ رابرٹس کی زبانی سنئے:

> ہم پر مسلسل تین ہفتوں تک روزانہ حملے ہوتے رہے لیکن دشمن نہایت بہادرانہ طریقہ پر جنگ کرتا رہا اور ان میں سے کئی ایک تو ہمارے توپخانہ کے حلقے میں پہنچکر مارے گئے۔ دو دفعہ انہوں نے کرگیگ کی چوکی پر قبضہ کیا جو ہمارے تحفظ کی کنجی تھی اور جسے ہر قیمت پر دوبارہ حاصل کرنا ضروری تھا۔ دوسرے حملہ میں جنرل چیمبرلین نے خود لشکر کی قیادت کی لیکن سخت زخمی ہو کر لشکر کی قیادت چھوڑ دینے پر مجبور ہوا۔[1]

اس سلسلہ میں لارڈ مذکور مزید لکھتا ہے کہ قبائلی اکثر اوقات انگریز لشکر کے کمانڈروں کو آواز دیتے تھے کہ:

> ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔ وہ لال پگڑی والے کہاں ہیں اور وہ گورا لوگ کہاں ہیں۔[2] وہی ہمارے بہترین شکار ہیں قبائلیوں نے جلد ہی سکھ اور

---

[1] فارتی دن ایمرزان انڈیا بلارڈ رابرٹس [2] سکھ کے سر پر سرخ رنگ کی پگڑی ہوتی تھی اس وجہ سے قبائلی انہیں لال پگڑی والا پکارتے تھے اور گورہ سے مراد انگریز سپاہی ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور انگریزوں کو پہچان لیا۔ اگرچہ وہ جنگ آزما تھے لیکن ان پہاڑیوں میں بے بس نظر آنے لگے اور اپنا سر تک نہ چھپا سکے۔

توپ و تفنگ کی جگہ عیاری و مکاری - انگریز نے جو یہ حالت دیکھی تو اسے اپنا سب بنا بنایا کھیل خراب ہوتا دکھائی دیا اتنی وسیع حکومت جب اپنے ساز و سامان کے باوجود ان قبائلیوں کا مقابلہ نہ کر سکی کہ جن کے پاس یا تو قدیم قسم کی بندوقیں تھیں یا جو گولی کے مقابل پتھر پھینکنے کے عادی تھے تو اس نے اب میدان جنگ میں شکست دینے کی بجائے انہیں اپنی چال بازیوں اور فریب کاریوں سے رام کر لینا چاہا پولیٹیکل آفیسر اس کام میں مشغول ہو گئے۔ جنگ طول کھینچ چکی تھی قبائلی رسم ملک کے مطابق محدود مقدار میں راشن وغیرہ ساتھ لے کر آتے ہیں ان کے ہاں کسی محکمہ رسل و رسائل کا انتظام نہیں کسی آرسنل کا وجود نہیں کسی علاج معالجہ کا انتظام نہیں۔ جب بارود ختم ہو جائے اور دشمن سے مزید بارود ہاتھ نہ لگ سکے تو میدان جنگ میں خالی ہاتھ مقیم رہنا کس کام کا یہی وجہ ہے کہ قبائلی پارٹیاں یا جماعتیں بنا کر میدان جنگ کو جاتے ہیں دوسری پارٹی کے پہنچنے پر پہلی پارٹی رخصت ہو جاتی ہے پھر ان میں یہ بھی رسم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے شہید ساتھیوں کے مردے بھی ساتھ لے جا کر ان کے ورثاء تک پہنچائیں مختصر یہ کہ طوالت جنگ کسی طرح مفید نہیں ہو سکتی۔ انہی حالات میں انگریز نے ان میں اپنے آدمی پہنچا دیئے اختلافات کو ہوا دی جانے لگی۔ رفتہ رفتہ قبائلیوں کی پارٹیاں میدان جنگ سے واپس لوٹنے لگیں ان کی طاقت کمزور ہونا شروع ہوئی حالات بدلنے لگے انگریز بیٹھا یہ سب تماشا دیکھتا رہا اس نے اب توپ و تفنگ کی جگہ عیاری و مکاری اور زر افشانی سے کام لینا شروع کیا۔

اخوند صاحب سوات کا استقلال جب باجوڑ اور دیر کے قبائلی واپس ہوئے تو لشکر کمزور نظر آنے لگا انگریز تو پہلے ہی سے ساز باز کر رہا تھا اس نے بونیر کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چند خوانین کو اس پر رضامند کر لیا کہ وہ انگریز لشکر کے ساتھ ہو کر از خود ملکا کو نذر آتش کر دیں ان حالات میں بھی حضرت اخوند صاحب مقابلہ پر ڈٹے رہے اب ان کے ساتھیوں کی تعداد میں بہت کمی آچکی تھی انگریز نے انہیں ہتھیار پھینک دینے یا لوٹ جانے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے حقارت سے اس مشورہ کو ٹھکرا دیا اور جنگ جاری رکھنے کے فیصلہ پر کاربند رہے اب انگریز نے کوشش کی کہ وہ انہیں زندہ گرفتار کرے۔ لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو صلح صلاحیت کی بات چیت ہونے لگی اس وقت تک حضرت اخوند صاحب کو مکمل اطلاع مل چکی تھی کہ خوانین بونیر ملکا کو نذر آتش کرنے پر اظہار رضامندگی کر چکے تھے تو حضرت اخوند صاحب نے یہ شرط پیش کر دی کہ انگریز ملکا کے باہر کے ایک کوٹھے کو آگ لگا کر واپس لوٹ جائیں تو وہ بھی اپنے ساتھیوں سمیت میدان جنگ سے واپس لوٹ جائیں گے ورنہ آخر دم تک مقابلہ کریں گے۔ انگریز نے یہ شرط مان لی جس پر چھ انگریز افسر گائڈ فوج کے کچھ سپاہی لے کر خوانین بونیر کی قیادت میں ملکا پہنچے تو گاؤں کے باہر ہی ایک مکان کو نذر آتش کر کے واپس لوٹ آئے۔

جنگ کا خاتمہ انگریز کا اتنی شدید جنگ لڑنے کے بعد صرف ملکا کے ایک مکان کو نذر آتش کر کے لوٹ آنے پر اظہار رضامندگی سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت اسے اپنی کمزوری کا احساس ہو چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ قبائل سے جنگ آسان نہ تھی وہ اس مہم کی ناکامیابی پر پردہ ڈالنا چاہتا تھا کہ جس میں اس کے خود ایک انگریز مصنف کی تحریر کے مطابق چودہ انگریز افسر اور ایک ہزار سپاہی کام آچکے تھے[1] اور جس کے متعلق ایک دوسرے مصنف نے لکھا کہ قبائلیوں کے خلاف ۱۸۴۹ء اور ۱۸۹۰ء کے دوران میں بیالیس بار لشکر کشی کی گئی تھی جس میں اس کے

---

[1] ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

۳، ۱۲۱ آدمی کام آئے اور پھر ان میں ۹۰۸ صرف ایک معرکہ امبیلہ میں مارے گئے تھے[۱][۲]

مختصر یہ کہ حالات سے مجبور ہو کر انگریز نے اپنی شکست پر ایک مکان کو نذر آتش کرتے ہوئے چھپا دینے کی ناکام کوشش کی اور اس طرح آزاد قبائلی علاقہ کے اہم ترین معرکہ کا خاتمہ ہوا جسے فریقین اپنے اپنے خیال کے مطابق اپنی اپنی کامیابی سمجھتے رہے[۳]۔

معرکۂ امبیلہ کے بعد معرکہ امبیلہ کے بعد مجاہدین کے لئے اس علاقہ میں مشکلات پیدا ہو گئیں۔ ملکا سے تو وہ معاہدہ کی رو سے نکل جانے پر مجبور تھے اس وجہ سے ان میں کچھ انتشار پیدا ہوا ایک حصہ نے اسی لونیر کے علاقہ میں مختلف مقامات پر قیام کیا تو دوسرا حصہ چغرزئیوں کے علاقہ میں کوچ کر گیا۔ اب انگریز بھی اس طرف زیادہ توجہ دینے لگا پولیٹکل افسر مصروف عمل نظر آئے۔ مجاہدین کے لئے برائے راست انگریز سے جنگ کرنے کے مواقع مفقود نظر آنے لگے تو بدقسمتی سے یا بہ امر مجبوری انہوں نے اپنی زندگی اور بقاء کے تحفظ کے لئے مقامی مناقشات میں حصہ لینا شروع کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ جب حضرت اخوند صاحب سوات کے مخالفین نے لونیر میں لشکر جمع کرتے ہوئے حضرت اخوند کی طاقت کو کچلنا چاہا تو ان کی ایک قابل ذکر تعداد نے مقامی خوانین کے ہمرکاب فروری ۱۸۶۸ء میں حضرت اخوند کی مخالفت میں اقدام شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالف جماعت کا سرغنہ میدان جنگ میں کام آیا تو حضرت اخوند کو کامیابی نصیب ہوئی وہ اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے پہلے ہی باشندگان وطن کے دلوں پر قبضہ کر چکے تھے۔ اب مخالفین بھی ان کی ہمنوائی

۱؎ پگٹ۔ ۲؎ گائڈ نامی فوج کا مرکز مردان تھا اس کے ساتھ قبرستان بھی ہے جس میں معرکہ امبیلہ میں کام آنے والے انگریزوں کو دفن کیا گیا تھا۔ ۳؎ کہا جاتا ہے کہ ملکا کو جلانے کے سلسلہ میں لونیر کا زید اللہ خان انگریز سے ساز باز کرنے میں پیش پیش رہا جس پر انگریز کمانڈر نے خوش ہو کر اسے اپنا پستول بطور انعام دیا تھا ۱۸۶۸ء میں اسکی اپنی قوم نے اسی پستول سے اس کا کام تمام کر دیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرنے لگے۔ مجاہدین کے لئے مشکلات پیدا ہوئیں اور جب حالات پر قابو پالیا گیا تو حضرت اخوند نے اپنے معتقدین کو ہدایت کی کہ وہ ان مجاہدین کو اپنے علاقہ سے نکالدیں چنانچہ جب کسی امداد و اعانت کی امید باقی نہ رہی تو انہوں نے بھی علاقہ چغرزئے کا رخ کیا اور بڑی تعداد راستہ ہی میں اہل بونیر کے ہاتھوں ماری گئی اس کے بعد حضرت اخوند کو دن دونی رات چوگنی ہر دلعزیزی حاصل ہونے لگی ان کا اثر و رسوخ چغرزئے کے علاقہ پھر بھی دکھائی دینے لگا تا آنکہ ان کی ہدایت سے مجاہدین کو اس علاقہ سے بھی نکالدیا گیا تو انہوں نے ہزارہ کا رخ کرتے ہوئے اپنے آپ کو قبیلہ حسن زئے کے رحم و کرم پر ڈال دیا۔

بونیر کی ناکہ بندی۔ معرکہ امبیلہ کے بعد یوسفزئیوں سے انگریز کی کسی جنگ عظیم کا پتہ نہیں چلتا البتہ مختلف قبائل سے انفرادی حیثیت میں وقتاً فوقتاً جھڑپیں ہوتی رہیں اور چھوٹے پیمانہ پر لشکر کشی بھی کی جاتی رہی چنانچہ ۱۸۶۸ء میں مقبوضہ اور قبائلی علاقہ کے دو فریقوں میں جب باہمی کشمکش پیدا ہوئی تو بونیر کے قبیلہ آشوزئے نے مقبوضہ علاقہ میں علاقہ سدھم ضلع مردان کے موضع پیر سائے پر حملہ کرتے ہوئے اسے نذر آتش کر دیا۔ انگریز نے اسے اپنے وقار پر ضرب خیال کرتے ہوئے اس قبیلہ کے خلاف اقدام کیا اور وہ اس طرح کہ ان لوگوں کی مقبوضہ علاقہ میں آمد و رفت بند کر دی گئی ناکہ بندی ہوئی بالآخر اپریل ۱۸۶۹ء میں انگریز سے معاہدہ ہو گیا۔ انہوں نے جلے ہوئے گاؤں کو تعمیر کر دینے پر اظہار رضامندگی کیا تو ناکہ بندی اٹھالی گئی۔

خانہ جنگی سات آٹھ سال تک امن قائم رہا۔ اس سرحد پر کوئی ناخوشگوار واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا لیکن ۱۸۷۶ء میں پھر قبائلیوں کی باہمی کشمکش کے نتیجہ میں بونیر کے آشوزئے۔ دولت زئے اور نورازئے قبائل نے سدھم کے علاقہ پر یلغار کرتے ہوئے ڈاکے ڈالے۔ مقامی باشندوں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا گویا اب انگریز کے مقابلہ کی بجائے خود آپس میں کٹنے لگے۔ بھائی کے ہاتھوں بھائی قتل ہوا شدید جنگ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوئی جس میں حملہ آوروں کے ۲۱ آدمی مارے گئے ۳۰ زخمی ہوئے اور چودہ کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا خیال کیا جاتا ہے کہ اس حملہ کا محرک موضع چارگلی (ضلع مردان) کا رئیس عجب خان تھا۔ عجب خان کو اس وقت مقبوضہ علاقہ اور بونیر دونوں جگہ وقعت حاصل تھی اور قبائلی معاملات میں انگریزوں سے گفتگو کرنے میں اسے خاص اہمیت دی جاتی تھی اسے ایک آدھ دفعہ انگریز نے گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ صاف بچ کر نکل گیا اور جب جرگہ کے ساتھ واپس لوٹا تو ایک موقع پر اس کے ساتھ کوئی تین سو افراد تھے جن کے قیام و طعام کا رسم ملک کے مطابق حکومت کو انتظام کرنا تھا۔ بالآخر وہ انگریز کے چنگل میں پھنس کر بغاوت کے الزام میں حاضر عدالت کیا گیا سزائے موت تجویز ہوئی تو جون ۱۸۴۸ء میں اسے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا تھا۔

پھر ناکہ بندی

مذکورہ حملہ کے بعد قبائل کی ناکہ بندی کر دی گئی حسب معمول ان کا داخلہ مقبوضہ علاقہ میں بند ہوا۔ نتیجہ یہ کہ ناکہ بندی سے تنگ آکر قبیلہ آشوزئے نے اپریل ۱۸۴۸ء میں لوٹ کا مال و اسباب واپس کرنے کا اقرار کیا تو اس کے ساتھ نورازئے اور دولت زئے سے بھی آئندہ کے لئے ایسے حملوں کی روک تھام کا وعدہ لے لیا گیا اس کے بعد پھر چھ سات سال تک کسی ہنگامہ آرائی کا پتہ نہیں چلتا تا آنکہ پھر باہمی اختلافات و مناقشات نے سر اٹھایا تو ۱۸۵۵ء میں اہل بونیر نے موضع پیر سائے کو جلا دیا انگریز نے پھر ناکہ بندی کا اعلان کیا بونیر والوں کی مقبوضہ علاقہ میں آمد و رفت بند ہوئی اس دفعہ طرفین نے اپنے اپنے عزم سے کام لیا ناکہ بندی نے طول کھینچا کوئی ایک بھی ہتھیار پھینکنے کو تیار نہ ہوا لیکن قبائلی بچارے کب تک مقابلہ کر سکتے تھے ہار مان گئے تو ۱۸۸۶ء کے آخر میں شرائط صلح طے پا گئیں اور آمد و رفت دوبارہ جاری ہوئی۔

سالارزئیوں کے خلاف اقدام

بعد ازاں جولائی۔ اگست ۱۸۹۷ء میں جب قبائلیوں نے مالاکنڈ پر حملہ کیا تو بونیر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

والوں نے اس میں حصہ لیا اور ۱۶ اگست کو لنڈ اکئے (سوات) کے مقام پر انگریز لشکر سے مقابلہ کرتے رہے اب انگریز کو موقع ملا اس وقت تک اس کی طاقت بہت بڑھ چکی تھی۔ اسے ۱۸۶۳ء کے معرکہ امبیلہ کی شکست ابھی بھولی نہ تھی۔ ہر انگریز اس کا بدلہ لینے اور اپنا اقتدار قائم کرنے پر تلا ہوا تھا چنانچہ جب بونیر والوں نے لنڈ اکئے کے مقام پر انگریز لشکر سے مقابلہ کیا تو انہیں اس کی سزا دینے کے لئے جنرل سر بنڈن بلڈ کی سرکردگی میں، ۷ جنوری ۱۸۹۸ء میں بھاری لشکر کے ساتھ بونیر کے سالار زئیوں کے علاقہ کی طرف اقدام شروع ہوا۔ انگریز لشکر نے اپنی طاقت کے زور پر درۂ تنگا پر قبضہ کر لیا ادھر یہ لشکر مصروف عمل تھا ادھر دوسرا لشکر پیر سائے کے راستے سے اقدام کرتے ہوئے درہ امبیلہ سے گزر کر چملہ کے علاقہ میں دکھائی دینے لگا انگریز جانتا تھا کہ اس وقت قبائلیوں کی وہ طاقت موجود نہ تھی جس کا مظاہرہ وہ معرکہ امبیلہ میں کر چکے تھے اس وقت سوات کے جنگجو سپاہی میدان جنگ میں دکھائی نہ دے رہے تھے۔ مجاہدین بحیثیت جماعت موجود نہ تھے اور مختصر یہ کہ وہ سب سے طاقت ور شخصیت یعنی حضرت اخوند صاحب سوات بہ نفس نفیس قیادت نہ کر رہے تھے اور انگریز لشکر کو پورے بونیر کے قبائل سے بھی نہیں بلکہ اس کے ایک حصہ سے جنگ لڑنا تھی چنانچہ وادی بونیر کو روند ڈالا گیا علاقہ چغرزئے سے تعارض نہ ہوا جس وجہ سے بونیر والے اور بھی کمزور نظر آنے لگے بالآخر بارہ دن تاخت و تاراج کی حکمت عملی پر عمل پیرا رہنے کے بعد جب سرداران قبائل سالار زئے آشوزئے گدیازئے۔ دولت زئے نورے زئے اور لسو زئے نے جرمانہ ادا کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا تو ۱۹ جنوری ۱۸۹۸ء کو انگریز لشکر واپس لوٹ آیا۔[1]

---

[1] ڈاکٹر سٹین پرنسپل اورنٹیل کالج مشہور ماہر آثار قدیمہ اس حملہ میں انگریز لشکر کے ساتھ تھا اس نے اس علاقہ میں بدھ کے آثار قدیمہ کے متعلق ایک رپورٹ تیار کی تھی جو ترسہ گیرائے تختہ بند اور بمبوخہ کے مقامات میں دیکھے گئے تھے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پھر لشکر کشی

اس کے بعد ایک عرصہ تک خاموشی طاری رہی پھر ۱۹۱۳ء میں درہ امبیلہ میں دو انگریز افسروں پر کسی نے گولی چلادی اور علاقہ سلیم پر یکے بعد دیگرے دو ڈاکے بھی پڑے یہ سب کچھ باشندگان بونیر کے کھاتہ میں لکھا گیا تو بالآخر انگریز نے اچانک لشکر کشی شروع کی اور راتوں رات فروری ۱۹۱۴ء میں درہ ملندری کو عبور کرتے ہوئے موضع "نواں کلی" اور زنگی خان کو جا برباد کیا اس کے بعد سات ہزار روپیہ جرمانہ لگا کر لشکر واپس لوٹ آیا۔

انگریز سے آخری جنگ

اول جنگ یورپ کے دوران میں علاقہ ہشتنگر (پشاور) کے مشہور عالم دین حاجی صاحب ترنگ زئے[1] جون ۱۹۱۵ء میں مقبوضہ علاقہ سے نکل کر باجوڑ جا پہنچے۔ جاتے ہی انہوں نے انگریز کے خلاف محاذ قائم کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا لشکر پیر سلئے۔ ملندری اور درہ امبیلہ میں دکھائی دینے لگا انگریز بھی خاموش رہنے والا نہ تھا۔ لشکر لئے ۱۶ اگست ۱۹۱۵ء کو رستم (مردان) جا پہنچا باشندگان بونیر بڑی بہادری سے لڑے[2] لیکن کوئی اہم فیصلہ نہ ہو سکا بعض وجوہات سے حاجی صاحب ترنگ زئے واپس لوٹ گئے خیال تھا کہ شاید وہ مہمندوں کے علاقہ میں دوسرا محاذ قائم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی تو یہ محاذ بھی ٹھنڈا پڑ گیا قبائلی انگریز کی شرائط ماننے پر مجبور ہو گئے۔ جرمانہ ادا کرنے کا اقرار کر لیا لشکر

---

[1] آپ کا نام فضل واحد تھا لیکن اپنے مسکن موضع ترنگ زئے (تحصیل چارسدہ) کی نسبت سے حاجی صاحب ترنگ زئے پکارے جاتے ہیں مقبوضہ علاقہ سے ہجرت کر جانے سے قبل پشاور مشہور دار العلوم (اسلامیہ کالج) کا سنگ بنیاد انہی کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں پشاور سے نکل جانے کے بعد وہ تادم وفات انگریز کی مخالفت میں کمر بستہ اور عملاً جنگ کرتے رہے آپ نے ۱۴ دسمبر ۱۹۳۴ء میں وفات پائی ان کا خاندان علاقہ مہمند میں مقیم ہے [2] نوٹ دوسری صفحہ پر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

واپس لوٹ گیا لیکن اس کا اثر یہ تھا کہ بعد کو جب ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کی قومی تحریکات کی وجہ سے سرحدی علاقہ میں ہلچل پیدا ہوئی تو یہ علاقہ بالکل خاموش تماشائی کی حیثیت سے دکھائی دینے لگے۔

ریاست سوات کی سیادت

حالات یونہی چلتے رہے ادھر ریاست سوات کے حدود کو وسعت دی جا رہی تھی نتیجہ یہ کہ ۱۹۲۴ء میں بادشاہ صاحب سوات نے اس پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور جلد ہی اس علاقہ کی قسمت جاگ اٹھی سوات کی طرح اس علاقہ میں سڑکیں تعمیر ہوئیں تعلیم کا انتظام شروع ہوا علاج معالجہ کی سہولتیں میسر آنے لگیں بونیر اور چملہ کا راستہ صاف اور خطرات سے محفوظ ہو گیا اور درہ ملندری میں پہلی بار ایک سڑک تعمیر کر دی گئی۔ علاقہ میں حاکموں کا تقرر عمل میں آیا اور دادرسی کے انتظامات نظر آنے لگے۔

۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے محکمہ سروے نے اس علاقہ کی دیکھ بھال کی ۱۹۲۷ء میں انگریز اور بونیر کی سرحد پر نظر ثانی ہوئی وارن درہ ضلع ڈپٹی کمشنر کی نگرانی میں دیدیا گیا اس کے ساتھ ہی دو مقامی قبیلوں میں ملندری کے علاقہ کی ملکیت کے متعلق شدید اختلافات پیدا ہوئے تو بذریعہ جرگہ اس کا بھی بطریق احسن فیصلہ کرا دیا گیا تھا۔

پچھلے صفحہ کا نوٹ ۲ گائڈ فوج کے طعام خانہ میں دو شمشیریں آویزاں ہیں جنکے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ان مجاہد قبائلیوں سے چھینی گئی تھیں جنہوں نے لفٹننٹ مکنا مارا کو رستم کے قریب قتل کر دیا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

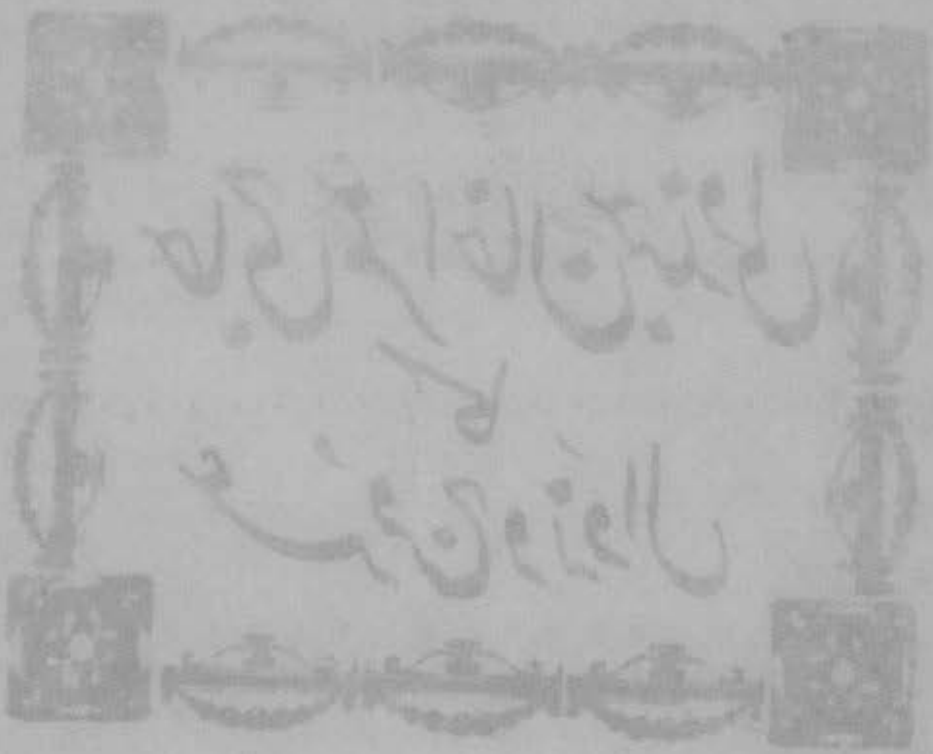

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حاجی عمر اخان
کا
عروج و زوال

باجوڑ باجوڑ کا علاقہ اندازاً کوئی ۴۵ میل طویل اور ۲۰ میل عریض افغانستان کی وادی کنڑ سے متصل پاکستانی قبائلی علاقہ کا ایک اہم حصہ ہے افغانستان جانے کے لئے اس کی پہاڑیوں میں دو ایک ایسے راستے بھی ہیں کہ جن کے ذریعہ آمد رفت جاری رکھی جا سکتی ہے اور جس وقت تک درہ خیبر کو زیادہ اہمیت حاصل نہ ہوئی تھی ہندوستان اور افغانستان کے درمیان انہی راستوں سے سفر اختیار کیا جاتا تھا اور پھر ان راستوں کی اہمیت کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سکندر اعظم سلطان محمود غزنوی اور محمد ظہیر الدین بابر نے انہی راستوں سے ہندوستان کی طرف اقدام کیا تھا۔

حدود اربعہ اور آبادی اس کے شمال میں دریائے پنجکوڑہ اسے ریاست دیر سے جدا کرتا ہے تو مغرب میں دریائے کنڑ افغانستان کی طرف حد فاصل کا کام دیتا ہے اس کے مشرق میں اتمان خیل اور مہمند آباد ہیں تو جنوب میں مہمندوں کا وسیع علاقہ نظر آتا ہے باجوڑ کے علاقہ کو ذیل کی پانچ وادیوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

(۱) چارمنگ (۲) بالوکارہ (۳) رود (۴) سورقمر (۵) دگلئے یا تلئے جسے انگریزوں نے اپنی تحریروں میں وادی میمون کے نام سے یاد کیا ہے ان میں وادی رود سب سے زیادہ زرخیز ہے اور باجوڑ کا مشہور مقام نواگئے وادی سورقمر میں آباد ہے جس علاقہ سے چمرکنڈ ناداگئے اور سورن کے نالے مل کر پیل یا دریائے امبار کے نام سے دریائے پنجکوڑہ اور دریائے سوات کے سنگم سے کچھ اوپر دریائے سوات سے جا ملتا ہے۔

اس علاقہ کی کثرت آبادی یوسف زئیوں اور ترکانٹریوں پر مشتمل ہے اور وادئ رود میں مہمند صافی اور اتمان خیل بھی آباد نظر آتے ہیں چارمنگ اور بالوکارہ میں زیادہ تر سالار زئے (یوسف زئے) اور دگلئے میں میمون (یوسف زئے) مقیم ہیں اور ان کے ساتھ ترکانٹری بھی آباد ہیں۔

مالاکنڈ سے چترال جانے والی سڑک بھی اس راستہ سے ہو کر گزرتی ہے جس کی حفاظت اس علاقہ کے خوانین کے سپرد ہے جس کے جواب میں حکومت پاکستان ان کی حفاظت کرتی ہے اس علاقہ میں نیسا کا وہ شہر آباد تھا جس کے متعلق سکندر اعظم کو بتایا گیا تھا کہ اسے اس کے پیش رو ڈیونوسس نے آباد کیا تھا اور اس میں یونانی الاصل قبائل آباد تھے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نیسا کے باشندے ہی تھے جو بعد میں چل کر کافر کہلائے اور اس وقت بھی چترال اور افغانستان کے درمیان آباد ہیں یہی لوگ تھے جو اپنے دیرینہ مذہب کی پیروی کرتے رہے اور بدھ مت کے عہد میں بھی اس جدید مذہب کو اپنا نہ سکے تھے اور بعد میں چل کر وہ کافرستان کے اس علاقہ کی طرف ہجرت کر گئے جو چترال اور افغانستان کے درمیان ہے انہی کافروں کا ذکر توزک بابری میں ملتا ہے کہ وہ بابر کے لئے مشکوں میں شراب لائے تھے۔ البتہ امیر عبدالرحمٰن خان فرمانروائے افغانستان کے عہد حکومت میں ان کی ایک خاصی تعداد نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

انیسویں صدی کے وسط تک باجوڑ کا حکمران باز کے عجیب نام سے موسوم کیا جاتا تھا اس وقت تک وہ حکومت افغانستان کو وقت ضرورت ایک معین تعداد میں لشکر پیش

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرنے کے اقرار کی وجہ سے اندرونی معاملات میں بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا تھا وہ جسے چاہتا سزا دیتا ملک بدر کرتا حتیٰ کہ قتل بھی کر دے سکتا تھا انیسویں صدی کے پہلے نصف حصے کے آخر میں بازکی وفات پر اس کے اور پسماندگان بھتیجوں میں اختلافات پیدا ہوئے تو باجوڑ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ علاقہ بھی متحد اور کبھی مختلف سرداروں کے تحت رہا بعد میں حکمران کے لئے لفظ باز کا استعمال بھی ترک ہوا اور ہر علاقہ کا سردار خان ہی پکارا جانے لگا۔

وادی جندول

وادی جندول انداز آ کوئی آٹھ میل طویل اور کوئی چار میل عریض ہوگی یہ دریائے پنجکوڑہ سے نواگئی کے درمیانی علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کے تمام اطراف میں بلند و بالا پہاڑیاں اس کی خوبصورتی کو مزید تقویت دینے کا باعث ہیں اسے اپنے ایک حکمران حاجی عمر اخان کی فداکاری ہمت و جوانمردی کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی تو اس نے تاریخ میں نمایاں حیثیت حاصل کر لی۔

عمر اخان کی ابتدا

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۷۹ء میں عباس خان۔ خان جندول کی وفات پر عمر اخان[1] اور اس کے برادر بزرگ شیر عالم خان میں اقتدار کے لئے رسہ کشی ہوئی یا ہونے کا احتمال تھا کہ عمر اخان نے اپنی پوزیشن کو کمزور دیکھتے ہوئے وقتی طور اس علاقہ سے ہی نکل جانا پسند کیا چنانچہ وہ فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے عازم حرمین الشریفین ہو گیا حج سے واپس لوٹ کر پھر اس نے حصول اقتدار کی کوشش کی۔ لشکر جمع کیا طاقت بڑھائی تا آنکہ جندول کے علاقہ پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا وہ حکمران نظر آنے لگا اور اپنی طاقت اپنے تدبر اور اپنی حکمت عملی سے صدر درجہ کامیاب رہا۔ حضرت اخوند صاحب سوات کی وفات ۱۸۷۷ء پر ان کے خلف اکبر میاں گل عبدالحنان نے سوات کی عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تو خان دیر نے شدت سے مخالفت

---

[1] کنگڈم آف کابل۔ کننگھم (۱۸۴۲) [2] عمر اخان کا دادا فیض طلب خان مورکہ امبیلہ میں ۱۸۶۳ء میں باجوڑ کے لشکر لیکر شامل جنگ ہوا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شروع کر دی۔ عمر اخان نے جو فہم و فراست میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ میاں گل کو اپنا ہمنوا یا رفیق بنا کر اپنی طاقت میں مزید اضافہ کرتے ہوئے ۱۸۸۲ء تک ارد گرد کے تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا حتی کہ خان دیر کی قریب قریب نصف ریاست بھی اپنے زیر اقتدار لے آیا اب ہر طرف عمر اخان کا طوطی بولنے لگا اس نے جدید طرز پر اپنی حکومت کو منظم کرنا شروع کیا۔ لشکر کو باقاعدہ تربیت دی جانے لگی انگریز ان حالات کو دیکھ رہا تھا عمر اخان نے اپنے تدبر سے اسے بھی کسی قسم حرکت کا موقع نہ دیا بلکہ اس سے اسلحہ طلب کرتا رہا لگاڑ پیدا کرنے کی کوئی صورت پیدا ہونے نہ دی اس دوران میں اس نے بمبئی میں ایک سکاچ کمپنی سے اسلحہ حاصل کرنے کی بھی کوشش کی اور اس فرم نے پستول تا توپ مہیا کرنے پر اظہار رضامندی کر دیا لیکن جلد ہی مسٹر ڈین ڈپٹی کمشنر پشاور نے اس میں مداخلت کرتے ہوئے اس مہم رسانی کو رکوا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فرم ہندوستان میں اپنا کاروبار بند کرتے ہوئے قاہرہ (مصر) میں جا مقیم ہو گئی[1]

افغان نپولین

عمر اخان اپنے وقت کا مشہور مدبر اور جانباز خیال کیا جاتا ہے بعض انگریز مورخین نے اپنی تحریروں میں اسے "افغان نپولین" کے نام سے یاد کیا اس نے تحفظ ریاست کے لئے دیگر انتظامات کے ساتھ بہترین قلعے بھی تعمیر کرائے تھے جو فن تعمیر کا بہترین نمونہ خیال کئے جاتے تھے ان قلعوں میں وادی کے آخری سرے پر بر در کا قلعہ خاص شہرت رکھتا تھا جس کے متعلق مورخین نے بتایا کہ وہ ایسا خوبصورت تھا کہ جس کے وجود کا اس قبائلی علاقہ میں خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ظاہری خوبصورتی کے علاوہ فن تعمیر کا بھی ایک اعلیٰ نمونہ تھا اور افغان تعمیرات میں اسے نمایاں حیثیت حاصل تھی اسے اس طرح تعمیر کیا گیا تھا کہ اس پر کسی طرف سے بھی بہ آسانی حملہ نہ ہو سکے

---

[1] ریلیف آف چترال۔ کیپٹن جی جے ینگ ہسبنڈ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس کے برج اس کی پناہ گاہیں اس کے سوراخ دار موچے باہر کے پورے علاقہ کی نگرانی کر سکتے تھے پھر قلعہ کی دیوار کے اندر کی طرف اس طرز پر روشیں بنائی گئی تھیں کہ جن پر کھڑے ہو کر دشمن سے پوشیدہ رہتے ہوئے بھی اس پر فائر کئے جا سکتے تھے اور قلعہ کے عین وسط میں رہائش گاہ تعمیر تھی۔

قبائلیوں کی طرف سے مخالفت

ان حالات سے عمر خان کے عقل و تدبر اور دور رس نگاہ کا پتہ چلتا ہے بدقسمتی سے میاں گل سے اتحاد زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اردگرد علاقہ میں عمر خان کے اقتدار سے سب کو اپنے چراغ گل ہوتے دکھائی دینے لگے تو مخالفت شروع ہوئی اور خود میاں گل جس کی امداد و اعانت سے عمر خان نے اپنی طاقت میں اضافہ کیا تھا مخالفت پر اتر آیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے خان دیر سے صلح کر لی۔ اب مشکلات پیش آنے لگیں لیکن عمر خان ان تمام نشیب و فراز راہ سے بے نیاز بام ترقی پر گامزن رہا حتیٰ کہ حکومت افغانستان کو بھی خطرات دکھائی دینے لگے تو کابل کی طرف سے ایک مذہبی پیشوا مکرانی ملا اس علاقہ میں آ نمودار ہوا۔ عمر خان کے خلاف آگ کو ہوا دی جانے لگی نتیجہ یہ کہ دیر نواگئے، سوات اتمان خیل سالارزئے اور میمونڈ[1] مقابلہ پر اجتماعی حیثیت میں اتر آئے لیکن عمر خان گھبرانے والا نہ تھا اس نے جنگ بھی کی اور فہم و فراست سے ان تمام میں باہمی کشمکش بھی پیدا کرادی مخالف لشکر منتشر ہو گیا مکرانی ملا بھی اس سرزمین کو خیرباد کہہ گیا تو بالآخر ۱۸۹۰ء تک عمر خان اپنے اقتدار کے عروج تک پہنچتا دکھائی دینے لگا اس نے سوات کی طرف زیادہ توجہ نہ دی بلکہ پورے دیر کے علاقہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا حتیٰ کہ خان دیر محمد شریف خان کو سوات میں جا کر پناہ گزین ہونا پڑا۔

---

[1] امپیریل گزیٹیر آف انڈیا ڈبلیو ایف پی ۱۹۰۸ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

انگریز کی گھبراہٹ

گزشتہ سطور میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ عمر اخان جدید طرز پر اپنی حکومت کو منظم کرنا چاہتا تھا اس نے بمبئی کی ایک فرم سے اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کے ساتھ انگریز سے بھی مطالبہ جاری رکھا تا آنکہ ۱۸۹۲ء میں اس نے پشاور سے چترال جانے والی ڈاک کے اپنے علاقے سے محفوظ گزر جانے کی ذمہ داری بھی لے لی جس کی وجہ سے حکومت نے اسے مالی امداد دینا منظور کر لیا تھا بعد میں انگریز کو خود اس کی طاقت سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ انگریز سرحد کے کسی قبائلی علاقہ میں کسی ایسے طاقت ور حکمران یا قائد کو برداشت نہ کر سکتا تھا کہ جس سے کسی وقت بھی نبرد آزما ہونے کا خطرہ دکھائی دے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ عمر اخان جدید طرز پر اپنی حکومت کو منظم کر رہا تھا اسے علم تھا کہ اس کا لشکر عام قبائلی لشکر کی طرح غیر منظم نہ تھا وہ جانتا تھا کہ اپنے علاقہ میں تا بہ چکدرہ وہ ایسے مضبوط قلعے تعمیر کر چکا تھا جنہیں سر کرنا آسان کام نہ تھا ان حالات میں عمر اخان نے چترال کی طرف قدم کیا (تفصیل آگے آئیگی) تو انگریز نے اسے یکم اپریل تک چترال سے واپس لوٹ جانے کی ہدایت کی وہ مقررہ تاریخ سے قبل ہی واپس لوٹ گیا اس کے پاس جو انگریز قیدی تھے انہیں عزت و احترام سے رکھا پھر قید سے آزاد کر دیا لیکن اس کے باوجود انگریز نے چترال میں ہنگامہ آرائی کی آڑ لیکر اس کے خلاف لشکر کشی کی۔ تو لشکر کا نام "ریلیف آف چترال" رکھا لیکن خود انگریزوں نے تسلیم کر لیا کہ اس کا مقصد عمر اخان کی طاقت کو ختم کرنا تھا۔ اور جب انگریز لشکر سے منڈا کے قریب مقابلہ ہوا تو بھی ان فوجی افسروں کی زبانی کہ جو اس لشکر کے ساتھ تھے۔ عمر اخان حقیقتاً جنگ نہ کرنا چاہتا تھا تا آنکہ اس نے گفتگوئے صلح کے لئے تن تنہا آنے کی دعوت بھی قبول کر لی لیکن جب یہ شرط پیش کی کہ طرفین اپنے لشکر کو دور ان گفتگو میں پیچھے ہٹا کر پر اطمنان و پر امن فضا میں بات چیت کریں تو نشہ اقتدار میں انگریز نے یہ شرط قبول نہ کرتے ہوئے حملہ کر دیا تا کہ اس خار کو اپنے پہلو سے ہمیشہ کے لئے نکال سکے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عمر اخان اپنی طاقت اور اپنے فہم و فراست سے چترال اور پشاور کے درمیان اہم ترین حیثیت حاصل کر رہا تھا جو انگریز کے مقاصد کے منافی تھی وہ چاہتا تھا کہ ایک قائد کی بجائے علاقہ کئی افراد میں تقسیم رہے تاکہ وقت ضرورت انہیں آپس میں الجھا کر اپنا مقصد پورا کیا جا سکے انگریز بالآخر اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب رہا تو عمر اخان کو اپنے وطن سے نکل کر افغانستان میں پناہ لینی پڑی اور جس وسیع سلطنت کے خواب دیکھ رہا تھا وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے قدرے تفصیلی حالات آئندہ اوراق میں دکھائی دیں گے۔

جندول اور چترال کے تعلقات

حکومت انگلشیہ کو ہندوستان کے تحفظ کے لئے سرحد چین۔ روس اور افغانستان پر واقع علاقہ چترال میں اپنا اثر و رسوخ اور اقتدار قائم کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اس نے گلگت اور چترال میں فوج کے دستے مقیم کر رکھے تھے اگرچہ اس قیام و تقرر کی تفصیلات درج کرنے کا یہ موقعہ نہیں کیوں کہ اس کا تعلق تاریخ چترال سے ہے تاہم پس منظر کے طور اس قدر لکھ دینا ضروری ہے کہ جب چترال کے حکمران خاندان میں کشمکش شروع ہوئی تو امان الملک مہتر چترال کا کوئی اکیس سالہ نوجوان لڑکا امیر الملک وطن سے بھاگ کر علاقہ جندول میں پناہ گزین ہوا اس وقت اس علاقہ میں عمر اخان کا طوطی بول رہا تھا اسے اپنی طاقت و تدبر کی وجہ سے پشاور اور چترال کے درمیانی علاقہ میں خاص اہمیت حاصل تھی اور بعض انگریز مصنفین نے تو اسے اس علاقہ کے نپولین سے خطاب کیا ہے۔ امیر الملک کچھ عرصہ قیام کے بعد مئی ۱۸۹۴ء میں واپس وطن کو لوٹ گیا تو اس کے بھائی نظام الملک مہتر چترال نے اسے خوش آمدید کہی اسے خیال ہوا کہ ایک مخالف مطیع ہو چکا لیکن بہت زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ امیر الملک کے ہاتھوں قتل ہوا طاقت اس نوجوان شہزادے کے ہاتھ لگی تو اس نے جنوری ۱۸۹۵ء میں اپنی مہتری

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

(بادشاہت) کا اعلان کر دیا شہزادہ ہوشیار تھا پھر ایک عرصہ تک عمر خان جیسے قابل سیاستداں کے ساتھ وقت گزار چکا تھا اعلان بادشاہت کے ساتھ ہی اس نے انگریز حکام سے اپنی حکمرانی تسلیم کرنے کی خواہش کی مقامی انگریز افسر اس فوری انقلاب کو دیکھکر کچھ فیصلہ نہ کر سکے تو انہوں نے اپنی مرکزی حکومت سے ہدایات حاصل کرنے کی کوشش کی۔

چترال کی طرف عمر خان کی روانگی

اس دوران میں عمر خان کو موقع مل گیا وہ سمجھ گیا انگریز کے لئے مداخلت کا کوئی بہانہ موجود نہ تھا چنانچہ وہ اپنا لشکر لئے چترال کی طرف چل پڑا اور ظاہر یہی کیا گیا کہ اپنے سابق دوست امیر الملک کی امداد و اعانت کی غرض سے جا رہا تھا لیکن مہتر چترال نے جو عمر خان کے ساتھ اپنی زندگی کا کچھ حصہ گزار چکا تھا اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا وہ سمجھا کہ عمر خان چترال پہنچ کر اس سے اقتدار میں اپنا حصہ طلب کریگا اس وجہ سے جنگ کے لئے تیار ہو کر لشکر لئے مقابلہ پر اتر آیا لیکن عمر خان کے منظم لشکر کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور شکست کھا کر بھاگ نکلا عمر خان نے درو ش پر قبضہ کرتے ہوئے دیر میں قیام کیا اور چترال پر خود قبضہ کرنے کی بجائے امیر الملک کے چچا شیر افضل کو دعوت دیکر مہتر بنا دیا اور باہمی سمجھوتہ کر لیا گیا کہ وقت ضرورت دونوں مل کر مخالف کا مقابلہ کریں گے۔

عمر خان کو واپس لوٹنے کی ہدایت

اب انگریز کو فکر ہوئی وہ عمر خان کے اقتدار کو پہلے ہی اپنے اغراض کے خلاف سمجھ رہا تھا چترال سے اتحاد ہو جانے کی صورت میں اسے مزید طاقت مل سکتی تھی اور یہ ہو سکتا تھا کہ چترال سے پشاور کی سرحد تک تمام قبائلی علاقہ پر وہ اپنی حکومت قائم کر لیتا اس وجہ سے انگریز نے مہتر شیر افضل کی قیادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بہانہ یہ بنایا کہ اس کی درخواست کے الفاظ غیر موزوں تھے ساتھ ہی عمر خان کو تنبیہ کر دی کہ یا تو وہ چترال کے علاقہ سے فوری طور واپس لوٹ جائے یا پھر اس حکم عدولی کی وجہ سے جو کچھ درپیش آ سکتا تھا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس کا انتظار کرے۔ شیر افضل نے جب دیکھا کہ انگریز اس کی بادشاہت کو تسلیم نہیں کرتا تو جنگ پر اتر آیا مقامی انگریزی چوکیوں پر حملہ کر دیا چودہ نمبر سکھ رجمنٹ کی ایک کمپنی موت کے گھاٹ اتری دو انگریز افسروں کو قیدی بنا لیا گیا[1] اور قلعہ کے سپاہی محاصرہ میں لے لئے گئے۔ مذکورہ دونوں انگریز افسر معہ ان سپاہیوں کے جوان کے ساتھ گرفتار ہو کر رشیون سے چترال لائے گئے تھے۔ چترال میں عمر خان کے بھائی عبدالمجید خان کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے بتایا کہ وہ دھوکہ سے گرفتار کر لئے گئے تھے۔ عبدالمجید نے گرفتار کرنے والوں کی مذمت کی خود شیر افضل بھی اظہار ہمدردی کرتے ہوئے عزت و احترام سے پیش آیا اب ایسی حالت میں کہ سکھوں کی پوری کمپنی موت کے گھاٹ اتاری جا چکی تھی اور انگریز لشکر کا ایک حصہ قلعہ میں محصور تھا ان دو افسروں کو رہا بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ۲۴ مارچ ۱۸۹۵ء کو فیصلہ ہوا کہ ان قیدیوں کو دروش بھیجدیا جائے جہاں عمر خان مقیم تھا۔

عمر خان اور انگریز قیدی

خود ان انگریز افسروں نے بتایا کہ عمر خان ان سے بہت ہی محبت اور اخلاص سے پیش آیا اور بالآخر ان کے سامنے یہ تجویز پیش کر دی کہ اگر وہ چترال واپس لوٹ جانا چاہتے ہوں تو انہیں چترال بھیجدیا جائے اور اگر وہ عمر خان کے ہمرکاب اس کے وطن کی طرف جانا چاہیں تو وہ دوسرے دن وہاں سے رخصت ہو رہا تھا اس کے ہمرکاب رہیں ان دونوں نے عمر خان کے ساتھ رہنا پسند کیا انہیں بہترین خوراک مہیا کی جاتی رہی ایڈورڈس کو اس کی وہ تلوار بھی واپس کر دی جو گرفتار کرتے وقت چترالیوں نے اس سے چھینی تھی۔ جب سفر پر روانہ ہوئے تو راستہ میں دو دفعہ عمر خان ان انگریز افسروں کو اپنے ساتھ شکار پر بھی لے گیا اور انہیں یہ اجازت بھی دیدی کہ راستہ میں اگر وہ کپڑے وغیرہ خریدنا چاہیں تو جس دکاندار سے انہیں پسند ہوں

---

[1] لفٹننٹ فولر۔ ایڈورڈس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خرید لیں اور رقم کی بجائے پرزہ کاغذ پر رسید لکھ دیں۔ ۲۸ مارچ کو یہ پارٹی لوہاری پہنچی یہاں چترال کی حد ختم ہو جاتی ہے اب انہوں نے دیر کی راہ لی اور چلتے چلاتے ۳۰ مارچ کو درۂ جندبتے کے راستے وہ عمر اخان کے قلعہ بروا جا پہنچے۔ راستہ میں ایک پہاڑ کی چوٹی پہ بہت دیر مقیم رہ کر عمر اخان نے انہیں کھانے پینے کی چیزیں دیں ان سے باتیں کرتا رہا۔ ملک کی خوبصورتی اور پسندیدگی یا عدم پسندیدگی پر گفتگو رہی اور جب درہ سے نکلے تو استقبال کے لئے پیدل اور سوار مشتاقان دیدار بڑی تعداد میں موجود تھے۔

انگریز قیدیوں سے سلوک

کوئی دو ہفتے تک عمر اخان اپنے ان قیدیوں کو ساتھ لئے اس جگہ مقیم رہا۔ انگریز قیدیوں کو روزانہ دو مرغ۔ آٹا۔ چاول مکھن اور دودھ ملتا رہا اور یہاں سے رخصت ہونے لگا تو اس نے انگریز کے ساتھی سپاہیوں کو قید سے آزاد کر دیا۔ بالآخر ۱۲ اپریل کو عمر اخان اپنے مشہور اور مضبوط ترین قلعہ منڈا میں جا مقیم ہوا حکومت ہند کی طرف سے ایک پولیٹکل افسر نے یہاں پہنچکر عمر اخان سے ملاقات کی قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ عمر اخان بگاڑ پیدا کرنے کا روادار نہ تھا اس نے لفٹننٹ ایڈورڈس کو فوجی جرنیل کے نام ایک خط دیکر آزاد کر دیا یہی نہیں بلکہ اپنے معتمد سپاہیوں کی حفاظت میں اس انگریز افسر کو رخصت کیا اور ایسا اہتمام کر دیا کہ راستہ میں اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور پھر چند دن کے بعد دوسرے انگریز لفٹننٹ فولر کو بھی آزاد کر دیا۔ ان دونوں انگریز افسروں نے اپنی سرگزشت کی جو رپورٹ پیش کی اس میں لکھتے ہیں کہ

> ہم دونوں اعتراف کرتے ہیں کہ عمر اخان نے حقیقتاً ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور یہ کہ اس نے کبھی اور کسی حالت میں بھی ہمیں از خود تکلیف نہیں پہنچائی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر اخان انگریز سے بگاڑ پیدا کرنا نہ چاہتا تھا اس کی غرض

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

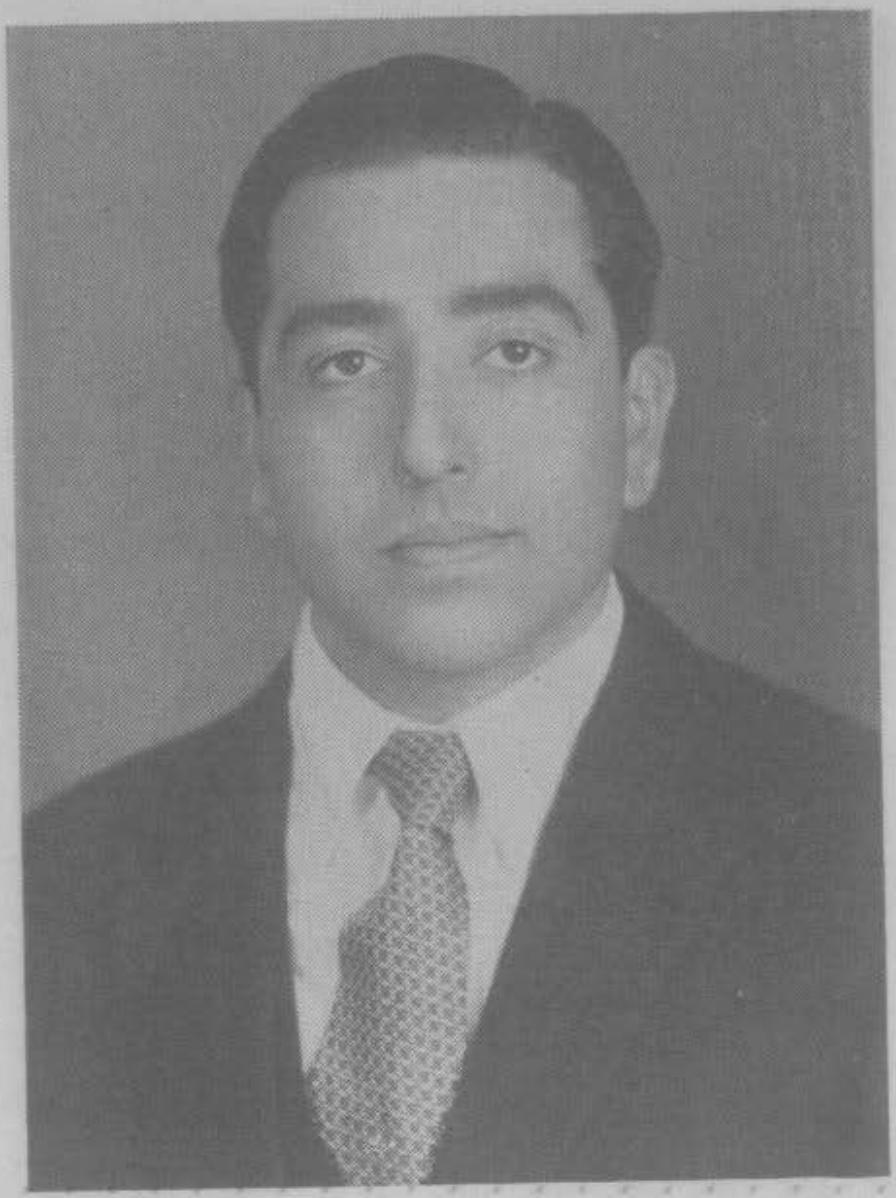

خان محمد علی خان - کمال زئے - کشران زئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اپنے ملک کے نظم ونسق کو درست کرنا تھی لیکن ادھر وہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت پیش کر رہا تھا ادھر انگریز نے اس کے اقتدار کو ختم کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بھاری جمعیت سے اس پر حملہ کر دیا جس کی قدرے تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

عمر اخان کے خلاف انگریز کا اقدام

عمر اخان پر حملہ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ دیر سوات اور باجوڑ کے باشندوں کو اطمینان دلایا جاتا کہ انگریز کی نظر ان کے وطن اجداد پر نہ تھی چنانچہ اس نے ۱۴ مارچ ۱۸۹۵ء کو اعلان کر دیا کہ عمر اخان کی تابیں اعتراض روش کو درست کرنے کے لئے انگریز کو جن علاقوں سے گزرنا ضروری ہوا اگر ان علاقوں یعنی سوات و باجوڑ کے باشندوں نے عمر اخان کی حمایت نہ کی تو نہ ان سے کوئی تعارض کیا جائیگا نہ ان کی املاک پر حکومت مستقل کسی قبضہ کا خیال رکھتی تھی اس اعلان کے فوراً بعد جب قبائلیوں نے انگریزوں کو اپنے وطن کی طرف اقدام کرتے دیکھا تو مشتعل ہو گئے وہ ایک تو انگریز کی نیت کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے دوسرے یوں کسی اعلان کا غیر تعلیم یافتہ پہاڑیوں میں منتشر قبائلیوں پر فطرۃً کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور قبل اس کے کہ انگریز لشکر پہنچے انہوں نے مالاکنڈ[1] جیسے اہم فوجی اہمیت کے مقام پر قبضہ کر لیا۔

انگریز لشکر کی طاقت

۱۹ مارچ کو انگریز لشکر کا پشاور میں اجتماع[2] شروع ہوا پھر فوجی ضروریات کے پیش نظر اسے نوشہرہ منتقل کر دیا گیا۔ یکم اپریل ۱۸۹۵ء کو جب اس لشکر نے اقدام شروع کیا تو اس کی طاقت کا اندازہ اس

---

[1] درہ مالاکنڈ ضلع مردان کے شمال کی طرف علاقہ سام رانی زئے اور سوات میں واقع ہے اکبر اعظم نے اس جگہ ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا اس وقت اس جگہ پولیٹیکل ایجنٹ مالاکنڈ ایجنسی مقیم رہتا ہے

[2] یہ لشکر ریلیف آف چترال کے نام سے موسوم ہوا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے لگائے کہ اس میں تین بریگیڈ تھے جن میں نصف انگریز اور نصف دیسی فوج تھی گھوڑ سواروں کے دو رسالے۔ چار پہاڑی توپ خانے اس کے ساتھ پانیرز اور سپر مائے نرز معہ تین رجمنٹیں رسل و رسائل کی دیکھ بھال کے لئے جن کی کمان لفٹننٹ جنرل سر رابرٹ لوکر رہا تھا جن کے ساتھ پانچ دوسرے بریگیڈیر جنرل تھے[1]۔ یہ عظیم الشان کیل کانٹے سے لیس لشکر ان قبائلیوں کے خلاف روانہ ہو رہا تھا کہ جن کے پاس خنجر اور پرانی قسم بندوقوں کے سوا کچھ نہ تھا اور جن کے متعلق خود انگریز مصنف نے لکھا کہ ان میں نصف بلا اسلحہ صرف مردوں اور زخمیوں کو اٹھانے کا کام کرتے تھے یا پتھروں سے دشمن پر حملہ آور ہو جاتے تھے

عمر خان پر حملہ کرنے کے لئے وادی سوات کا راستہ تجویز ہوا تو شہر دے لشکر نے کوچ کیا تو اسے سرحدی پہاڑیوں کو عبور کرنے کے لئے درہ موہ درہ شاہ کوٹ اور درہ مالاکنڈ کے تین راستے دکھائی دے رہے تھے اور ان تینوں پر قبائلی مورچے باندھے سینہ سپر نظر آئے چونکہ بہ یک وقت تینوں دروں پر حملہ مشکل تھا اس وجہ سے ایک حصہ لشکر کو تو وادی بیڑئے کی طرف روانہ کیا گیا جس میں زیادہ تر گھوڑ سوار تھے اور ہدایت تھی کہ وہ گرد و غبار اس طریقے پر اڑانا شروع کریں کہ قبائلیوں کو اسی طرف سے تمام لشکر کے اقدام کا یقین ہو جائے دوسرے حصہ لشکر کو درہ سخی کوٹ کی طرف بھیجا گیا کہ وہ درہ میں اقدام تو نہ کرے البتہ وہاں قبائلیوں کو مصروف جنگ رکھے اور تیسرے حصہ لشکر کو پوری جمعیت اور طاقت کے ساتھ مالاکنڈ پر یلغار کا حکم ملا تو ۳ اپریل کو اس سرزمین پر انسانوں اور حیوانوں کے اجسام آگ اور

---

[1] پانچ جرنیلوں کے نام ذیل میں درج ہیں:-

Brigadier General B. Blood

" " A. K. Kinloch, H. G. Waterfield

" " W. K. Gatacre, A. G. Hammond.

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خون سے کھیلتے نظر آنے لگے مسلسل پانچ گھنٹے تک جنگ جاری رہی محاذ کی لمبائی اندازاً کوئی ڈیڑھ میل ہوگی۔

قبائلیوں کی بہادری

قبائلی جس مجاہدانہ انداز سے مصروف جنگ ہوئے اس کا ذکر خود اس جنگ میں شامل ان کے ایک مخالف انگریز کی زبان سے سنئے جو لکھتا ہے کہ:

دشمن کی اس حقیقی بہادری کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ جو اس نے مسلسل پانچ گھنٹوں تک توپ خانہ کے صحیح نشانہ اور شاندار بمباری کے مقابل دکھائی اور مزید برآں اس کے اختتام پر سنگینوں کے حملہ میں بھی پوری مضبوطی سے سینہ سپر رہے۔

ان کے ایک سردار نے جو سرخ و سفید رنگ کا علم اٹھائے ہوئے تھا اپنے ساتھیوں کو سکاٹش بورڈرز (انگریزی فوج) پر اس وقت حملہ کرنے کو للکارا جبکہ وہ فوج پہاڑی کے نصف تک پہنچ چکی تھی حملہ ہوا اور ایک ایک کر کے حملہ آور گرتے رہے تاآنکہ ان کا ایک سردار باقی رہ گیا وہ بلا خوف و خطر گرتے پڑتے آگے بڑھتا رہا۔ ادھر زخمی ہوا ادھر بلا توقف پھر اٹھا چلا۔ بالآخر قریب پہنچکر گولی لگنے سے ختم ہوا اس سے زیادہ ہمت و جرأت کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہی مصنف ایک اور قبائلی کے متعلق لکھتا ہے کہ:

دشمن کا ایک ڈھولک بجانے والا جب اپنی جرأت دکھانے پر مطمئن نہ ہوا تو ایک جھونپڑے پر چڑھ کر اس نے اوپر سے اپنے ساتھیوں کو للکارنا شروع کیا اور وہیں سے انہیں شاباش دیتا رہا وہ یکے بعد دیگرے گولیوں سے زخمی ہوتا رہا۔ لیکن گرتا زخم کو باندھ کر پھر کھڑی ہو کر ڈھولک پر ضرب لگاتا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بالآخر ایک گولی اس کا سینہ چاک کرتے ہوئے نکل گئی تو وہ سر کے بل کوئی ایک سو گز کے فاصلہ پر چٹان کے کنارے گر کر ختم ہو گیا لیکن اس حالت میں کہ ابھی تک ڈھول اس کے گلے میں اور ہاتھ ضرب لگانے کو اٹھے ہوئے تھے۔[1]

سوات کی طرف اقدام

اب رات ہو چکی تھی جنگ بند کر دی گئی وہ قبائلی جو درہ مورہ اور درہ شاہ کوٹ میں پڑے تھے حالات سے باخبر ہو کر اس طرف چلے آئے۔ قبائلیوں نے انگریز لشکر کا اندازہ لگانے کے بعد اس جگہ سے ہٹ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ دن چڑھے ایک بریگیڈ نے سوات کی راہ لی۔ دن بھر تو کوئی مقابلہ نہ ہوا۔ قبائلی اپنی طاقت جمع کرنے میں مصروف رہے لیکن شام کو انہوں نے حملہ کر دیا اور معمولی سی جنگ کے بعد واپس لوٹ گئے۔ پھر انہوں نے تھانہ میں اجتماع کیا ۵ اپریل کو پھر جنگ ہوئی۔ سخت مقابلہ کے بعد قبائلی دریائے سوات کو عبور کر گئے تو پتہ چلا کہ عمر خان کا ایک بھائی امدادی لشکر لئے اس طرف پہنچ چکا تھا اب انگریز دریا کو عبور کرنے کے لئے پایاب جگہوں کی تلاش کرنے لگا اور بالآخر کچھ ایسے مقامات سے اور کچھ لشکر مشکوں[2] کے ذریعہ تیر کر دریا کی دوسری طرف پہنچ گیا۔

چکدرہ کا مضبوط قلعہ

چکدرہ[3] کے مشرق کی طرف عمر خان کا تعمیر کردہ قلعہ اپنی خوبصورتی اور مضبوطی کے لئے قابل ذکر ہے اسے رامورا[4] کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور حقیقت یہی قلعہ علاقہ پائین سوات پر اقتدار قائم رکھنے میں بڑی حد تک

---

[1] ریلیف آف چترال۔ کیپٹن ینگ ہسبنڈ ۱۸۹۵ء [2] اس علاقہ میں عام طور مشکوں میں ہوا بھر کر ان کے ذریعہ دریا کو عبور کیا جاتا تھا۔ [3] درہ مالاکنڈ کے شمال مشرق کی طرف دریائے سوات کے جنوبی کنارہ پر ایک فوجی چوکی ہے یہاں بھی اکبر اعظم نے ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ [4] غالباً یہ پشتو لفظ رمول کی بگڑی ہوئی صورت ہے جس کے معنے خطرہ یا ہوے کے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

محمد و معاون تھا یہاں بھی قبائلیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن بالآخر قلعہ کو خالی کر گئے انگریز نے اسے فوری طور مسمار کر دینے کا حکم دیدیا چنانچہ اس کے نیچے بارود بچھا کر جب فتیلہ کو آگ دکھائی گئی تو سب لوگ دور جا کھڑے ہوئے۔ ہر نگاہ قلعہ کے ریزوں کو ہوا میں اڑتا دیکھنے کی متلاشی ہوئی لیکن جب شدید دھماکہ کے بعد قلعہ اپنی جگہ بدستور کھڑا رہا تو حیرانگی ہوئی ماہرین آگے بڑھے تو پتہ چلا کہ زمین کے اندر سے پندرہ فٹ کی بلندی تک بڑی مضبوط بنیادوں پر یہ قلعہ قائم تھا اور پھر بعد میں معلوم ہوا کہ عمرا خان نے اپنی مملکت میں ایسے کئی دوسرے قلعے بھی تعمیر کرا رکھے تھے۔ یہ قلعے مربع شکل میں تھے اور ان کے چاروں کونوں پر برج اور تحفظات بنے تھے۔

انگریز بسرعت تمام اقدام کر رہا تھا اس کے پاس لشکر کی کمی نہ تھی، ساز و سامان کی کمی نہ تھی مال و دولت کی کمی نہ تھی جلدی میں دریائے سوات پر ایک عارضی پل بنا لیا گیا وہیں کی لکڑیاں (گیلیاں) تلغراف کے تاروں سے باندھ کر کام میں لائی گئیں ایک آدھ دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ ادھر پل باندھا گیا ادھر دریا میں لکڑیوں کا ایک ریلا جو آیا تو پل کو ہی ساتھ لے گیا۔ اسی کشمکش میں اقدام بھی ہوتا رہا اور انتظام بھی سامان اور افراد کی فراوانی کی وجہ سے کسی کام میں رکاوٹ نہ آسکتی تھی نہ آئی اور لشکر آگے بڑھتا گیا۔

جندول سے لشکر کی آمد

۱۰ اپریل کو دوپہر کے قریب جندول کی طرف سے دو لشکر دریائے جندول کے دونوں کناروں پر آتے دکھائی دیئے انگریز بھی تیار تھا اور قبائلی بھی۔ شدید جنگ ہوئی طرفین کو خیال ہوگا کہ بس اس معرکہ پر فتح و شکست کا فیصلہ ہونے کو تھا۔ قبائلیوں نے انگریزی لشکر کو پیچھے دھکیلنا شروع کیا اس کا کمانڈر بری طرح زخمی ہو کر گرا۔ لشکر نے واپس کیمپ کی طرف جانے کا رخ کیا لیکن قبائلی تعاقب کر رہے تھے۔ جنگ جاری تھی ظاہر ہے کہ قبائلیوں کے ہاں کوئی نظام تو موجود نہ تھا جوان تک گولہ بارود پہنچاتا اور دوران جنگ میں بارود ختم

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہو جانے کے موقع پر وہ واپس بھی نہ لوٹ سکتے تھے ایسے مواقع پر ایک انگریز مبصر کے مطابق وہ لوگ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر بڑے بڑے پتھر اٹھا کر انگریز لشکر پر پھینکتے رہے اس طرح خود بھی مرتے رہے اور دشمن کو بھی مارتے رہے۔ بالآخر رات کا اندھیرا شروع ہونے لگا تو جنگ بند ہوئی اور قبائلی واپس لوٹ گئے۔

انگریز بروا کے قریب

اس جنگ و جدل میں انگریز لشکر عمر اخان کے مرکز بروا سے کوئی اٹھارہ میل تک پہنچ چکا تھا۔ دریائے پنجکوڑہ پر ۴۸ گھنٹوں میں فوجیوں نے پل تعمیر کر لیا جس کے نیچے کوئی پایہ نہ تھا۔ اب انگریز نے عمر اخان کے خلاف آخری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا۔ لشکر کو پوری طرح منظم کیا گیا۔ ساتھ ہی خان دیر کو جو ابتدا ہی سے انگریزوں کی طرف داری کر رہا تھا اور جسے عمر اخان کے خلاف یہ شکایت بھی تھی کہ وہ اس کی املاک یا حکومت پر قبضہ کر چکا تھا۔ ہدایت ہوئی کہ وہ ایک مختصر سا لشکر لے کر چترال کی طرف چلا جائے اور وہاں راستہ میں مشہور کرتا جائے کہ عمر اخان کو شکست ہو چکی ہے اور انگریز کا لشکر چترال کی طرف کوچ کر رہا ہے تاکہ وہاں بددلی پھیل جائے اور عمر اخان کو اس طرف سے کوئی امداد مل نہ سکے۔ ادھر خان دیر روانہ ہوا ادھر پل تیار ہو جانے پر انگریز لشکر نے پنجکوڑہ کو عبور کیا اور اقدام کرتے ہوئے عمر اخان کے مضبوط ترین قلعہ منڈا کے سامنے جا موجود ہوا۔

دعوت گفتگو اور عمر اخان کا جواب

انگریز نے یہاں پہنچ کر عمر اخان کو ایک خط کے ذریعہ دعوت دی کہ کہ وہ اکیلے باہر نکل کر لشکر کے کمانڈر سے گفتگو کرے۔ ایسی حالت میں انگریز پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ تاہم عمر اخان نے یہاں بھی تدبر سے کام لیا اور جواباً لکھ بھیجا کہ:

> مجھے آپ سے مل کر بہ اطمینان گفتگو کر لینے میں بڑی مسرت ہوتی اور اس طرح تمام معاملات بہ طریق احسن طے کر لئے جاتے۔ لیکن بدقسمتی سے میں اس وقت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تین ہزار غازیوں میں گھرا ہوا ہوں جو میرے باہر نکلنے کی بات کو بھی سننے کے روادار نہیں۔ میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ آپ بھی قاتلوں کو ساتھ لئے ہوئے ہیں ان حالات میں بہ اطمینان گفتگو نہیں ہو سکتی۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ آپ اپنے قاتل ساتھیوں کو دور کر دیں اور میں اپنے ساتھیوں کو دور بھیج دوں گا اس کے بعد آپ اور میں کھلے میدان میں مشاورت کریں گے۔

عمر خان کا جواب قابل قدر تھا اگر انگریز کی نیت بد نہ ہوتی تو صلاحیت کی اس وقت بھی ایک صورت پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن انگریز جانتا تھا کہ اس وقت اس کا پلڑا بھاری تھا وہ اپنے ایک دشمن کو جب ختم کر سکتا تھا تو پھر اسے زندہ رہنے کا موقع کیوں دیتا۔ اس نے عمر خان کے جواب کو مسترد کر دیا یا در خور اعتنا ہی نہ سمجھا۔ نتیجہ یہ کہ جنگ ناگزیر ہو گئی۔ قبائلی بھی مقابلہ کے لئے نکل آئے۔ عمر خان کو اپنی اس وقت کی موجودہ طاقت کا بھی اندازہ تھا اور انگریز کے لاؤ لشکر کو بھی وہ دیکھ رہا تھا اس دوران میں قبائلیوں نے شدت سے حملہ کرتے ہوئے انگریز لشکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا لیکن اس دوران میں توپ خانہ اور مزید لشکر آپہنچا عمر خان اس وقت وہاں موجود تھا لیکن کچھ ایسا دل برداشتہ ہو چکا تھا یا جنگ لڑنا نہ چاہتا تھا کہ اس نے اس موقع پر کسی سرگرمی کا اظہار نہ کیا۔ شام ہو گئی حسب معمول جنگ بند ہوئی اور دوسرے دن کا انتظار ہونے لگا۔

عمر خان کا فرار

صبح ہوئی تو انگریز لشکر نے پورے ساز و سامان سے اقدام شروع کیا۔ مقابلہ پر کوئی دکھائی نہ دیا۔ منڈا جیسے مضبوط قلعے کے دروازے کھلے پڑے تھے۔ انگریز اندر داخل ہوا فاتحانہ انداز میں تو اسے بکھرے ہوئے سامان کے سوا کچھ نہ ملا اسی سامان میں بمبئی کی فرم کا وہ خط ملا جس کا ذکر اسلحہ کی خرید کے سلسلہ میں گزر چکا ہے۔ یہ ۱۷ اپریل ۱۸۹۵ء کا روز بد تھا۔ جس دن یہ افغان نپولین اپنے وطن کو خیرباد کہتے ہوئے رخصت ہوا۔ اس کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور زندگی کے جو چند دن باقی تھے وہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس نے افغانستان میں جا گزارے جس پر انگریز نے فاتحانہ انداز میں کہا کہ "ہر قابل ذکر قبائلی سردار یا تو ہمارے ہاتھ میں قید تھا یا ہمارے رفیق امیر (افغانستان) کے ہاتھ میں"۔

اب انگریز لشکر کو مزید اقدام کی ضرورت نہ تھی۔ وہ عمر خان کی طاقت توڑنا چاہتا تھا۔ توڑ چکا پھر اس دوران میں گلگت سے آمدہ انگریز لشکر چترال میں شیر افضل کو بھی گرفتار کر چکا تھا۔ محاصرہ سے انگریز سپاہی نکل چکے تھے بس یہی کیا گیا کہ یہاں سے ایک حصہ لشکر نے لوہاری کی بلند پہاڑی (۱۲ ہزار فٹ) تک سڑک تعمیر کر لی۔ اور چند افسروں کو چترال بھیج دیا کہ نئے مہتر چترال کو مبارکباد دیدیں۔

کیپٹن ینگ ہسبنڈ کہتا ہے کہ اگر عمر خان
انگریز کی دوستی کو پسند کر لیتا تو ہو سکتا تھا کہ وہ اس تمام علاقہ کا حکمران
ہوتا کہ جو چترال اور پشاور کے درمیان واقع ہے۔

لیکن وہ اسے فراموش کر دیتا ہے کہ عمر خان نے تو ہر وقت انگریز سے خوش گوار تعلقات پیدا کرنے کی سعی کی تھی مگر وہ انگریز کے دل سے اس خوف کو کیسے نکال سکتا تھا کہ حکومت انگلشیہ کے پہلو میں ایک مضبوط قبائلی حکومت قائم ہو رہی تھی اور جس کی بربادی پر مسٹر جرچل بڑے انداز سے لکھتا ہے کہ

افغان نپولین کے کردار کو قدرت کی طرف سے نہیں بلکہ حکومت ہند
کی مداخلت سے جلد کاٹ دیا گیا تھا۔

انگریز کا خان دیر سے معاہدہ

مذکورہ جنگ کے دوران میں محمد شریف خان سابق خان دیر پوری مستعدی سے انگریزوں کی امداد کرتا رہا۔ اس نے دیر کے علاقہ میں عمر خان کی چوکیوں کو خالی کرا لیا اور جیسا کہ گذشتہ سطور میں لکھا جا چکا ہے انگریز کا یہ پیغام لیکر چترال کی طرف بھی گامزن ہوا تھا تاکہ وہاں کے لوگوں کو عمر خان کی شکست اور انگریز کی فتح کی قبل از وقت ہی اطلاع دیدے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ان حالات میں جب عمرا خان میدان سے ہٹ گیا تو شریف خان کو دوبارہ خان دیر تسلیم کرلیا گیا۔ چترال اور پشاور کے درمیان بہ اطمینان آمدرفت جاری ہوئی۔ انگریز اور خان دیر کے مابین معاہدہ دوستی ہوا۔ اول الذکر نے سالانہ نقد امداد اور اسلحہ دینے کی شرط تسلیم کی تو موخرالذکر نے پشاور اور چترال کی سڑک کی حفاظت اور اس پر سے بلا محصول اداکئے مال گزر جانے پر اظہار رضامندی کردیا۔

مالاکنڈ ایجنسی کا قیام

اس دوران میں دیر اور سوات ایجنسی قائم ہوئی بعد میں چترال کو بھی اس ایجنسی میں شامل کردیا گیا وہ مالاکنڈ ایجنسی پکاری جانے لگی اس کے بعد کوئی دو سال مکمل خاموشی طاری رہی کسی جنگ و جدل کا پتہ نہیں چلتا تا آنکہ ۱۸۹۷ء میں ایک دفعہ اسی سرحد پر پھر آگ کے شعلے دکھائی دینے لگے۔[1]

علاقائی کشمکش

جنگ ۱۸۹۷ء کے اختتام پر جب خان دیر گو دوبارہ اقتدار حاصل ہوا تو مقامی سرداروں میں کشمکش شروع ہونے لگی چنانچہ ۱۳ر اکتوبر ۱۸۹۸ء کو خان دیر اور خان نواگئے میں ایک معاہدہ کی رو سے حدود کا تعین ہوگیا اس کے بعد باہمی قبائلی کشمکش جاری رہی لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہ ہوا تا آنکہ باجوڑ کی طرف سے ۱۹۱۵ء میں سالارزئے شموزئے اور اتمان خیلوں نے دریائے پنجکوڑہ کے پل پر کی نوجی چوکی پر جس میں نواب دیر کی نگرانی میں لیوی فوج مقیم تھی حملہ کردیا۔ نواب موصوف سے چونکہ انگریز کا معاہدہ تھا اس وجہ سے ان قبائل کی ناکہ بندی کردی گئی جو اس سال کے اختتام تک جاری رہی اس دوران میں ضلع پشاور میں سرحد شب قدر پر مہمندوں کی ہل چل دکھائی دینے لگی تو خان نواگئے کے متعلقین قومی لشکر کے ساتھ مہمندوں

---

[1] اس جنگ کا حال مالاکنڈ فیلڈ فورس کے عنوان سے علحدہ درج ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی امداد کے لئے روانہ ہوئے اس وقت تک خان نواگئی کو حکومت نوابی کے خطاب اور دس ہزار روپے سالانہ اعزاز سے نواز چکی تھی اب ان کے متعلقین یا باجوڑیوں کے مہمندوں کی امداد کرنے کے جرم میں یہ خطاب اور نقد امداد ضبط کرلی گئی۔

جندول پر دیر کا اقتدار

ان واقعات کے سال ڈیڑھ سال بعد نواب دیر کو جب موقعہ ملا تو ۱۹۱۷ء میں اس نے جندول کے بہت سے علاقہ پر قبضہ کرلیا نواب دیر کی حکومت کا آغاز ہوا لیکن کچھ عرصہ بعد نواب موصوف اور ان کے بھائی عالم زیب خان میں اختلافات شروع ہوئے بالآخر ۱۱ اپریل ۱۹۲۵ء کو ان کا باہمی سمجھوتہ ہوگیا تو عالم زیب خان نے نواب دیر کے تابع فرمان جندول کی حکومت قبول کرلی۔

اپریل ۱۹۰۵ء میں شریف خان نواب دیر کی وفات پر جب عنان سلطنت (اورنگ زیب خان) بادشاہ خان کے ہاتھ لگی تو اس نے اپنے دوسرے بھائی میاں گل جان کو اس شرط پر پانچ ہزار روپے سالانہ دینے کا اقرار کیا تھا کہ وہ حدود ریاست دیر سے باہر مقیم رہے چنانچہ وہ پشاور میں مقیم ہوا لیکن جلد ہی علاقہ بروا کے خان سید احمد خان نے اسے امداد دی تو وہ جون میں واپس لوٹ کر جندول میں حکمران بن گیا۔ پولیٹکل محکمہ بیچ بچاؤ کرتا رہا۔ تا آنکہ ۱۲ جون ۱۹۰۵ء کو نواب دیر نے منڈا قلعہ پر اس کا اقتدار تسلیم کرلیا میاں گل جان اتنے سے علاقہ پر مطمئن نہ ہوسکا تو اس نے نواب دیر کے دو اور قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ بالآخر ۱۲ جون ۱۹۰۶ء کو دونوں بھائیوں میں معاہدہ صلح ہوگیا لیکن ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء میں پھر دونوں آپس میں الجھ گئے اور یہ کشمکش جاری تھی کہ جون ۱۹۱۴ء میں میاں گل جان جندول میں فرشتہ اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا

اورنگ زیب خان نواب دیر سید احمد خان کے ہاتھوں پریشان ہو رہا تھا اس نے اس کا علاج یوں تجویز کیا کہ حاجی عمر خان کے لڑکے کو جو افغانستان میں مقیم تھا اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس وعدہ کے ساتھ واپس لوٹ آنے کی دعوت دی کہ اسے جندول کے علاقہ پر حکمران بنا دیا جائیگا۔ چنانچہ حاجی موصوف کا لڑکا عبدالمتین خان واپس لوٹ آیا اس کی امداد و حمایت سے نواب دیر نے سید احمد خان کو شکست دی اور بروہ اور منڈا پر خود قبضہ کرتے ہوئے بقیہ علاقہ عبدالمتین خان کے سپرد کر دیا اس وجہ سے دونوں آپس میں متحد نہ رہ سکے تو تھوڑی ہی عرصہ بعد عبدالمتین خان پھر واپس افغانستان کی طرف چل دیا۔

ہندوستانی قومی تحریکات

مئی ۱۹۳۰ء میں جب ہندوستانی قومی تحریکات زوروں پر تھیں تو مختصر سے باجوڑی اور اتمان خیل لشکر نے جندی خوار کی طرف اقدام کیا یا وہاں اجتماع کیا انگریز نے فوراً اس علاقہ پر بمباری شروع کر دی تو چونکہ یہ لشکر کشی کسی منظم طریقہ پر نہ ہوئی تھی معاملہ جلد رفع دفع ہو گیا اور اس کے بعد سے واقعات حسب معمول پر امن طریقہ پر چلتے رہے۔

"جمعت مجاہدین" کی ایک نو آبادی باجوڑ کے علاقہ میں بمقام چمرکنڈ اس وقت تک موجود ہے جہاں وہ لوگ پر امن طریقہ پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مالاکنڈ فیلڈ فورس
کی
کارستانیاں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

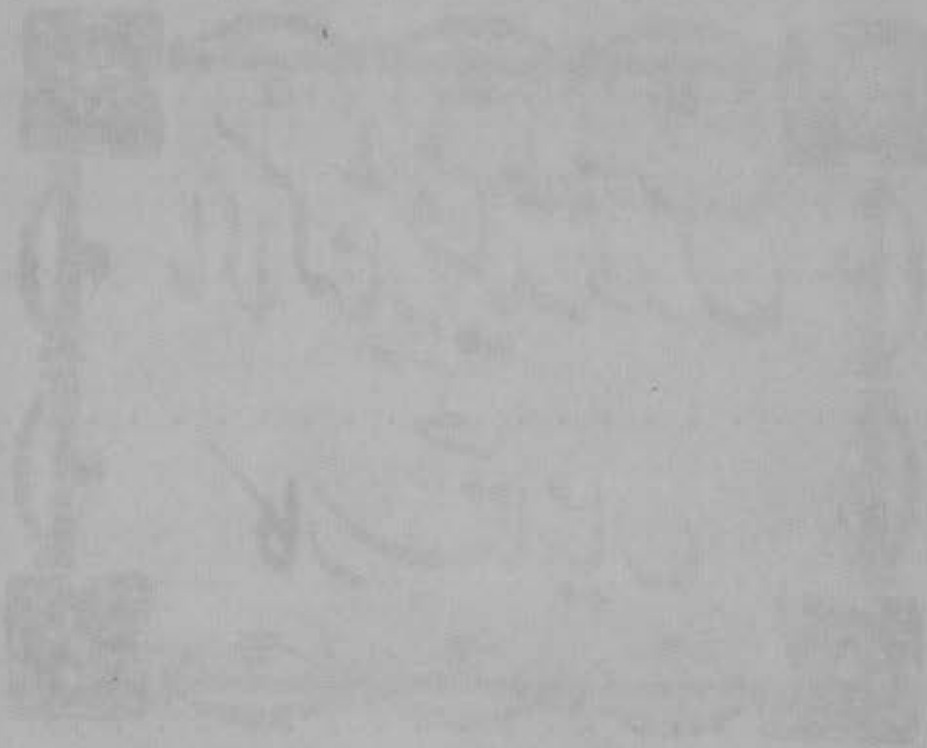

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مالاکنڈ فیلڈ فورس
کی
کارستانیاں

مالاکنڈ ایجنسی

مالاکنڈ۔ سوات اور دیر کے علاقوں کی سیاسی نگرانی کے لئے ۱۸۹۴ء میں اس ایجنسی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ بعد میں چل کر چترال کو بھی ان میں شامل کر لیا گیا اس طرح وہ وسیع علاقہ ایجنسی کے حاکم اعلیٰ پولیٹکل ایجنٹ کی سیادت میں دکھائی دینے لگا جس کے شمال مغرب اور شمال میں کوہ ہندوکش شمال مشرق میں کوہ کڑا مار سر یا یوں کہئے کہ چترال کے انتہائی شمالی علاقہ سے یہ سرحد شروع ہو کر سلسلہ کوہ مشابر میں اس جگہ تک جا پہنچتی ہے جہاں سے گلگت اور چترال کے دریا پانی حاصل کرتے ہیں پھر درہ سنڈوں کے جنوب میں یہ سرحد اس جگہ تک پہنچتی ہے جہاں سے دریائے سندھ اور دریائے سوات کو پانی ملتا ہے اس ایجنسی کے جنوب میں ضلع مردان جنوب مغرب میں علاقہ مہمند اور مغرب میں افغانستان ہے۔ ابتداءً یہ ایجنسی براہ راست حکومت مرکزیہ ہند کے ماتحت رہی لیکن ۱۹۰۱ء میں جب صوبہ سرحد کا قیام عمل میں آیا تو اس جدید

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

صوبہ کے چیف کمشنر کو جو بعد میں گورنر سرحد کہلایا گورنر جنرل کے ایجنٹ کی حیثیت سے نگران مقرر کر دیا گیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد جب مغربی پاکستان کے صوبوں کو "وحدت" کی شکل دے کر جدید (ون یونٹ) حکومت مغربی پاکستان قائم کی گئی تو ایجنسی گورنر مغربی پاکستان کی نگرانی میں دکھائی دینے لگی تو اس پر حکومت مرکزیہ کی وزارت امور ریاست ہا و قبائلی علاقہ" (سٹیٹس اینڈ فرانٹیر ریجنز) کی سیادت قائم رہی۔

حکومت کی حکمت عملی

حاجی عمر اخان جندولی سے نبرد آزما ہونے کے بعد انگریز کو فکر دامنگیر ہوئی کہ اگر پشاور سے چترال تک سڑک کو محفوظ نہ کر لیا گیا تو آئے دن ایسی ہی تکالیف کا خطرہ درپیش رہے گا اور چونکہ اس وقت تک حکومت اپنی اقدام کی حکمت عملی کے تحت قبائلی علاقوں میں اثر و رسوخ قائم کرنے اور سرحدات کو اپنے مقبوضہ علاقہ کی سرحدوں سے دور رکھنے کا فیصلہ کر چکی تھی اس وجہ سے حکومت ہند نے اپنی مرکزی حکومت کو مطلع کیا کہ جب تک پشاور اور چترال کے درمیان سڑک محفوظ نہ کر لی جائے چترال میں لشکر کا قیام خطرے سے خالی نہیں ہو سکتا۔[1] اس وقت انگلستان میں لارڈ روزبری کی وزارت برسر اقتدار تھی اسے مروجہ اقدام کی حکمت عملی سے اتفاق نہ تھا وہ قبائلی علاقہ میں مداخلت کرنا نہ چاہتی تھی چنانچہ ۱۳ جون ۱۸۹۵ء کو اس وزارت نے صاف اور واضح الفاظ میں لکھ دیا کہ:

> کسی فوجی لشکر یا انگریز کو چترال میں مقیم نہ رکھا جائے۔ چترال کی کسی طرح قلعہ بندی نہ ہو اور یہ کہ پشاور اور چترال کے درمیان کوئی سڑک تعمیر نہ کی جائے۔[2]

اس جواب سے حکومت ہند کو سخت صدمہ پہنچا۔ اس کی ایک دیرینہ پالیسی پر

---

[1] مراسلہ حکومت ہند نمبر ۲۴۰ مورخہ ۸ مئی ۱۸۹۵ء [2] مالاکنڈ فیلڈ فورس۔ چرچل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

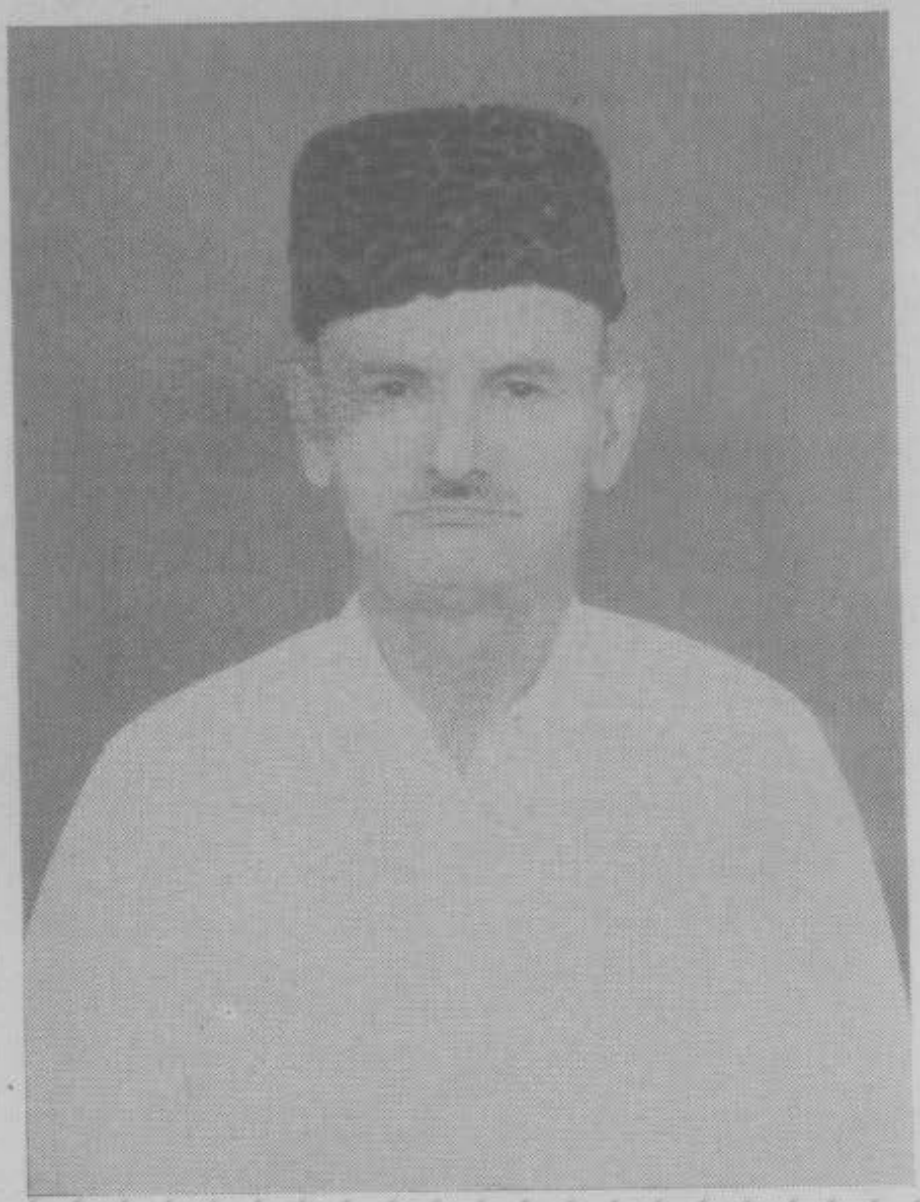

خان فردوس خان (علیگ) - محمود زئے بابا عالی خیل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گویا مرکز نے عدم اعتماد کا اظہار کر دیا۔ اس کا بنا بنایا کھیل خراب ہونے لگا یہ ایک ایسا صدمہ تھا کہ جسے سرکاری کاغذات کی سرکاری تحریروں میں بھی چھپایا نہ جا سکا تو جواباً حکومت ہند نے لکھ بھیجا کہ:

"ہمیں انتہائی افسوس ہے لیکن پوری وفاداری سے اسے تسلیم کرتے ہیں"[1]

لیکن مذکورہ وزارت زیادہ دیر تک برسر اقتدار نہ رہ سکی اس کی جگہ انگلستان میں لارڈ سالسبری کی وزارت نے سنبھالی اور عنان سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی حکومت ہند کو لکھ دیا کہ مذکورہ وزارت

سابقہ حکومتوں کی مسلسل قائم شدہ حکمت عملی کو اس وقت تک بہ آسانی چھوڑا نہیں جا سکتا جب تک کہ اس پر عمل پیرا رہنا ناممکن نہ دکھائی دینے لگے[2]

چترال کی سڑک

اس طرح چترال پر اقتدار رکھنے کا فیصلہ ہوا اور ساتھ ہی ضروری خیال کیا گیا کہ پشاور سے چترال تک سڑک تعمیر کرتے ہوئے اسے محفوظ رکھنے کے انتظامات بھی کر لئے جائیں چنانچہ ایک دفعہ پھر حکومت نے حسب معمول اعلان کر دیا کہ اس سڑک کی تعمیر کے راستہ میں جن قبائل نے مداخلت نہ کی ان سے کسی طرح چھیڑ چھاڑ نہ کی جائیگی اور نہ ہی ان کے علاقوں پر حکومت کسی طرح مستقلاً قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی چنانچہ سڑک تعمیر کر لی گئی[3] کوئی قابل ذکر مشکل یا مقابلہ نہ ہوا اور پھر اسے محفوظ رکھنے کے لئے در گئی۔ مالاکنڈ۔ خار اور چکدرہ میں حفاظتی چوکیاں قائم کر لی گئیں۔ اب اس سڑک پر آزادانہ آمد و رفت جاری ہوئی۔ انگریز کو کسی وقت شکایت کا موقع نہ ملا نہ دیگر کے قبائلیوں

---

[1] مالاکنڈ فیلڈ فورس۔ چرچل ص ۲ مراسلہ سکریٹری آف سٹیٹ ۳۰ مورخہ ۱۶ اگست ۱۸۹۵ء۔

[2] چترال جانے والی سڑک علاقہ مردان سے نکل کر سام رانی زئے کے علاقہ سے ہوتی ہوئی درہ مالاکنڈ کو عبور کرتے ہوئے بالائی رانی زئے سے گزر کر پائیں سوات سے ہوتی ہوئی چکدرہ کے مقام تک جا پہنچتی ہے چکدرہ سے دریائے سوات کو عبور کرنے کے بعد وہ علاقہ ریاست دیر سے گزر کر دہ لوہاری کو عبور کر کے چترال کے علاقہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے تعلقات بھی خوشگوار نظر آنے لگے اور پولیٹیکل آفیسر اور دوسرے افسر جو مذکورہ چوکیوں وغیرہ میں مقیم تھے کوئی خطرہ محسوس نہ کرتے تھے گویا امن وچین سے وقت گزرنے لگا اور کوئی دو سال تک ایسی حالت قائم رہی۔

انگریز کی ہمہ گیر مخالفت

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ خاموشی اور امن کے باوجود قبائلی انگریز کے وجود کو اپنی سرزمین اجداد پر برداشت نہ کر سکتے تھے وہ طاقت سے دب تو ضرور گئے لیکن ان کے دل پر قبضہ نہ کیا جا سکا۔ مواد اندر ہی اندر پکتا رہا۔ وہ موقع محل کی تلاش میں رہے اس عرصہ میں انہیں کوئی ایسا موقع نہ ملا کہ انگریز کی طاقتور حکومت سے ٹکر لینے پر آمادہ ہو جاتے وہ اس کی طاقت سے ناواقف نہ تھے لیکن اس کے باوجود گردنیں طوق غلامی کو زیب گلو کرنے پر آمادہ نہ تھیں انہی حالات میں ۱۸۹۷ء کا وہ دور شروع ہوا جب انگریزوں کے خلاف صوبہ سرحد کے تمام قبائلیوں میں بہ یک وقت جذبات ابھرنے لگے۔ پکے ہوئے ناسور کے پھٹنے کا وقت آپہنچا۔ چنانچہ وزیرستان سے آگ کی ایک چنگاری نے اڑتے ہوئے پورے صوبہ سرحد یعنی افریدی مہمند اور علاقہ مالاکنڈ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ انگریز کے خلاف عام جذبات بھڑک رہے تھے لیکن اس وقت انگریز اندازہ نہ لگا سکا حتیٰ کہ مئی ۱۸۹۷ء میں ایسی اطلاعیں حکومت تک پہنچ چکی تھیں کہ بالائی سوات میں شورش روبہ ترقی تھی تو بھی انگریز نے اسے کوئی اہمیت نہ دی تا آنکہ خود نواب دیر نے انگریزوں کو پالم ملا صاحب اور ان کے رفقاء کی سرگرمیوں کی طرف متوجہ کیا۔ گو یہ تحریک زیادہ تر کامیاب نہ رہی تاہم اس نے عوام کے جذبات ابھارنے میں کافی امداد دی۔

ملامستان کا ظہور

۱۸ جولائی ۱۸۹۷ء کو لنڈاکے[1] کے قریب ملامستان[2] کے نام سے ایک مرد مجاہد نمودار ہوا انگریز کو اس کی آمد اور عوام کو دعوت

---

[1] مالاکنڈ کے راستہ سے سوات جاتے ہوئے اس مقام سے ریاست سوات کی سرحد شروع ہوتی ہے اس جگہ محصول وصول کرنے کو ریاست کی چوکی بھی ہے۔ [2] ملامستان کا اصل نام سعد اللہ خان

(بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جہاد دینے کا علم ہوا تو اس نے مردان سے گائڈس نامی فوج طلب کرلی اور فیصلہ کیا کہ رات "امان درہ" پر قبضہ کرلیا جائے اسی دوران میں ۲۶ جولائی کو ملاکستان نے لنڈاکئے سے تھانے کا رخ کیا خود انگریز مصنفین کے خیال میں اس وقت اس کے ساتھ صرف چند خورد سال لڑکے ہاتھوں میں جھنڈیاں اٹھائے چل رہے تھے لیکن راستہ میں تین چار سو قبائلی ساتھ ہوگئے تو الہ ڈھنڈ۔ بٹ خیلا اور پیر کوردنہ سے ہوتے ہوئے اس سے مالاکنڈ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پولیٹکل آفیسر (میجر ڈین) اپنے لشکر کو پہلے ہی سے تیاری کا حکم دے چکا تھا کہ وہ دن نکلتے ہی ملاکستان کے لشکر کو آنے کے ساتھ ہی منتشر کردے۔ لیکن اس لشکر نے رات کوئی نو بجے کے قریب اچانک مالاکنڈ پر حملہ کردیا جس کا وہاں کے لشکر کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا انگریز لشکری سراسیمگی کی حالت میں ہتھیار سنبھالنے لگے۔ انگریزوں نے سکھوں کو آگے جھونکا ان میں کے اکثر قتل ہوئے۔ شدید دست بدست جنگ ہوتی رہی۔ طرفین کی لاشیں تڑپتی نظر آنے لگیں۔ قبائلیوں نے کوارٹر گارد پر قبضہ کرتے ہوئے تمام اسلحہ و بارود لوٹ لیا اور صبح تک یہ ہنگامہ آرائی ہوتی رہی۔[1]

اسی رات قبائلیوں نے چکدرہ پر بھی حملہ کردیا۔ وہاں بھی سخت مقابلہ ہوا۔ ۲۷ جولائی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ نوٹ) تھا وہ بونیر کے ایک معزز خاندان کا ایک رکن تھا بچپن سے ہی اس نے حصول علم دین کے لئے مختلف علاقوں کا سفر اختیار کیا ایک عرصہ تک اجمیر شریف میں بھی مقیم رہا اور ۱۸۹۵ء میں واپس وطن اجداد کو لوٹا تھا وہ ابتداء ہی سے بہادر۔ نڈر اور طاقت و توانائی میں اپنے ہمعصروں میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا اجمیر سے واپسی کے بعد اپنے جذبات علمیہ و شوق جہاد کی وجہ سے "ملاکستان" اور سرطور (برمنہ سر) فقیر پکارے جاتا رہا غالباً اس لفظ ستان کی مناسبت سے انگریزوں نے اس کا ذکر (MAD MULLA) دیوانہ ملا کے نام سے کیا۔

[1] انگریز مصنف کے قول کے مطابق صبح ۱۹۔ قبائلیوں کی لاشیں ملیں۔ ایک کرنل ایک میجر اور ایک لفٹننٹ قتل ہوئے ایک میجر ایک کپتان اور لفٹننٹ زخمی ہوئے سپاہیوں میں ۲۱ مارے گئے اور ۳۱ زخمی ہوئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو لندن اور شملہ میں بیٹھے ہوئے حکمرانوں کو اطلاع ملی تو انہوں نے تازہ دم لشکر روانہ کرنے کی ہدایات جاری کر دیں چنانچہ ۳۰ جولائی ۱۸۹۷ء کو ذیل کا سرکاری اعلان مشتہر ہوا:

گورنر جنرل ان کونسل لشکر کی روانگی کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں جو "مالاکنڈ فیلڈ فورس" کہلائیگا۔ اس کا مقصد مالاکنڈ اور ملحقہ چوکیوں پر قبضہ رکھنا ہے اور ساتھ ہی گرد و نواح کے قبائل کے خلاف وقت ضرورت ضروری کارروائی کرنا ہے۔[1]

انگریز لشکر کا اقدام

۳۱ جولائی ۱۸۹۷ء کو مذکورہ لشکر کا نوشہرہ چھاؤنی (ضلع پشاور) میں اجتماع ہوا۔ جنرل بنڈن بلڈ نے اس کی قیادت سنبھالی اس رات قبائلیوں نے چکدرہ پر پھر حملہ کرتے ہوئے دو انگریز افسر ۱۶ سپاہی اور ۲۶ گھوڑے مار دیئے یکم اگست کو قبائلیوں نے ایک بار پھر حملہ کرتے ہوئے چکدرہ کی چوکی پر قبضہ کر لیا۔ ۲ اگست کو انگریز کے مذکورہ لشکر نے موقع پر پہنچکر پھر اس علاقہ میں اپنا اقتدار قائم کرنے کی کوشش کی۔ قبائلیوں سے مقابلہ ہوا وہ ڈٹ کر مقابلہ پر اترے لیکن اس تازہ دم لشکر کے سامنے ٹھہر نہ سکے تو پیچھے ہٹ گئے انگریز رسالہ نے اقدام کرتے ہوئے امان درہ پر قبضہ کرنے کے بعد چکدرہ کو بھی محاصرہ میں لیا اور جو قبائلی انگریز کے ہاتھ لگا اس کی کوئی بات سنی نہ گئی اسے یا تو نیزوں سے چھلنی کیا گیا یا فوراً قتل کر دیا جاتا رہا۔ سکھوں کو حکم ملا کہ وہ اپنے انتقام میں بٹ خیلہ پر یورش کریں جو امان درہ کے قریب ہی واقع ہے۔ وہاں بھی مقابلہ ہوا کئی لشکری مارے گئے اور آٹھ قبائلیوں کو سکھوں نے اپنی سنگینوں سے چھلنی کر دیا۔[1] جنگوں میں باشندگان سوات باجوڑ اور اتمان خیلوں کے علاوہ بڑی تعداد میں مقبوضہ علاقہ کے لوگوں نے بھی شمولیت کی اور اپنے قبائلی بھائیوں کی امداد و اعانت کے لئے دادی بیزئے (ضلع مردان) اور تنگی (ضلع پشاور) کے جتھے خاص طور

---

[1] مالاکنڈ فیلڈ فورس۔ چرچل۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قابل ذکر ہیں۔

اب اس انگریز لشکر نے جوش انتقام میں اردگرد کے علاقہ کو تاراج کرنا شروع کیا اسے چھوٹے چھوٹے دیہات میں مختصر سی آبادیوں کے خلاف اپنی طاقت آزمانے کا موقع ملا اور گو اکثر آبادیاں گھروں کو خالی چھوڑ کر پیچھے پہاڑیوں میں جا مقیم ہوئی تھیں تاہم بہادری کا سکہ جمانے کے لئے ان کے مکانوں کو مسمار کرنے میں ہی انگریز کو اپنی بہادری کے جوہر نظر آنے لگے۔ اور اس طرح پائین سوات کے علاقہ کو روندا جا چکا تو بالائی سوات کی طرف نظر اٹھی اب کسی کے گناہگار یا بے گناہ ہونے کا کوئی سوال درپیش نہ تھا۔ قبائلیوں کو کچلنا انہیں اپنی اطاعت پر مجبور کرنا اور اپنی طاقت کا رعب جمانا مقصود تھا۔ بالائی سوات کے باشندے اس وقت جنگ کرنا نہ چاہتے تھے اس وجہ سے انہوں نے شرائط صلح طلب کرلیں لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ اس علاقہ کو بھی روند کر اپنا اقتدار قائم کیا جائے اپنی طاقت کا رعب بٹھایا جائے لیکن اس حقیقت کو فراموش کر دیا گیا کہ جو قوم صدیوں سے ایسے حالات کا مقابلہ کر چکی اسے کیسے اطاعت پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔ وقتی طور وہ ضرور دب سکتی تھی لیکن آگ کی چنگاری بھی آگ ہی ہوتی ہے کے مصداق کسی وقت وہی چنگاری مخالفین کے پورے نظم ونسق کو جلا کر خاک بھی کر سکتی تھی۔

بالائی سوات پر حملہ

چنانچہ درخواست صلح یا طلبی شرائط صلح کے مسئلہ کو درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے انگریز نے اقدام کا فیصلہ کیا تو ۱۶ اگست کو لشکر بٹھانہ کی طرف روانہ ہوا اور اس مہم کو اتنا اہم خیال کیا گیا کہ جنرل بلڈ کے کثیر لشکر کی امداد کے لئے ایک دوسرے لشکر کو رستم (مردان) میں مقیم کر دیا گیا تاکہ باشندگان بونیر اس لشکر کے خوف سے سواتیوں کی امداد نہ کر سکیں۔ مختصر یہ کہ لشکر نے اقدام کرتے ہوئے اس دن یعنی ۱۶ اگست کو موضع لنڈاکئے پر حملہ کر دیا۔ باشندوں کو انگریز کے ارادوں کا قبل از وقت علم ہو چکا تھا۔ گو تعداد میں کم تھے تاہم مردانہ وار مقابلے کے لئے نکلے تو انگریز لشکر کا منہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پھیر دیا۔ جنرل بلڈ نے اسے اپنی ذلت پر محمول کیا ہوگا۔ چنانچہ دوسرے دن ۱۷ اگست کو تازہ دم لشکر بڑے ہی نظام سے توپ خانہ ساتھ لئے آگے بڑھنے لگا جیسے کسی بڑی اور منظم حکومت سے مقابلہ ہو رہا تھا قبائلیوں نے جلالہ کے قریب اس لشکر کو روک کر مقابلہ شروع کیا توپخانہ کی آتش باری کی تاب نہ لاکر قبائلی پیچھے ہٹنا شروع ہوئے تو انگریز کو ان کے پسپا ہو جانے کے خیال نے تعاقب پر مجبور کیا قبائلیوں نے یہ حالت دیکھی تو مڑ کر شدت سے حملہ کر دیا شاہی لشکر کے بہت سے آدمی کام آئے اور طرفین لڑتے جھگڑتے پھر لنڈاکئے تک جا پہنچے۔ یہاں سے انگریز لشکر پھر واپس ہو کر اپنے کیمپ کو لوٹ گیا۔[1]

جدید انتظامات اور ساز و سامان کے ساتھ ۱۸ اگست کو پھر اقدام شروع ہوا قدم قدم پر قبائلی مدافعت کرتے رہے تا آنکہ ۱۹ اگست کو اس لشکر نے منگورہ میں جا دم لیا قبائلی حسب معمول سایہ کی طرح ساتھ رہے۔ انہوں نے انگریز کو دم لینے نہ دیا اس کے آگے راستہ کی مشکلات اور قبائلیوں کے عزم کو دیکھتے ہوئے انگریز نے ۲۱ اگست کو واپس لوٹ جانے کا فیصلہ کیا تو ۲۲ اگست کو بریکوٹ میں قیام کے بعد اپنے کیمپ کی راہ لی۔

جندول کی طرف اقدام

جنرل بلڈ کی قیادت میں جب یہ لشکر علاقہ سوات کو روند ڈالنے کے بعد واپس لوٹا تو پھر دوسرے علاقوں کے تاراج کرنے کی فکر کی جانے لگی۔ انگریز نشہ اقتدار میں اندھا ہو رہا تھا اب اس میں موافق یا مخالف میں تمیز کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہی تھی ہر قبائلی کو اپنا دشمن اور علاقہ کے ہر پتھر کو اس نے اپنے راستہ میں سد راہ سمجھتے ہوئے ختم کر دینا چاہا اس نے یہ پالیسی وضع

---

[1] گائڈ نامی فوج کے "طعام خانہ" (مس) بمقام مردان میں ایک رنگ دار تصویر آویزاں ہے۔ جس میں لنڈاکئے کے مقام پر لفٹننٹ گریوز کے مردے کو غازیوں کے ہاتھوں سے چھیننے کا نقشہ دکھایا گیا ہے اسی جنگ میں انگریز کو دو ڈھول بھی ہاتھ آئے تھے وہ اس جگہ بطور یادگار رکھے ہوئے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرلی تھی کہ جس قدر زیادہ قبائلی قتل کئے جا سکیں قتل کر دئے جائیں چنانچہ جنگ میں گرفتار شدہ افراد کو بھی یا تو نیزوں سے چھلنی کیا جاتا رہا یا دوسرے طریقوں سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

ان جذبات سے اب اس لشکر نے پھر اقدام شروع کیا علاقہ جندول کی طرف پیشقدمی ہونے لگی تو ۹ ستمبر کو غوسم کے مقام پر کیمپ نصب کر دیا ۱۰ ستمبر کو اس لشکر نے مختلف جماعتوں کی شکل میں وادی میں گھومنا شروع کیا لیکن کوئی قابل ذکر مقابلہ نہ ہوا چھوٹے چھوٹے دیہات پر رعب ڈالا گیا۔ چھوٹے چھوٹے خوانین سے انفرادی حیثیت سے گفتگو ہوتی رہی چند پارٹیاں اتمان خیلوں کے علاقہ میں گھومنے لگیں اور اس طرح سے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ اس علاقہ کے نقشے بھی بنا کے جاتے رہے اور جب یہ سب کچھ ہو چکا تو اس طرف سے مہمندوں کے علاقہ پر یورش کرنے کی تجویزیں کی جانے لگیں۔

مہمندوں پر نواگئی کے راستہ سے ہی اقدام کیا جا سکتا تھا۔ ۱۲ ستمبر کو لشکر کا ایک حصہ شمشو پہنچا تو دوسرے حصے نے علاقہ جار کی راہ لی اول الذکر لشکر دریائے دتلئے کو عبور کرتے ہوئے علاقہ خار میں داخل ہو گیا یہاں سے مغرب کی طرف پنجکوڑہ کی پہاڑیاں دکھائی دیتی تھیں اور جندول کا راستہ اور درہ نواگئی سامنے دکھائی دے رہے تھے۔ بائیں طرف وہ مشہور آٹھ ہزار فٹ بلند کوہ مور ہے جس پر سکندر نیسا کے آباد شہر کو سکندر نے دیکھا تھا اور جہاں کے باشندوں نے اسے اپنے یونانی الاصل ہونے کا یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔ شمال کی طرف "درہ رمبت" اور دائیں جانب وہ کھلا میدان ہے جو علاقہ دتلئے یا وادی میموند کہلاتا ہے۔

اس جگہ انگریز لشکر کا مقابلہ کرنے کی بجائے خان خار نے اس کا استقبال کیا خان خار کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ خوبصورت دراز قد تھا اس کی آنکھیں چمکیلی اور دانت موتیوں کی طرح سفید تھے جو مسکراہٹ کے وقت دکھائی دینے لگتے تھے وہ اس وقت قیمتی شاہانہ لباس میں ملبوس گھوڑے پر سوار تھا اور کوئی ایک درجن ساتھی ہمرکاب گھوڑوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر سوار تھے اور خان سوائے پشتو کے دوسری زبان نہ جانتا تھا اس نے اپنی طرف سے اور ساتھ ہی خان جار کی طرف سے انگریز لشکر کے کمانڈر کو یقین دلایا کہ وہ کسی طرح مخالفت یا جنگ نہ کرنا چاہتے تھے جس پر اس کمانڈر نے وعدہ کیا کہ اس علاقہ میں جن فصلوں کو لشکر کی آمد کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا اس کا معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔[1]

ان دنوں گرمی زوروں پر تھی لشکر کے لئے نقل و حرکت مشکل ہو رہی تھی اگرچہ اسے یہ یقین تھا کہ کسی جگہ جم کر لڑنے کا کوئی امکان نہیں۔ ۱۲ ستمبر کو شمشو اور جار میں لشکر نے قیام کیا اور اس کی پارٹیاں درہ رمبت کے ارد گرد علاقہ کا جائزہ لیتی رہیں مقامی باشندے چونکہ جنگ نہ کرنا چاہتے تھے اس وجہ سے انہیں انگریز کی طرف سے بھی کسی استبداد کا خیال نہ تھا۔ بہ ایں ہمہ اعتبار نہ کر سکے تو احتیاطاً انہوں نے اپنے بال بچوں کو پیچھے پہاڑیوں کی طرف بھیج دیا تھا اور مال و متاع رسم ملک کے مطابق قرب و جوار کے مقبروں میں رکھکر خود اسلحہ سنبھالے مناسب حال کارروائی کے لئے ہمہ تن تیار ہو بیٹھے[2] لیکن انگریز نے چونکہ کوئی ایسی حرکت نہ کی جس کا جواب دیا جاتا اس وجہ سے معاملہ نے جھگڑے کی صورت اختیار نہ کی۔

وادی میمون پر یلغار

اب ایک حصہ لشکر کو وتلئے یا وادی میموند کی طرف روانہ کیا گیا تاکہ ان باشندوں سے بھی اقرار لیا جائے کہ وہ کسی قسم مخالفت نہ کریں گے اور رعب ڈالنے کے لئے بلا کسی وجہ یا اشتعال کے وادی میں داخل ہوتے ہی پہلے گاؤں کو برباد کر دیا۔ باشندے انگریز کی ذہنیت سے ناواقف نہ تھے۔

---

[1] مالاکنڈ فیلڈ فورس [2] قبائلی علاقہ میں عام قاعدہ ہے کہ باشندے وطن سے باہر جاتے وقت جب کوئی اور محفوظ جگہ نہ پا سکے تو اپنا مال و اسباب کسی مقبرہ میں بطور امانت چھوڑ جاتے ہیں اس جگہ کے احترام کی وجہ سے کوئی شخص اسے چھوتا تک نہیں تفصیل کیلئے دیکھو جلد اول افغان یا پٹھان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ قبل از وقت ہی اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کو گھروں سے نکال چکے تھے۔ گاؤں سے دھواں اٹھتے دیکھ کر اس کے باشندوں نے جو جنگ کے لئے تیار تھے اور جن کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد نہ تھی انگریز لشکر پر حملہ کر دیا انگریز کے لئے یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ سنبھل بھی نہ سکا اور بھاگ کھڑا ہوا جس کا کافی دور تک یہ قبائلی تعاقب کرتے رہے۔

انگریز لشکر نواگئی میں

انگریز نے اس جگہ زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا پھر سو ڈیڑھ سو کی آبادی سے کیا جنگ لڑی جا سکتی تھی جبکہ وہ لوگ بہ آسانی پیچھے پہاڑیوں میں پناہ لے سکتے تھے چنانچہ ۱۴ ستمبر کو جب تمام منتشر پارٹیاں مجتمع ہو گئیں تو یہ لشکر بلا کسی مقابلہ کے درہ سے گزر کر نواگئی کے علاقہ میں جا پہنچا یہ علاقہ بہت خوبصورت ہے۔ یہاں سے درہ بدنئی دکھائی دے رہا تھا اور ارادہ یہی تھا کہ یہاں سے نکل کر مہمندوں کے علاقہ پر حملہ کر دیا جائے یا یوں سمجھئے کہ سرحد مردان پر مالاکنڈ سے چل کر وہ سرحد پشاور میں شبقدر تک کے علاقہ کو روندنے کا عزم کر چکا تھا لیکن نواگئی پہنچنے پر اطلاع ملی کہ مہمندوں کے مشہور بزرگ و قائد حضرت ہڈہ ملا صاحبؒ اپنا لشکر لئے پہلے سے ہی انگریز کی انتظار میں بیٹھے تھے اب انگریز پر خوف طاری ہوا اسے یقین تھا کہ وہ اپنی موجودہ طاقت کے ساتھ مہمندوں کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اور نتیجہ وہی ہوتا۔ جو جنگ افغانستان کے بعد کابل سے واپسی پر انگریز لشکر کا ہوا تھا یعنی شاید کوئی ایک شخص ہی اس شکست کو بیان کرنے کے لئے زندہ بچ سکتا۔ اس وجہ سے اس نے اس وقت مہمندوں کے حملہ کو التواء میں ڈال کر پہلے اس علاقہ کی وفاداری کا اطمینان کر لینا چاہا

جارسے روانگی

جارسے جب لشکر روانہ ہوا تو درہ رمبت کے قریب اس پر حملہ ہو گیا۔ انگریز لشکر بھی ڈٹ کر مقابلہ کرنے لگا اس وقت اچانک

۱؎ دیکھو جلد مہمند از یوسفی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قبائلیوں سے کسی نے جنگ بندی کا بگل بجا دیا اچانک گولی چلنا بند ہوئی لیکن جلد ہی قبائلیوں نے پھر شدت سے آگ برسانی شروع کی اور بڑھتے بڑھتے انگریز لشکر کے قریب کوئی ایک سو قدم کے فاصلہ تک آپہنچے انگریز لشکر خندقوں میں مقیم تھا لیکن جس نے سر اٹھایا گولی کا نشانہ بنا نصف رات تک جنگ جاری رہی جس کے بعد قبائلی اپنے مردے اٹھائے واپس لوٹ گئے انگریز کے بیان کے مطابق تین انگریز اور ایک دیسی افسر مارا گیا اور سپاہیوں کے ساتھ ۹۸ گھوڑے اور خچر کام آئے۔ ان اعداد و شمار سے شدت جنگ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے دن نکلنے پر انگریز نے تعاقب شروع کیا لیکن اس وقت تک قبائلی دور جا چکے تھے راستہ میں ایک آدھ جگہ معمولی جھڑپ ہوئی اور جب سواروں نے گھوڑوں سے اتر کر پتھروں کی اوٹ سے فائر کرنا شروع کئے تو قبائلی موقع سے فائدہ اٹھا کر انہی سرکاری گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگ نکلے اب انگریز نے درہ رمبت کو عبور کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے وادی میموند کو برباد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وادی میموند میں جنگ

خان خار کے محفوظ ترین مقام "عنایت قلعہ" میں انگریز لشکر کا اجتماع ہوا تو ۱۶ ستمبر کو اس لشکر نے وادی میموند کی راہ لی اور ایک انگریز مصنف کی تحریر کے مطابق ارادہ یہی تھا کہ "قبائلیوں کا پیچھا کیا جائے اور راستہ میں ان کی جو بستی ملے اسے جلایا یا اڑایا جاتا رہے"۔ رسالہ توپخانہ اور پیادہ لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی بڑی جنگ کا پیش خیمہ ہے ایک حصہ لشکر صبح نو بجے کے قریب موضع دامودلہ پہنچا تو قبائلی نہایت منظم طریقہ پر مقابلہ پر اتر آئے اور انہوں نے اس شدت سے حملہ کیا کہ انگریز لشکر آگے بڑھنے کی بجائے واپس لوٹ جانے پر مجبور ہوا جبکہ قبائلی تعاقب کرتے رہے۔ دوسرے حصہ لشکر نے بدلے کی طرف اقدام شروع کیا تو راستہ بھر میں قبائلی مقابلہ پر ڈٹے رہے اس لشکر کے ایک حصہ نے پھر شاہی تنگی کی راہ لی تو بھی قبائلیوں کے فائر بند نہ ہوئے لیکن انگریز لشکر گاؤں کے ایک حصہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو برباد اور بھوسے کے ایک انبار کو آگ لگانے میں کامیاب ہوگیا اس کے بعد واپس لوٹ آیا۔ ادھر جو لشکر شاہی تنگی کی طرف کوچ کر رہا تھا مصیبت میں پھنس گیا جب قبائلیوں نے ازحد پریشان کیا تو اسے واپسی کا حکم ملا قبائلیوں نے یہ حالت دیکھی تو پہاڑیوں سے نیچے اتر کر تعاقب کرنے لگے بھاگتے سپاہی ایک پر ایک گرنے لگا قبائلیوں کے نشانے خطا نہ جاتے تھے لیکن جب نصف کے قریب لشکری مارے جا چکے تو قبائلی اتنے قریب آچکے تھے کہ بندوق کی گولی بیکار نظر آنے لگی اب اول تو پتھر پھینکنے شروع کئے اور پھر دست بدست جنگ شروع ہوئی بمشکل تمام ان لوگوں نے بھاگ کر ایک نالہ میں پناہ لی اسی طرح دوسرے حصہ ہائے لشکر پر بھی حملے ہو رہے تھے اور قبائلی اپنے پرچم لہراتے انگریز لشکر کی آتش باری کے باوجود بڑی بہادری سے آگے بڑھتے رہے ان میں کے کئی ایک مارے گئے یا زخمی بھی ہوئے لیکن انہوں نے اپنا اقدام جاری رکھا اور منظم طریقہ پر قطار باندھے لشکر پر فائر کر رہے تھے۔ بارہ بجے تک یہ جنگ جاری رہی اس کے بعد قبائلی واپس لوٹے تو ساتھ ہی ایک انگریز ڈاکٹر ہیوز (Dr Hughes) کو بھی اٹھا لے گئے ڈاکٹر مذکور کے انجام کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

انگریز کے وقار و نظم و نسق پر یہ کاری ضرب تھی اس نے پھر لشکر کو فوری اجتماع کا حکم دیا۔ ڈر یہ تھا کہ خود اپنے لشکریوں میں بددلی نہ پھیل جائے۔ چنانچہ کوئی ایک گھنٹہ گزرنے نہ پایا تھا کہ پھر اقدام شروع ہوا اس وقت تک قبائلی دور پہنچ چکے تھے بچے کھچے جو راستہ میں موجود تھے انہوں نے جنگ جاری رکھی اور اس شدت سے جاری رکھی کہ انگریز لشکر کو پہاڑ پر چڑھنے میں دو گھنٹے صرف کرنے پڑے اس کے بعد قلعہ تنگی پر بمباری شروع ہوئی اور اسے برباد کرنے کے بعد لشکر واپس لوٹ گیا لیکن واپسی پر بھی قبائلی سایہ کی طرح ساتھ رہے اور اس نے لشکر کے ایک حصہ کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ یہ پارٹی امداد کے لئے سگنل دیتی رہی جس پر مزید امدادی پارٹیاں روانہ کی گئیں لیکن قبائلیوں نے انہیں محصور لشکریوں تک پہنچنے نہ دیا شام ہوگئی تو امدادی پارٹیاں نرغے میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کو قبائلیوں کے رحم و کرم پر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چھوڑ کر واپس لوٹ گئیں انہیں بھی قبائلیوں نے آرام سے نہ چھوڑا تعاقب شروع کر دیا اور ان کے کیمپ سے کوئی دو میل دور تک تعاقب کرتے رہے اس کے بعد واپس ہوئے تو بھاگنے والوں کی حالت قابل رحم ہو چکی تھی ان کے لئے کیمپ تک پہنچنے کا دو میل طویل راستہ دو سو میل نظر آنے لگا راستہ میں خود بخود نڈھال ہو کر گرنے لگے۔ اور سکھوں کا تو یہ حال تھا کہ وہ اپنا اسلحہ بھی اٹھانے کے قابل نہ تھے۔" ادھر نرغے میں آئی ہوئی پارٹی مقابلہ کر رہی تھی شدید بارش شروع ہوئی رات کا وقت مزید امداد بھی نہ پہنچ سکتی تھی رات گئے اندھیرے یا بارش سے تنگ آکر یا غالباً اس وجہ سے کہ بارش میں بارود بھیگ نہ جائے نرغے میں پھنسے ہوئے افراد کو اپنی حالت پر چھوڑ کر قبائلی واپس لوٹ گئے۔

۱۷ ستمبر کی صبح ہوئی تو انگریز نے اپنے ان گمشدہ یا نرغے میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کی تلاش کی اقدام کا حکم ہوا لشکر نے روانگی شروع کی تو راستہ میں جگہ جگہ انہیں اپنے لشکریوں کے مردے ملے۔ زخمی ملے گرا ہوا سامان ملا اور جب جائے وقوعہ پر پہنچے تو دیکھا کہ بلوٹ کے ٹوٹے ہوئے جھونپڑوں میں سب ہی خون سے لت پت پڑے تھے جن میں ایک جنرل بھی تھا (لیکن اس جنرل کا نام کسی نے ظاہر نہیں کیا) ہر طرف آدمیوں اور خچروں کی لاشیں پڑی تھیں اس دن قبائلی پھر مقابلہ پر دکھائی نہ دئے انگریز نے اپنے مردوں کو اس طرح گڑھوں میں دفن کیا کہ بظاہر ان کا کوئی نشان دکھائی نہ دیتا تھا غالباً ڈر تھا کہ قبائلی ان مردوں کو اکھیڑ کر خراب نہ کر دیں اس جنگ میں نو انگریز افسر چار دیسی افسر اور ۱۳۶ سپاہی مارے جانے بیان کئے جاتے ہیں۔

بہادری کی ایک مثال

۱۸ ستمبر کو جذبہ انتقام نے انگریز کو اقدام پر مجبور کیا تو اس نے دمودلہ کی طرف پھر اقدام شروع کیا اور پورا ایک بریگیڈ اس جنگ میں جھونک دیا قبائلی بھی مقابلہ کرتے رہے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ان کی تعداد کیا تھی کیونکہ جب ایک طرف سے لشکر پر مسلسل آتشباری

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوتی رہی اور لشکر نے اس طرف کا رخ کرتے ہوئے اس آتشباری کو بند کیا تو دیکھا کہ حقیقتاً اس مورچہ سے صرف ایک ہی آدمی انگریز لشکر کو پریشان کر رہا تھا جس کے بدن پر نیلے رنگ کا لبادہ تھا اس جرات و فراست کو دیکھکر سب حیران ہوئے اب لشکر نے گاؤں میں داخل ہو کر اسے نذر آتش کیا اور جب یہ سب کچھ ہو چکا تو واپس لوٹ جانے کا بگل بجا دیا گیا۔

پھر جنگ ۱۹ ستمبر کو خاموشی رہی لیکن ۲۰ ستمبر کو انگریز نے پھر اقدام کا فیصلہ کرتے ہوئے موضع زغے کا رُخ کیا۔ یہ گاؤں پہاڑ کی ڈھلوان پر آباد تھا قبائلی اپنے پرچم لہراتے ڈھول بجاتے مقابلہ پر نکل آئے طرفین نے آگ برسانی شروع کی اس دوران میں توپ کے ایک گولہ سے گاؤں کو آگ لگ گئی۔ انگریز نے اسے اپنی کامیابی پر محمول کرتے ہوئے واپس لوٹ جانے کا حکم دے دیا۔ قبائلی حسب معمول تعاقب کرتے رہے اسی طرح پھر ۲۲ اور ۲۳ ستمبر کو داغ اور تنگی کو برباد کیا گیا ہر جگہ قبائلی مقابلہ کرتے رہے۔ اب انگریز اور قبائلی دونوں تنگ آچکے تھے خصوصاً انگریز کے لئے اپنے لشکر کی ضروریات کا مہیا کرنا آسان کام نہ تھا اس وجہ سے صلح و صلاحیت کے بہانہ سے جنگ کو ختم کرنا چاہا اور شرائط صلح میں مطالبہ کیا تو صرف اسی قدر کہ ۱۶ ستمبر کو لشکریوں کے قتل کرنے کے بعد قبائلی جو بندوقیں چھین لے گئے تھے وہ واپس کر دیں اس پر ایک انگریز مصنف یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ:

> یہ بندوقیں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھیں اگر اہمیت تھی تو ان افسروں اور سپاہیوں کی تھی کہ جو ہم کھو چکے تھے۔ یہ نامناسب کفایت شعاری تھی لیکن حقیقتاً شہنشاہیت اور کفایت شعاری کا ہمیشہ سے آپس میں ٹکراؤ رہا ہے ویسے ہی جیسے کہ دیانتداری اور ذاتی اغراض کا..... اسی وجہ سے ہم بری رقموں کے پیچھے اچھی رقمیں پھینکنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہنے کا فیصلہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کر چکے ہیں تاکہ ہماری ساکھ قائم رہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی نادہند قرضدار تاجر کو ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں سامان مہیا کرنے کے مزید آڈر دینا شروع کر دیتا ہے۔[1]

گفتگوئے صلح

۲۶ ستمبر کو وادی میموند کا ایک جرگہ گفتگوئے صلح کے لئے پنجکوڑہ پہنچا۔ انہوں نے کچھ پرانی وضع کی بندوقیں اور کچھ نقدی پیش کر دی۔ لیکن انگریز مصر تھا کہ سکھوں سے وہ جو بائیس بندوقیں لے گئے تھے واپس کریں قبائلیوں نے بہت سمجھایا کہ جنگ میں مختلف اطراف کے لوگ شریک رہتے ہیں اختتام جنگ پر وہ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے وہ بندوقیں کیسے واپس آسکتی تھیں۔ لیکن انگریز کا اصرار اپنی جگہ قائم رہا۔ اراکین جرگہ باہمی مشورہ کرنے کے بہانے سے لوٹ گئے۔ اور واپس نہ آئے تو یقین کر لیا گیا کہ وہ اس شرط کو کسی طرح تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے اس وجہ سے انگریز کو اپنا وقار قائم رکھنے کے لئے پھر جنگ لڑنے کا انتظام کرنا پڑا تو اس نے لشکر کو اقدام کا حکم دے دیا

استبداد کی بارش

۲۹ ستمبر کو اس لشکر نے وادی میموند میں پندرہ گاؤں کو پیوند زمین کیا۔ باشندوں کو لشکر کی آمد کا پہلے ہی علم ہو چکا تھا انہوں نے گاؤں خالی کرتے ہوئے اپنے اہل و عیال و سامان کو پہاڑی قیام گاہوں میں پہنچا دیا تھا۔ خود حتی المقدور مقابلہ کرتے رہے۔ ۳۰ دسمبر کو آگرہ اور غنڈ پر آگ برسائی جانے لگی۔ قبائلی مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں قرمزی (گاڑھا سرخ رنگ) کے علم تھے۔ ڈھول بج رہے تھے اور والہانہ انداز میں جنگ لڑی جا رہی تھی۔ اس جنگ میں دو انگریز افسر مارے گئے پانچ شدید زخمی ہوئے اور ۵۴ سپاہی لقمۂ

---

[1] چرچل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اجل یا زخمی ہوئے لشکر کا کمانڈر اس وقت نیکوڑہ میں مقیم تھا اسے اطلاع ملی تو تازہ دم لشکر لئے روانہ ہوا اور ۲ اکتوبر کو اس جگہ آپہنچا اس کی آمد سے قبل ۳۰ ستمبر کو بدلائے پر دوبارہ بمباری کی جا چکی تھی (۱۶ ستمبر پہلی بار ہوئی تھی) لیکن جب بمباری کے بعد یہ لشکر واپس لوٹا تو قبائلیوں نے شدت سے آگ برسائی تعاقب کیا اس دوران میں انگریز کا اور لشکر بھی پہنچ گیا ۴ اکتوبر کو بھی اِدھر اُدھر ہر طرف بمباری کی جاتی رہی پھر گفتگو صلح کا آغاز ہوا۔ اب فصل لگانے کے دن بھی قریب آرہے تھے اور طرفین تھک بھی چکے تھے عارضی صلح ہوگئی اگرچہ چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔

جنگ کا خاتمہ

بالآخر ۱۱ اکتوبر کو خان خار۔ خان جار اور خان نواگئی کی قیادت میں علاقہ کے معززین پر مشتمل ایک جرگہ عنایت قلعہ سے نصف میل کے فاصلہ پر نوے کلی میں حاضر ہوا۔ تو پھر شرائط صلح طے پانے لگیں اور فیصلہ ہوا کہ وہ ایک مقررہ تعداد میں بندوقیں واپس کرنے کے ساتھ عمرا خان کے طرفداروں کو اپنے علاقہ میں قیام کی اجازت نہ دیں گے۔ اس پر ۱۲ اکتوبر کو عنایت قلعہ کا کیمپ اٹھا لیا گیا۔ انگریز نے خان نواگئی کو دس ہزار خان خار کو ساڑھے تین ہزار اور خان جار کو ڈھائی ہزار روپے بطور "صلہ خدمات" انعام دیئے۔ تو لشکر کی واپسی ہوئی یہ منظر بھی بہت ہی دردناک تھا قبائلی ایک طرف لشکر کی واپسی کو دیکھ رہے تھے تو دوسری طرف انہیں اپنے وطن میں کوئی مسکن صحیح سالم دکھائی نہ دیتا تھا فصل برباد ہو چکے تھے۔ باشندے دربدر کئے جا چکے تھے بہرحال انہیں اطمینان ہو رہا تھا کہ مصائب و آلام کے بادل برس چکے تھے اور انگریز اپنی دہشت و بربریت کے نمونے پیش کرنے کے بعد واپس ہو چکا تھا۔ اس طرح خار کا علاقہ ان سے خالی ہوا۔ تو ۲۰ اکتوبر کو لشکر نے جار کی راہ لی وہاں اتمان خیلوں سے شرائط صلح طے پا گئیں تو انگریز لشکر نے ایک عرصہ تک ستم آرائیاں کرنے کے بعد پھر واپس مالاکنڈ میں جا دم لیا راستہ میں بمقام جلالر ایک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مختصر سے لشکر کو مقیم رہنے کا حکم ملا تاکہ "محاربہ تیراہ" میں شمولیت کرنے کے خواہشمند بونیر والوں کو روکا جا سکے یا ان کی نگرانی کی جا سکے۔

۱۸۹۷ء میں جس وقت انگریزوں نے اس علاقہ کو روندڈالا تھا اس وقت اس علاقہ پر سات خوانین مختلف علاقوں میں حکومت کر رہے تھے جن میں خان جبدل خان خار اور خان جار بھی خاص طور قابل ذکر ہیں جن کا حال سطور بالا میں گزر چکا ان میں کے ایک خان کا ذکر ایک انگریز مصنف یوں کرتا ہے کہ:

> اس کا لباس دلکش تھا۔ زرق برق قرمزی رنگ اس پر سنہری لیس کا کام۔ سفید لنن کی کلی اڑتی ہوئی آستین جن کی موریوں پر بٹن لگے ہوئے تھے لمبا تڑنگا کھلا لنن کا پاجامہ وہ بھی ٹخنوں سے اوپر بدن سے چست عجب قسم نوکدار جوتا جو پنڈلیوں تک کو چھپائے ہوئے تھا۔ اس دلکش لباس پر صرف سر کی کھوپری چھپانے کے لئے چھوٹی سی ٹوپی جس پہ باریک گلکاری کی گئی تھی اس کے ساتھ ہاتھ میں ایک مرصع نیزہ تھا۔[۲]

---

[۱] محاربہ تیراہ کے لئے دیکھو جلد آفریدی"

[۲] مسٹر مچرچل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

هزهائنس نواب دلاور خان - بابی - رزڑ
(فرمانروائے ریاست جونا گڑھ)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نواب محبت خان مرحوم
سابق فرمانروائے ریاست جونا گڑھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رانی زئے

رانی زئے یوسف زئے کے قبیلہ اکوزئے کی ذیلی شاخ ہے اس کی آبادیاں بر رانی زئے اور سام رانی زئے کے نام سے مشہور ہیں اول الذکر کو وادی سوات میں خاص اہمیت حاصل ہے جبکہ سام رانی زئے مقبوضہ علاقے سے مالاکنڈ کی پہاڑیوں کے درمیانی علاقوں میں آباد ہیں۔ سام رانی زئے کے علاقہ میں اس قبیلہ کے ساتھ دوسرے قبائل وغیرہ بھی دکھائی دیتے ہیں۔

قبیلہ اتمان خیل کے ذکر میں ظاہر کیا گیا ہے[1] کہ ۱۸۵۲ء میں علاقہ تنگی (تحصیل چارسدہ) کے مشہور خان اجون خان کی ہنگامہ آرائی کی وجہ سے انگریز نے مارچ ۱۸۵۳ء میں قبیلہ اتمان خیل کے خلاف لشکر کشی کی تھی تو یہ لشکر ان کی آبادیاں برباد کرتے ہوئے علاقہ سام رانی زئے میں درگئی تک جا پہنچا اور بہ نوک شمشیر اس آبادی پر پانچ ہزار روپے جرمانہ لگاتے ہوئے اپنی من مانی شرائط قبول کرنے پر اسے مجبور کر دیا تھا۔ لیکن وہ جلد ہی اس اقرار سے منحرف ہو گئی۔ جرمانہ دینے سے انکار کرتے ہوئے

---

[1] دیکھو قبیلہ اتمان خیل۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس نے اطاعت کا طوق بھی اتار پھینکا۔ ان حالات میں انگریز نے اس سال دوسری دفعہ لشکر کشی کی۔ ابکہ یلغار صرف سام رانی زئے کے علاقہ پر تھی۔ اس بڑی طاقت سے مقابلہ ان لوگوں کے بس کی بات نہ تھی۔ مجبوراً ہتھیار ڈالنے پر رضامند ہو گئے تو ذیل قسم شرائط تسلیم کر لینے کے سوا چارۂ کار ہی نہ رہا۔

کہ ان کے علاقہ کو مقبوضہ علاقہ کا درجہ حاصل ہو گا۔ وہ محصولات ادا کرتے رہیں گے۔ حکومت ان کے علاقہ میں قلعہ تعمیر کر سکے گی اور حکومت کے مخالفین کو اپنے علاقہ میں مقیم ہونے نہ دیں گے۔ اور جب انہوں نے یہ شرائط تسلیم کر لیں تو انگریز نے اجازت دے دی کہ وہ اپنے مکانات دوبارہ تعمیر کر کے اس میں سکونت اختیار کر سکتے تھے۔ ساتھ ہی کہہ دیا کہ حکومت ان کے علاقہ پر نہ تو قبضہ کرنا چاہتی تھی نہ ان سے کوئی محصول وصول کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ البتہ چونکہ اسے اپنی سرحد کا مضبوط رکھنا ضروری تھا۔ اس وجہ سے ان لوگوں کو اس کی نگرانی کرنا ہو گی۔ اور اگر کسی وقت انہوں نے خلاف ورزی کی تو بلا کسی اطلاع کے ان پر لشکر کشی کر دی جائے گی۔

۱۸۷۷ء میں حضرت اخوند صاحب سوات کی وفات پر دیر اور سوات میں کشمکش شروع ہوئی تو اس دوران میں بعض مخالفین حکومت کو رانی زئیوں نے شاہ کوٹ میں مقیم رہنے کی اجازت دے دی۔ جس پر انگریز نے لشکر کشی کی تو بلا کسی مقابلہ کے انہوں نے شرائط تسلیم کر لیں۔

۱۸۹۵ء میں جب انگریز حاجی عمر اخان جندولی کے خلاف اقدام کر رہا تھا تو بر رانی زئے اور سام رانی زئے دونوں علاقوں نے کوئی خاص مخالفت نہ کی تو ۱۲ ستمبر ۱۸۹۵ء کو انگریزوں نے یوسف زیئوں کے قبیلہ اکوزئے کی ذیلی شاخیں خان خیل اور رانی زیئوں سے معاہدہ کر لیا کہ وہ زیر تعمیر چترال جانے والی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سڑک کو جہاں تک اس کا تعلق ان قبائل سے تھا اس کی حفاظت کریں گے۔ اس پر کسی قسم محصول وصول نہ کریں گے۔ حکومت کے اس سڑک کی حفاظت کے لئے قلعے یا چوکیاں تعمیر کرنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ان میں مقیم افراد کے لئے بعوض قیمت سامان مہیا کریں گے اور اگر حکومت کو ضرورت پڑے تو پیدل یا سوار ملازم بھی پیش کریں گے جنہیں حکومت مناسب تنخواہ دے گی اور سیر و تفریح کے لئے اس علاقہ میں افسر آئیں گے ان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان قبائل کے سر ہوگی۔ محصول کے حق سے دست کش ہونے کی وجہ سے حکومت مستقلاً انہیں مخصوص رقم ادا کرتی رہے گی۔[1]

مندرجہ بالا معاہدہ خانخیل اور رانی زئیوں سے مشترکہ حیثیت میں طے پایا تھا پھر اسی دن تھانہ الہ ڈھنڈ اور پالی کے خوانین سے ایک علحدہ معاہدہ بھی ہوا جس میں انہوں نے اقرار کیا کہ حکومت کی مجوزہ سڑک پر کہ جو مالاکنڈ۔ شاہ کوٹ۔ مورہ چراٹ اور سوات سے گزرے گی وہ کسی قسم محصول وصول نہ کریں گے تو اس کے عوض حکومت دس ہزار روپے سالانہ ادا کرتی رہے گی اور اس رقم کی ادائیگی سال میں دو دفعہ یعنی ہر چھ ماہ کے بعد پانچ پانچ ہزار روپے کی شکل میں کی جائے گی اور یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء سے پہلی قسط واجب الادا ہوگی۔ جسے وہ اپنی رسم کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیا کریں گے۔[2] اور اس کے بعد کچھ حصہ لشکر کو سوات میں چھوڑ کر انگریز واپس لوٹ گیا تھا۔

---

[1] اس اقرار نامہ میں ذیل کے خوانین علاقہ نے شمولیت کی تھی: تھانہ کے خانخیل خوانین بر رانی زئے سے الہ ڈھنڈ۔ ڈھیری۔ بٹ خیلا۔ خار۔ ڈھیری۔ جونگرام۔ تاتاکان۔ مشکزئے کے خوانین و ملک علاوہ ازیں سام رانی زئے سے درگئی۔ شاہ کوٹ۔ ہرکائے عثمان خیل گڑھے درتار۔ دوبندی۔ خان گڑھے۔ مردی۔ ہاروشا۔ قدم خیلہ کے ملک یا خوانین بھی شامل تھے۔

[2] نوٹ اگلے صفحہ پر۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

۱۸۹۷ء کی ہمہ گیر ہنگامہ آرائی میں سام رانی زئے خاموش رہے انہوں نے بحیثیت قبیلہ جنگ میں شمولیت نہ کی۔ البتہ الفرادی حیثیت سے اس کے اراکین مصروف جنگ دکھائی دیتے رہے۔ لیکن بر رانی زئے اور سوات کے علاقہ کے تمام قبائل نے دل کھول کر اس جنگ میں حصہ لیا۔ اور حقیقتاً دیکھا جائے تو انگریز نے انہی کے خلاف لشکر کشی کرتے ہوئے بالائی سوات تک کے علاقہ کو روند ڈالا تھا۔ جس کا ذکر محاربۂ مالاکنڈ میں کیا گیا ہے۔ جب انگریز جبر و استبداد کی بارش کر چکا تو ۲۲ اگست ۱۸۹۷ء کو بالائی سوات کے قبائل سے معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے انہوں نے انگریز کی مخالفت سے دست کشی کر لی۔ ان اقرار کرنے والوں میں ذیل کے قبیلے شامل تھے۔ مونی خیل۔ اباخیل۔ برت خیل۔ اکہ خیل۔ معروف خیل۔ بابی خیل بہلول الہ خیل۔ ازی خیل اور جنکی۔[1]

اس کے بعد حالات پر سکون دکھائی دینے لگے تو ۱۸۹۵ء میں انگریز نے جس مختصر سے لشکر کو سوات میں مقیم کیا تھا اسے ۱۹۰۲ء میں واپس بلا لیا گیا۔ پھر ۱۹۰۹ء میں اس وقت کچھ ہل چل پیدا ہوئی جب بالائی نہر سوات کی تعمیر کی وجہ سے امان درہ میں کام شروع ہوا اور درگئی کی طرف بذریعہ ایک سرنگ کے پانی لے جانے کی تجویز

(۱ پچھلے صفحہ کا نوٹ) اس معاہدہ میں ذیل کے خوانین شامل تھے۔ تھانہ: عنایت اللہ خان اور اسلم خان الہ ڈھنڈ: شریف خان اور سعادت خان۔ پالی: سربلند خان۔ ۱ ان قبائل کی طرف سے ذیل کے خوانین معاہدہ میں شامل تھے۔ کالو خان۔ حسن خان۔ زرلیف خان۔ اگرملک۔ فیروز خان۔ حافظ مالو خان۔ عباس خان۔ مولا خان۔ معظم خان۔ ھالو خان۔ میر اسلم خان۔ جمداد خان۔ میر اعظم خان بنی خان۔ میر داد خان۔ حمید خان۔ احمد خان۔ یعقوب خان۔ فیروز خان۔ غلام سرور خان اور عبدالحق خان۔ بہادر شاہ اور مہتاب شاہ وغیرہ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

منظر عام پر آئی۔ زیریں سوات کے باشندوں نے اظہار ناراضگی شروع کیا کیونکہ انہیں خیال تھا کہ اگر اس اسکیم پر عمل ہوا تو ان کی زمینیں بنجر ہو جائیں گی لیکن اس معاملہ نے طول نہ کھینچا اور حکومت نے انہیں یقین دلا دیا کہ امان درہ کے نیچے دریائے سوات میں جو پانی باقی رہا اس کا مفید طریقہ پر استعمال ہوگا۔ چنانچہ سام رانی زئے کو نہر کے ذریعے زراعت کے لئے پانی مہیا کیا گیا جس سے ان کی زمینیں اور زیادہ زرخیز ہو گئیں۔

۱۹۱۵ء میں یوسف زئیوں کے قبیلہ اکوزئے کی ذیلی شاخ شامی زئے اور سیبوجنی نے بالائی سوات میں دریائے سوات کے دائیں کنارے شموزئے تک کے علاقہ کو نواب دیر کے اقتدار سے نکال کر خود اپنی حکومت قائم کر لی۔ مزید واقعات "ریاست سوات" کے زیر عنوان درج ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جدید ریاست سوات

۱۹۱۴ء سے ۱۹۵۹ء تک

سوات اپنے قدرتی مناظر فراوانیٔ آب۔ دلکش اور سرسبز پہاڑی اور میدانی علاقوں کی وجہ سے بلاشبہ پاکستان کا خوبصورت ترین حصہ خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس تمام دل کشی اور تمام مناظر کے ہوتے ہوئے بھی تاریخ کے کسی دور میں یہاں کسی منظم حکومت کا پتہ نہیں چلتا اور یہ کچھ سوات پر ہی منحصر نہیں پورے قبائلی علاقہ میں شاید روز آفرینش سے ہی کوئی منظم حکومت قائم نہ ہو سکی تھی۔ سوات کا ذکر قدیم ترین کتابوں میں دکھائی دیتا ہے۔ اسے گلستان یا گلزار جیسے ناموں سے موسوم کیا گیا۔ اور اس کی یہ خوبصورتی اور دلربائی ہی ہر دنی حملہ آوروں کو اس طرف رخ کرنے کی دعوت دیتی رہی۔ اس کی خوبصورتی اور دل کشی خود اس کے لئے وبال جان بنی۔ کبھی ایرانیوں نے اسے لتاڑا تو کبھی یونانیوں نے اس طرف یلغار کی بدھ مت کو بھی یہی علاقہ سب سے زیادہ مرغوب رہا۔ مہاتما بدھ کی کئی ایک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

روایات کو اس علاقہ سے وابستہ کر دیا گیا۔ بلا شبہ اول بار عہد بدھ میں یہاں ایک منظم حکومت دکھائی دیتی ہے لیکن وہ ملک پر اہل ملک کی حکومت نہ تھی۔ باشندوں کی گردنوں میں غیروں کا طوق غلامی دکھائی دے رہا تھا اور غلامی کے بوجھ سے دبے ہوئے باشندے عزت و فخر سے سر اٹھا کر قدرتی انعامات سے لطف اندوز نہ ہو سکتے تھے۔ حالات یونہی چلتے رہے۔ تا آنکہ قدرت نے اس علاقہ کی قسمت بدلنے کا فیصلہ کیا تو حضرت میاں گل عبدالودود نے ۱۹۱۵ء میں ایک ریاست کی بنیاد ڈالی اور ہزاروں مصائب و آلام برداشت کرنے کے بعد ایک منظم حکومت عالم وجود میں آگئی۔ اس نے رفتہ رفتہ بام ترقی کی طرف چلنا شروع کیا تو اسے وقت کی منظم اور پرامن اور ترقی یافتہ حکومت کا درجہ حاصل ہوا اور اس کی ترقی کو دیکھتے ہوئے بانی ریاست یا اس کے موجودہ حکمران جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے۔

عہد رفتہ

سوات کی شہرت قدیم الایام سے سنی جاتی رہی ہے۔ حتیٰ کہ ہندوؤں کی مقدس کتاب "رگ وید" میں بھی اسے "ادیانہ" کے نام سے جگہ ملی۔ پھر جب حالات و واقعات کو ضبط تحریر میں لانا ضروری خیال کیا گیا۔ یا ان کے لکھنے کا آغاز یا رواج ہوا۔ تو سوات کے متعلق اذکار نمایاں حیثیت سے تاریخ کے اوراق پر منقش ہونے لگے۔ ان نقوش کی ابتدا یونانیوں نے کی اور انہی کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ قبل از تدوین تاریخ میں سکندر اعظم سے پہلے ہی یونانی اس طرف کا رُخ کر چکے تھے ان کے بعد ایرانیوں کی یلغار شروع ہوئی تو انہوں نے اس علاقہ کے باشندوں سے میل ملاپ بڑھاتے ہوئے انہیں اپنے لشکر میں بھرتی کیا اور جب حکومت ایران نے اپنے عہد عروج میں یونان پر حملہ کیا تو یہ باشندے ایرانی لشکر میں جنگ کرتے دکھائی دیئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پھر جب دوبارہ یونانیوں کا ستارہ چمکا تو انہوں نے سکندر اعظم کی قیادت میں ایران افغانستان اور گندھارا کو روند ڈالا۔ اسی دور سے علاقہ سوات کی تاریخ کے نقوش صفحہ قرطاس پر نظر آنے لگے۔ یونانی مورخین نے واقعات و حالات کو قلمبند کیا۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ سکندر اعظم سے قبل آنے والے یونانی اس علاقہ میں اپنی نوآبادیاں قائم کر چکے تھے۔ انہوں نے اس علاقہ میں مستقل قیام کر لیا تھا سکندر اعظم کی آمد پر اس سے اپنا تعارف کرایا اور مزید اقدامات میں اس کا ساتھ دیا۔

یونانیوں کے بعد بدھ مت کا دور شروع ہوا پورے ایشیا پر اس کی سیادت قائم ہوئی۔ سوات یا بالفاظ واضح تر علاقہ یوسف زئے پر اس کا پرچم لہرایا۔ بالآخر اسے بھی زوال پذیر ہونا پڑا تو ہندو شاہیہ نے اس کی جگہ لی۔ جے پال اور انند پال برسر اقتدار دکھائی دینے لگے۔ انہوں نے اپنے آپ کو "شاہوں کا شہنشاہ" قرار دیا۔ ہندوؤں کی قدیم ترین سلطنت "کوروپانڈو" کے مرصع تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کرنے لگے۔ اس وقت تک یوسف زئے زیر بحث علاقہ کو چھوڑ کر افغانستان کے علاقہ قندھار اور بلوچستان کے درمیان مقیم ہو چکے تھے "ہندو شاہیہ" نے اس علاقہ یوسف زئے پر کچھ عرصہ تو اپنا اقتدار قائم رکھا لیکن وہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ تو سلطان محمود غزنوی نے اس طرف کا رُخ کرتے ہوئے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

ہندو شاہیہ کے اختتام پر عہد اسلامی کا آغاز ہوا۔ غزنوی آئے پھر غوریوں نے حکومت سنبھالی۔ یکے بعد دیگرے دوسرے مسلمان حکمران دکھائی دینے لگے۔ پھر مغلوں کی آمد سے تھوڑا ہی عرصہ قبل یوسف زئے بھی کوئی ایک ہزار سال کے بعد دوبارہ اپنے وطن اجداد کی طرف واپس لوٹ آئے اور جب انہوں نے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس علاقہ پر قبضہ کر لیا تو مغلوں کی یلغار شروع ہوئی۔ اس کے بعد درانی اور سکھوں نے حصول اقتدار کے لئے تگ و دو کی۔ اس علاقہ پر اپنی سیادت قائم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں کی کوئی ایک حکومت بھی اپنے مقاصد کو حاصل نہ کر سکی اور باشندگان وطن کسی طرح بھی طوق غلامی زیب گلو کرنے پر آمادہ نہ کئے جا سکے اس کشمکش حیات کے آخری دور میں سرزمین ہند پر حکومت انگلشیہ کا طوطی بولنے لگا۔ پھر انگریز نے سرزمین سرحد پر قدم رکھتے ہی اپنی طاقت اپنی دولت۔ اپنے تدبر اور اپنی چالبازیوں کو کام میں لاتے ہوئے اس علاقہ کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ لیکن وہ زور زر یا زاری کسی طرح بھی ان قبائل کو زیر نگیں نہ کر سکا اس نے بارہا اس علاقہ کو روند ڈالا۔ جبر و استبداد کی بارش برسانے میں کسی تساہل سے کام نہ لیا۔ بہ ایں ہمہ اس کی امید بر نہ آئی تو وہ اپنے دل پر ناکامی کا داغ لئے قیام پاکستان کے بعد واپس انگلستان کو لوٹ گیا۔ علاقہ سوات کے اس عزم و استقلال اور جذبہ حریت کو بانئے ریاست سوات میاں گل عبدالودود نے ایک انگریز گورنر سرحد کے ایک سوال کے جواب میں یوں ظاہر کیا تھا کہ:

> تاریخ کے کسی دور میں۔ حتیٰ کہ عہد اکبر یا اورنگ زیب میں بھی —
> اور درانیوں کا تو ذکر ہی کیا۔ اس علاقہ یوسف زئے کے باشندے
> کسی حکومت کے تابع فرمان نہیں رہے تھے۔[1]

نام قدیم کتب میں سوات کا ذکر اودیانہ ODYANA کے نام سے دکھائی دیتا ہے جو پراکرت (سنسکرت) میں اودیانہ پکارا جاتا رہا جس کے معنے باغ گلستان

---

[1] دی پٹھان از کیرو۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یا پارک نما جگہ کے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس علاقہ کو زمانہ قدیم سے ہی اپنی خوبصورتی۔ دلکشی اور قدرتی مناظر کی وجہ سے اہمیت و شہرت حاصل رہی ہے۔ اور یہی شہرت مختلف اقوام کو اس طرف دیکھنے یا اقدام پر آمادہ کرنے کا باعث بنی۔ دور سکندر اعظم کے مورخین نے اپنی رسم کے مطابق اس علاقہ کا ذکر اس کے دریا کی نسبت سے کیا جو اس وقت دریائے سوات اور اس عہد قدیم میں سواستو Sawastu کہلاتا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لفظ سوتیا Sweta سے مشتق ہے جس کے معنی سفید کے ہیں۔ مشہور چینی سیاح "ہیون سانگ" نے بھی "سفید پانی" کا ذکر کیا تھا اور گیارویں صدی عیسوی میں البیرونی بھی شفاف پانی کا ذکر کرتا ہے۔ اس وقت بھی دریائے سوات کے صاف و شفاف چاندی کی طرح چمکتے ہوئے سفید پانی کو دیکھا جائے تو کچھ عجیب سی مسرت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ دریا کے قرب میں "سپین اوبو" (سفید پانی) کے نام سے کوئی بستی بھی دکھائی دے رہی ہو تو پھر اس کے سواستو یا سوتیا پکارے جانے میں کسی طرح تعجب نہیں ہوتا اور یقین کیا جا سکتا ہے کہ اس علاقہ کے صاف و شفاف سفید پانی کے ندی نالوں یا دریا کی وجہ سے اسے سواستو یا سوتیا پکارا گیا ہوگا جو بعد میں چل کر سوات جیسا بابر کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے اور پھر سوات بن گیا۔

عہد بدھ مت

علاقہ سوات کو عہد قدیم میں اس وقت نمایاں ترقی حاصل ہوئی کہ جس وقت بدھ کو عروج حاصل ہوا۔ چینی سیاح ہیون سانگ اس وقت اس علاقہ کا رقبہ پانچ ہزاری ظاہر کرتا ہے جو ہماری پیمائش سے اندازاً ۸۳۳ میل کے برابر ہوگا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت یہ علاقہ موجودہ سوات کے علاوہ دریائے سندھ کے مغرب کی طرف کی پہاڑیوں اور دارد کے علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے چینی سیاح فاہین کے بیان کی روشنی میں کہ جس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے ۱۹۰۸ء میں اس ملک کی سیاحت کی تھی اس علاقہ میں بدھ کے پانچصد معبد پجاریوں سے بھرپور نظر آتے ہیں اور پھر ۶۳۰ء میں ہیون سانگ نے بدھ کے دور زوال میں اس علاقہ کو دیکھا تو اس کی چودہ سو خانقاہیں جن میں اٹھارہ ہزار بھکشو رہا کرتے تھے ویران دکھائی دیتی ہیں اور بقول ہیون سانگ اس وقت اس علاقہ کے اکثر باشندے مستقلاً جادوگری یا طلسمات کو بطور پیشہ اختیار کر چکے تھے اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ تبت میں مروجہ لاما مذہب کے بانی پدما سنبھاوا Padmasambhava نے اس علاقہ میں جنم لیا تھا اور تبت کے علاقہ میں جادوگری کے جو کرشمے بیان کئے جاتے ہیں وہ اس علاقہ کی جادوگری سے متعلق رہے ہوں گے۔

بدھ عہد کے جس قدر کتبے یا آثار قدیمہ اس علاقہ میں ملے یا مل سکتے ہیں اتنے شاید ہی کسی اور علاقہ میں مل سکیں چونکہ اس علاقہ میں کوئی منظم حکومت موجود نہ تھی اس وجہ سے اس طرف کوئی توجہ نہ دی گئی عہد انگلشیہ میں جب انگریز لشکر نے اس علاقہ کی طرف یلغار کی اور سرسری طور اس طرف بھی نظر اٹھائی تو اس دوران کشمکش میں سینکڑوں نوادرات انگریزوں کے ہاتھ لگے جن میں سے کچھ تو ڈھونڈنے والے خود لے گئے اور کچھ پشاور اور لاہور کے عجائب گھروں کی زینت بنے۔ انہی قدیم نوادرات سے پتہ چلتا ہے کہ اس علاقہ میں سانپوں یا اژدھاؤں کی پرستش بھی ہوتی تھی۔ چنانچہ دریائے سوات کے منبہ کے قریب اس مشہور اژدھا کی جائے رہائش بیان کی جاتی ہے جو "اپالالا APALALA" کے نام سے موسوم تھا اور جسے بدھ نے اپنا حلقہ بگوش بنالیا تھا۔ یہی وجہ ہے جو بدھ دور کی سنگتراشی میں اس سانپ کو خاص اہمیت سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اور ایک کتبہ سے بھی کہ جو ۱۸۹۵ء میں ملا تھا۔ سانپوں کی پرستش کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ کتبہ خروشٹی زبان میں ہے اور اس کی عبارت کا ماہرین نے یوں ترجمہ کیا:

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دانی کے بیٹے تھیراد بدھ بھکشو) نورا کی ہدایت سے تمام ناگوں کی پرستش کے لئے تالاب بنانے کا فیصلہ ہوا۔ سال ۱۱۳

ماہرین نے اس ۱۱۳ سے ۶۵ سال قبل مسیح مراد لی ہے۔

موجودہ حکومت سوات ان آثار قدیمہ کی طرف توجہ دے رہی ہے چنانچہ اٹلی کے ماہرین آثار قدیمہ کی ایک جماعت پروفیسر جی طوسی (G. Tucci) کی قیادت میں پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ کے تعاون سے کھدائی کا کام کر رہی ہے یہ جماعت ۱۹۵۶ء سے ہر سال چند ماہ سوات میں گزارتی ہے اور جو نوادرات اسے ملے ہیں انہیں سوات کے عجائب گھر میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس جماعت کو کھدائی کے دوران ایسے آثار ملے ہیں جن کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ پانچویں صدی قبل مسیح سے متعلق ہیں۔ اور دیگر ام میں ایک محل کے آثار ملے ہیں جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سکندر اعظم کے حملہ کے وقت موجود اور دوبارہ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ دوسرے مقام پر کھدائی کرنے سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ علاقہ تیسری صدی کے اواخر یا چوتھی صدی عیسوی میں سیلاب وغیرہ سے برباد ہوا ہوگا۔ اس جماعت کا خیال ہے کہ پانچویں سے ساتویں صدی کے دوران میں چینی سیاحوں نے جس دارالسلطنت کا ذکر کیا ہے وہ منگورہ کے مقام پر ہی تھا "بت کارا" اس جگہ بیان کیا جاتا ہے جس جگہ چینی سیاح سن ین کی تحریر کے مطابق تالو (Talo) کا مشہور معبد تھا۔ اس مرکزی معبد کے ارد گرد ایک سو بیس چھوٹے چھوٹے معبد ملے ہیں اور ان میں کے بعض سے نوادرات بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

پروفیسر مذکور کا خیال ہے کہ یہ قدیم مقامات بار بار مٹ کر پھر بنتے رہے اور ان نوادرات کو دیکھتے ہوئے جو ان مقامات سے ملے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ باشندگان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سوات نے فن سنگتراشی میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ اور اس کمال کی وجہ سے ان لوگوں کو چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں چین بلایا گیا تھا تاکہ وہ وہاں کے معبدوں کو نقش و نگار سے مزین کریں مسٹر طوسی نے اس علاقہ کی شاہراہ کو مشرق و مغرب کے درمیان خاص اہمیت کا متحمل بیان کیا ہے۔[1]

سوات کا دور جدید

حضرت اخوند صاحب زمانہ قدیم سے درانیوں کے عہد پھر انیسویں صدی کے وسط سے بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں علاقہ سوات پر جو کچھ گزرتی رہی اس کا ذکر گزشتہ اوراق میں اپنے مناسب مقامات پر کیا جا چکا ہے اس وقت جدید ریاست کے مختصر حالات جو مذکورہ ادوار کے بعد وقوع پذیر ہوئے لکھے جاتے ہیں۔ جن کی ابتدا ۱۹۱۷ء میں میاں گل عبدالودود کے بادشاہ منتخب ہونے پر ہوئی تھی۔ ان حالات کو سمجھنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پس منظر پر بھی قدرے روشنی ڈالی جائے کہ جو میاں گل عبدالودود کے اس ریاست کو جدید زندگی دلانے کا باعث بنا۔

حضرت اخوند صاحب سوات کا سلسلہ نسب مہمندوں کے قبیلہ صافی سے جا ملتا ہے۔ آپ علاقہ شامیزئے (سوات) کے موضع جبڑی میں بہ دوران سال ۱۷۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام عبدالغفور اور والد کا عبدالواحد تھا بچپن ہی سے حصول علم

---

[1] ڈان کراچی ۶ دسمبر ۱۹۵۸ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

۱۲۸۹۲۲

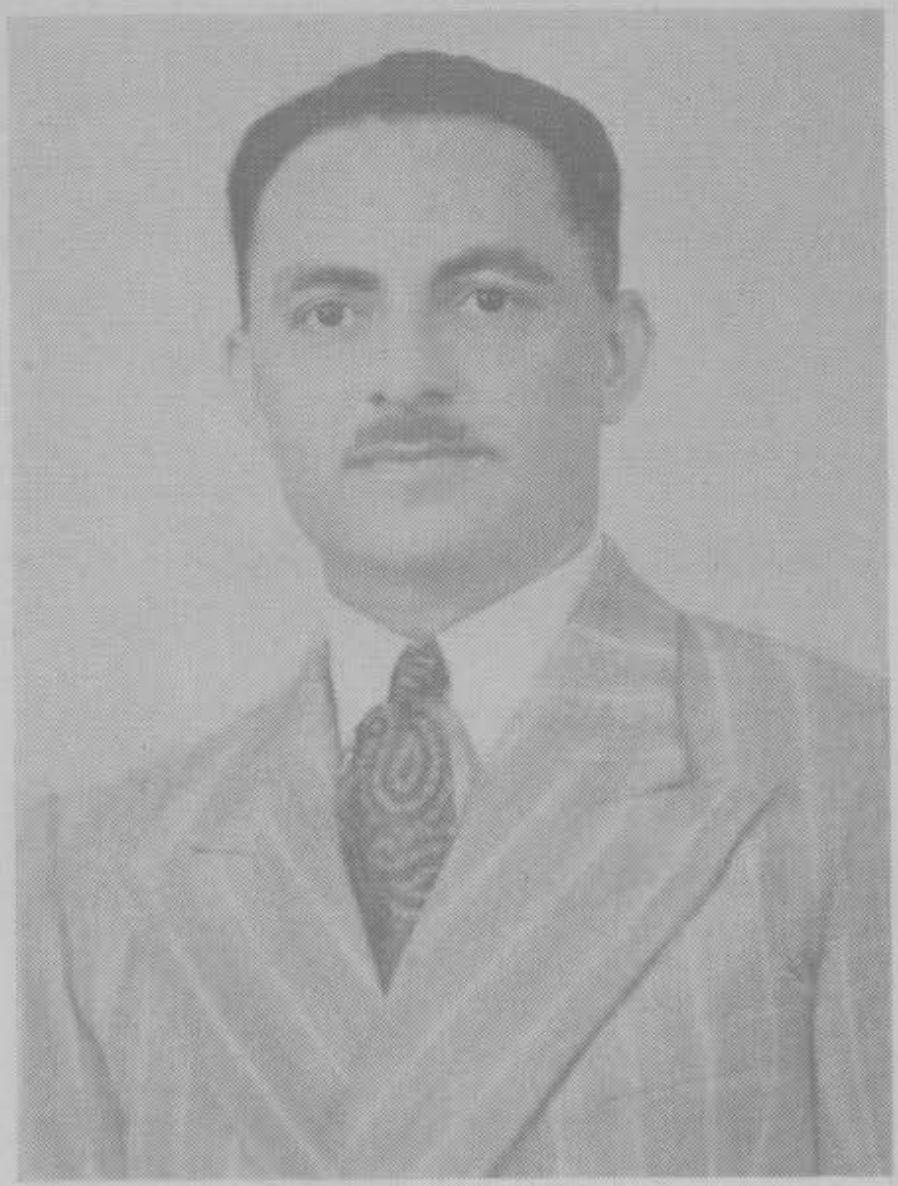

نواب میجر غلام معین الدین خان - بابی خیل - رزڑ
(حکمران ریاست مانا وادر)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا شوق اور زہد و تقویٰ سے رغبت رہی اس کا نتیجہ تھا جو بعد میں چل کر اخوند لکارے گئے اور دنیا انہیں حضرت اخوند صاحب سوات۔ صاحب سوات اور بابائے سیدو شریف کے باعزت ناموں سے اس وقت تک یاد کئے جا رہے ہیں۔ تعلیم کے ابتدائی مدارج طے کرنے کے بعد آپ گھر سے نکل کر گجر گڑھی (ضلع مردان) میں اس وقت کے مشہور عالم دین مولانا عبدالحکیم سے حصول تعلیم کرتے رہے کچھ عرصہ آپ نے موضع چمکنی (پشاور) اور زیارت کاکا صاحب (تحصیل نوشہرہ) میں گزارا پھر پشاور شہر میں حضرت جی صاحبؒ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور آخر میں موضع طور ڈھیر (ضلع مردان) میں کچھ عرصہ مولانا محمد شعیب کی خدمت میں گزارنے کے بعد ان کی وفات (۱۸۱۶ء) میں آپ نے دریائے سندھ کے کنارے موضع بیکی میں جا قیام کیا اور ایک عرصہ دراز تک یہاں مشغول عبادت رہے۔ اندازاً ۱۸۲۸ء میں بیکی سے نکل کر نمل اور پھر وہاں سے موضع سلیم خان پہنچے۔ جہاں انہیں اول بار "اخوند" لکارے جانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ سکھوں اور درانیوں کی جنگ میں آپ نے دوست محمد خان فرمانروائے افغانستان کا ساتھ دیا اس طرح اپنی عمر کے کوئی چوبیس سال گزارنے کے بعد ستمبر ۱۸۳۵ء میں وہ اپنے وطن کو واپس لوٹ گئے ابتداءً انہوں نے موضع ملوچ کی ایک مسجد میں قیام کیا۔ وہاں سے موضع رنگیلا کو منتقل ہوئے پھر موضع ہوڈی گرام کے قریب میں غازی بابا کے مزار میں قیام رہا، اور بعد ازاں مرغزار کے پہ فضا مقام کی راہ لی۔ وہاں سے موضع سپیل بانڈی میں جا کر شادی کی اور ۱۸۴۵ء میں وہاں سے نکل کر موضع سیدو میں سکونت اختیار کر لی۔ جو اس وقت ان کے تقدس کی وجہ سے سیدو شریف کہلاتا اور ریاست سوات کا دارالسلطنت ہے۔

سوات کی پہلی حکومت

سیدو میں مقیم ہو جانے کے بعد آپ نے باشندگان وطن کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ دی۔ ۱۸۴۹ء

لہ آپکا مزار محلہ صاحبزادہ فضل حق (چڑ دیکوبان) پشاور شہر میں ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیں انگریز کے علاقہ سرحد میں پہنچ جانے پر آپ نے مستقبل کے خطرات کا اندازہ لگاتے ہوئے اس علاقہ کو منظم کرنے کے لئے تگ و دو شروع کی تو اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی ہوئی آپ نے مختلف علاقوں کے خوانین اور رؤسا کو دعوت مشاورت دے کر ان کے سامنے ملت کی تنظیم کا اہم ترین مسئلہ پیش کیا واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ مستقبل کے خطرات سے آگاہ کیا اور تجویز کی کہ تمام با اثر افراد اپنی انفرادیت کو چھوڑ کر کسی ایک شخص کو اپنا امیر منتخب کرلیں اور اس طرح متحد و متفق ہو کر تحفظ ملت کا انتظام کریں۔ سب نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا تو عام خیال یہی تھا کہ وہ خود ہی امیر منتخب ہوں گے لیکن وہ اس بارگراں کو اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے۔ عوام نے اسرار کیا تو آپ نے حضرت پیر بابا کی اولاد سے سید اکبر شاہ کو امارت کے لئے پیش کرتے ہوئے خود اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی حاضرین نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے بھی سید اکبر شاہ کو اپنا امیر یا بادشاہ تسلیم کرلیا ایک ریاست کی بنیاد پڑ گئی تو موضع غالیگی اس کا دارالسلطنت قرار پایا۔ شریعت اسلامیہ کے نام سے اس امارت نے کام شروع کیا۔ لیکن کچھ زیادہ کامیاب نہ رہی چھ سات سال کے عرصہ میں ہی اس کی بنیادیں متزلزل نظر آنے لگیں۔ اس دوران میں ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز ہوا۔ ملت کو منظم کرنے کا یہ ایک عظیم موقع تھا لیکن عین اس وقت جبکہ مذکورہ جنگ کی اطلاعیں کسر زمین سرحد پر پہنچنے لگی تھیں۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو سید مبارک شاہ فرشتۂ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ نظام میں پہلے ہی ابتری پھیل چکی تھی اب ان کے انتقال سے اس اولین امارت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ انگریزوں کو اس مذکورہ امارت سے جو خطرہ پیدا ہو رہا تھا اس کا اندازہ سر ہربرٹ ایڈورڈ کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جن میں وہ لکھتا ہے کہ:

اگر سوات میں شرعی حکومت اور جنگجو قبائل کا سربراہ سید اکبر شاہ زندہ ہوتا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تو ۱۸۵۷ء کی جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

سید اکبر شاہ کے بعد

سید اکبر شاہ کی وفات پر ملک میں پھر کوئی نظام دکھائی نہ دیا۔ خود اخوند صاحب اس بار امارت کو اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے اور دوسری ایسی کوئی شخصیت دکھائی نہ دیتی تھی جن کے کندھوں پر اس امانت کو ڈال دیا جاتا ان حالات میں سید اکبر شاہ کے فرزند سید مبارک شاہ اور حضرت اخوند کے فرزند میاں گل عبد الخالق (دونوں) نے حصول اقتدار کی کوشش کی اخوند کی موجودگی میں ان کی تائید حاصل کئے بغیر کسی کو برسر اقتدار آنے کا موقع نہ تھا اور ان دونوں کو ان کی حمایت حاصل نہ تھی اس طرح کوئی حکومت قائم نہ ہو سکی۔ البتہ حضرت اخوند از خود اتحاد و تنظیم کی کوشش کرتے رہے ان کے مذہبی فتووں اور فیصلوں کو عزت و احترام سے دیکھا جاتا رہا۔ اس دوران میں صوبہ سرحد کی مشہور جنگ امبیلہ[1] کا آغاز ہوا۔ تو ضرورت وقت کے پیش نظر قبائل کی درخواست پر آپ نے اس جنگ میں شرکت کی۔ بڑی تعداد میں آپ کے مریدین ہمرکاب تھے اس کے بعد کوئی قابل ذکر واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا۔ آپ نے ۱۲ر جنوری ۱۸۷۷ء مطابق ۷ر محرم الحرام ۱۲۹۵ھ بروز شنبہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ تو سیدو شریف میں ہی آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں آپ کا عالیشان خوبصورت مقبرہ اس وقت تک عوام و خواص کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور جہاں دور دراز علاقوں سے آنے والے ہزاروں زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

---

[1] دیکھو باب انگریز اور بونیر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شجرۂ نسب

حضرت اخوند صاحب کی اولاد کا شجرۂ نسب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

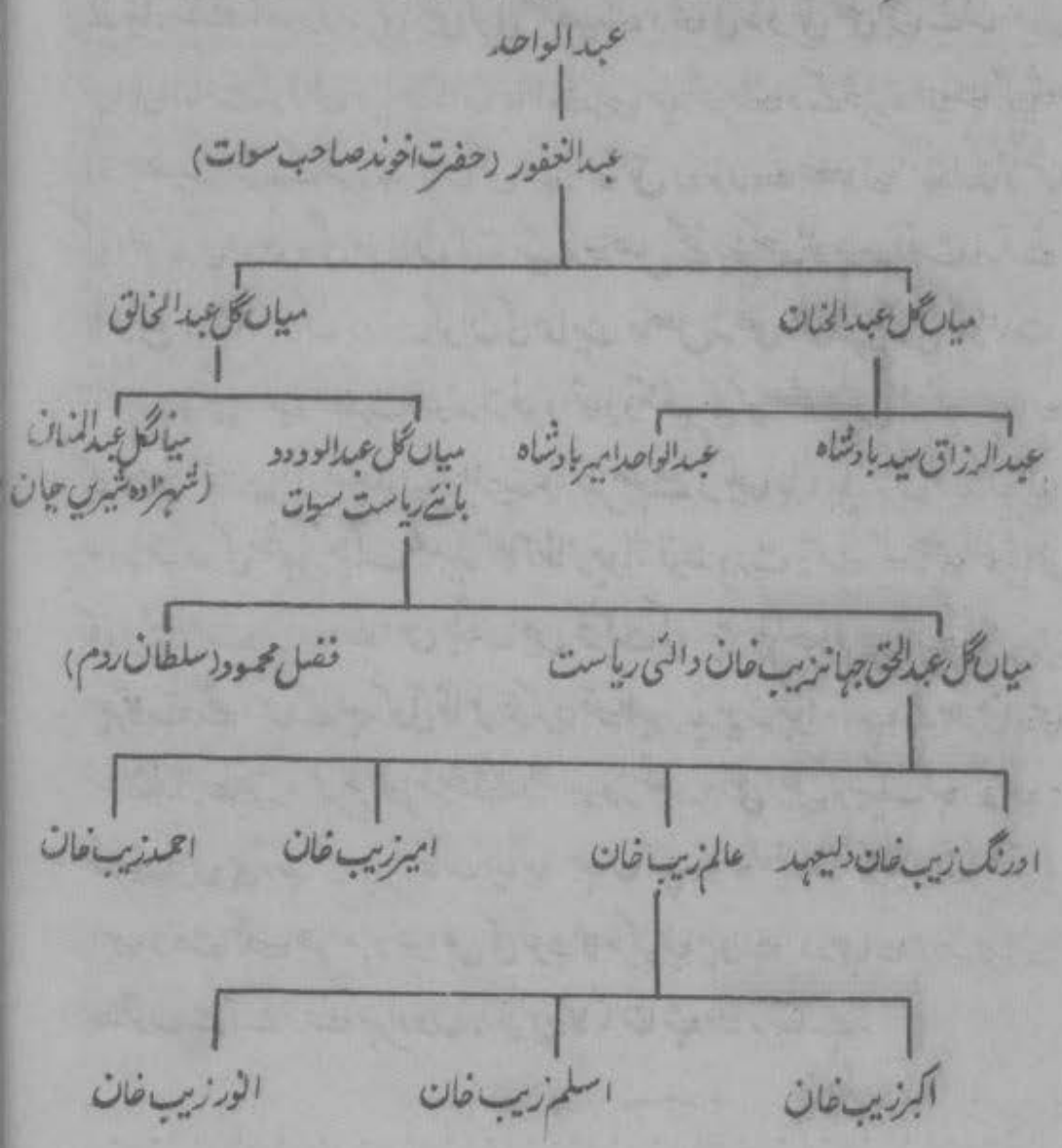

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حضرت اخوند کے بعد

حضرت اخوند کی وفات کے موقع پر ان کے دونوں لڑکے عبدالمنان اور عبدالخالق ایک جنگ کے سلسلہ میں نواب دیر کے ساتھ موضع تالاش میں مقیم تھے۔ خبر وفات ملنے پر عبدالمنان تو واپس لوٹ آئے لیکن عبدالخالق کو بروقت اطلاع نہ مل سکی۔ یہ میں چل کر اول الذکر نے حصول اقتدار کی کوشش کی تو یہ اقتدار ہر رنگ حکمرانی مل نہ سکا۔ تاہم اس نے اپنے گرد طاقت جمع کرلی اور ایک قائد یا سردار کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگا برخلاف ازیں موخر الذکر نے اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر عوام کے دلوں پر قبضہ کرلیا۔ علاقہ بھر میں شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے سلسلہ میں دورے شروع کئے بڑی تعداد میں مریدین اور شیوخ ان کے گرد جمع تھے اس طرح علاقہ میں انہیں مذہبی اقتدار حاصل ہوگیا اور اتنی طاقت میسر آگئی کہ وہ اپنے فیصلوں کو بزور بازو نافذ کرا سکیں۔ حضرت اخوند کی وفات کے کوئی دس سال بعد ان کے بڑے لڑکے عبدالمنان وفات پا چکے تھے۔ ۱۸۹۲ء میں بہ عمر پینتیس سال عبدالخالق بھی اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ایک دفعہ پھر یہ علاقہ اپنی سابقہ روایات کو زندہ کرنے لگا۔ پھر "گھر گھر خانی" کا دور عود کر آیا اور پھر ملک میں کوئی قیادت باقی دکھائی نہ دی۔

میاں گل عبدالودود کی ابتدار

عبدالخالق کی وفات پر ان کے دو کم سن بیٹے رہ گئے تھے بڑے میاں گل عبدالودود کی عمر کوئی دس سال تھی تو چھوٹے میاں گل شیریں جان بہت ہی کم عمر تھے۔ انہی دونوں کو باپ کا جانشین تسلیم کرلیا گیا۔ وہ سجادہ نشین کی حیثیت سے دکھائی دینے لگے اس طرح گویا بچپن ہی سے مذہبی اقتدار حاصل ہوگیا ایک عرصہ تک تو یہ سجادہ نشین اور ان کے چچازاد بھائی آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہے لیکن پھر اختلافات نے سر اٹھایا تو طرفین خطرہ محسوس کرنے لگے دونوں نے اپنی اپنی جماعتیں منظم کرنا شروع کیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کشمکش بڑھنے لگی۔ سازشیں شروع ہوئیں۔ نتیجہ یہ حالات اتنے بگڑے کہ ۱۹۰۴ء میں ایک دن جب اچانک یہ دونوں چچازاد بھائی راستہ میں ایک دوسرے کے سامنے آئے تو دیکھتے ہی دیکھتے دونوں کے اسلحہ نے حرکت کی۔ سید بادشاہ کے گولی لگی تو وہ جانبر نہ ہوسکا۔ دو سال گزرنے کے بعد اس کا دوسرا بھائی بھی اسی طرح میاں گل عبدالودود کی گولی کا نشانہ بنا۔ تو چچازاد بھائیوں کی اس باہمی کشمکش کا خاتمہ ہوا

اب دونوں بھائی آپس میں اتحاد و اتفاق سے زندگی بسر کرنے لگے۔ انہوں نے جائداد تقسیم کرلی۔ اس دوران میں میاں گل عبدالودود فریضہ حج ادا کرنے چلے گئے واپسی پر ان دونوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ جنگ و جدل تک نوبت جا پہنچی۔ شیریں جان نے سید و پر حملہ کردیا لیکن شکست کھائی۔ پھر میاں گل نے کالیگی پر حملہ کرتے ہوئے اس پر قبضہ کرلیا۔ بعد ازاں دونوں بھائی چھ ماہ تک قنبر کے مقام پر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہے۔ بالآخر عارضی صلح ہوگئی تو شیریں جان نے "تختہ بند" میں قیام شروع کردیا۔

سوات پر نواب دیر کا حملہ

اس دوران میں سوات میں مقیم دو قبیلوں پنکی خیل اور شموزئے میں اختلافات نے جنگ کی صورت اختیار کرلی۔ کمزور پارٹی نے نواب دیر سے امداد طلب کی اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لشکر روانہ کردیا۔ کمزور پارٹی نے دوبارہ اس علاقہ کو فتح کرلیا جو فریق مخالف اس سے چھین چکا تھا۔ لیکن بعد میں جب نواب دیر سے لشکر واپس بلانے کو کہا گیا۔ تو اس نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ جس کا مقصد یہی تھا کہ وہ اب اس علاقہ کو اپنے ہاتھ سے دینا نہ چاہتا تھا۔ بلکہ اس کے لشکر نے کبل اور نل نامی دو مقامات پر قلعے بھی تعمیر کرلئے۔ اس طرح ۱۹۰۸ء میں نواب دیر پنکی خیل اور شموزئے کے علاقہ پر قابض ہوگیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اب باشندوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ حقیقت "زنجیر غلامی" کو انہوں نے خود دعوت دے کر حاصل کیا تھا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد "سنڈاکے ملا" نامی ایک شخص انگریزوں کے خلاف قبائل میں مصروف عمل تھا اسے اس طرف متوجہ کیا گیا تو وہ سواتیوں کی امداد پر آمادہ ہو گیا اس کے گرد معتقدین جمع ہو چکے تھے اس نے اقدام شروع کر دیا اور جلد ہی سواتیوں نے نل پر قبضہ کر لیا اس وقت دیر پر نواب اورنگ زیب خان حکمران تھا اس نے تازہ دم لشکر روانہ کر دیا جنگ شروع ہوئی سواتیوں نے ننگولی اور بانڈی پر یکے بعد دیگرے لشکر کو شکست دی۔ اور پھر سمبٹ سے اقدام کرتے ہوئے کبل کے قلعے کو بھی مخالفین سے خالی کرا لیا۔ اس طرح مذکورہ علاقہ پر دیر کی سیادت باقی نہ رہی۔

سید عبدالجبار شاہ کی حکومت

مندرجہ بالا واقعات نے باشندگان سوات کی آنکھیں کھول دیں انہیں اب اپنی تنظیم کی فکر ہوئی وہ سمجھ گئے کہ نواب دیر پھر کسی وقت حملہ کر کے انہیں غلام بنا لیگا انہوں نے حضرت اخوند کے خاندانی وقار کے پیش نظر میاں گل عبدالودود اور شیریں جان کو حکومت مرتب کرنے کی دعوت دی۔ لیکن ایسی حالت میں کہ دونوں بھائیوں میں اختلافات موجود تھے جنگیں لڑی جا چکی تھیں۔ میاں گل نے ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ حضرت پیر بابا کی اولاد سے سید عبدالجبار شاہ ساکن سمتھانہ کو دعوت دیکر بادشاہ بنا دیا جائے چنانچہ ۱۹۱۴ء میں دریائے سوات کے پار شمالی علاقہ میں اس جدید حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

اب ان دونوں بھائیوں نے جو ایک دوسرے سجادہ نشین کو برسر اقتدار دیکھا تو انہیں اپنا خاندانی وقار خطرہ میں دکھائی دینے لگا۔ نتیجہ یہ کہ دونوں بھائی متحد ہو گئے۔ سابقہ دشمنی یا اتحاد کو فراموش کر دیا گیا۔ عبدالجبار شاہ نے یہ حالت دیکھی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تو مقابلہ پر اتر آیا۔ کاٹیلی اور ہوڈی گرام میں شدید جنگ لڑی گئی تو یہ دونوں بھائی اپنے آبائی مسکن سیدو کو چھوڑ کر دلبار میں جا مقیم ہوئے یہاں موسیٰ خیل بریکوٹ کوٹہ۔ الوہا وغیرہ کے معززین نے امداد دینے کے وعدے کرتے ہوئے ان دونوں بھائیوں کو سید عبدالجبار شاہ کے خلاف جنگ کرنے پر رضامند کر لیا لنڈاکئے کے قریب معمولی سی جنگ ہوئی وعدہ کرنے والے ایفائے عہد نہ کر سکے تو یہ دونوں بھائی دلبار کی طرف لوٹ گئے۔

اس دوران میں نواب دیر نے ایک دفعہ پھر سوات کے خلاف لشکر کشی کی ان دونوں بھائیوں کو موقع ملا تو وہ بھی نواب دیر کے لشکر میں شامل ہو کر دوسرے ہی دن علاقہ شاموزئے میں داخل ہو گئے اور میاں گل لشکر کی قیادت کرتے ہوئے سیدو تک جا پہنچا۔ عبدالجبار شاہ بھی لشکر لئے پہنچ چکا تھا۔ دونوں میں جنگ ہوئی تو عبدالجبار شاہ شکست کھا کر پنجی گرام میں جا مقیم ہوا ادھر نواب دیر نے علاقہ شموزئے پر قبضہ کر لیا۔ اب نواب اور میاں گل کے لشکر نے متحد ہو کر عبدالجبار شاہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور تندو ڈاک کے مقام پر مورچے لگا دیئے لیکن ماہ رمضان شریف کے شروع ہو جانے کی وجہ سے عارضی صلح ہو گئی اس عارضی صلح کے دوران میں سواتیوں نے کانا غور بند۔ چکیسر پورن۔ لیلونئے وغیرہ سے لشکر جمع کرتے ہوئے میاں گل کی قیادت میں شرنا کے مقام پر علاقہ بالوزئے کے لشکر کو شکست دی تو میاں گل کے طرفداروں نے ملم میں ایسے ہی ایک دوسرے لشکر کو مار بھگایا۔

کش مکش زوروں پر تھی میاں گل کو بظاہر نواب دیر کی حمایت حاصل تھی لیکن حقیقتاً کوئی امداد بروقت مل نہ رہی تھی۔ انہی حالات میں تھانہ کے مقام پر سواتیوں کا اجتماع (جرگہ) ہوا۔ میاں گل بھی شریک تھا۔ بحث مباحثہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ بالوزئے کے علاقہ پر تو میاں گل کی حکومت قائم ہو اور اباخیل و موسیٰ خیل کو اس کی سیادت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں آزاد چھوڑ دیا جائے اور وہ دوسرے علاقوں میں مداخلت نہ کرے۔ ساتھ ہی عبدالجبار شاہ کے لشکر سے تعاون کرتے ہوئے سوات کے علاقوں سے دیر کی سیادت کو ختم کرادے۔ سیاسیات میں حالات بدلتے دیر نہیں لگتا۔ کل تک جس نواب دیر سے امداد و اعانت کی توقعات وابستہ کی جارہی تھیں اب اس کے مقابلہ کی تیاری ہونے لگی۔ چنانچہ میاں گل اور عبدالجبار شاہ نے علاقہ شموزئے میں تبرنگ کے مقام پر قلعہ تعمیر کرلیا تو دیر اور سوات کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل دکھائی دینے لگے۔

نواب دیر نے یہ حالت دیکھی تو مقابلہ کے لئے تیاری شروع کردی ادھر سوات میں اب بہ یک وقت دو حکمران دکھائی دے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک گدڑی میں تو کئی فقیر زندگی بسر کرسکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک مملکت میں سما نہیں سکتے۔ اندر ہی اندر کشمکش شروع ہوئی۔ میاں گل کا پلڑا بھاری رہا۔ باشندگان وطن کو یقین ہوگیا کہ سید عبدالجبار شاہ اپنی علمی قابلیت کے باوجود قبائلی جنگ میں نواب دیر کے مقابل ٹھہر نہ سکے گا۔ تو انہوں نے میاں گل کو حکومت مرتب کرنے کی دعوت دیدی جسے میاں گل عبدالودود نے بخوشی قبول کرلیا۔ سید عبدالجبار شاہ کو ستمبر ۱۹۱۵ء میں عزت و احترام سے واپس لوٹا دیا گیا تو وہ پھر سمتانہ میں جا مقیم ہوا۔ اس طرح اس دور کا خاتمہ ہوا۔

سوات کے دور جدید کا آغاز

اب حالت یہ تھی کہ ایک طرف دیر کی طاقت مخالفت پر کھڑی تھی۔ دوسری طرف انگریز قبائلی علاقہ میں کسی منظم طاقت کے قیام کا روادار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ریاست امب (ہزارہ) کا حکمران بھی یہ برداشت نہ کرسکتا تھا کہ اس کے پہلو میں کوئی جدید ریاست جنم لے۔ اندرون ملک کی حالت بھی کسی طرح اطمینان بخش نہ تھی جسے خود بانئے ریاست سوات میاں گل یوں ظاہر کرتے ہیں:

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سوات کا علاقہ اس زمانہ میں سابق صوبہ سرحد کے اضلاع مردان و پشاور سے بالکل کٹا ہوا تھا۔ آمد و رفت کے ذرائع نہیں تھے۔ پیدل آمد و رفت تھی وہ بھی ہزاروں تکالیف اور مشکلات کے ساتھ ہوتی تھی بار برداری کے لئے خچر استعمال کئے جاتے تھے۔ نمک جیسی سستی اور عام دستیاب ہونے والی چیز جو کہ انسانی ضروریات زندگی میں اہم اور بنیادی شے ہے اس ماحول میں کمیاب تھی۔ تحصیل نوشہرہ کے خٹک اگر خچروں پر تجارت کے لئے نمک لاتے تھے تو یہاں کے لوگ خوشی سے نمک کو گھی اور شہد کے ساتھ برابر تولنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ غرضیکہ اس قسم کے حالات تھے اور پھر سب سے زیادہ مایوس کن امر یہ تھا کہ ان لوگوں کی وفاداری کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

ان حالات میں حقیقتاً حکومت کا تاج ایسے کانٹوں کا تاج تھا جس کے بقاء و قیام کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ لیکن بہ ایں ہمہ میاں گل نے اس بار گراں کو اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ بیرونی حملوں کے خوف سے باشندے متحد ہو چکے تھے۔ میاں گل نے عقل و تدبر سے کام لیتے ہوئے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ تا آنکہ پنکی خیل کے علاقہ میں کبل کے مقام پر ۱۹۱۵ء میں میاں گل عبدالودود کو سوات کا بادشاہ منتخب کر لیا گیا ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا ادھر نواب دیر نے موقع کی مناسبت سے شموزئے کے اس نصف حصہ پر بھی قبضہ کر لیا کہ جو اس وقت تک اس کے قبضہ میں نہ تھا۔ میاں گل کو اب طاقت میسر آ چکی تھی اس نے اس طرف اقدام کرتے ہوئے پورے شموزئے کے علاقہ پر قبضہ جما لیا۔ نواب دیر بھی خاموش بیٹھنے والا نہ تھا۔ ۱۹۱۶ء میں اس نے دوبارہ حملہ کر دیا۔ سواتی لشکر کو شکست ہوئی تو ایک دفعہ پھر شموزئے کے علاقہ پر دیر کا قبضہ ہو گیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نواب دیر کا حوصلہ بلند ہوا تو اس نے ۱۹۱۷ء میں پھر اقدام کیا طوطانو باندی پر حملہ ہوا۔ سواتی لشکر پاکی ڈھیری میں مقیم تھا۔ یہیں جنگ ہوئی دیر کا لشکر بھاگ نکلا اس کے بعد بھی ایک دفعہ نواب دیر نے پھر اس علاقہ پر حصول اقتدار کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ۱۹۱۸ء میں نواب دیر نے پھر حملہ کرتے ہوئے بہا کے مقام پر سواتیوں کو شکست دی تو وہ نل اور سمبٹ میں مقیم ہو گئے لیکن جلد ہی سواتیوں نے دیر کے لشکر کو مار بھگایا۔ تو نہ صرف شموزئے کے علاقہ پر قبضہ کیا بلکہ دیر کے علاقہ ادین زئے پر بھی جا قبضہ جمایا۔ یہ میاں گل کی اولین شاندار کامیابی تھی جس نے اس علاقہ پر اس کا سکہ بٹھا دیا تھا۔

اس وقت تک ازی خیل اور جانکی خیل علاقے کسی کے زیر تسلط نہ تھے۔ میاں گل کی مذکورہ کامیابی کو دیکھتے ہوئے قبل اس کے کہ اس طرف کوئی اقدام کیا جاتا ان علاقوں کے باشندوں نے خود ہی اپنے علاقوں کو ریاست میں شامل کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک مشکل ترین دور

۱۹۲۱ء میں ایک دفعہ پھر خطرات کے بادل امنڈ آئے تو اس جدید ریاست کو مشکل ترین دور سے گزرنا پڑا ملک کے اندر چند قبائل نے بغاوت کر دی دوسری طرف علاقہ بونیر میں نواب امب نے گوتند کے مقام پر حملہ کر دیا۔ کوہستان کے لشکر نے نواب دیر کے ایما سے مدین کے مقام پر اجتماع کیا خود امب کا لشکر کوہ کڑاکڑ تک پہنچ گیا اور دیر کے جس علاقہ ادین زئے پر سواتی قبضہ کر چکے تھے اس میں بھی بغاوت ہو گئی۔ نواب دیر کو انگریز کی حمایت حاصل تھی اس طرح گویا بہ یک وقت سوات پر پانچ اطراف سے حملہ ہو رہا تھا۔ میاں گل کے لئے سخت ترین آزمائش تھی۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ تن تنہا تگ و دو کرتے ہوئے محاذوں کی فکر میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سرگرداں رہا۔ اور اپنے عقل و تدبر سے کام لیتے ہوئے مسلسل پانچ ماہ جنگ و جدل میں مصروف رہنے کے بعد اس نے تمام مشکلات پر قابو پالیا اور تمام محاذوں پر اسے کامیابی نصیب ہوئی۔

انگریز کی مداخلت

ظاہر کیا جا چکا ہے کہ سواتیوں نے ادین زئے کے علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ نواب دیر جب طاقت سے اس پر دوبارہ قبضہ نہ کرسکا تو اس نے انگریز کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ حکومت انگلشیہ سے اس کے تعلقات خوشگوار تھے اس وجہ سے انگریز نے بادشاہ سوات سے مشورہ کئے بغیر اقرار کرلیا کہ ادین زئے کا علاقہ اسے دلا دیگا۔ اور یہ شرط لگادی کہ اس کے بعد جب تک نواب دیر کو بادشاہ سوات کے مقابل دو تہائی اکثریت حاصل نہ ہوجائے وہ سوات پر لشکر کشی نہ کریگا اور اپنے اغراض کے پیش نظر یہ شرط بھی عائد کردی کہ ایسی حالت میں بھی نواب دیر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ حملہ کرنے سے پیشتر پولیٹیکل ایجنٹ سے اجازت حاصل کرے۔

بادشاہ سوات پر جب یہ حقیقت کھلی اور پولیٹکل ایجنٹ نے اسے مذکورہ معاہدہ یا اقرار کی اطلاع دی تو وہ بے بس نظر آنے لگا۔ اتنی طاقت نہیں تھی کہ بہ یکوقت دیر اور انگریز کی مشترکہ طاقت کا مقابلہ کرتا۔ پھر ایسی حالت میں کہ سوات کے باشندے اپنی ضروریات زندگی کے لئے انگریزی علاقہ کے دست نگر تھے اس نے خاموشی سے سر تسلیم خم کردیا اور علاقہ ادین زئے کو جو حقیقتاً ریاست دیر ہی کا حصہ تھا واپس کرنے کا اقرار کرلیا اس طرح یہ علاقہ ۱۹۲۲ء میں نواب دیر کے سپرد کردیا گیا۔

بونیر پر قبضہ

بونیر کا علاقہ اس وقت تک آزاد تھا۔ وقت ضرورت مقامی باشندے اپنے اندرونی جھگڑوں یا بیرونی حملہ کے وقت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نواب دیر یا نواب ریاست امب سے امداد طلب کرلیا کرتے تھے۔ اس دوران میں کہ علاقہ ادین زئے دیر کو واپس کیا جارہا تھا۔ علاقہ بونیر میں ریاست امب کا ایک لشکر مقیم تھا۔ بانیٔ ریاست سوات نے گردوپیش پر نظر ڈالی تو اسے اب کوہستان اور بونیر کی طرف سے خطرہ دکھائی دے رہا تھا۔ چنانچہ اس نے ان علاقوں پر قبضہ کرنے کا عزم وارادہ کرلیا۔ اور اپنے تدبر سے ایک طرف کوہستانیوں کو مختلف طور طریقوں سے یقین دلایا جاتا رہا کہ ریاست سوات اس طرف لشکر کشی کا کوئی ارادہ نہ رکھتی تھی۔ تو دوسری طرف بونیر میں ایسی فضا پیدا کی جس سے ظاہر ہونے لگا کہ بادشاہ سوات اتنی طاقت ہی نہ رکھتا تھا کہ بونیر پر حملہ کرسکے ان حالات میں اس کے درپردہ طرفداروں نے بونیر کے قبائل کو اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ ریاست امب کے لشکر کو واپس کردیں۔ چنانچہ یہ لشکر واپس لوٹ گیا تو فضا کو سازگار دیکھتے ہوئے ۱۹۲۳ء میں میاں گل نے بونیر کے علاقہ پر قبضہ کرلیا اور اس وقت تک ریاست سوات میں شامل اور ترقی کے راستہ پر گامزن ہے۔

بحرین پر قبضہ اس دوران میں کہ بادشاہ سوات بونیر کی طرف اقدام کررہا تھا کوہستانیوں کے ایک وفد نے الحاق کی درخواست کی اس وقت قاعدہ یہی تھا کہ جو علاقہ یا قبیلہ الحاق کی درخواست کرتا رسماً اس طرف لشکر روانہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مختصر سا لشکر اس طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں بحرین پہنچنے پر اس لشکر نے بلا کسی پروگرام کے اس جگہ پر قبضہ کرلیا۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہوئی تو کوہستانی مقابلہ پر اتر آئے۔ شاہی لشکر کو شکست ہوئی لیکن جلد ہی امداد پہنچ گئی۔ نتیجہ یہ کہ بلا کسی ارادہ کے بحرین تک کا علاقہ ریاست میں دکھائی دینے لگا۔ بحرین دو دریاؤں کا مقام اتصال اور بہت خوبصورت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور دلکش مقام ہے۔

مزید علاقوں کی شمولیت

مقبوضہ علاقوں میں نظام مکمل کر لینے کے بعد اب دوسرے ان علاقوں کی طرف نظر اٹھنے لگی کہ جن سے استحکام ریاست کو خطرہ محسوس ہو سکتا تھا۔ چنانچہ پھر جلد ہی کانا اور چکیسر جیسے اہم قبائلی علاقوں کو ریاست میں شامل کر لیا گیا۔

انگریز سے تعلقات

قیام ریاست کے سلسلہ میں بانیٔ ریاست بہت ہی تدبر سے کام لے رہا تھا۔ جنگیں لڑی جا رہی تھیں۔ نظام قائم کیا جا رہا تھا ساتھ ہی کوشش تھی کہ ارد گرد کی کسی منظم طاقت سے بگاڑ بھی پیدا نہ ہو۔ انگریز اپنے پہلو میں کسی جدید ریاست کے قیام کو پسند نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اسے مداخلت کا کوئی موقع نہ ملا۔ اس کے ساتھ بانیٔ ریاست کو مستقبل کی فکر بھی تھی۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں اس نے اپنے خلف الرشید محمد عبدالحق جہانزیب خان کو اپنا ولیعہد مقرر کر دیا۔ اس وقت شہزادہ کی عمر کوئی پندرہ سال تھی اور وہ اسلامیہ کالج پشاور میں زیر تعلیم تھا۔ جب انگریز ریاست کو ہی نہ تسلیم کرتا تھا تو ولیعہد کے تسلیم کئے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا بالآخر والیٔ سوات نے اپنی روش سے انگریز کو ریاست کے تسلیم کر لینے پر مجبور کر دیا تو ۳ مئی ۱۹۲۶ء کو حکومت انگلشیہ نے ریاست سوات کو تسلیم کر لیا[1] اور اسے صوبہ سرحد کے سرکاری دربار میں ایک نشست بھی عطا کر دی گئی۔

اب انگریز سے تعلقات بڑھنے لگے تو اسی سال محکمہ سروے کے ایک افسر

---

[1] ریاست کو تسلیم کرنے کی رسم صوبہ سرحد کے چیف کمشنر مسٹر کین نے سوات میں بمقام سیدو شریف ادا کی تھی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سرائے سیٹین نے سوات اور چکیسر کے علاقوں کا سروے کیا اور جنگلات کی دیکھ بھال بھی ہوئی اکتوبر ۱۹۲۶ء میں وائسرائے ہند نے مالاکنڈ ایجنسی کا دورہ کیا تو پہلی بار والئی سوات کو اس سے ملاقات کرنے کا موقع ملا یکم جنوری ۱۹۳۰ء کو حکومت انگلشیہ نے بانئے ریاست کو کے۔بی۔ای (K.B.E) کا خطاب دیا اور اس سال اپریل میں وائسرائے ہند نے سوات میں سیدو شریف کے مقام پر ایک دربار میں اس اعزاز کی سند یا تمغہ میاں گل عبدالودود کو عطا کیا اس موقعہ پر حکمران کے لقب کا مسئلہ درپیش ہوا تو میاں گل نے صاف الفاظ میں واضح کر دیا کہ قوم اسے "بادشاہ" کا خطاب دے چکی تھی اس وجہ سے وہ کوئی ایسا لقب پسند نہ کر سکتا تھا کہ جو اس مذکورہ خطاب کے وقار پر اثر انداز ہو سکے انگریز "بادشاہ" (ہز مجسٹی) کا خطاب اپنے آئین کے تحت تو دے نہ سکتا تھا۔ مشکل درپیش ہوئی لیکن جلد ہی اس کا حل تلاش کر لیا گیا اور لفظی تغیر و تبدل سے "بادشاہ" کی بجائے رولر Ruler یعنی حکمران یا والی کا لقب تجویز ہوا چنانچہ سرکاری کاغذات اور عام بول چال میں "والئے سوات" پکارا جانے لگا۔

بانئے ریاست مستقبل کی فکر میں اپنا ولیعہد مقرر کر چکا تھا حکومت انگلشیہ سرکاری حیثیت میں اسے تسلیم کرنے سے پہلو تہی کر رہی تھی اور ۱۹۲۶ء میں ریاست کو تسلیم کرنے کے باوجود ولیعہد کو تسلیم نہ کیا گیا تھا لیکن بانئے ریاست اپنی سعی و عمل میں مصروف رہا اور بالآخر کامیاب ہوا تو ۱۵ مئی ۱۹۳۳ء کو گورنر صوبہ سرحد کے نمائندہ کی حیثیت سے پولیٹکل ایجنٹ مالاکنڈ نے سیدو شریف میں ایک دربار منعقد کرتے ہوئے شہزادہ محمد عبدالحق جہانزیب خان کو ولیعہد تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا۔

علاقہ کوہستان پر قبضہ ۱۹۲۶ء میں انگریز کے اس ریاست کو تسلیم کر لینے کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بعد والیٔ ریاست کو جب یہ اطمینان ہوگیا کہ اب اس پر دیر یا امب کی طرف سے حملہ نہ ہو سکتا تھا تو اس نے ریاست کو امن اور وسعت دینے کی کوشش کی چنانچہ کوہستان کی طرف اقدام ہوا۔ باشندگان کوہستان مقابلہ پر اتر آئے۔ طرفین کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے باوجود سواتی لشکر درہ کڑمنگ۔ درہ لشام اور لاہور پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد حسب معمول والیٔ سوات نے کوہستان میں اپنی پارٹی پیدا کرلی۔ حمایت شروع ہوئی۔ تا آنکہ خود اس علاقہ کے باشندوں نے الحاق کی درخواست گزار دی۔ جس پر تین اور دروں یا اہم علاقوں۔ دوبیر رانولیا اور بن گٹ کو ریاست میں شامل کر دیا گیا۔

کوہستان کے مذکورہ اہم ترین علاقوں کو فتح کر لینے کے باوجود اس علاقہ کا مرکز پٹن آزاد تھا اور اس کے باشندے ریاست امب کے حکمران سے ساز باز رکھتے تھے۔ والیٔ سوات نے اس کانٹے کو بھی دور کر دینا چاہا۔ لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ سیدو سے پٹن تک ڈیڑھ سو میل کا طویل پہاڑی راستہ تھا کوئی سڑک نہ تھی آمد و رفت میں ہزاروں مشکلات حائل تھیں۔ بایں ہمہ لشکر کو اقدام کا حکم ملا تو یہ خطرناک پہاڑی راستہ حیرت انگیز طریقہ پر سواتی لشکر نے صرف تین دن میں طے کرتے ہوئے پٹن پر حملہ کر دیا اور شدید جنگ کے بعد اس پر قبضہ بھی کر لیا اس کے ساتھ دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ نہایت ہی تیزی سے سڑک بھی تعمیر کرلی گئی اور جب سوات کا لشکر وہاں نظام قائم کرنے کے بعد واپس لوٹا تو اپنی اسی جدید تعمیر شدہ سڑک کے ذریعہ ہی بہ اطمینان واپس لوٹا تھا۔

وادی کالام

سوات کے اردگرد علاقوں کی طرف سے اطمینان حاصل کر لینے کے بعد والیٔ سوات نے فطرتی طور اب ان مزید علاقوں کی طرف دیکھنا شروع کیا کہ جن کی طرف سے اس کی توسیع شدہ ریاست کو کسی خطرہ کا احتمال ہو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میجر جنرل عبدالحق جہانزیب خان
والئ ریاست سوات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سکتا تھا اس میں خصوصیت سے وہ علاقہ بھی شامل سمجھا جا سکتا ہے کہ جو ریاست امب کی زیر سیادت یا زیر اثر تھا۔ انگریز کو ان ارادوں کا علم ہوا تو اس نے والئے سوات کو ایسے اقدامات سے روک دیا اس مداخلت سے یہ تسلی ہوگئی کہ اب کسی طرف سے ریاست پر حملہ نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ ملک کے اندرونی حالات کی طرف متوجہ ہوا اور اصلاحی کام شروع کر دیئے۔

۱۹۴۷ء میں وادی کالام کے باشندوں نے سوات کی روز افزوں ترقی کو دیکھتے ہوئے الحاق کی درخواست کی تو یہ علاقہ بھی ریاست میں شامل کر دیا گیا لیکن حکومت مرکزیہ پاکستان نے اسے ریاست کے صوبہ کی حیثیت دینے کی بجائے اس پر برائے راست اپنی سیادت قائم کی اور نظام ملکی کی نگرانی کے لئے والئے ریاست کو اس کا نگران مقرر کر دیا۔ حکومت مرکزیہ پاکستان دوسرے قبائلی علاقوں کی طرح کالام کی فلاح و بہبود پر غور کرتی رہی۔ چنانچہ دیگر اقدامات کے ساتھ اس نے فیصلہ کیا کہ کالام میں دریائے سوات پر ایک "ذخیرہ آب" تعمیر کیا جائے اور اس کی تعمیر کے لئے اگست ۱۹۵۹ء میں کوئی تیرہ لاکھ روپے کی منظوری بھی دیدی توقع کی جاتی ہے کہ اس ذخیرہ آب سے ایک وسیع علاقہ زیر کاشت آجائے گا پھر اکتوبر ۱۹۵۹ء کے دوران پولٹیکل ایجنٹ مالاکنڈ ایجنسی نے سیدو شریف کے ایک دربار میں باشندگان کالام کے جرگہ کو خطاب کرتے ہوئے ان تمام محصولات کو آئندہ کے لئے معاف کر دینے کا حکومت پاکستان کی طرف سے اعلان کیا کہ جو شہد اخروٹ پھل گھی۔ بھیڑ بکریاں وغیرہ کی برآمد پر وصول کیا جا رہا تھا۔ اور وادی کالام کے باشندوں کو وہ تمام مراعات دیدیں جو دوسرے قبائلی علاقوں کو حاصل ہیں۔

تحریک پاکستان ہندوستانی قومی تحریکات کا اثر اس علاقہ سوات پر بہت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہی کم پڑا اس کی ایک وجہ تو مقبوضہ علاقہ سے دوری تھی دوسرے ۱۹۱۹ء (تحریک رولٹ بل) سے ۱۹۳۱-۳۲ء تک ریاست اپنی اندرونی الجھنوں میں گرفتار تھی۔ البتہ جب تحریک مسلم لیگ (پاکستان) کا آغاز ہوا تو والیٔ سوات کی دوررس نگاہ نے اس کے نتائج کا اندازہ لگا لیا۔ نتیجہ یہ کہ اس تحریک سے پوری طرح تعاون ہوا۔ نہ صرف اپنے علاقہ میں بلکہ بیرون علاقہ سوات میں بھی وہ اپنے زیر اثر حضرات کو اس تحریک میں شمولیت پر آمادہ کرتا رہا۔ والیٔ سوات نے مالی امداد سے بھی گریز نہ کی اور اس وقت کہ صوبہ سرحد میں استصواب رائے عامہ کی تحریک چل رہی تھی اس نے ایک لاکھ دس ہزار روپے مسلم لیگ فنڈ میں پھر پانچ لاکھ روپے قائداعظم فنڈ میں اور کوئی تین لاکھ روپے دوسرے فنڈوں میں دیئے۔

پاکستانی ریاستوں کے مرکز پاکستان سے الحاق کے سلسلہ میں ریاست سوات کو اولیت کا فخر حاصل رہا اور اعلان الحاق کے ساتھ والیٔ سوات نے اس وظیفہ سے بھی جو کہ انگریز کے وقت سے مل رہا تھا دستبرداری کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی ایک لڑاکا ہوائی جہاز بھی خرید کر حکومت پاکستان کی نذر کیا۔

محاذ کشمیر

جب قیام پاکستان کے بعد جنگ کشمیر شروع ہوئی اور صوبہ سرحد کے قبائل نے مجاہدانہ انداز میں شمولیت کی باشندگان سوات بھی اس کے پہلو بہ پہلو دکھائی دیتے رہے خود والیٔ سوات نے اس تحریک کی نگرانی کی اپنے خرچ پر مجاہدین کو محاذ کشمیر تک پہنچاتا اور واپس لاتا رہا۔ بہت سے مجاہدین شہید ہوئے اور بڑی تعداد زخمیوں کی بھی تھی اور یہ سب امداد و اعانت غیر مشروط تھی چنانچہ خود والیٔ سوات نے ایک موقع پر کہا:

> پاکستان کی سلامتی ہماری سلامتی ہے۔ پاکستان کا استحکام ہمارا استحکام ہے..... پاکستان سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ملت اسلامیہ کی حیات ثانیہ کے سلسلہ میں پاکستان اہم پارٹ ادا کرے گا۔

محاذ کشمیر پر بہ یکوقت آٹھ سو منظم سواتی مجاہدین موجود رہا کرتے تھے۔

حکومت سے دستبرداری

ایک عرصہ دراز کی تگ و دو کے بعد جب ایک مستقل اور پائیدار ریاست ترقی کی طرف گامزن نظر آنے لگی تو کوئی ترلیسٹھ سال کی عمر میں بانئے ریاست نے بخوشی خود حکومت سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور عنان سلطنت شہزادہ محمد عبدالحق جہانزیب خان کو سونپ کر جسے ۱۹۲۳ء میں وہ اپنا ولی عہد مقرر کر چکا تھا، اسے اپنے نقش قدم پر چلانے کی کامیاب سعی کی۔ یہ دستبرداری کی تقریب نواب زادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم حکومت پاکستان کے ہاتھوں ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بمقام سیدو شریف سرانجام پائی۔

بانئے ریاست سوات سر میاں گل عبدالودود اپنے وقت کا کامیاب ترین حکمران ثابت ہوا اس نے صدیوں کی غیر منظم۔ غیر تعلیم یافتہ۔ اور کسی کے سامنے سر تسلیم نہ کرنے والی قوم کو اتحاد و تنظیم کا سبق پڑھایا۔ ان کی اپنی ریاست قائم کی ملک کو ترقی کے راستہ پر گامزن کیا۔ زندگی کی سہولتیں مہیا کیں۔ تعلیم و صحت کا انتظام کیا اور خطہ سوات کو تاریخ کے اوراق میں ایسی جگہ دلادی کہ دوسری کوئی ہم عصر ریاست اس کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اور پھر اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ سب کامیابی اور کامرانی دور اندیشی تدبر اور نظم و نسق اس شخص نے قائم کیا جو تعلیم جدید کا تو ذکر ہی کیا تعلیم قدیم سے بھی بہرہ ور نہ تھا۔ اپنے ذاتی خطوط یا کاروبار حکومت کے سلسلہ میں اسے دوسرے لکھنے والوں پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ ایسی حالت میں تعلیم کی دقعت اس کی نظر میں اور بھی بڑھ گئی اپنی مصروف اور جنگ و جدل سے بھرپور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

زندگی میں وہ خود تو تعلیم حاصل نہ کر سکا لیکن اپنے خاندان اور اپنی قوم کو اس نے اس نعمت سے محروم نہ رہنے دیا اپنے لڑکوں کو تعلیم دلائی اور قوم کے لئے ریاست میں مدرسوں کا جال بچھا دیا اور وہ سب کچھ کر دکھایا جو دورِ حاضرہ کا کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ حکمران کر سکتا تھا۔

تعلیم کی تشنگی کو وہ خود بھی محسوس کرتا رہا اور جب حکومت سے دستبردار ہوا تو اپنی اولین فرصت میں اس نے حصول تعلیم کی طرف توجہ دی۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے کہ:

میں نے ترپسٹھ سال کی عمر میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی تھی۔

ریاست سوات کے قیام و ترقی میں بانئے سوات کی ہمت و استقلال جرأت و دلیری کے ساتھ عقل و تدبر نے کارہائے نمایاں کر دکھائے اس نے جس طرف کا رخ کرنا چاہا پہلے اس علاقہ میں اپنے طرفدار پیدا کئے۔ ہر حمایت کے مقابل مخالفت کا پیدا ہونا یقینی و لازمی تھا۔ نتیجہ یہ کہ جب مخالف پارٹی پر اس کی طاقت ظاہر ہو جاتی تھی۔ تو وہ اس خیال سے کہ حمایت کرنے والے انعام و اکرام کے مستحق سمجھے جائیں گے۔ از خود بانئے ریاست کے تدبر کا شکار ہو کر طرفداری سے قبل ہی اس تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے۔ علاوہ ازیں جس علاقہ کو اس نے ریاست میں شامل کیا۔ وہیں کے افراد کو اچھے عہدے دیئے اور اس علاقہ کے افراد کو جب کبھی مرکزی مقام سیدو شریف میں آنے کا اتفاق ہوا تو ان سے بڑی محبت و پیار سے پیش آیا۔ اور ان کی مہمانوں کی سی آؤ بھگت ہوئی۔ اس کا طریقہ کار اس کے اپنے الفاظ سے یوں ظاہر ہوتا ہے:

جس علاقہ کو ہم فتح کر لیتے تھے اس کے باشندوں سے مشفقانہ برتاؤ کیا جاتا ہم ان لوگوں کے دل محبت اور پیہم مہربانیوں سے جیت لیتے تھے جب دوسرے علاقوں کے لوگ یہ حالات دیکھتے تو خود بخود حکومت میں شامل ہونے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

اس نے ریاست میں عدالتیں قائم کیں فوج و پولیس کا انتظام کیا ڈاک خانوں کا اجرا ہوا۔ تجارت کی طرف توجہ دی گئی اور علاقہ سے جاہلانہ رسومات کو ختم کر دیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عہد جہاں زیب خاں

حدود اربعہ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو عنان سلطنت سنبھالنے کے بعد محمد عبدالحق جہاں زیب خان نے اپنے والد کے نقش قدم پہ چلنے کی کامیاب سعی کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ریاست دن دونی رات چوگنی ترقی کئے جا رہی ہے اس وقت یہ ریاست ملک کی ایسی اہم ترین ترقی یافتہ ریاست ہے کہ جس کا قبائلی علاقہ میں وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا اس کے شمال میں ریاست دیر ہے تو مشرق میں علاقہ ہزارہ۔ جنوب میں ضلع مردان ہے تو شمال میں حکومت چترال بلند و بالا پہاڑ ان میں زراعت کے لئے کھلے میدان اور دریائے سوات کی آب پاشی سے یہ علاقہ زمانہ قدیم سے اپنی خوبصورتی کے لئے تو مشہور تھا ہی دور جدید میں مزید نہروں کے ذریعہ آبپاشی کی ترقی راستوں کی سہولت اور ندی نالوں پر پلوں کی تعمیر نے اس کی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔

آبادی و پیداوار ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس ریاست میں کوئی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ساڑھے پانچ لاکھ نفوس آباد ہیں۔ باشندے اندازاً اسّی فیصدی زراعت پیشہ دکھائی دیتے ہیں۔ ملک دریائے سوات۔ دوسرے ندی نالوں اور نو تعمیر شدہ نہروں کے ذریعہ سیراب ہوتا ہے۔ چاول۔ گندم۔ جوار۔ جو اور دالوں کے علاوہ مختلف اقسام کے میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور سرسوں بڑی تعداد میں بوئی جاتی ہے۔ جڑی بوٹیوں کی بھی کوئی کمی نہیں اور معدنیات کے ذخائر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جن سے استفادہ کا اس وقت تک کوئی منظم اقدام دکھائی نہیں دیتا۔

جانوروں میں گائے بھینس بکریاں وغیرہ بکثرت دکھائی دیتی ہیں۔ دودھ گھی مکھن کی افراط ہے اور بڑی مقدار میں یہ اشیاء اور چمڑہ برآمد کیا جاتا ہے علاوہ ازیں شہد بھی اس علاقہ میں وافر مقدار میں دستیاب ہوتا ہے۔ اور اسے خاص مقدار میں ملک سے باہر بھیجا جاتا ہے اگر اس تجارت کو بھی منظم کیا جائے تو غالب خیال ہے کہ پاکستان کو بیرونی ممالک سے شہد درآمد کرنے کے سلسلہ میں نجات مل سکتی ہے۔

راستے قیام ریاست سے قبل اس علاقہ میں نام کو کوئی سڑک نہ دکھائی دیتی تھی اور جہاں زمانہ قدیم کی پگڈنڈیاں ہی ذریعہ آمدرفت کا کام دیتی تھیں وہاں اس وقت چار سو میل سے بھی زائد عمدہ پختہ سڑکیں موجود ہیں جن پر چھوٹی گاڑیوں سے لیکر بھاری ٹرک تک دوڑتے نظر آتے ہیں۔ دریا اور ندی نالوں پر خوبصورت پل بنا دیئے گئے ہیں عمدہ پختہ عمارتیں نظر آرہی ہیں۔ سیدو شریف میں اور مدین میں مہمانوں اور سیاحوں کے لئے عمدہ قسم کے ہوٹل موجود ہیں اور بعض دوسرے مقامات پر ڈاک بنگلے یا رسٹ ہاؤس بھی نظر آتے ہیں۔ حکومت پاکستان جلد ہی سوات میں ایک ہوائی مستقر بھی تعمیر کرنے کا بندوبست کر رہی ہے جو عوام اور سیاحوں کے کام آئے گا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تعلیم تعلیم کے سلسلہ میں ریاست حیرت انگیز طریقہ پر ترقی کر رہی ہے جہانزیب ڈگری کالج ریاست اور بیرون ریاست کے طلباء کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اس کی خوبصورت عمارت۔ طلباء کے لئے دلکش رہائش گاہیں اور کھیل کا میدان معلمین کے لئے صاف ستھرے بنگلے اپنے اندر خاص کشش رکھتے ہیں ریاست کے طول و عرض میں مدارس کا جال بچھایا جا چکا ہے۔ شاید ہی کوئی چھوٹی سے چھوٹی آبادی ایسی ہو کہ جہاں بچے حصول تعلیم میں کوئی دقت یا مشکل محسوس کرتے ہوں۔ متعدد ہائی اسکول ہیں اپر مڈل اور لوئر مڈل سکول بھی بڑی تعداد میں بچوں کو زیور علم سے آراستہ کرنے میں مصروف ہیں مزید برآں میٹرک تک تعلیم مفت دی جاتی ہے۔

صحت اس علاقہ میں ملیریا اور اس قسم دوسری بیماریاں ہر وقت موجود رہتی تھیں لیکن صحت عامہ کی طرف ریاست کی توجہ نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کرلی ہے۔ ریاست میں نصف درجن سے زائد بڑے ہسپتال ہیں بیس کے قریب چھوٹے دواخانے (ڈسپنسریاں) ہیں اور ان کے ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کا شفاخانہ حیوانات بھی موجود ہے۔ اور چند سفری شفاخانے بھی کام کر رہے ہیں۔

ڈاک و تار سلسلہ ڈاک و تار بھی بہ طریق احسن کام کر رہا ہے۔ سیدو شریف میں ایک اچھا ڈاک خانہ و تار گھر ہے اور ریاست کے مختلف حصوں میں کوئی بیس کے قریب چھوٹے ڈاک خانے مصروف عمل ہیں ٹیلیفون کا سلسلہ بھی موجود ہے اور ریاست میں ہر طرف ٹیلیفون کے تار دوڑتے دکھائی دیتے ہیں جن کی اندازاً لمبائی ڈیڑھ دو ہزار میل ہوگی اس سلسلہ ٹیلیفون کو مالاکنڈ ایجنسی ایکسچینج کے ذریعہ پاکستان سے ملایا جا چکا ہے۔

بجلی دور حاضر کی دوسری اہم ضروریات کے ساتھ اس وقت ریاست کی مشاہرہ پر آباد تمام مقامات تک مالاکنڈ پاور ہوس سے قوت برق

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پہنچائی جا چکی ہے اور بجلی کی روشنی ایسے علاقوں کو میسر ہے کہ جہاں اس کے پہنچنے کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔

جنگلات

ریاست سوات میں جنگلات بکثرت ہیں جن سے بڑی مقدار میں لکڑی برآمد کی جاتی ہے۔ یہ لکڑی دریائے سوات کے ذریعہ بیرونی علاقوں کو جاتی اور حکومت کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ابتدا میں یہ کاروبار انفرادی حیثیت سے ہوتا تھا لیکن ملک میں کسی منظم حکومت کے عدم وجود سے اسے نہ تو کوئی خاص اہمیت حاصل ہوئی نہ اس دولت سے فائدہ اٹھایا گیا بعد میں جب ایک منظم ریاست قائم ہو گئی اور حکومت انگلشیہ نے اسے تسلیم بھی کر لیا تو ۱۹۲۷ء میں اس کے جنگلات کی طرف توجہ منعطف ہوئی ایک ماہر جنگلات مسٹر پٹیل نامی شخص کو تحقیقات کے لئے بھیجا گیا اور پھر اس کی پیش کردہ رپورٹ کی روشنی میں جنگلات سے فائدہ اٹھانے کی سکیم مرتب کرنے کے لئے ایک اور افسر خانصاحب الہ یار کی خدمات حاصل کی گئیں تو ابتداءً پنجاب کے ایک ادارہ سپیڈنگ ڈنگا سنگھ اینڈ کمپنی کو لکڑی برآمد کرنے کا اجارہ دیا گیا لیکن وہ ادارہ زیادہ دیر تک کام نہ کر سکا تو پھر دوسرے ذرائع استعمال کئے گئے۔

اس وقت ریاست سے یہ جنگلاتی لکڑی بڑی مقدار میں برآمد کی جا رہی ہے لیکن نظام برآمدگی پر غور کی جائے تو یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ یہ کاروبار نہ تو برائے راست حکومت کا کوئی محکمہ سرانجام دیتا ہے نہ ہی کسی بیرونی ادارہ کو اس کے حقوق حاصل ہیں بلکہ حکومت کا ایک وزیر اپنی ذاتی حیثیت سے اس کاروبار کو چلاتا ہے۔ وہ وزیر ریاست ہونے کے باوجود خود ہی جنگلات کی کٹائی کا ٹھیکہ حاصل کرتا اور اپنے سرکاری فرائض کے ساتھ اس نجی تجارت میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں بھی مصروف رہتا ہے۔ سوات جیسی ترقی یافتہ ریاست میں خصوصیت سے بیسویں صدی کے اندر کسی وزیر کی "ملازمت و تجارت" کی یکجائی کو تعجب سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

صنعت گھریلو صنعت نجی طریقہ پر کی جا رہی ہے اس کی ترقی کی طرف اس وقت تک کوئی قابل ذکر اقدام نہیں ہوا اگر اس صنعت کو امداد باہمی کے طریقہ پر چلایا جائے تو ملک اور اہل ملک کے لئے بہت ہی مفید ہو سکتی ہے۔ اون اور اون کی بنی ہوئی اشیاء جو اب محدود تعداد میں برآمد کی جاتی ہیں۔ صنعت کے منظم ہو جانے پر باشندوں کی مالی حالت سنوارنے میں بڑی حد تک ممد و معاون ہو سکتی ہیں سوات کے کمبل اور دوسری ایسی ہی اشیاء کو پاکستان اور بیرون پاکستان تک میں مقبولیت حاصل ہے۔

نظام نظام ملکی کی سرانجام دہی کے لئے ریاست کو بتیس تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر تحصیل کا حاکم تحصیلدار کہلاتا ہے پھر ان تحصیلوں کے گروپ یا صوبے بنا کر ہر گروپ پر ایک افسر مقرر ہے جو حاکم پکارا جاتا ہے۔ جس کے کام کی نگرانی وزرائے ریاست کرتے ہیں جن میں سپہ سالار افواج بھی شامل ہے اور آخری اپیل حکمران یا "والی" کی سماعت کے لئے پیش ہوتی ہے عدالتوں میں اسٹامپ وغیرہ کا طریقہ رائج کر دیا گیا ہے۔ لیکن حصول انصاف میں کسی مشکل یا ناقابل برداشت اخراجات کی ضرورت پیش نہیں آتی عام طور مقدمات کی سماعت کم سے کم وقت میں کی جاتی ہے اور وقت ضرورت مظلومین بلا جھجک والی تک پہنچتے ہیں۔

پولیس اور فوج پولیس اور فوج کے نوجوان بڑے چست اور چوبند نظر آتے ہیں۔ قیام امن کے لئے ریاست کے طول و عرض میں چھوٹے چھوٹے خوبصورت قلعے تعمیر ہیں جن میں فوج یا پولیس کے افراد حسب ضرورت رکھے جاتے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ان کے پاس جدید قسم کا اسلحہ ہے اور دار السلطنت میں ٹریفک پولیس بڑی مستعدی سے اپنے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ قیام ریاست سے قبل دوسرے قبائلی علاقوں کی طرح اس علاقہ میں بھی اسلحہ رکھنے پر کسی قسم کی پابندی نہ تھی۔ لیکن بانئے سوات نے حالات سے مجبور ہوکر پابندی عائد کردی۔ اب ہر شخص کو اسلحہ کے لئے لائسنس لینا پڑتا ہے۔ اور یہ لائسنس ایک روپیہ سالانہ ٹیکس ادا کرنے پر مل جاتا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ رائج کرنے سے بانئے ریاست کا مقصد اپنی ریاست میں اسلحہ کی تعداد کو پیش نظر رکھنا تھا۔ پاکستان کی طرف سے ریاست میں داخلہ پر لنڈاکے کے مقام پر جہاں سے ریاست سوات کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ اور جہاں محصول کی چوکی بھی ہے لائسنس دیکھے جاتے ہیں۔

باشندوں کی حالت

ریاست سوات کے کوہستانی علاقہ کی بعض قومیں مثلاً گوجر، اجڑ وغیرہ خانہ بدوش زندگی گزارتی ہیں وہ صرف موسم گرما میں، جبکہ انہیں مویشیوں کے لئے گھاس بکثرت ملتا ہے ان علاقوں میں رہتے ہیں ان لوگوں کی یہاں کوئی زمینیں نہیں ہوتیں اور یہ صرف دودھ، گھی وغیرہ بیچنے پر اپنا گذارہ کرتے ہیں موسم سرما میں جب ان علاقوں میں برف پڑتی ہے تو گھاس کی تلاش میں یہ لوگ پاکستان کے میدانی علاقوں میں چلے جاتے ہیں اگر سچ پوچھا جائے تو یہ لوگ سال کا زیادہ تر وقت پاکستان کے میدانی علاقوں میں گذارتے ہیں۔ اور صرف تین چار ماہ کے لئے ان علاقوں میں چلے آتے ہیں۔

والئی سوات

والئے سوات محمد عبد الحق جہان زیب خان اسلامیہ کالج پشاور کے تعلیم یافتہ۔ خوش خلق۔ خندہ رو اور ہر شخص سے بڑے اخلاص سے پیش آتے ہیں انہیں کاروبار حکومت سے از حد دلچسپی ہے شب و روز اس میں منہمک رہتے ہیں اور دن نکلتے ہی دفتر پہنچ جاتے ہیں جہاں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کاروبار حکومت کو سرانجام دینے کے ساتھ عوام و خواص سے ملاقاتیں کرتے ہیں ملاقاتوں پر کسی قسم پابندی عائد نہیں۔ ہر شخص بلا تکلف ان سے مل سکتا ہے۔ وہ سختی سے اس امر کا خیال رکھتے ہیں کہ ان کے جاری کردہ احکام کی بروقت تعمیل ہو ریاست کے دفاتر جمعرات کے دن بند رہتے ہیں اس دن شاہی خاندان کے قریب قریب تمام افراد شکار کھیلتے ہیں۔ والی صاحب صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں اور جمعہ کے دن عام طور تمام خاندان بانئے ریاست کے ساتھ یکجا نماز جمعہ ادا کرتا ہے۔ ریاست کی سرکاری زبان پشتو ہے جس میں گفتگو کو والی پسند کرتا ہے۔

ولیعہد وغیرہ جہاں زیب خان کے چار لڑکے ہیں ان میں سب سے بڑے کیپٹن محمد اورنگ زیب خان کو انہوں نے اپنا ولیعہد منتخب کر لیا ہے۔ ولیعہد کی شادی ۱۰ اپریل ۱۹۵۵ء کو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کی دختر نیک اختر سے اس وقت ہوئی تھی جب آپ افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف تھے۔ والئے سوات کے بھائی شہزادہ فضل محمود سلطان روم بھی ریاست میں مقیم اور کاروبار ریاست میں پوری دلچسپی لیتے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ریاست دیر

پاکستان کے شمال مغربی قبائلی علاقہ میں ریاست دیر ایک قدیم مشہور اور سیاسی حیثیت سے اہم ریاست ہے۔ اس کی آبادی بکثرت یوسف زئی قبائل پر مشتمل ہے اور حکمران بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اس کی سرحدیں ایک طرف علاقہ مالاکنڈ سے ملتی ہیں تو دوسری طرف ریاست سوات سے۔ تیسری طرف ریاست چترال سے ٹکراتی ہیں تو چوتھی طرف افغانستان کا علاقہ دکھائی دیتا ہے اور اسی محل وقوع کی وجہ سے اسے سیاسی اہمیت حاصل رہی۔

محل وقوع

اس کا رقبہ کوئی تین ہزار مربع میل ہوگا۔ علاقہ کلیتہً پہاڑی ہے اور اس کا مشہور ترین دریا پنجکوڑہ اپنے دوسرے ندی نالوں کو لئے اس علاقہ کو سیراب کرتا ہے۔ کاشت محدود رقبوں میں کی جاتی ہے اور اناج کے ساتھ مختلف اقسام کے پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ بھیڑ بکریاں پالنے کا عام رواج ہے اور گائے بھینس کی بھی کوئی کمی نہیں گھی اور شہد کو اس علاقہ کی خاص پیداوار سمجھنا چاہئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

علاوہ ازیں اس علاقہ کی آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ لکڑی کی برآمدگی ہے جو ریاست کے وسیع جنگلوں سے بکثرت دستیاب ہوتی ہے۔

ریاست دیر کے بہت سے رقبہ پر نواب کے متعلقین یا قبیلہ مالیزئے کے خوانین نواب دیر کے زیر اقتدار اپنے اپنے مخصوص علاقوں میں حکمرانی کرتے دکھائی دیتے ہیں ویسے انتظامی حیثیت سے یہ ریاست تحصیلوں میں بٹی ہوئی ہے جنہیں امور حکومت کی سہولیت کے لئے بذریعہ ٹیلیفون ملا دیا گیا ہے سڑکیں عام طور پر اچھی قسم کی ہیں البتہ چکدرہ سے چترال جانے والی پختہ سڑک اسی ریاست سے گزرتی ہے۔ تعلیم کے سلسلہ میں یہ ریاست ناگفتہ بہ حالت تک پسماندہ ہے۔ تعلیم کا کوئی منظم نظام موجود نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باشندگان دیر کو زیور علم سے آراستہ کرنے کی ضرورت کو محسوس ہی نہیں کیا گیا تجارت میں بھی پسماندگی اسے زمانہ قدیم کے ماحول میں روکے ہوئی ہے۔ اس کی گھریلو صنعت انفرادی حیثیت اور غیر منظم طریقہ پر برآمد کی جاتی ہے اور اگر اس طرف توجہ دی جائے تو ریاست اور باشندگان ریاست اس سے بڑی حد تک مستفید ہو سکتے ہیں بحیثیت مجموعی ریاست دور قدیم کی یادگار دکھائی دیتی ہے اور عہد حاضر کے میدان ترقی میں ابھی اسے گامزن ہونے کی توفیق نہیں ملی۔

ریاست کی ابتدا

وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس ریاست کی ابتدا کب اور کن حالات میں ہوئی حقیقت یہ ہے کہ قبائلی علاقہ میں وقتاً فوقتاً صاحبان قوت اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں یا حکومتیں قائم کرتے رہے لیکن ان میں کی کوئی ایک دیر پا ثابت نہ ہو سکی۔ اقتدار صاحب اقتدار کی زندگی یا زیادہ سے زیادہ اس کی ایک آدھ پشت تک قائم رہا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہی قائم شدہ ریاست دیر کو قدرت نے طویل زندگی عطا کی تو وہ نشیب و فراز زمانہ کا مقابلہ کرتے ہوئے اس وقت تک موجود دکھائی دے رہی ہے اور اگر اس کے حکمران وقت کا ساتھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مرد آہن - میاں گل عبد الودود
بانئے ریاست سوات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بانئے ریاست سوات کے خلف اصغر
شہزادہ روم

سوات ہوٹل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کیپٹن اورنگ زیب خان
ولیعہد ریاست سوات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

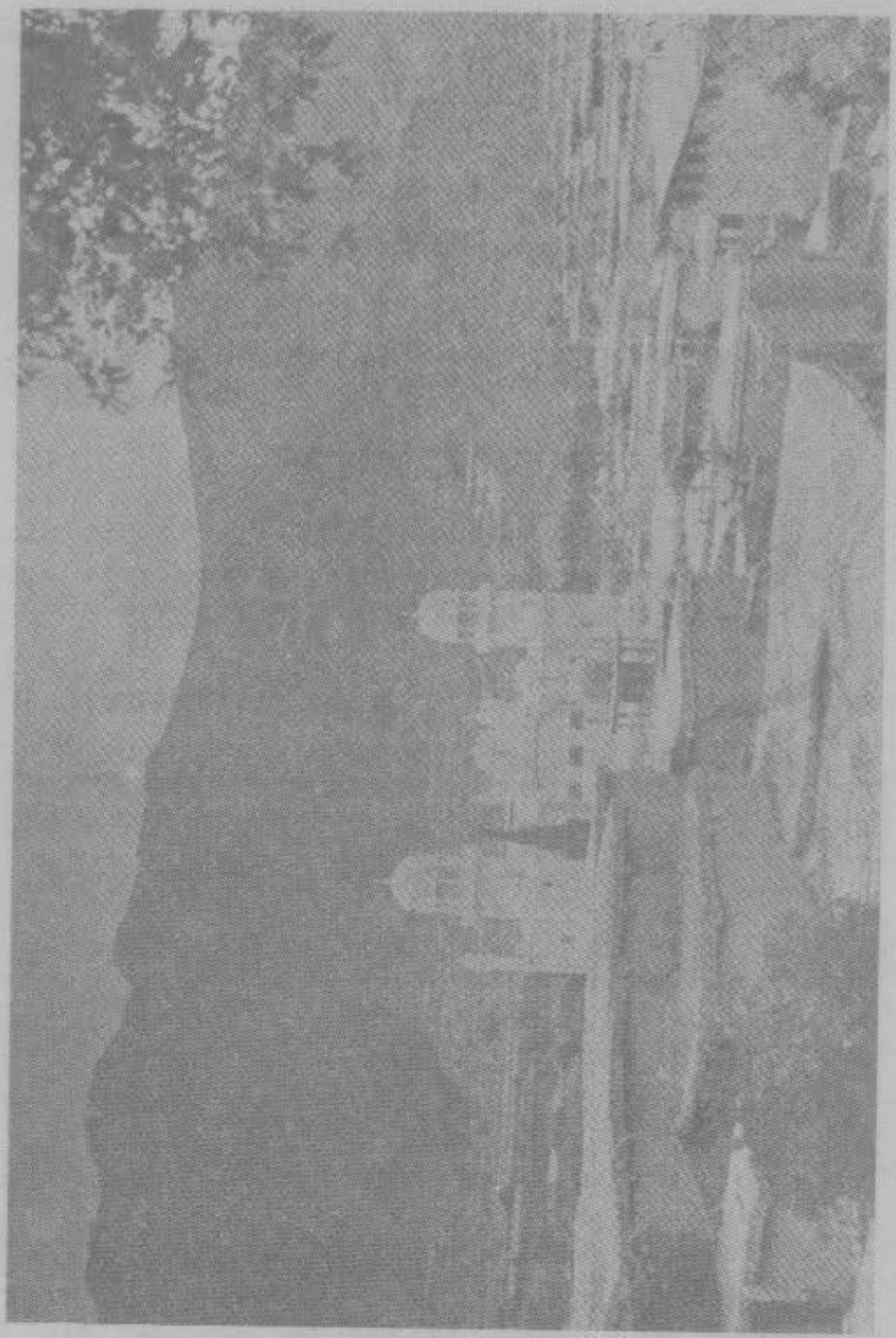

سیدو شریف - ریاست سوات کا دارالسلطنت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیتے ہوئے دوسری اقوام یا ریاستوں کے پہلو بہ پہلو ترقی کے راستہ پر گامزن ہو جائیں تو یہ علاقہ اپنے محل وقوع۔ اس کی آبادی اور اپنی قومی خصوصیات کی وجہ سے نمایاں حیثیت حاصل کر سکتا ہے۔

عہد غلام خان

قبائلی علاقہ میں علماء کو زمانہ قدیم سے ہی عزت و وقعت سے دیکھا جاتا رہا اور ان کی شخصیتوں کو ابتداء ہی سے اہمیت حاصل رہی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں حضرت ملا الیاس نامی ایک بزرگ نے اس علاقہ میں اثر و رسوخ حاصل کر لیا اور ان کے زہد و تقوے کی وجہ سے عوام ان کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے اور اس علاقہ کے باشندے ان کے گرویدہ نظر آنے لگے تو وہ "اخوند صاحب دیر" کے نام سے مشہور ہوئے ان کی اولاد سجادہ نشین کی حیثیت میں قوم کی رہنمائی کرتی رہی تا آنکہ حضرت اخوند کے پوتے غلام خان نے اولین بار اس سجادہ نشینی کو حکومت سے بدل کر ریاست دیر کی بنیاد رکھ دی تھی۔

عہد قاسم خان

غلام خان کے بعد حکمرانوں میں اولین قابل ذکر قاسم خان ملیزئے (یوسف زئے) کا نام سنا گیا جو انیسویں صدی کے اولین نصف میں اپنی حکومت کو وسعت دینے کے لئے تگ و دو کرتے دکھائی دیئے۔ اس وقت علاقہ سوات دیر وغیرہ پر کم از کم تیس چھوٹے چھوٹے حکمران اپنے اپنے پرچم لہرا رہے تھے۔[1] اور قاسم خان ان سب میں طاقتور تھا اس نے ان چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے خلاف اقدامات شروع کئے کشمکشیں ہوئیں نتیجہ یہ کہ کچھ تو تاب مقابلہ نہ لا کر بھاگ نکلے بعض نے اپنی جائداد قاسم خان کے ہاتھ فروخت کر دی کسی کی املاک پر بزور بازو قبضہ ہوا اور پھر اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے قاسم خان نے دیر سے ملحقہ علاقہ کافرستان کے ایک حصہ پر بھی اپنا اقتدار قائم کرتے ہوئے وہاں کے باشندوں سے محصولات یا خراج وصول

---

[1] کنگڈم آف کابل اینڈ اٹس ڈیپنڈنسیز ۱۸۴۲ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس وقت علاقہ کا شغر میں چار حکمران دکھائی دے رہے تھے۔ ان تک پہنچنا آسان کام نہ تھا راستہ دشوار گزار اور اقدام کے راستہ میں ہزاروں مشکلات حائل ہو سکتی تھیں لیکن قاسم خان نے ہمت نہ ہاری اور وہ مردانہ وار بڑھا۔ نشیب و فراز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بڑھتا ہی رہا تا آنکہ اس علاقہ کے حکمران کے مقابل جا کھڑا ہوا جنگ ہوئی تو قاسم خان کا پلڑا بھاری رہا۔ سلطان علاقہ نے شکست کھائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ قاسم خان کی دور رس نگاہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دیر میں بیٹھکر وہ اس دشوار گزار علاقہ پہ اپنی حکومت قائم نہ رکھ سکے گا۔ تو اس نے اپنا رعب و اقتدار دکھانے اور سلطان سے شرائط صلح طے کرنے کے بعد واپس دیر کی راہ لی اور اپنے ملکی نظم و نسق میں منہمک ہو گیا۔ طاقت کو روز افزوں ترقی ملی ایک ایک کر کے مقابل کی چھوٹی موٹی مخالفتیں ختم ہونے لگیں تو اس نے اردگرد کے مزید علاقوں پر قبضہ جمایا۔ البتہ یوسف زئیوں کے دوسرے ملحقہ علاقہ سوات پر وہ اپنا اقتدار قائم نہ کر سکا۔

قاسم خان کے بعد پھر علاقہ دیر پر رحمت خان کی حکومت

عہد رحمت خان کو شہرت حاصل ہوئی اسے حصول اقتدار میں مہاراجہ کشمیر نے امداد دی تھی جس وجہ سے خان موصوف مہاراجہ کشمیر کے زیر اثر دکھائی دینے لگا۔ ریاست حقیقتاً اندرونی طور آزاد رہی اور مہاراجہ کشمیر اس پر اپنے سیاسی اقتدار کا دعویٰ کرتا رہا لیکن ۱۸۷۵ء میں جب دوبارہ کشمیر کا ایک نمائندہ دیر پہنچا تاکہ دونوں ریاستوں کے تعلقات کو اور وسعت دی جائے تو اس نمائندہ نے بعض ایسی حماقتیں کیں جنہیں رحمت خان برداشت نہ کر سکا تو اس کے نتیجہ میں دیر اور کشمیر کے تعلقات کا ہی خاتمہ ہو گیا اور رحمت خان نے اس کے بعد کسی وقت بھی کشمیر کی سیادت کو تسلیم نہ کیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عہد نواب محمد شریف خان

رحمت خان کی وفات پر ۱۸۸۴ء میں اس کے لڑکے محمد شریف خان نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی[1] اور جلد ہی اس نے حکمران چترال مہتر امان الملک کے خلاف لشکر کشی کر دی لیکن شکست کھائی۔ امان الملک نے علاقہ دیر میں اثر و رسوخ پیدا کرنا شروع کیا اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے یہ تگ و دو اس لئے کی تھی کہ ایک دفعہ پھر دربار کشمیر کا سیاسی اقتدار دیر پر تسلیم کر لیا جائے اس وقت تک حاجی عمر خان رئیس جندول طاقت و قوت حاصل کر چکا تھا۔ اس نے ہمت و استقلال و تدبر سے ایک وسیع پٹھان ریاست کی بنیاد رکھی۔ محمد شریف خان ناکام مقابلہ کرنے کے بعد ۱۸۹۰ء میں شکست کھا کر اپنی ریاست سے نکل علاقہ سوات میں جا پناہ گزیں ہوا

اس کے بعد اس نے کئی بار حصول اقتدار اور ریاست کو واپس لینے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ تا آنکہ جب ۱۸۹۵ء میں انگریزوں نے حاجی عمر خان کے خلاف لشکر کشی کی تو محمد شریف خان نے انگریز لشکر کی امداد کی اور جب عمر خان کی طاقت کو کچل دیا گیا تو انگریز نے محمد شریف خان کو حکمران دیر تسلیم کرتے ہوئے اس سے معاہدہ کر لیا کہ وہ چترال جانے والی سڑک کی حفاظت کریگا اور اس سڑک پر گزرنے والے سامان پر کسی محصول وصول کرنے کا حقدار نہ ہوگا۔ شرائط تسلیم کر لینے کے بعد شریف خان کو چار سو بندوقیں بطور امداد ملیں اور دس ہزار روپے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا

اس کے بعد محمد شریف خان نے سوات کے بعض علاقوں کی طرف یورش کی جس کا ذکر باب ریاست سوات میں کیا جا چکا ہے۔ ۱۸۹۷ء میں حکومت ہند نے محمد شریف

---

[1] شریف خان پیدائش ۱۸۴۸ء وفات دسمبر ۱۹۰۴ء [2] دیکھو باب خان عمرا خان کا عروج و زوال۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خان کو "نواب" کے خطاب سے نوازا پھر ۱۸۹۸ء میں جب ملاکنڈ میں ہنگامہ آرائی شروع کی تو نواب دیر کے لشکر نے عبداللہ خان ساکن رباط کی قیادت میں اس کا مقابلہ کیا اور اس سال خان نواگئی سے معاہدہ کرتے ہوئے محمد شریف خان نے جندول کے علاقہ پر قبضہ کرلیا مارچ ۱۸۹۹ء میں حکومت انگلشیہ نے اس کے وظیفہ کی رقم کو دس ہزار سے بڑھا کر پندرہ ہزار روپے سالانہ کردیا اور پھر ۱۹۰۰ء میں مزید ایک ہزار کا اضافہ ہوا تو چترال جانے والی سڑک کی لوہاری کی چوٹی تک ذمہ داری اس کے سپرد کردی گئی تھی۔ اس سال کے دوران میں محمد شریف خان نے کلکتہ کا سفر کرتے ہوئے وائسرائے ہند سے ملاقات کی اور پھر ۱۹۰۲ء میں وائسرائے ہند کے دربار منعقدہ پشاور میں بھی شامل ہوا تو ۱۹۰۳ء کے دہلی دربار میں اے سی آئی ای کا خطاب ملا اس سال نواب موصوف نے اجمیر شریف اور دوسرے مقامات کی سیر کی اور ۸ دسمبر ۱۹۰۴ء کو اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

عہد نواب بادشاہ خان

نواب محمد شریف خان کی موجودگی ہی میں اس کے لڑکوں میں کشمکش شروع ہوچکی تھی چنانچہ اس کی وفات پر اورنگ زیب خان المعروف بادشاہ خان کو "خان دیر" تسلیم کرلیا گیا۔ ۱۹۰۵ء میں اس نے حکومت انگلشیہ سے جدید معاہدہ کرتے ہوئے سابقہ معاہدہ کی کچھ ردوبدل کے بعد تصدیق کردی اس وقت تک نواب مرحوم کو مختلف وظائف ملا کر چھبیس ہزار روپے سالانہ مل رہے تھے۔ حکومت نے یہ رقم جدید نواب کو ادا کرنے پر اظہار رضامندی کردیا۔ بھائیوں کی کشمکش کی وجہ سے فیصلہ ہوا کہ مذکورہ چھبیس ہزار سے پانچ ہزار روپے سالانہ میاں گل جان کو اس شرط پر ادا کئے جاتے رہیں گے کہ وہ حدود ریاست سے باہر مقیم رہے لیکن یہ فیصلہ دیر پا ثابت نہ ہوسکا اور سید احمد خان۔ خان علاقہ بردا۔ کے اس یقین دلانے پر کہ وہ میاں گل جان کو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جندول کے علاقہ پر قبضہ کرنے میں امداد دے گا۔ میاں گل جان پشاور سے نکل کر باجوڑ کے علاقہ میں جا نمودار ہوا۔

نواب دیر نے یہ حالت دیکھی تو صلح و صلاحیت پر آمادہ ہو گیا چنانچہ ۱۲ جون ۱۹۰۵ء کو دونوں بھائیوں میں معاہدہ ہو گیا۔ جس کی رو سے میاں گل جان کو علاقہ جندول میں منڈا کا علاقہ دے دیا گیا اور جندول اور دیر کے علاقوں کی حد بندی کا تعین ہوا۔ لیکن معاہدہ کے دوسرے ہی سال ۱۹۰۶ء میں میاں گل جان نے غیر مطمئن ہو کر لشکر لئے نواب دیر کے دو قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ حکومت ہند کے پولیٹیکل محکمہ نے مداخلت کی تو بالآخر چکدرہ کے مقام پر ۱۲ جون ۱۹۰۶ء کو دونوں بھائیوں میں معاہدہ صلح ہو گیا لیکن قبائلی مخالفت دب نہ سکی تو چیف کمشنر صوبہ سرحد نے چھ مہینے کے لئے فریقین میں عارضی صلح کرا دی اور مستقل صلح کے لئے سلسلہ جنبانی ہوتی رہی تا آنکہ اپریل ۱۹۰۸ء میں تمام قبائلی سردار اور نواب دیر میں معاہدہ صلح ہو گیا لیکن اس میں میاں گل جان اور سید احمد خان۔ خان بروانے شمولیت نہ کی۔

حکومت ہند نے ۱۹۰۸ء میں بادشاہ خان حکمران دیر کو "نواب" کا خطاب دیا۔ ۱۹۱۱ء میں نواب موصوف نے شاہی دربار دہلی میں شمولیت کی۔ لیکن بادشاہ انگلستان نے اسے شرف باریابی نہ بخشا۔ اس دوران میں میاں گل جان سے کشمکش جاری رہی۔ حتےٰ کہ ۱۹۱۳ء میں میاں گل جان نے نواب موصوف کو مجبور کر دیا کہ وہ دیر سے نکل کر چترال میں جا پناہ لے۔ خان خارو وغیرہ کی کوشش و امداد سے وہ واپس لوٹا اسی دوران میں کسی نے میاں گل جان کو گولی کا نشانہ بنا دیا تو وہ جون ۱۹۱۴ء میں علاقہ جندول میں انتقال کر گیا۔

ایک مذہبی پیشوا "سنڈاکے ملا" نے ۱۹۱۵ء میں رونما ہو کر باشندگان سوات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا لشکر لئے نواب دیر کے لشکر کو شکست دے کر علاقہ بالائی سوات کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ حالات کسی طرح پر امن نہ تھے۔ خود نواب کے بھائی محمد عیسیٰ خان نے جو ذیرلیوی میں صوبیدار میجر تھا میاں گل جان کی جگہ لینے کے لئے بھاگ کر جندول کی راہ لی اور سدو اور سرائے کی چوکیوں کو مخالفین نے نذر آتش کر دیا اس سال کے آخر میں کئی دوسرے خوانین نے بھی مخالفت شروع کی لیکن اس کے باوجود نواب ۱۹۱۶ء میں علاقہ ادین زئے اور شموزئے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ پنکی خیلوں کے علاقہ میں اسے شکست کھانی پڑی۔

اس وقت کہ ۱۹۱۳ء میں میاں گل جان دیر پر قبضہ کرنے کو تگ و دو کر رہا تھا سید احمد خان نے علاقہ جندول میں اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ نواب دیر نے حاجی عمر خان کے فرزند اکبر عبدالمتین خان کو جو افغانستان میں مقیم تھا امداد دینے کے وعدے پر بلایا تاکہ وہ جندول کے علاقہ پر قابض ہو جائے۔ لیکن جب سید احمد خان سے۔ کچھ علاقہ واپس لے لیا گیا تو عبدالمتین خان کو منڈا وغیرہ کا علاقہ پیش کر دیا جس سے وہ بددل ہو کر واپس افغانستان چلا گیا اور پھر واپس نہ آیا۔

واقعات یونہی چل رہے تھے کہ ۱۹۱۸ء میں حکومت انگلشیہ نے نواب کے وظیفہ کو بڑھا کر پچاس ہزار روپے سالانہ کر دیا۔ اس کے ساتھ نوابی کے خطاب کو موروثی قرار دیکر ولیعہد شاہجہان خان کو بھی خان بہادر کے خطاب سے نوازا۔ نواب انتہائی کوشش کرتا رہا کہ دریائے سوات کے دائیں کنارے کے علاقہ پر قبضہ کرے لیکن ادھر سوات میں میاں گل جی شہزادہ کا ستارہ چمک رہا تھا۔ نواب کو کسی طرح کامیابی نہ ہوئی حتی کہ ۱۹۱۹ء میں میاں گل جی شہزادہ نے ادین زئے کے علاقہ پر بھی قبضہ کر لیا جو بعد میں

۱؎ دیکھو باب ریاست سوات۔ ۲؎ بانی ریاست سوات جدید۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پولیٹیکل محکمہ کے اثر و رسوخ سے ۱۹۲۲ء میں اسے واپس ملا۔ جن کی تفصیل باب ریاست سوات میں ملے گی۔

عہد نواب شاہجہان خان

نواب بادشاہ خان نے ۴ فروری ۱۹۲۵ء میں وفات پائی تو اس کے لڑکے عالم زیب خان نے خان خانان کی امداد سے ملک پر قبضہ کر لینا چاہا۔ خطرات کے بادل امنڈ آئے لیکن محکمہ پولیٹیکل نے اپنی کوشش سے حالات کو بے قابو ہونے نہ دیا۔ تو عالم زیب خان اور شاہ جہان خان ولیعہد کو بمقام چکدرہ ایک کانفرنس میں یکجا بٹھا کر معاہدہ کرا دیا اور جب عالم زیب خان نے اپنے برادر بزرگ شاہجہان خان کا اقتدار تسلیم کر لیا تو ۱۳ مئی ۱۹۲۵ء کو چیف کمشنر صوبہ سرحد نے حکومت ہند کے نمائندہ کی حیثیت سے شاہجہان خان کو نواب تسلیم کرنے کے اعلان کے ساتھ اسے پندرہ ہزار روپے بطور خلعت عطا فرمائے۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء میں وائسرائے ہند نے مالاکنڈ ایجنسی کا دورہ کیا تو دریا کے دائیں کنارے نواب موصوف کو شرف ملاقات بخشا۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں وائسرائے ہند نے پھر چکدرہ میں نواب موصوف سے ملاقات کی اور اپریل ۱۹۳۰ء میں وائسرائے ہند نے ریاست دیر میں "کمراٹی سر" کی سیر کی تھی۔

عالم زیب خان کو معاہدہ ۱۹۲۵ء کی رو سے چند شرائط کے ساتھ علاقہ جندول بشمول بکھیال۔ شیریں گال اور جنبہ نیچ کے علاقہ میں اقتدار حاصل ہوا تھا۔ یہ بھی وعدہ ہوا تھا کہ اگر وہ دو سال تک نواب دیر پر اپنی وفاداری ثابت کریگا تو اسے باران گولہ کا علاقہ بھی دیدیا جائیگا اور اس دوران میں برائے راست نواب دیر اسے باران گولہ کی آمدنی کا نصف حصہ عطا کرتے رہیں گے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے یہ اتحاد دیر پا ثابت نہ ہوا تو نواب دیر نے جون ۱۹۲۸ء میں عالم زیب خان کو مذکورہ علاقوں سے بے دخل کر دیا معمولی سی مخالفت کے بعد عالم زیب خان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے جار میں جا پناہ لی۔ لیکن جب ۱۹۳۱ء میں خان خار نے نواب دیر سے معاہدہ دوستی کر لیا تو عالم زیب خان کو جار سے نکل جانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا اور وہ اتمان خیلوں کے پاس جا مقیم ہوا۔

پلندا خیلوں نے جنوری ۱۹۳۲ء میں ورڑے کی چوکی کو نذر آتش کر دیا جس پر ایک طرف نواب نے اقدام کیا تو دوسری طرف حکومت انگلشیہ کا فوجی دستہ چکدرہ تک جا پہنچا۔ ساتھ ہی ہوائی فوج کا مظاہرہ بھی ہوا۔ اس طرح حالات قابو میں کر لئے گئے۔ پھر مارچ اور اگست ۱۹۳۲ء کے دوران میں عالم زیب خان باجوڑ کے مشہور مذہبی رہنما فقیر النگر کی معیت میں باجوڑیوں کی امداد سے مسلسل جندول پر یورش کرتا رہا لیکن نواب کے لشکر نے ان حملوں کو ناکام بنائے رکھا۔ اگست ۱۹۳۵ء میں عالم زیب خان نے ایک دفعہ پھر قسمت آزمائی کی اور سالارزئیوں کا لشکر لئے جندول جا پہنچا اس نے قلعہ مسکینی پر قبضہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر جلد اسے چھوڑ دینا پڑا۔ اس طرح کشمکش کے بعد عالم زیب خان مقبوضہ علاقہ میں آکر مقیم ہو گیا اور اس وقت تک علاقہ مردان میں مقیم ہے۔ وہ تحریک مسلم لیگ میں نمایاں حصہ لیتا رہا اور تحریک استصواب رائے عامہ کے سلسلہ میں کانگرسی وزارت سرحد نے دوسرے مسلم لیگی کارکنوں کے ساتھ اسے قید و بند میں دھکیل دیا تھا۔ اسی سال ۱۹۳۵ء میں ۲۷ اکتوبر کو مخالفین نے نواب دیر کے پرانے محل اور زیر تعمیر نئے محل کو جلا دیا۔

دریائے پنجکوڑہ پر بمقام "ظلم کوٹ" ۱۹۳۱ء میں پل تعمیر کیا گیا تھا لیکن جولائی ۱۹۳۳ء میں ایسا عظیم الشان سیلاب آیا کہ پل کو بالکل صاف اڑا لے گیا اس کی دوبارہ تعمیر کے راستہ میں قبیلہ پلندا خیل نے مداخلت کی جس پر حکومت انگلشیہ نے کمرانی سر اور تمل گڑھ پر فوجی دستے متعین کر دیئے۔ اس فوجی نگرانی میں پل تیار ہوا تو ۱۵ ستمبر ۱۹۳۳ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو اسے نواب دیر کی حفاظت میں دے کر فوج واپس لوٹ گئی۔

قیام پاکستان کے بعد نواب شاہجہان خان حکمران ریاست دیر نے ریاست کا اس سلطنت اسلامیہ سے الحاق کا اعلان کر دیا جس وجہ سے ریاست کی سرحدات محفوظ ہو گئیں۔ اسے اب کسی بیرونی حملہ آور کا خطرہ نہیں اور اندرون ملک میں وہ حسب سابق اپنے اختیارات کو آزادانہ طریقہ پر استعمال کرتا ہے۔ یہ ریاست سیاسی حیثیت میں پولیٹکل ایجنسی مالاکنڈ کے زیر اثر ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اتمان خیل

قبیلہ اتمان خیل کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ابتداءً یوسف زئیوں کے قرب میں ہی افغانستان اور بلوچستان کے درمیانی علاقہ آباد تھا اور اس کی مخصوص آبادیاں وادی گومل میں دکھائی دے رہی تھیں[1]۔ وہ بعد میں دوسرے قبائل کے ساتھ نقل مکانی کرتے ہوئے اس طرف آکر ایسے مقامات پر آباد ہو گیا کہ جو سوات اور باجوڑ کے درمیان تھے۔ اس علاقہ کی پہاڑیاں جنوب کی طرف تو بالکل سیدھی دیوار کی شکل میں تھیں البتہ شمالی اطراف میں ڈھلوانیں تھیں جن پر کاشت کی جا سکتی تھی اس وجہ سے وہ انہی ڈھلوانوں پر مقیم ہوا علاوہ ازیں اسے باجوڑ میں بھی کچھ میدانی حصہ ہاتھ آگیا جس میں ایسی تنگ وادیاں بھی تھیں جو پائین سوات میں جا کھلتی تھیں[2]۔ انیسویں صدی کے وسط تک ان کی قیادت ایک طاقت ور خان کے ہاتھ میں تھی جو مطلق العنان حکمران کے اختیارات رکھتا تھا۔ لیکن بعد میں دوسرے قبائل کی طرح ان کی قوت تقسیم ہو گئی تو کئی خوانین دکھائی دینے لگے۔ رفتہ رفتہ انگریزوں کی آمد کے بعد

---

[1] پٹھان باڈر لینڈ۔ انڈیکویٹی [2] کنگڈم آف کابل کننگھم۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سیاسی حیثیت میں یہ قبیلہ تین حصوں میں منقسم ہوگیا کچھ قبائلی علاقہ ڈپٹی کمشنر پشاور کے زیر اثر آیا تو کچھ پولیٹیکل ایجنٹ مالاکنڈ اور کچھ مقبوضہ علاقہ کی حیثیت سے ڈپٹی کمشنر مردان کے زیر اثر آیا۔ من حیث القوم دونوں قبائلی علاقوں کے اتمان خیل ایک ہی قبیلہ سے متعلق خیال کئے جاتے ہیں البتہ مقبوضہ علاقہ کے اتمان خیل جو اصلاً اور نسلاً تو مذکورہ قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مرور زمانہ اور حالات بدلنے کے ساتھ اب ان کا آپس میں کچھ زیادہ میل ملاپ یا تعلق دکھائی نہیں دیتا اور مقبوضہ علاقہ کے اتمان خیلوں نے جو انگریز کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا تو اس کی وجہ بھی قبائلی اتمان خیلوں سے تعلق کی بجائے انگریز سے نفرت اور ملت افاغنہ کی ہمنوائی بیان کی جاتی ہے۔

مقبوضہ علاقہ کے اتمان خیل

مقبوضہ علاقہ کی وادی ہیزئے (مردان) میں ان کی آبادیاں ہیں انگریز کی آمد کے پہلے سال ہی اس قبیلہ نے اس کی مخالفت میں قدم اٹھایا اور حکومت کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر کشی کے ذریعہ ان سے مالیہ وصول کرنے کا اقرار لیا گیا تھا۔ پھر ۱۸۶۳ء میں جب "معرکۂ امبیلہ" میں باشندگان وطن نے مشترکہ حیثیت سے انگریز کا مقابلہ کیا تو اس علاقہ سے بھی بہت سے من چلے شوق جہاد میں اس طرف کا رخ کرنے لگے۔ اور داد مردانگی دیتے رہے اختتام جنگ پر ہیزئے کی اتمان خیل آبادیوں پر ڈھائی ہزار روپیہ جرم لگا لیکن دو ڈھائی سال گزر جانے پر بھی یہ رقم وصول نہ ہو سکی تو ۱۸۸۶ء میں ان کے خلاف لشکر کشی کی گئی اور ان کی ایسی آبادیاں جن تک با آسانی نہ پہنچا جا سکتا تھا برباد کردی گئیں اور نئی آبادیاں ایسی جگہ تعمیر ہوئیں جہاں انگریز بہ آسانی پہنچ سکتا تھا۔ اسی طرح ۱۸۷۲ء میں جب اس علاقہ کی اراضی کا "بندوبست" ہونے لگا تو پھر بگاڑ پیدا ہوا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پھر لشکر نے یلغار کی اور بزور شمشیر انہیں آمادہ بہ مفاہمت کیا گیا۔ بالآخر ۱۸۹۷ء میں جب مالاکنڈ کی مشہور جنگ لڑی گئی تو ایک دفعہ پھر یہ اتمان خیل اپنے دوسری قبائلی بھائیوں کے پہلو بہ پہلو جنگ کرتے دکھائی دیتے البتہ اس دفعہ وہ بحیثیت جماعت یا قبیلہ کے جنگ میں شامل ہونے کی بجائے انفرادی حیثیت میں شامل ہوتے تھے اس وجہ سے اور کسی سیاسی غرض کے پیش نظر انگریز نے علاقہ بیزئے سے تعارض نہ کیا۔

قبائلی علاقہ کے اتمان خیل

سرحد ضلع پشاور پر قبائلی علاقہ میں اتمان خیلوں کی قابل ذکر شاخ بت خیل۔ امبار کوہ سلالا اور اس کے جنوب میں لمن خیلوں کے علاقہ تک آباد ہے اس کے بعد لمن کا علاقہ ہے جسے مالاکنڈ تک وسعت دی جاسکتی ہے

انگریز کی آمد کے بعد تحصیل چارسدہ (ضلع پشاور) کے مشہور موضع تنگی کا ایک قابل ذکر رئیس صاحب رسوخ خان اجون خان اپنے وطن سے نکل کر اتمان خیلوں میں جا مقیم ہوا تھا۔ قبائلی چونکہ عام طور انگریزوں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے اس وجہ سے اسے بہ آسانی حمایت حاصل ہوگئی تو اس نے ۱۸۵۲ء میں مسلسل انگریزوں کو پریشان کیا اور اپریل ۱۸۵۲ء میں ہشتنگر (چارسدہ) کے تحصیل دار کو قتل کر دیا اب انگریز لشکر نے بھی حرکت کی تو مارچ ۱۸۵۳ء میں قبائلی علاقہ کی سرحد پر اتمان خیلوں کے دو گاؤں برباد کر دیئے گئے۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک کسی قابل ذکر جھڑپ کا پتہ نہیں چلتا۔

دسمبر ۱۸۷۵ء میں آبازئے (تحصیل چارسدہ) کے قریب نہر کے ہیڈ ورکس پر حملہ کرتے ہوئے ان اتمان خیلوں نے چھ افراد کو قتل اور ستائیس کو زخمی کر دیا حکومت کے لشکر نے اس وقت کوئی اقدام تو نہ کیا البتہ قبیلہ کی ناکہ بندی کا اعلان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہوا اور بعد میں جرگہ کے ذریعہ صلاحیت ہوگئی۔ لشکر کشی نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس وقت انگریز کا ایک لشکر "درہ کوہاٹ" کی سرکوبی کے لئے تگ و دو کر رہا تھا اور اتمان خیلوں کے خلاف لشکر کشی کے راستہ میں یہ خطرہ دامنگیر تھا کہ کہیں مہمند اور دوسرے قبائل مشتعل ہو کر میدان میں کود نہ پڑیں چنانچہ وہ اس وقت تو خاموش رہا لیکن ۱۸۸۸ء میں اس نے اچانک اتمان خیلوں پر حملہ کرتے ہوئے ان کی آبادیاں سپری اور پوجا کو پیوند زمین کر دیا۔

اس کے بعد جب ۱۸۹۷ء میں تمام قبائلی سرحد پر جنگ و جدل شروع ہوئی تو پھر یہ قبیلہ محو حرکت نظر آنے لگا۔ اس نے مالاکنڈ کے حملہ میں وہاں کے باشندوں کی پوری طرح امداد و اعانت کی۔ جوہر مردانگی دکھائے جس کی پاداش میں انگریز نے ۱۸۹۷ء کے آخر میں ان کے علاقہ پر یورش کی اور دریائے سوات کے بائیں کنارے کی آبادیاں برباد کر دیں۔ لشکر کے دوسرے حصہ نے پڑانگ غار کی طرف اقدام کرتے ہوئے پڑانگ غار۔ پوجا۔ سپری۔ نواڈھنڈے باشندوں کی گوشمالی کی کہ انہوں نے کیوں جنگ مالاکنڈ میں قبائلیوں کو تقویت پہنچائی تیسرے حصہ لشکر نے طوطالی۔ پایاں سے ہوتے ہوئے سام رانی زئے کی راہ لی۔ راستہ میں طوطالی۔ آگرہ۔ کوٹ اور دوسری چھوٹی چھوٹی آبادیوں پر رعب ڈالا گیا بالآخر جرگہ کے ذریعہ بزور شمشیر ان سے اقرار لے لیا گیا کہ وہ سیاسی حیثیت میں پولیٹیکل ایجنٹ مالاکنڈ کے احکام کو قبول کرتے رہیں گے اور ان کے علاقہ میں سڑکیں کئے جانے پر بھی انہیں اعتراض نہ ہوگا البتہ اس قبیلے کی ذیلی شاخ خارو نئے نے اس معاہدہ یا اقرار میں شمولیت نہ کی تھی۔

اس کے بعد یہ قبیلہ خاموش دکھائی دیتا ہے اور اس کی غالب وجہ یہ ہے کہ ایک تو جنگی طاقت کی حیثیت سے وہ کمزور ہے دوسرے انہیں اپنی ضروریات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

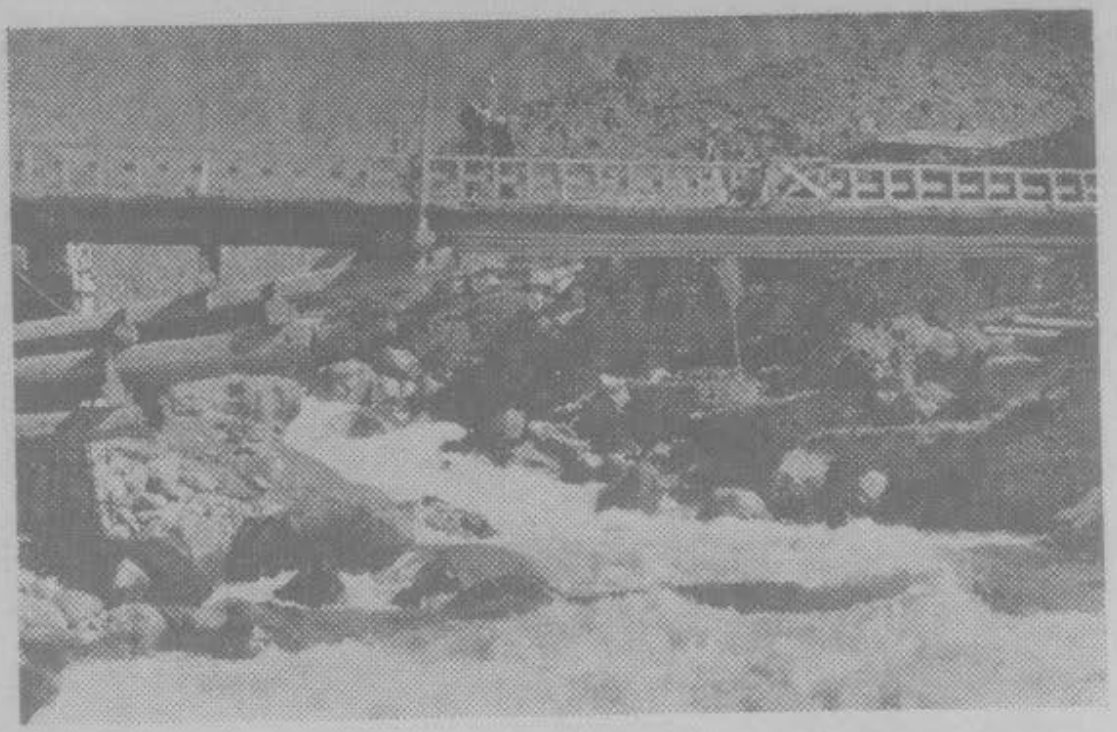

دریائے سوات پر قبائلی طرز کا پل

علاقہ کوہستان کے باشندے (سوات)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وادی کالام کا ایک منظر

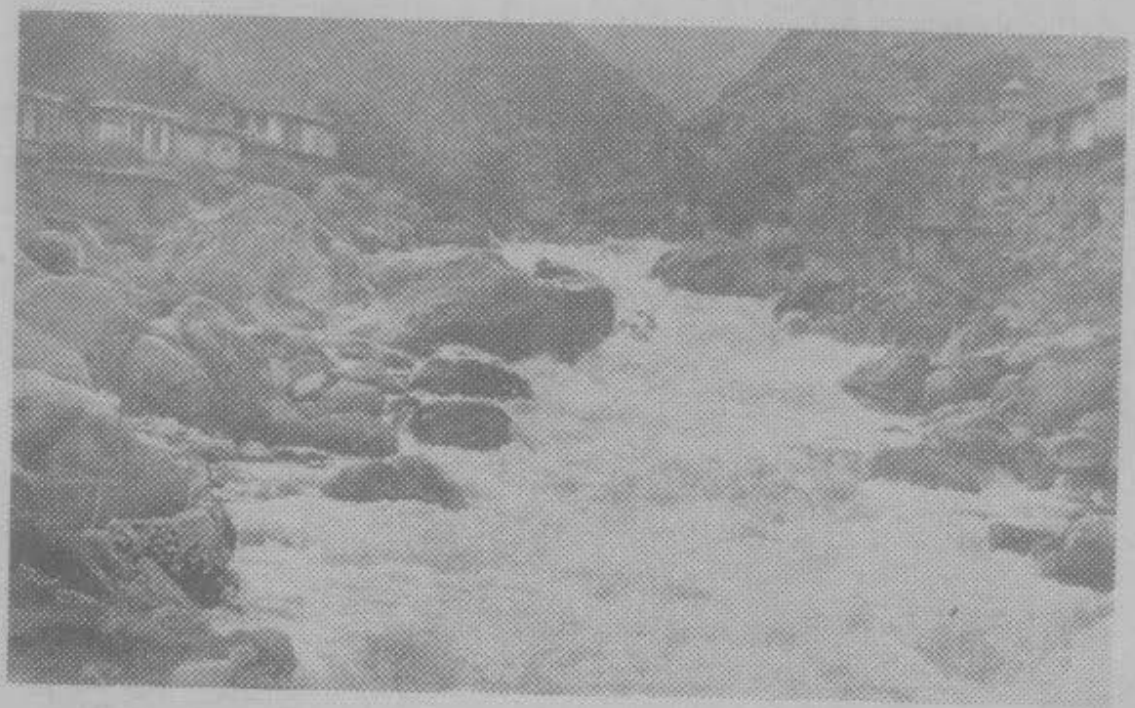

بحرین (سوات) کا ایک منظر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

زندگی کے لئے ہر وقت مقبوضہ علاقہ میں جانا پڑتا ہے۔ اس خاموشی کے دوران میں گو انگریز سے ان کی کوئی جھڑپ نہ ہوئی لیکن رسم ملک کے مطابق مختلف قبائل کی باہمی کشمکش جاری رہی۔ ملاکنڈ ایجنسی میں ان کے قرب میں قبیلہ رانی زئے آباد ہے ان سے اختلافات شروع ہوئے تو بڑھتے بڑھتے خطرناک حد تک پہنچ گئے۔ انگریز ہمیشہ سے ایسے موقع کی تلاش میں رہا۔ چنانچہ اس نے مداخلت کرتے ہوئے دونوں قبائل کے درمیان مفاہمت کرا دینے کا فیصلہ کیا تو ۲۱ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک معاہدہ ہو گیا دونوں آپس میں پھر گلے مل گئے اور ثالث انگریز نے اتمان خیلوں سے اقرار لیا کہ ایک تو وہ مقبوضہ علاقہ کے کسی مفرور کو اپنے علاقہ میں قیام کرنے نہ دیں گے۔ دوم ان کے علاقہ میں جس طرف سے بھی لی مٹفورڈ قسم کی سات فائر کرنے والی جسقدر رنبدوقیں پہنچ جائیں وہ انگریز کے حوالے کر دیں گے۔ ان کے علاقہ کا سروے کیا جائیگا جس کے عوض حکومت نے انہیں تین ہزار روپے دینے منظور کئے اور اپنے علاقہ پر پولیٹیکل ایجنٹ کی سیادت کی تصدیق کر دی۔

۱۹۰۸ء میں علاقہ امبار کے اتمان خیلوں نے ڈاکے ڈالنے شروع کئے انگریز نے ناکہ بندی کا فیصلہ کیا بالآخر ۶ نومبر ۱۹۰۸ء کو صلح صلاحیت ہو گئی تو اس قبیلہ نے امبار سے پڑانگ غار تک امن قائم رکھنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ ۱۹۱۱ء میں علاقہ لمن کے اتمان خیل خود آپس میں الجھ گئے اور اسی کشمکش میں انہوں نے انگریز سرحد کو بھی عبور کر لیا تھا۔ جس وجہ سے ان پر جرمانہ لگا دیا گیا۔ دو سال بعد ۱۹۱۳ء میں اتمان خیلوں نے اتمان زئے (تحصیل چارسدہ) پر ڈاکہ ڈالا اس کے ساتھ امبار کے اتمان خیلوں نے پشاور کی طرف ڈاکے ڈالنے شروع کئے۔ ناکہ بندی کا اعلان ہوا لیکن کشمکش جاری رہی۔ تا آنکہ ۱۹۱۸ء میں کہیں جا کر صلح و صلاحیت ہوئی تو قبیلہ نے تین ہزار روپے جرمانہ ادا کرنے پر اظہار آمادگی کیا ۱۹۲۴ء میں جب لمن کے علاقہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا سر دے کیا جانے لگا تو بعض افراد نے اس کی مخالفت کی لیکن قبیلہ چونکہ قبل ازیں اس پر اظہار رضامندگی کر چکا تھا اس وجہ سے کشمکش نے طول نہ کھینچا اور معاملہ جلد رفع دفع ہو گیا۔

جب ہندوستانی قومی تحریکات کا قبائلی علاقہ پر اثر ہونے لگا تو جون ۱۹۳۰ء میں اتمان خیلوں کی دو ذیلی شاخیں بت خیل اور اصیل خیل لشکر لئے انگریز کے مقابلہ پر اتر آئے اور پلائے سے ادھر جنبدی خوار[1] میں اس نے مورچے لگا دیئے انگریز نے بھی فوری اقدام کرتے ہوئے لشکر روانہ کیا۔ سخت مقابلہ ہوا لیکن قبائلی زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکے تو واپس لوٹ گئے اور ان میں کے ۲۳ افراد جنگی قیدی کی حیثیت سے انگریز کے ہاتھ لگے۔ اگست ۱۹۳۰ء میں جرگہ سے گفتگو ہوئی تو قیدی رہا کر دیئے گئے تاہم جو اسلحہ انگریز کے ہاتھ لگا تھا وہ ضبط کر لیا گیا۔ اسی سال ۱۹۳۰ء کے ماہ اگست میں فقیر النگر نے باجوڑ کے علاقہ میں لشکر جمع کر لیا تاکہ علاقہ مہمند میں پہنچ کر انگریزوں سے مقابلہ کرے لیکن اتمان خیلوں نے راستہ دینے سے انکار کر دیا اس وجہ سے یہ لشکر روانہ نہ ہو سکا اور سیاسی حیثیت میں اتمان خیلوں کا یہ آخری اقدام معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] جنبدی خوار یوسف زئیوں کی پہاڑیوں میں واقع ہے جو وادئے طوطئے کو سیراب کرتے ہوئے موضع گنڈیریئے (تحصیل چارسدہ ضلع پشاور) کے شمال میں کھلے میدان تک پہنچ جاتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حضرت سید امیر المعروف کوٹہ ملا صاحب

یوسف زئیوں کے ساتھی قبائل

یوسف زئیوں کے دوران قیام افغانستان یا افغانستان سے نقل مکانی کرتے وقت اور اس کے بعد بھی لازماً بعض دوسرے قبائل کے افراد یا خاندان ان سے اپنے دیرینہ تعلقات قرب یا دوستی کی وجہ سے ان کے ہمرکاب رہے ہوں گے یا بعد میں ان سے مل کر انہوں نے ساتھی ہمراہی یا حمائتی (ملاتڑ) کی حیثیت سے یوسف زئیوں کی سرگرمیوں میں حصہ لیا ہوگا اور یہ اسی رفاقت کی وجہ ہے جو ہم علاقہ یوسف زئے میں دوسرے پٹھان قبائل مثلاً ترکانٹری اتمان خیل، بڑیچ میانہ، خویشگی، ترین اور لودھی وغیرہ کے افراد یا خاندانوں کو انفرادی حیثیت میں مقیم دیکھتے ہیں۔

قبیلہ یوسف زئے نے جب اپنی اولین بندوبست میں اس علاقہ کی اراضی کو آپس میں تقسیم کیا تو ان میں جگہ جگہ ان مذکورہ غیر یوسف زئیوں کو بھی املاک دی تھیں یہ املاک ان کے نام پر درج ہوگئیں انفرادی حیثیت سے ان کے ناموں کا اندراج ہوا تو سرکاری کاغذات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیں انہی ناموں سے ان کے تجرے بعد میں مرتب ہوئے یہی وجہ ہے کہ ان کے ناموں اور ان کے قبیلوں کے جداول کے ناموں کی کڑیاں نہیں ملتیں۔ ایسے بہت سے خاندان علاقہ یوسف زئے میں دکھائی دیتے ہیں جن میں کے ودکا ذکر ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اول الذکر کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ پٹھانوں کے کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں البتہ موخر الذکر کو سرکاری کاغذات میں لودھی ظاہر کیا گیا ہے۔

حضرت سید امیر المعروف کوٹہ ملا صاحب

علاقہ یوسف زئے میں حضرت پیر بابا (بونیر) کے بعد حضرت سید امیر المعروف کوٹہ ملا صاحب نے ہمہ گیر شہرت حاصل کی وہ اپنے وقت کے ایک جید عالم صاحب علم و عمل بزرگ اور مالک فہیم و فراست تھے۔ علوم دینیہ کے ساتھ انہیں سیاسیات ملکی میں بھی دخل رہا وہ سیاسی حیثیت میں بھی نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور ان کی یہ سیاسی سرگرمیاں یا خیالات ہی تھے جن کی وجہ سے وقت و علاقہ کے کئی علماء نے ان سے اظہار اختلاف کیا۔ ان کے خلاف محاذ قائم کیا گیا۔ لیکن وہ پورے صبر و تحمل سے اپنے مقاصد کے لئے کوشاں رہے۔ باوجودیکہ انہیں بایزید انصاری (پیر روشن) کا پیرو اور پھر تحریک مجاہدین کی حمایت کی وجہ سے وہابی پکارا گیا پھر بھی ان کی ہر دلعزیزی میں کوئی فرق نہ آیا ان کے مریدین۔ معتقدین اور طرفداروں کی تعداد میں کوئی کمی نہ آئی اور اس وقت تک انہیں عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ اپنے مسکن موضع کوٹہ (تحصیل صوابی) کی نسبت سے کوٹہ ملا صاحب پکارے گئے اور وہیں دفن ہیں۔

ان کی اولاد نے علوم قدیم و جدید میں نمایاں حیثیت حاصل کی جن میں صاحبزادہ محمد خورشید مرحوم جو قیام پاکستان کے بعد صوبہ سرحد کے گورنر بنے اور کرنل ڈاکٹر آفتاب احمد خان خاص طور قابل ذکر ہیں۔

اگرچہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت سید امیر کا کس قبیلہ سے تعلق تھا تاہم

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ان کے شجرہ نسب کی جس قدر کڑیاں باوثوق ذرائع سے دستیاب ہو سکی ہیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

شجرہ حضرت سید امیر المعروف کوٹہ ملاصاحب

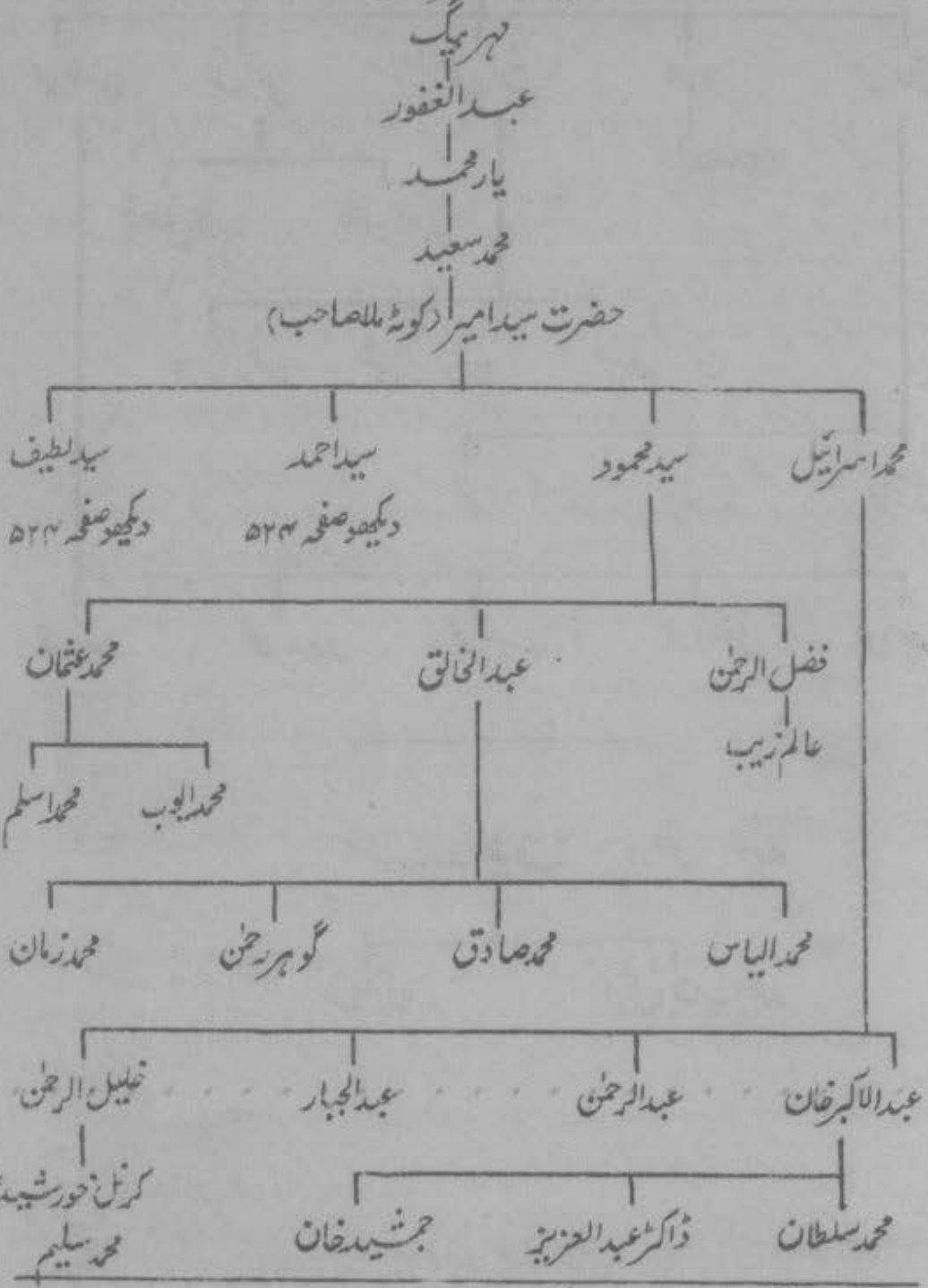

[1] سابق گورنر صوبہ سرحد (پاکستان)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

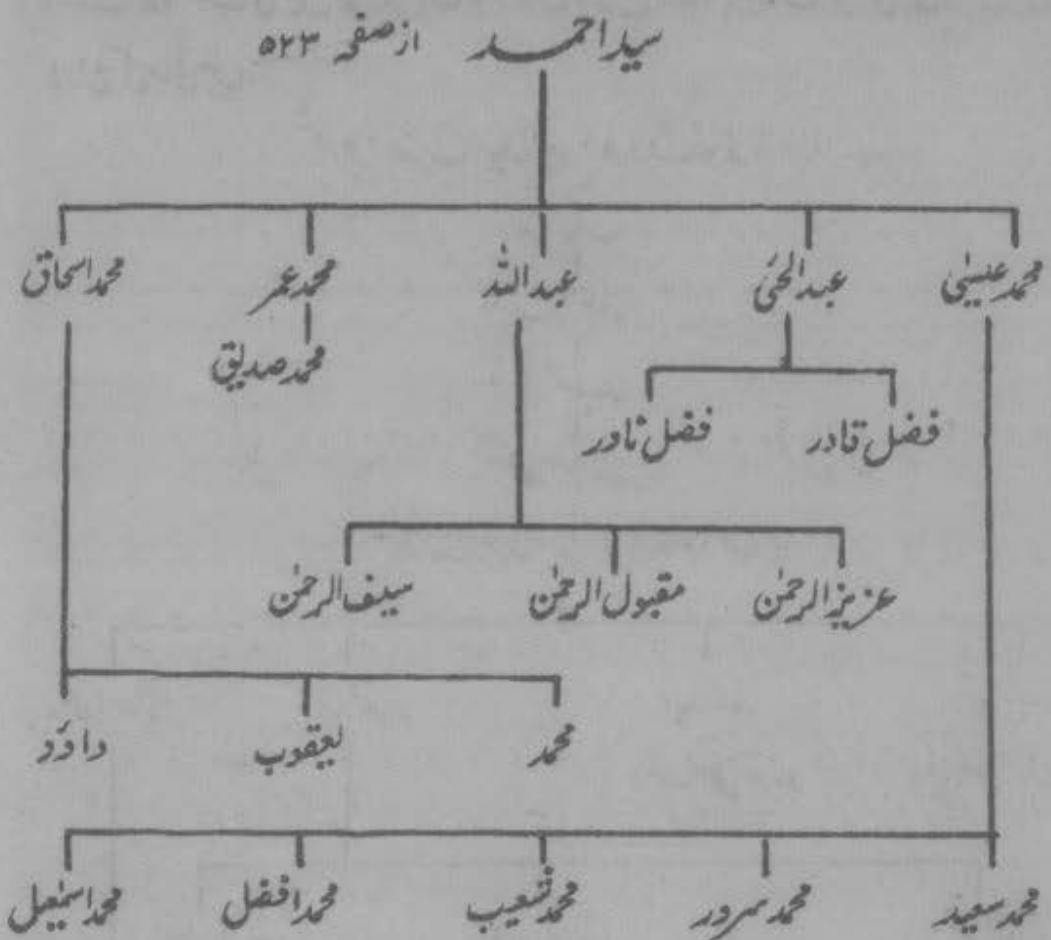

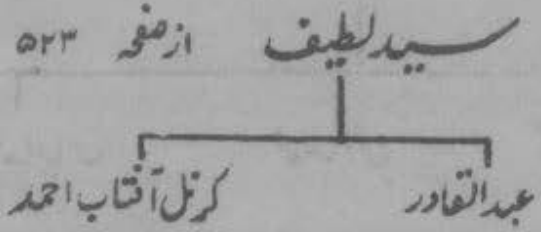

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سرسید سرحد

نواب سر عبدالقیوم خان

صوبہ سرحد میں نواب سر عبدالقیوم خان کو سیاسی اور تعلیمی حیثیت سے جو شہرت دوام حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے پٹھان کے حصہ میں نہ تھی۔ نواب مرحوم نے بالکل معمولی حیثیت سے ترقی کرتے ہوئے پولیٹیکل ایجنٹ کے عہدہ تک پہنچکر سلسلہ ملازمت کو ختم کیا۔ تعلیمی معاملات میں ان کی دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں اس میدان میں کارگذاریوں کی وجہ سے "سرسید سرحد" پکارا گیا۔ پشاور دارالعلوم (اسلامیہ کالج پشاور) جس کا سنگ بنیاد مشہور مجاہد حاجی صاحب ترنگ زئے کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا تھا آپ ہی کی ہمت و محنت اور استقلال کا نمونہ ہے۔ تعلیمی معاملات میں دلچسپی لیکر آپنے صوبہ سرحد کے پسماندہ علاقہ کو نہ صرف صوبجات ہند کے برابر لا کھڑا کیا بلکہ کئی حیثیتوں سے وہ بعض دوسرے صوبوں پر سبقت بھی لے گیا یہ انہی کی ان تھک کوشش و سعی کا نتیجہ ہے جو صوبہ سرحد میں علوم جدیدہ نے عروج حاصل کیا اور سیاسیات میں وہ اکثر دوسروں کی رہنمائی کرتا رہا۔

سیاسی حیثیت میں صوبہ سرحد کے اکثر خوانین آمریت پسند طبیعت کے مالک تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے ہر اس تحریک کی مخالفت کی کہ جس سے عوام کے معیار زندگی کے بلند ہونے کی توقع کی جا سکتی تھی یا جس سے عوام میں بیداری اور طلب حقوق کے جذبہ کو اجاگر کرنے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا جذبہ دکھائی دیتا تھا۔ برخلاف ازیں نواب مرحوم طریقہ جمہوریت کے طرفدار تھے وہ سرکاری ملازمت کے دوران میں اور اس کے بعد بھی مسلسل پٹھانوں کے حقوق کے لئے نبرد آزما رہے انہوں نے اکثر عوامی قومی تحریکات سے وابستگی یا دلچسپی کا اظہار کیا۔ صوبہ سرحد میں تعلیم یافتہ طبقہ کے قائد کی حیثیت حاصل تھی اور عوامی تحریکات میں عوامی کارکنوں سے تعاون اور انہیں اپنے مفید مشوروں اور امداد دینے سے آپ نے کبھی تساہل نہ برتا۔ انگریز نے صوبہ سرحد کو مخصوص حالات کا ڈھونگ رچا کر باقی ہندوستان سے الگ تھلگ کھڑا کر رکھا تھا۔ نواب موصوف وقتاً فوقتاً اس کے خلاف آواز بلند کرتے رہے اور جب مجلس خلافت نے حصول اصلاحات کیلئے منظم طریقہ پر تگ و دو شروع کی تو نواب مرحوم کی پوری امداد اس تحریک کی تقویت کا باعث بنی تا آنکہ جب ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کی مرکزی مجلس آئین ساز میں یہ سوال پیش ہوا تو اس ایوان میں محرکین تحریک کو سب سے زیادہ امداد نواب مرحوم ہی کے توسط[1] سے ملی تھی۔ بعد ازاں جب گول میز کانفرنس میں صوبہ سرحد کو دیگر صوبہ جات ہند کے ساتھ برابر کے حقوق دینے کا سوال زیر بحث آیا اور جس سوال کی اہمیت ہی رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کو شدید ترین علالت کے باوجود اس کانفرنس میں شرکت کا ایک باعث بنی۔ تو نواب مرحوم ہی مرد میدان دکھائی دیئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے لندن کی گول میز کانفرنس میں جو تقریر کی تھی وہ ان کے خلوص اور قابلیت کا ایک زندہ ثبوت ہے توسیع اصلاحات کے بعد آپ صوبہ سرحد میں پہلے وزیر کی حیثیت سے نامزد ہوئے اور دوبارہ انتخابات ۱۹۳۵ء کے بعد پہلے وزیر اعظم بنے۔

نواب عبدالقیوم خان پٹھانوں کے مشہور قبیلہ لودھی سے تعلق رکھتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف زئیوں کے ساتھ جو دوسرے خاندان یا افراد اس طرف ہجرت کر آئے تھے ان میں

---

[1] یہ تحریک میاں جعفر شاہ اور مولف کتاب (یوسفی) کے توسط سے جمعیت خلافت مرکزیہ ہند کے صدر سید مرتضیٰ بہادر نے پیش کی تھی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

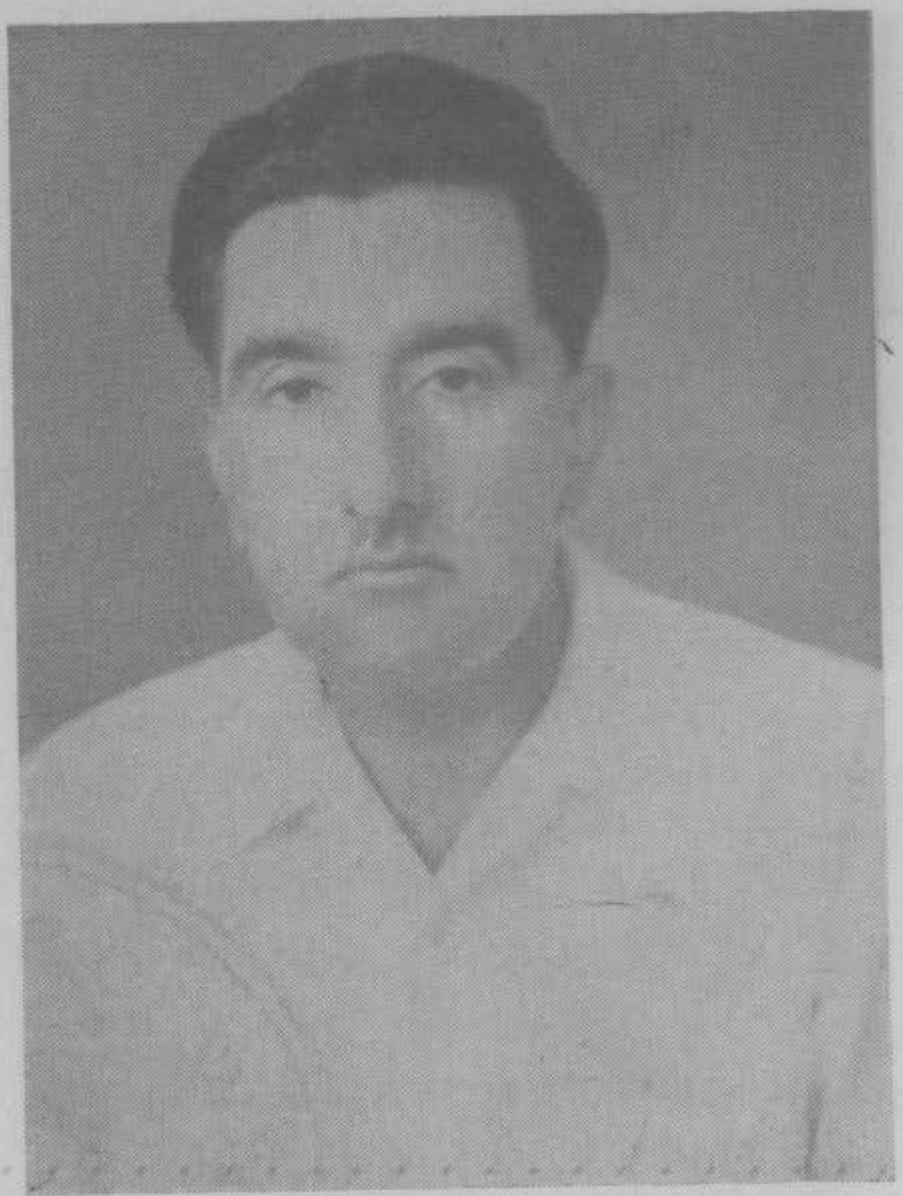

خان عبدالروف خان - سکریٹری ڈویژنل کمشنر پشاور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آپ کا خاندان بھی تھا۔ ۱۸۷۰ء کے بندوبست اراضی میں آپکو قبیلہ لودھی سے متعلق ظاہر کرتے ہوئے ان کا شجرہ نسب درج کیا گیا ہے اس شجرہ کے پیش نظر یہ خیال کہ آپ حضرت سید امیر المعروف کوڑہ ملا صاحب کے خاندان سے ہیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ رشتہ کی حیثیت سے انہیں مذکورہ خاندان سے بہت قریبی تعلق رہا ہے لیکن نسلاً آپ قبیلہ لودھی سے متعلق ہیں۔

نواب عبدالقیوم خان نے اپنے پیچھے کوئی نسبی اولاد نہیں چھوڑی لیکن جب ایک موقعہ پر ان کے سامنے یہ ذکر چھڑا تو انہوں نے اسلامیہ کالج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے اطمینان سے ان بچوں کو اپنی اولاد بتایا اور حقیقت یہ ہے کہ نواب مرحوم کے وسائل آمدنی زیادہ تر پٹھان بچوں کی تعلیم و تربیت پر ہی صرف ہوتے رہے۔ سینکڑوں طالب علموں کو ان کی سرپرستی حاصل رہی اور ان میں کے اکثر اس وقت بھی زندگی کے اعلیٰ مدارج پر دکھائی دے رہے ہیں۔

آپ کی وفات دماغی رگ پھٹ جانے سے اچانک ۴ دسمبر ۱۹۳۷ء کو اپنے آبائی مسکن موضع ٹوپی (تحصیل صوابی) میں ہوئی اور وہیں سپرد خاک کر دیئے گئے اس خاندان میں اس وقت نواب مرحوم کے بھتیجے عبدالحمید خان اور نواسے محمد اکبر خان قابل ذکر ہیں۔

صوبہ سرحد میں سردار محمد اورنگ زیب خان کی قیادت میں پہلی مسلم لیگ وزارت کے دوران میں یہ سوال زیر بحث آیا تھا کہ ان کا جد خاکی موضع ٹوپی سے اسلامیہ کالج پشاور کو منتقل کر دیا جائے کہ یہی اس کے لئے موزوں ترین مقام ہو سکتا ہے۔ لیکن اس خیال کو خدا جانے کن وجوہات سے عملی شکل نہ دی جا سکی۔ ذیل میں نواب عبدالقیوم خان کا شجرہ نسب درج کیا جاتا ہے۔

شجرہ نسب نواب سر عبدالقیوم خان

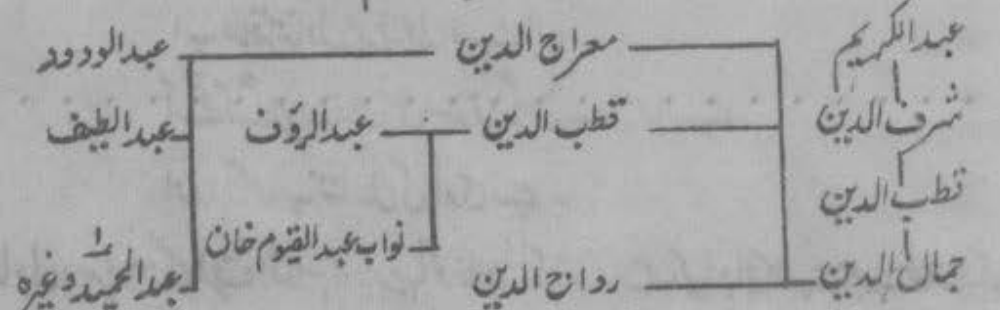

[1] یہ اس وقت موضع ٹوپی میں مقیم ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اضافے

مندرجہ ذیل معلومات ہمیں ایسے وقت میسر آئیں جبکہ کتابت قریب قریب ختم ہو رہی تھی اور کتابت کا بیشتر حصہ مطبع کو بھیجا جا چکا تھا۔ اس وجہ سے یہ اپنے موزوں مقامات پر درج نہ کی جا سکیں توقع ہے کہ اگر ان سطور کو متعلقہ اوراق کے تسلسل میں بڑھا گیا تو معلومات میں اضافہ کا باعث ہونگی۔

مصری خان

(امان زئے)۔ ایک مصری خان (سالار زئے) کا ذکر باب تعارف میں کیا جا چکا ہے۔ جو عہد مغلیہ میں اس وقت دکھائی دیتا ہے کہ جس وقت ہمایوں اور شیر شاہ سوری حصول اقتدار کیلئے رسہ کشی میں مصروف تھے۔ اور شیر شاہ نے برسر اقتدار آکر قبیلہ یوسف زئے میں مصری خان (سالار زئے) کی قیادت بھی تسلیم کرلی تھی۔ دوسرا مصری خان امان زئی غالباً بہاکو خان کے بعد قبیلہ امان زئی سکمال زئی کے سردار کی حیثیت سے نمودار ہوا۔

مصری خان (امان زئی) کے والد جیون خان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خوندسالک اور بہاکو خان کی معیت میں قبیلہ ڈوما سے نبرد آزما ہوا۔ اور وہاں اس نے وہ جوہر مردانگی دکھائے کہ قبیلہ کے شعرا نے اسکی تعریف میں اشعار موزوں کئے جن میں مذکور ہے کہ

ڈوما کے کافروں کو قتل کیا۔

اب علاقہ تناول پر حملہ بول رہے ہیں۔

آگے آگے جیون خان نسلی منہ زور گھوڑے پر سوار ہے۔

اور دیکھو اب تناول کی باری ہے۔

تناول (ہزارہ) کی طرف اقدام کا ذکر بہاکو خان کے تذکرہ میں کیا جا چکا ہے جیون خان کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بعد قبیلہ کی قیادت اس کے لڑکے مصری خان کے ہاتھ لگی۔ تو اس نے کمال ہمت سے اپنے قبیلہ کی قیادت کی خاطر کشمکش میں اس نے قبیلہ اماں زئی اور کمال زئی کی پوری پوری حفاظت کی اور اس مخالفت کے باوجود جب خوشحال خان خٹک مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اور اسکے خاندان کو مصائب کا سامنا کرنا پڑا تو جن یوسف زئیوں نے اسکے خاندان کو اپنے علاقہ سیکری نزد جمال گڑھی میں پناہ دی اس میں مصری خان بھی قابل ذکر ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں مصری خان خود قبیلہ میں رقابت کا شکار ہوگیا وقت کے دوسرے قابل ذکر فرزند اس کی شہرت یا اقتدار کو برداشت نہ کر سکے تو انہوں نے مغلوں کے صوبیدار الہ داد خان خویشگی کو جو لشکر کوٹ میں مقیم تھا اپنا ہمنوا بنا کر مصری خان کو سلطنت مغلیہ کیلئے ایک مستقل خطرہ ظاہر کیا اور پھر سازش کرتے ہوئے اسے ترلوز میں زہر دیکر ختم کر دیا۔ مصری خان کو اس کی وصیت کے مطابق سرحد علاقہ رزنڑ پر موضع تلے میں دفن کر دیا گیا تھا مصری خان کے لڑکے صاحب خان نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کی غرض سے سوات پہنچکر خاندان پیر بابا سے امداد طلب کی اور لشکر لئے کمال زئیوں سے برسر آزما ہوگیا۔ اورنگ زیب عالمگیر[1] کو اس جنگ کی اطلاع ملی تو اس نے الہ داد خان حاکم لشکر کوٹ کو معطل کرتے ہوئے اس جگہ سے ہٹا دیا اور اس واقعہ پر اظہار رنج کیا تو صاحب خان کی دلجوئی کیلئے اسے جاگیر عطا کر دی تھی۔

رحیم خان بن نبیر خان محمود زئے (منڈڑ) خانی خیل کی ذیلی شاخ بابا علی خیل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا ذکر "باب تعارف" میں کیا جا چکا ہے ذیل کی سطور بھی اسی تسلسل سے پڑھیے۔

بابا علی ولد سرگین یوسف زئیوں کے مشہور قائدین ملک احمد خان اور ملک گجو خان

---

[1] اورنگ زیب عالمگیر کا مہر شدہ فرمان اس خاندان کے خان اکبر خان پسر نصر اللہ خان کے قبضہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ (دیکھو شجرہ اسمٰعیل منڈڑ)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے شرکائے کار سے تھا۔ اور علاقہ سوات میں دفن ہوا۔ اسکی وفات پر ملک کمال نے اسکے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ اسوقت ملک میں کسی قسم کا ہنگامہ آرائی نہ تھی علاقہ رزڑ تقسیم ہو چکا تھا۔ اس پرسکون فضا میں موضع یا حسین کے قریب موضع نواں کلی آباد کیا گیا تھا لیکن اقربا سے بوباخیل اور اکاخیل اس جگہ آبادی کو پسند نہ کر سکے تو انھیں کی تجویز سے موجودہ موضع نواں کلی کی شیخ جاناں کے قریب بنیاد رکھدی گئی تھی کمال کی وفات پر یکے بعد دیگرے ابدال اور جلال نے شہرت حاصل کی غالباً جلال بہاکو خاں کا ہمعصر تھا۔

جلال کے پانچ بیٹے تھے وہ اپنے متعلقین سے ناراض ہو کر بلا کسی جنگ و جھگڑے کے بیٹوں کو ساتھ لئے نواں کلی سے نکل کر تھانہ علاقہ سوات میں جا آباد ہوا تھا۔ سوات پہنچنے پر خوانین علاقہ عزت سے پیش آئے انہوں نے اپنی اراضی میں انہیں حصہ دار بنالیا زمین زرخیز تھی جلدی ہی انہیں پر اطمینان زندگی گزارنے کا موقع مل گیا۔ اسوقت قبیلہ محمود زئی کی قیادت کاچو خان بن مست خان کر رہا تھا[1] کاچو خان کی وفات پر سربرآوردہ گان قبیلہ نے جلال خان کی عدم موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے ایک جرگہ کی شکل میں حاضر ہو کر جلال خان سے واپس لوٹ آنے کی درخواست کی لیکن اسکے دو بیٹے کسی قیمت پر رضامند نہ کئے جا سکے تو وہ وہیں تھانہ میں مقیم رہے۔ اور جلال خان دوسرے تین بیٹوں کو لیکر واپس لوٹ آیا۔ تو نواں کلی کی جائداد انہیں واپس دیدی گئی۔ رحیم خان جسکا ذکر باب تعارف میں کیا جا چکا ہے۔ اسی جلال خان کی اولاد سے تھا۔[2]

---

[1] بابا علی کے نام سے بابا علی ڈل خیل قبیلہ مشہور ہوا جو اسوقت نواں کلی رزڑ میں آباد ہے۔

[2] موضع تاریخی اسی کاچو خان کے دوران قیادت میں آباد کیا گیا تھا اور اس میں خانی خیل کے کچھ خاندان بسائے گئے تھے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

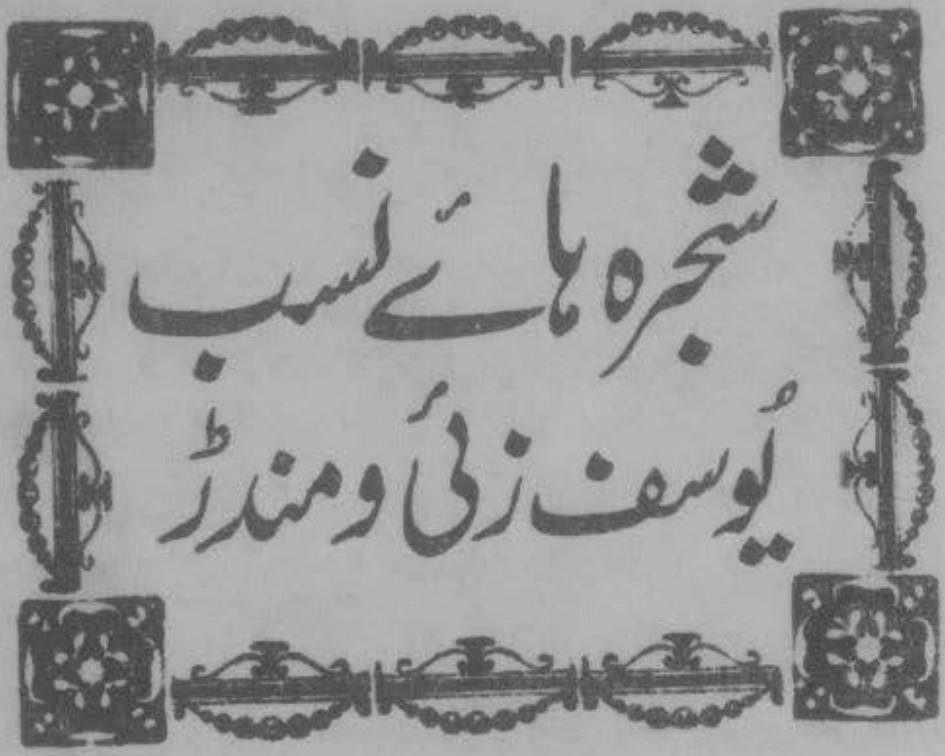

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

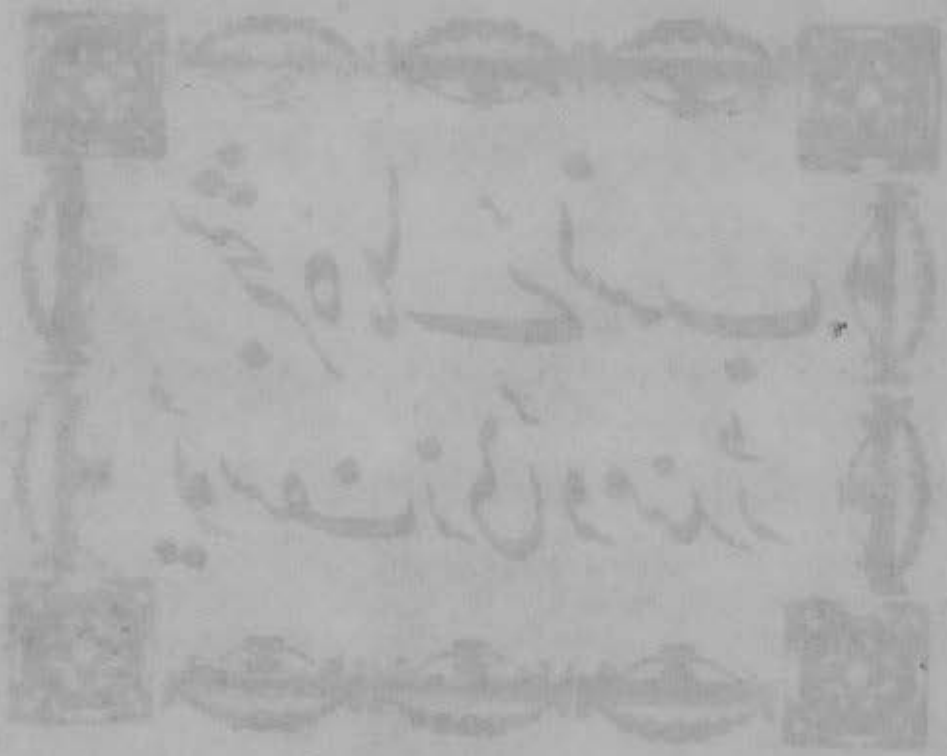

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شجرۂ نسب

قبائل یوسف زئی اور قبائل منڈڑ

ملت افاغنہ یا پٹھان قوم کے سلسلۂ نسب کے متعلق وثوق کے کچھ لکھا نہیں جا سکتا۔ کئی دوسری قدیم اقوام کی طرح اس قوم کے ابتدائی حالات بھی پردۂ اخفا میں رہے۔ بہرحال جب تاریخ نویسی کا دور شروع ہوا۔ تو اس قوم کی اپنی روایات کے پیش نظر مورخین اور شجرہ نویسوں نے اسے "بنی اسرائیل" قرار دیا اور غالباً تیرھویں صدی عیسوی کے شروع تک اس دعویٰ کی کسی نے نہ تو تردید کی نہ ہی اس سے اظہار اختلاف کیا۔ اس کے ایک عرصہ بعد کچھ دبی دبی سی آوازیں اے آرین پکارا جانے لگا۔ اس خیال کو کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی اور پھر جب "مشہد و بمبئی کے یہودی نے افغانوں کو بنی اسرائیل تسلیم کرتے ہیں اور یہودی رسالہ "نیو ایرا"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں افغانوں کو بنی اسرائیل بقول کر لیا گیا۔ تو معاملہ اور بھی صاف ہو گیا۔ اور پھر میجر بلو جس نے افغانوں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اس کی یوں وضاحت کر دی کہ

> میں دریافت کرتا ہوں کہ آخر افغانوں کو اس سے کونسا فائدہ پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بنی اسرائیل ظاہر کریں جبکہ ان کی نظر میں یہودی کہہ دینا بھی ان کی زبان میں بدترین قسم گالی سمجھی جاتی ہو[1]۔

مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصلیت چھپانے کے روادار نہ تھے۔

بہ ایں ہمہ اس سے انکار نہیں کہ انھیں آرین ثابت کرنے کی کوشش ہوئی تو اول عہد امان اللہ خان (فرمانروائے افغانستان) میں اس مسئلہ کو غیر سرکاری حیثیت میں منظر عام پہ لایا گیا۔ لیکن عہد محمد ظاہر شاہ میں اس مسئلہ نے قریب قریب سرکاری حیثیت حاصل کر لی۔ اور افغانوں کو آرین ثابت کرنے کیلئے تگ و دو ہونے لگی۔ اس سلسلہ کی مفصل بحث ہم کتاب افغان یا پٹھان میں کر چکے ہیں۔ جسکے اعادہ کی یہاں ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

اس مذکورہ اختلاف رائے کے باوجود تمام شجرہ نویسوں نے پٹھانوں کو قیس کی اولاد ظاہر کیا ہے۔ اور ان میں کی اکثریت یوں انھیں خیال کرتی ہے۔ کہ اس قبیلہ کو ظہور اسلام کی اطلاع حضرت خالد بن ولید

---

[1] نسب افاغنہ از محمد عبدالسلام خان

[2] ۔ افغان یا پٹھان ۔ از یوسفی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے ذریعہ ملی تو قیس کی قیادت میں پٹھانوں کے ایک وفد نے دربار رسالت میں شرف باریابی حاصل کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس دوران میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کو عبدالرشید کے لقب سے نوازا تو قیس عبدالرشید کے نام سے تاریخ کے اوراق میں جلوہ گر ہونے لگے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت خالد نے قیس سے اپنی لڑکی ساڑہ کی شادی بھی کر دی تھی۔ اور اس روایت کے پیش نظر پٹھان حضرت خالد کو اپنا روحانی مورث اعلیٰ خیال کرتے ہیں۔ اور بچوں کو لوری دیتے ہوئے بھی پٹھان مائیں خالد بابا کا یوں ذکر کرتی ہیں کہ

تو نوے دخالد
اللہ ھو شہ اللہ ھو

(تو حضرت خالد کا نواسہ ہے اللہ ہو۔ اللہ ہو)

قیس عبدالرشید کے تین بیٹے بیان کئے جاتے ہیں۔ (۱) سرابن (۲) بطان (۳) غرغشت۔ ان تینوں کی اولاد ہوئی جو اس وقت بھی دنیا کے ہر گوشہ، مشرق و مغرب میں نظر آتی ہے۔ اگرچہ ان کی کثرت آبادی افغانستان اور پاکستان کے شمال مغربی علاقوں میں مقیم ہے۔ اور وہ افغانستان میں۔ مستقلاً حکمران رہنے کے ساتھ ہندوستان میں بھی اندازاً آٹھ سو سال تک حکومت کر چکے ہیں۔ قبیلۂ یوسف زئی جسکے حالات پر یہ اوراق مشتمل ہیں قیس عبدالرشید کے بیٹے سرابن کی اولاد سے ہے، سرابن کے دو بیٹے شرخبون (شرف الدین) اور (خرشبلون (خیرالدین) نامی تھے۔ اولالذکر کی اولاد میں

۱؎ حیات حافظ رحمت خاں از سید الطاف علی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ترین ، شیرانی یا ترین اور اڑمڑ بیان کئے جاتے ہیں۔ (مشہور قبیلہ ابدالی اسی ترین کی اولاد سے ہے)۔ تو موخرالذکر کے تین بیٹے۔ قند، زمند، اور کانی تھے، کانی کی اولاد سے شنواری وغیرہ بیان ہوتے ہیں۔ تو زمند کی اولاد میں خویشگی اور محمد زئی جو اس وقت ہشت نگر (پشاور) میں آباد ہیں تیسرے بیٹے قند کے بھی دو بیٹے ہوئے، ایک کی اولاد غوری خیل اور دوسرے کی فاخے (شیخے) کہلائی۔ غوری خیل میں ملاگوری اللہ یار۔ (مہمند اور داؤدزئی) خلیل چمکنی اور زیرانی بیان کئے جاتے ہیں۔ تو خاخے (شیخے) کی اولاد کانڑی مک یا گاگ (گیگیانی) اور مند مشہور ہیں۔ پھر مند کی اولاد میں عمر اور یوسف تھے، عمر کے وفات پا جانے پر اسکے بیٹے مندڑ نے پرامس نے اپنے قبیلے کی قیادت سنبھالی تو ایک کی اولاد یوسف زئی اور دوسرے کی مندڑ کہلائی جانے لگی، زیر مکالمہ کتاب انہی دو قبیلوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

یوسف کے پانچ بیٹے (۱) اکو۔ (۲) موسے۔ (۳) علیے۔ (۴) میے (۵) اوریا تھے۔ تو مندڑ کے چار لڑکے (۱) مند۔ (۲) رزڑ۔ (۳) حضر، اور (۴) محمود کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ سب بعد میں مل کر اپنی کثرت تعداد کیوجہ سے ذیلی شاخوں میں منقسم ہوئے جن کی تفصیل آئندہ اوراق میں درج کردی گئی ہے۔

یہاں یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ قیس عبدالرشید کی اولاد کے شجرہ میں مورخین کو اختلاف رہا ہے اور اس اختلاف کیوجہ سے شاید ہی کوئی دو شجرے کلیتہً ایک دوسرے سے مل سکتے ہوں لیکن یہ اختلاف کسی طرح بنیادی اختلاف نہیں۔ اختلاف اسقدر ہے کہ شجرہ نویسوں نے ذیلی شاخوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے سلسلہ میں اپنی رائے و قیاس یا روایات کے پیش نظر انہیں مختلف ناموں سے منسلک کیا ہے یعنی اولاد کے اندراج کے وقت کثر ایک شجرہ نویس نے کسی ذیلی شاخ کو ایک خاندان میں دکھایا ہے تو دوسرے نے اسے دوسرے خاندان میں درج کر دیا ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی ہے کہ کم از کم یوسف زئی اور مندڑ قبائل کے مصدقہ شجرے پیش کریں۔ لیکن افسوس کہ اس کوشش سعی اور ارادہ کے باوجود ہم قبیلہ یوسف زئی کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ اس کا شجرہ مصدقہ ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ اختلاف ہو کیونکہ ہمیں کوئی مصدقہ قابل اعتبار شجرہ مل نہیں سکا۔

جہاں تک قبیلہ مندڑ کے شجرہ کا تعلق ہے ہمیں یقین ہے کہ وہ ہر حیثیت سے قابل اعتماد ہوگا۔ اس قبیلہ کو اپنی اولین بندوبست شیخ ملی میں جو املاک ملی تھیں وہ ان پر قابض رہے اور معمولی ردو بدل کے بعد جب انگریز نے اس علاقہ میں قدم رکھا اور بندوبست کا انتظام ہوا۔ تو افسران مال نے املاک پر قابض افراد کے نام کے ساتھ ان کے شجرے بھی مرتب کئے اور خود اس وقت کے زندہ افراد قوم سے اس کی تصدیق بھی کرالی تھی۔ ان کا اندراج سرکاری کاغذات میں ہوا اور جارے شجرے انہی سرکاری کاغذات کی امداد سے مرتب ہوئے ہیں۔ مذکورہ سرکاری شجروں میں انہیں افراد کے نام درج کئے گئے ہیں۔ جو اس وقت موجود تھے اس کے بعد پھر ان کی اولاد کے نام بھی درج کئے جاتے رہے اور اس وقت تک درج کئے جا رہے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جہاں تک انگریز کی اولین بندوبست کے شجروں کا تعلق ہے وہ تو ہم نے سرکاری کاغذات کے مطابق درج کر دیئے ہیں [1] اور بعد میں جن جن قبائل کے ذیلی با تفصیل شجرے ملے ۔ ان کا بھی اندراج کر دیا گیا ہے ۔ لیکن بنیادی اور ابتدائی شجرہ میں بعض افراد قبیلہ کی اولاد اس وجہ سے ظاہر نہ کی گئی تھی کہ وہ اس وقت خود زندہ موجود تھے ۔ اس وجہ سے ان کا سلسلہ وہیں تک دکھائی دیتا ہے ۔ ان میں بھی جن کی اولاد کا مصدقہ پتہ چلا اسے درج کر دیا گیا ہے ۔ اور بقیہ کو یوں ہی چھوڑ دیا گیا ہے ۔ اور توقع ہے کہ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن تک ۔ اگر بقیہ نام بھی مل گئے تو درج کر دیئے جائیں گے ۔ مختصراً ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ مندڑ کے درج شدہ شجروں پر پوری طرح اتحاد کیا جا سکتا ہے ۔

---

[1] قبیلہ مندڑ کے شجروں کے حصول میں ہم نے بڑی حد تک خان غالب خان عمر خیل ساکن کالا افسر شمال ارافیات علاقہ صوابی کے تیس سالہ تجربہ سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مختصر شجرہ از قیس عبدالرشید تا اولاد یوسف ومندڑ

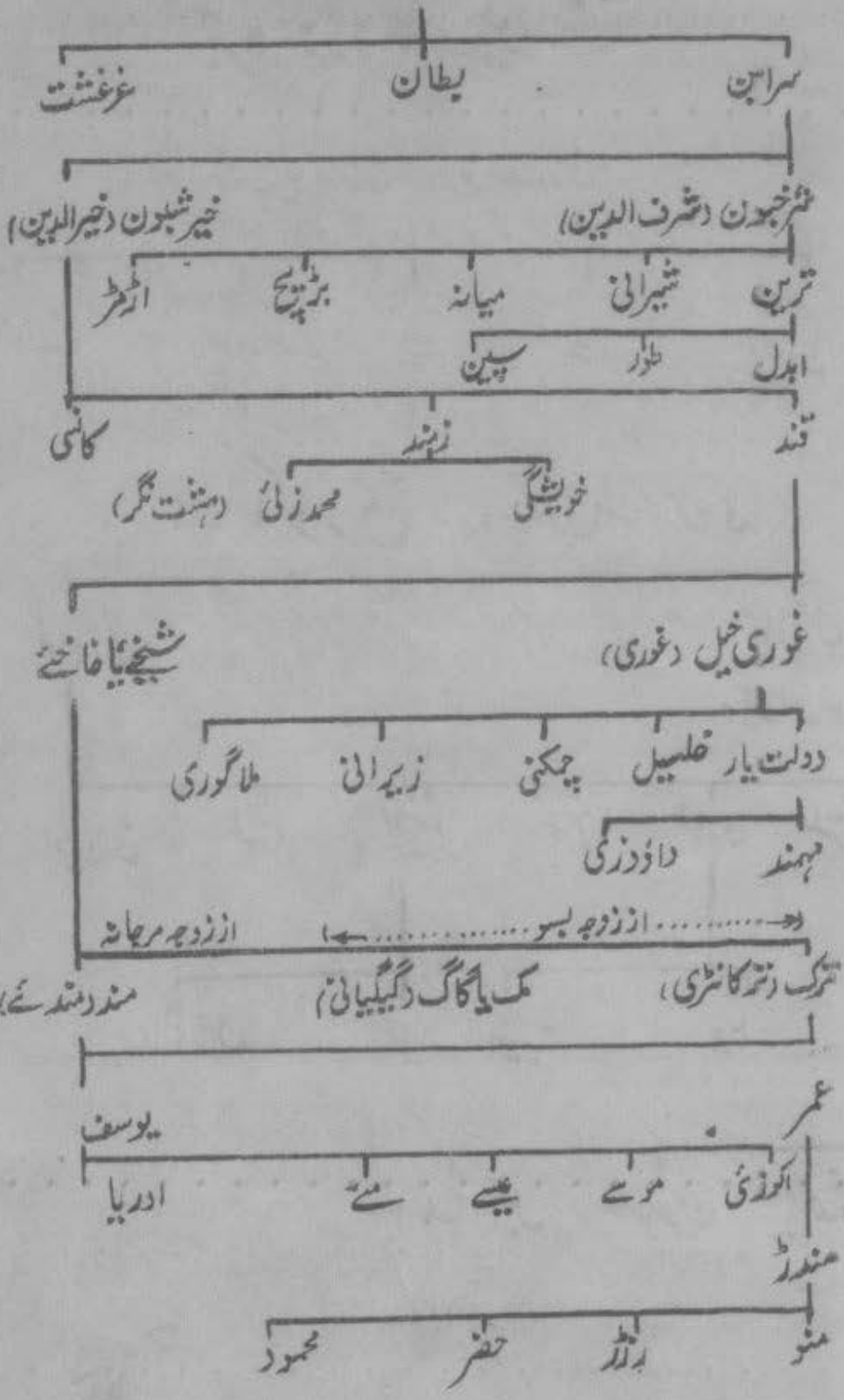

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شجرہ اولاد ملک یوسف

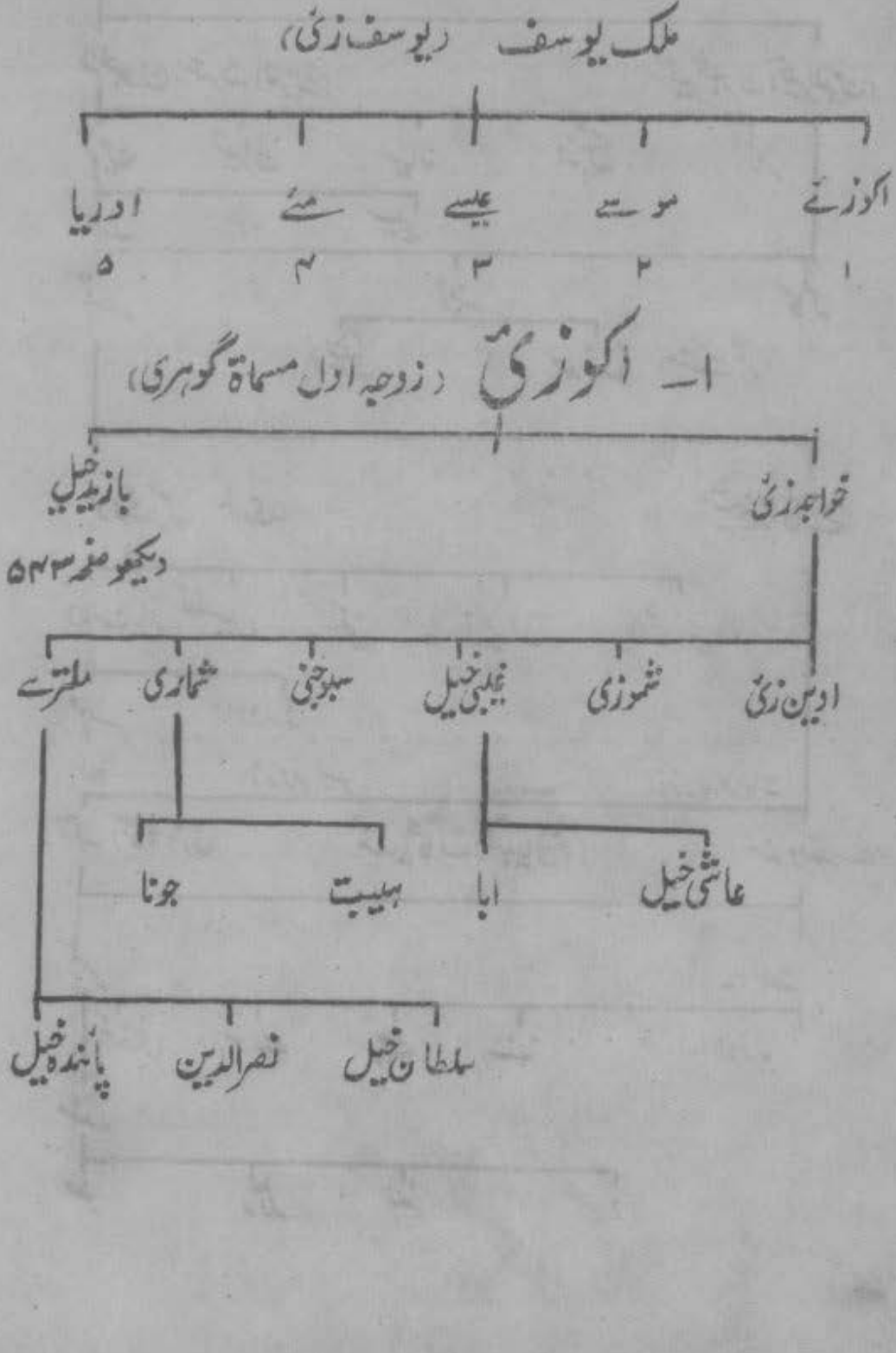

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بازید خیل

(از صفحہ ۵۴۲)

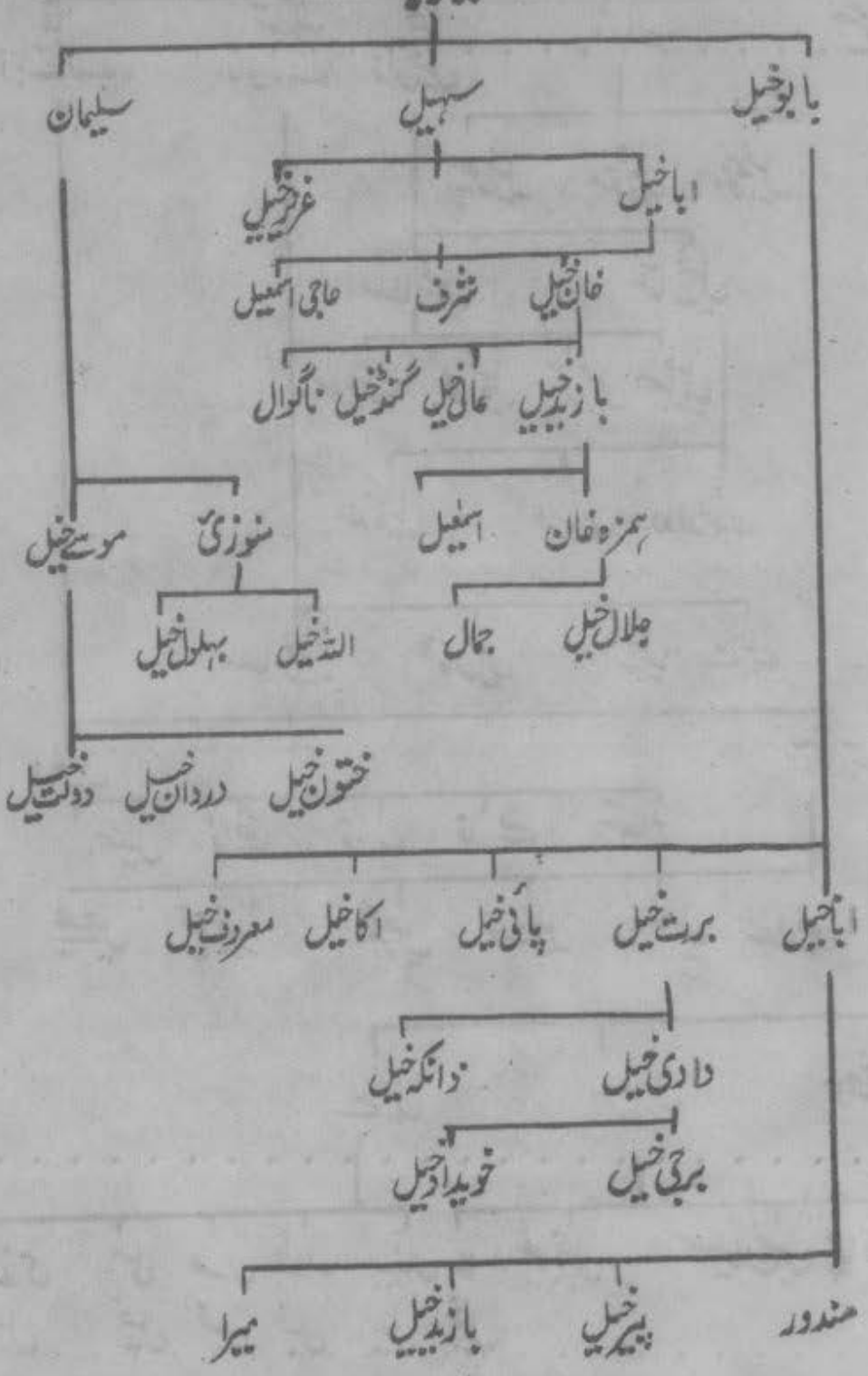

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

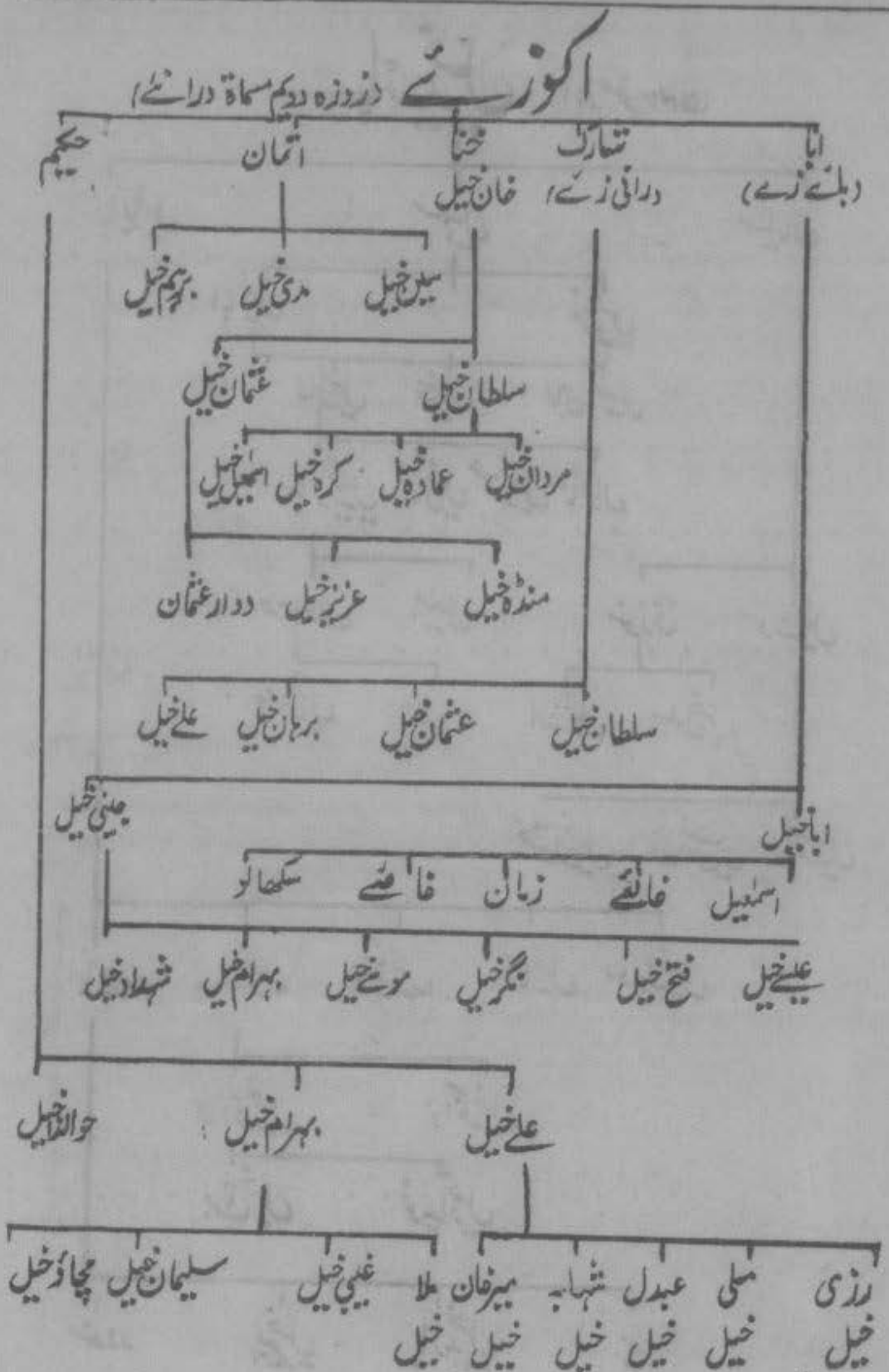

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

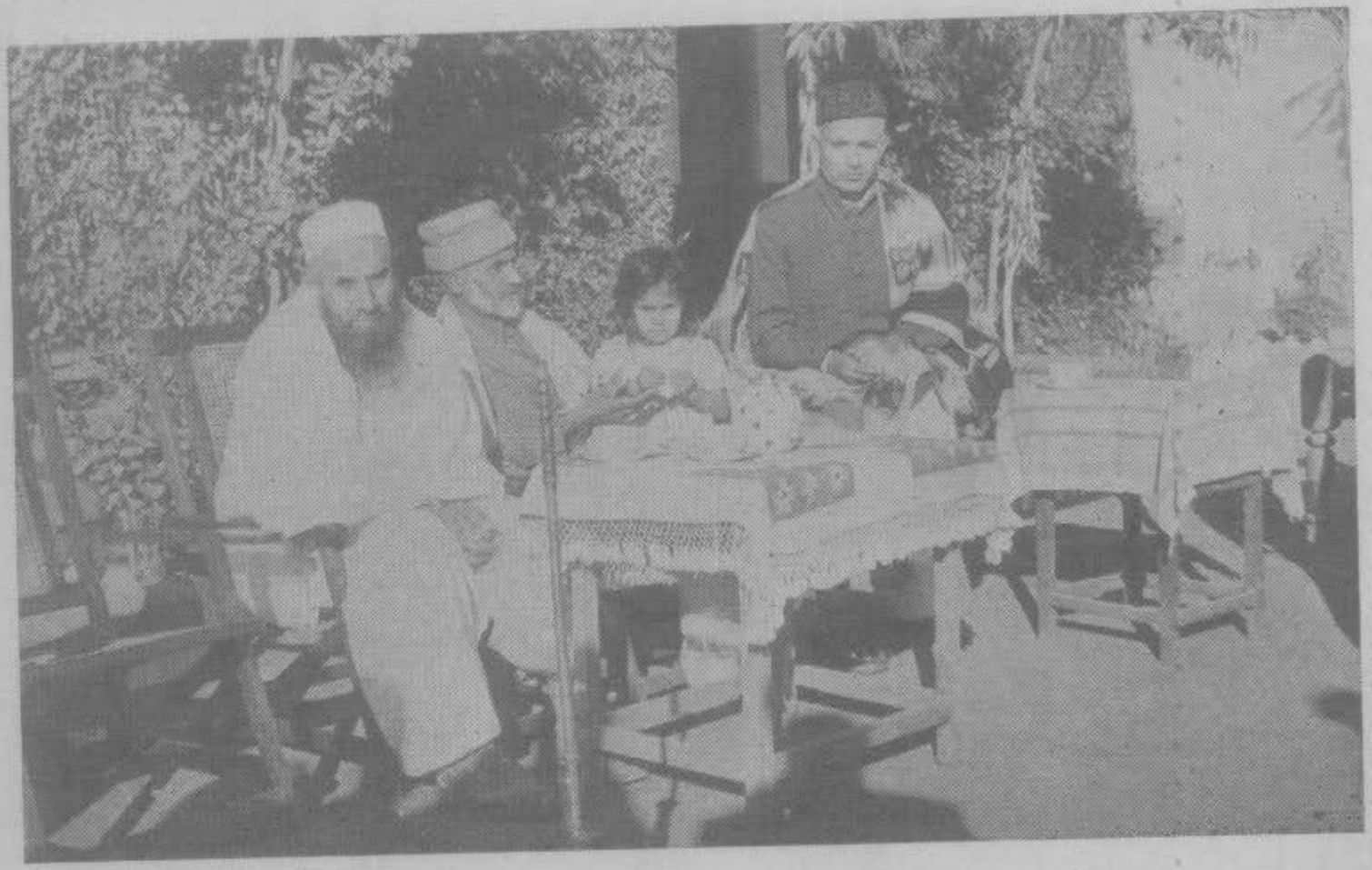

خان طالب خان - عمر خیل (یوسف زئے) (بائیں طرف سے دوسرے)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

۲۔ موسےٰ

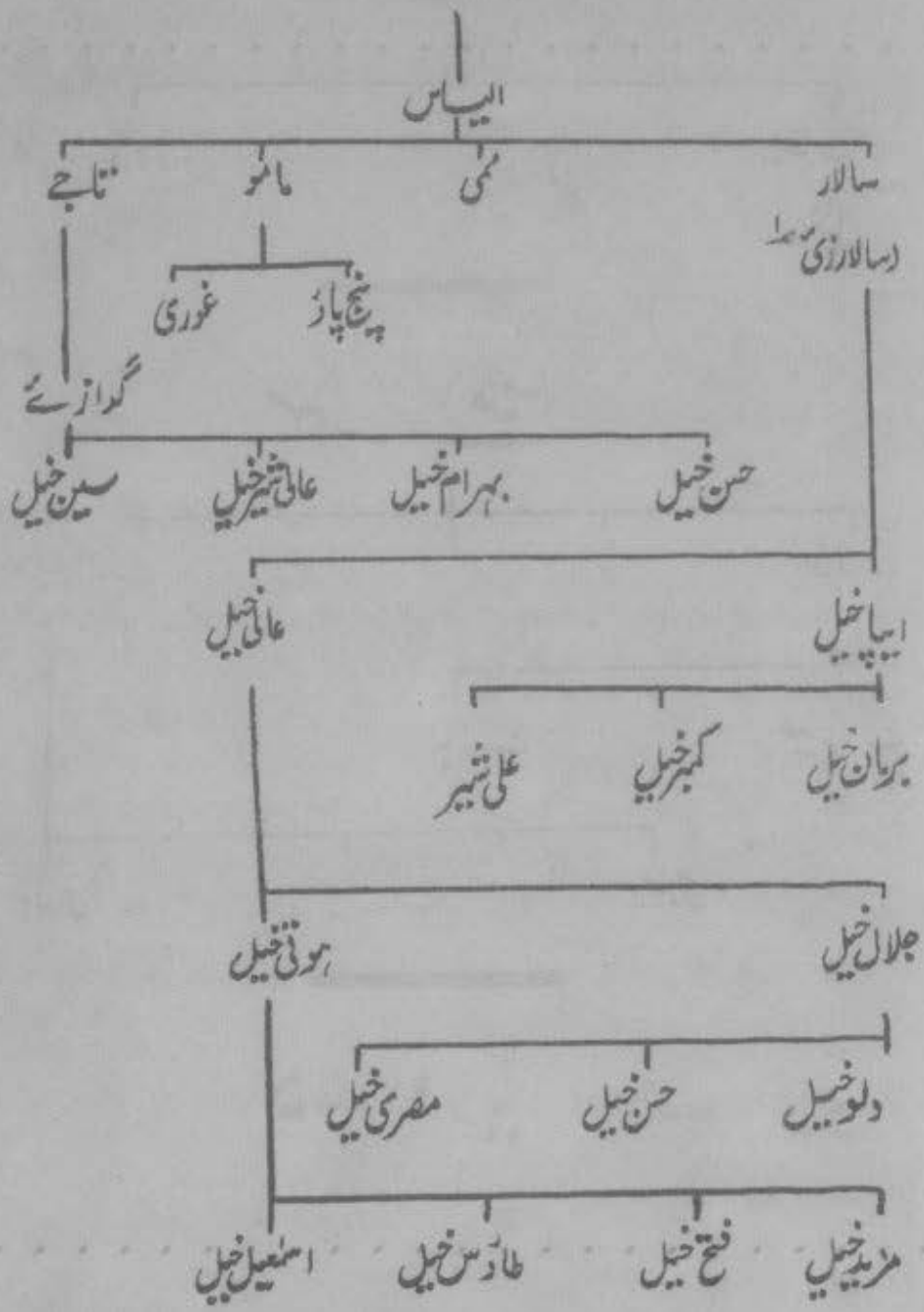

[1] دیکھو ضمیمہ ۵-۴

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

۳۔ عیسے [1]

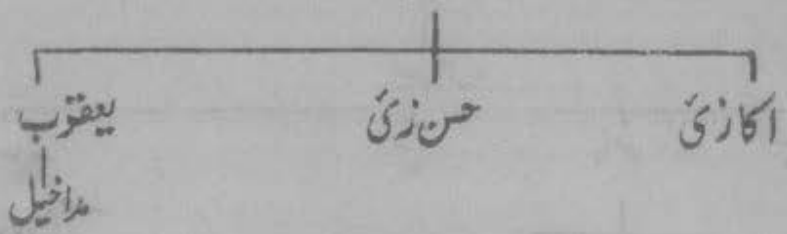

۴۔ مئے

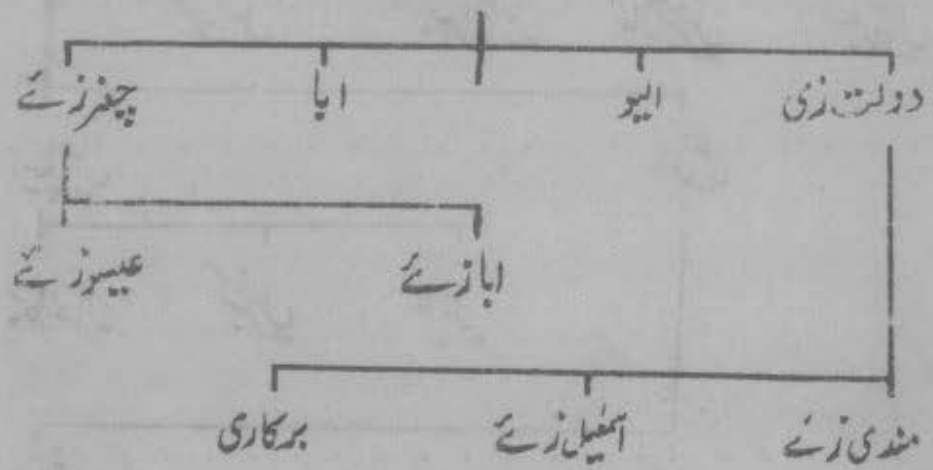

۵۔ اوریا

[1] یہ مہابن کے شمال میں ڈدماپہاڑ سے مشرق کیطرف تنادل تک آباد ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

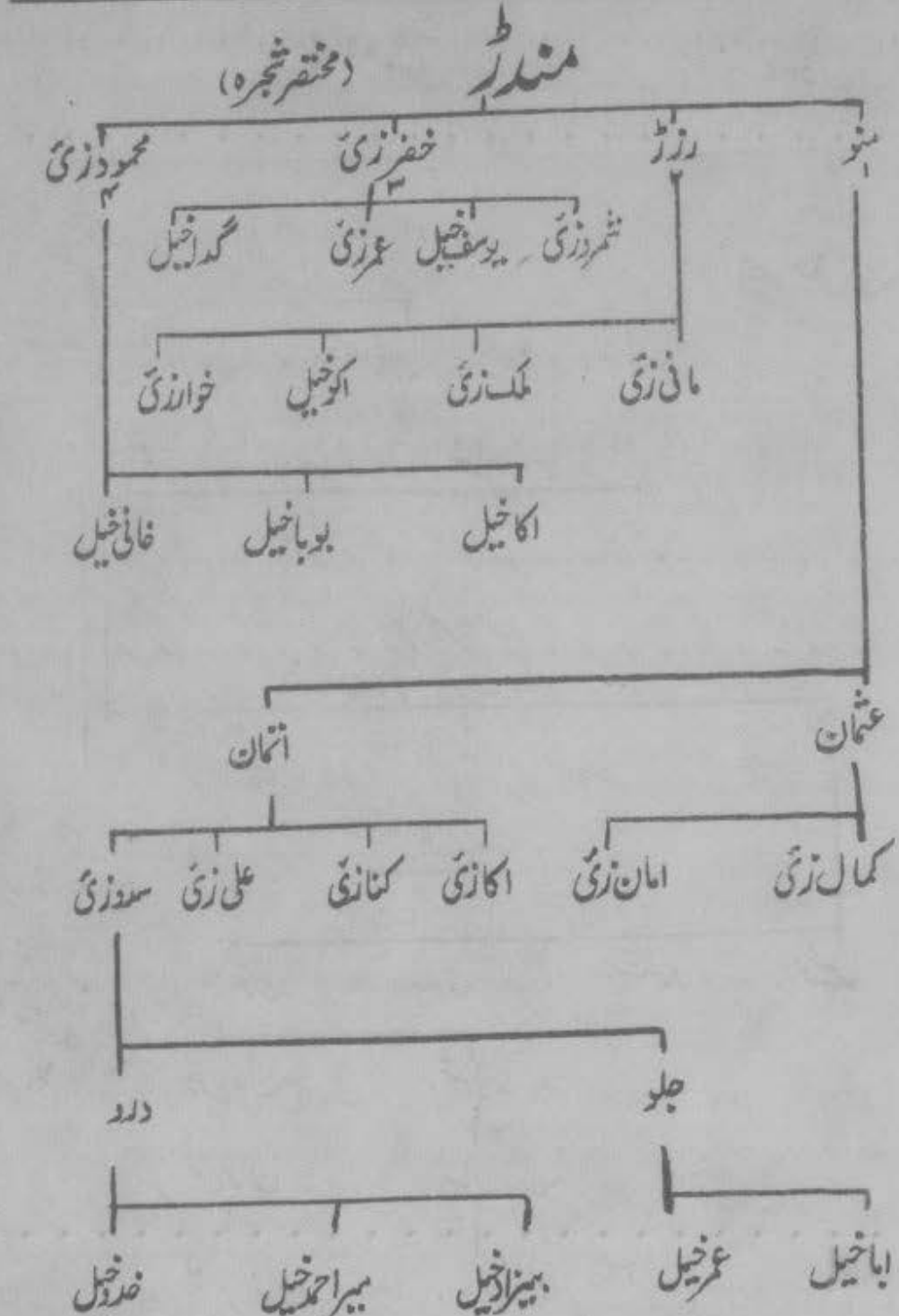

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

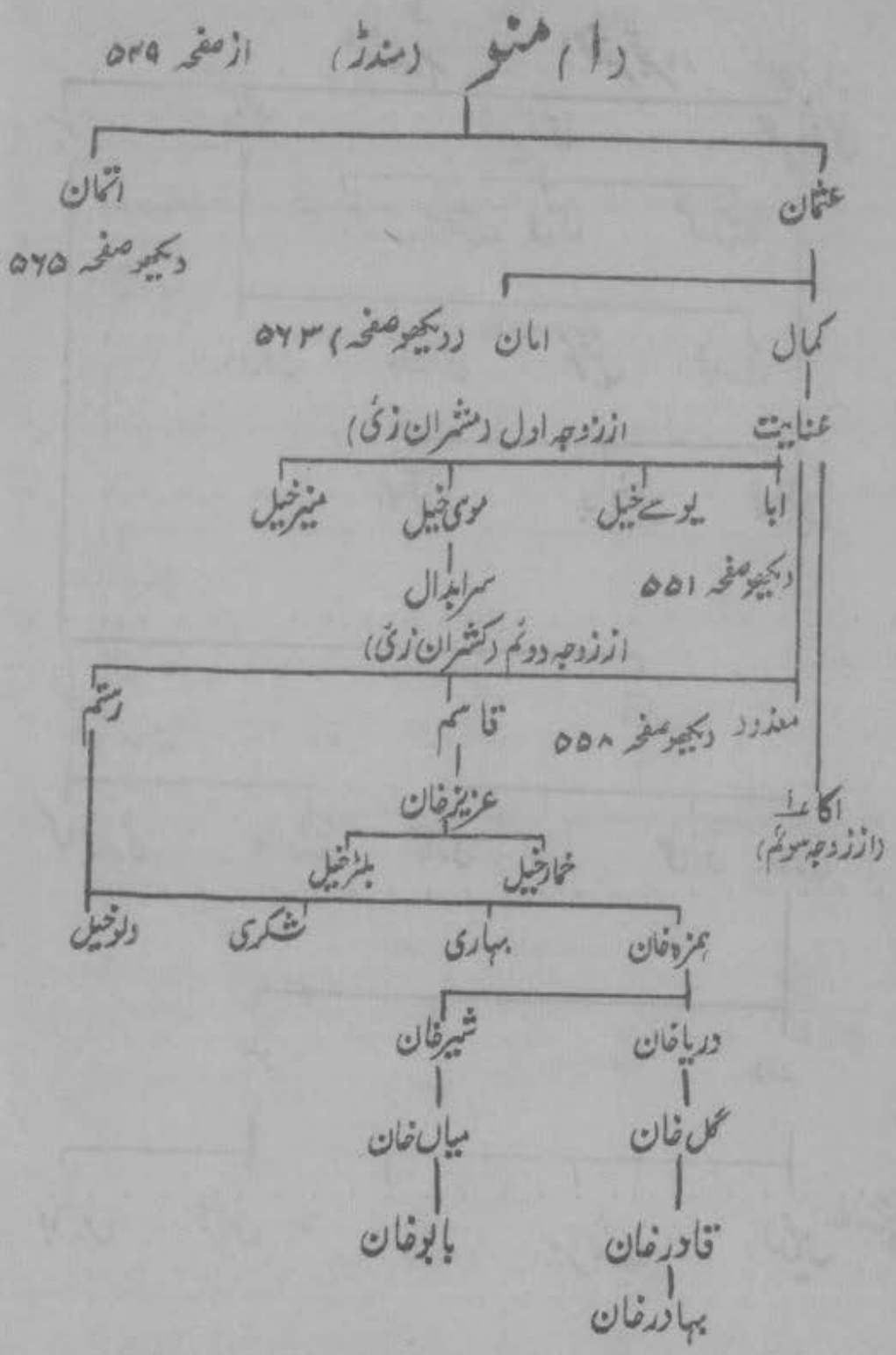

[1] اکا کی اولاد (اکازئی) مشتران زئی سے گھل مل چکی ہے اور موضع معیار میں آباد ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

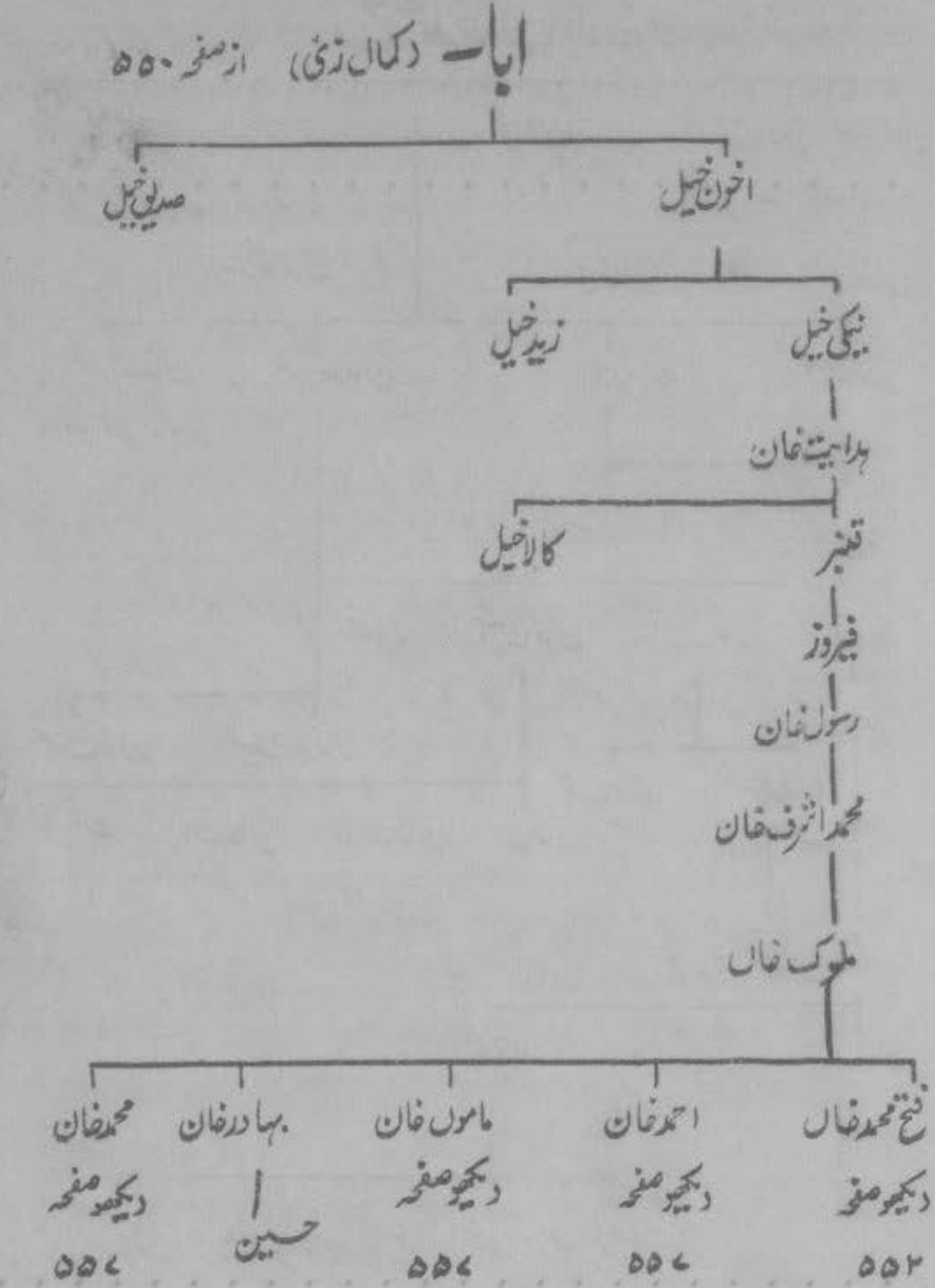

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

فتح محمد خان (کمال زئی) از صفحہ ۵۵۱

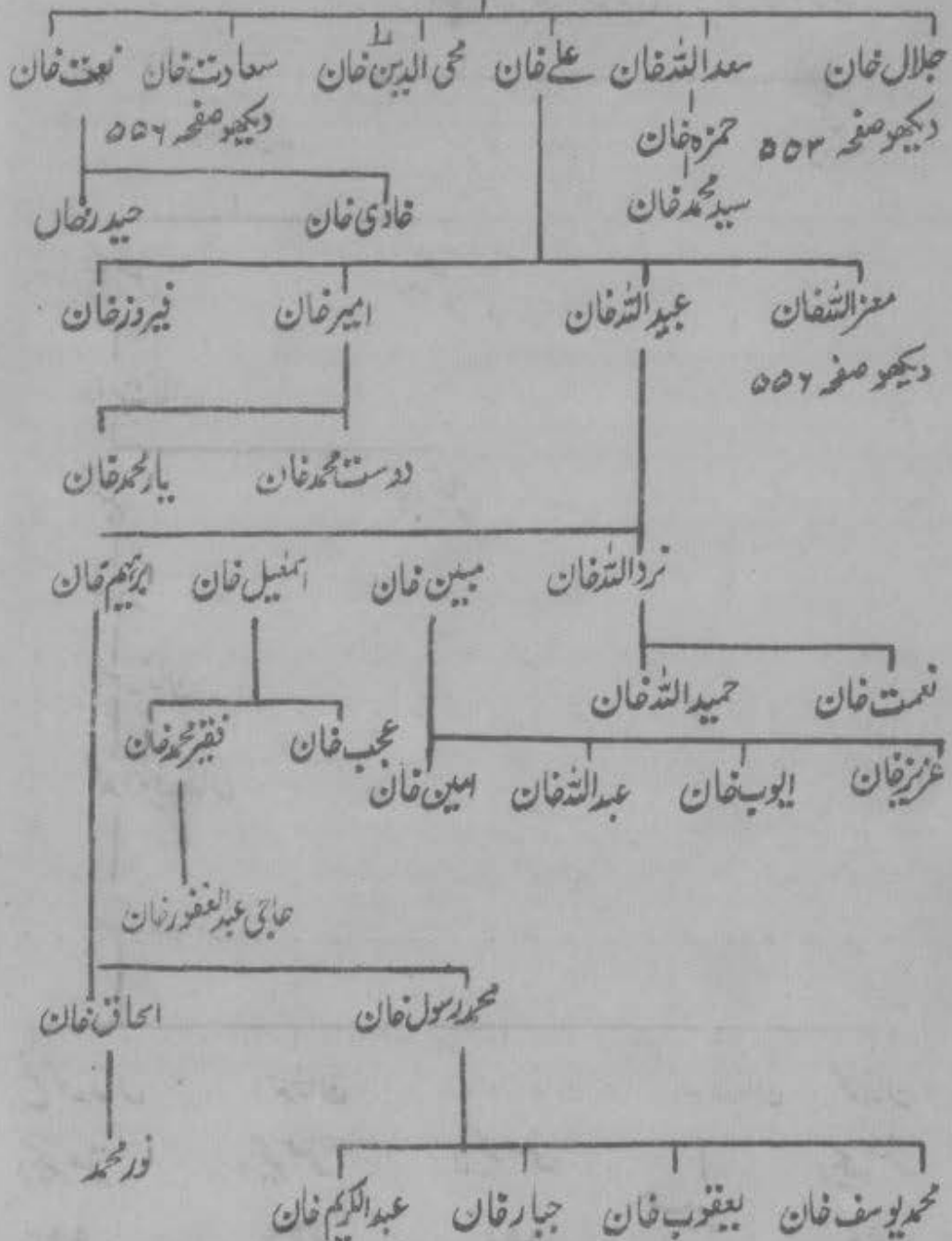

[1] سکھوں سے جنگ میں شہید ہوئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جلال خان (کمال زئی) از صفحہ ۵۵۲

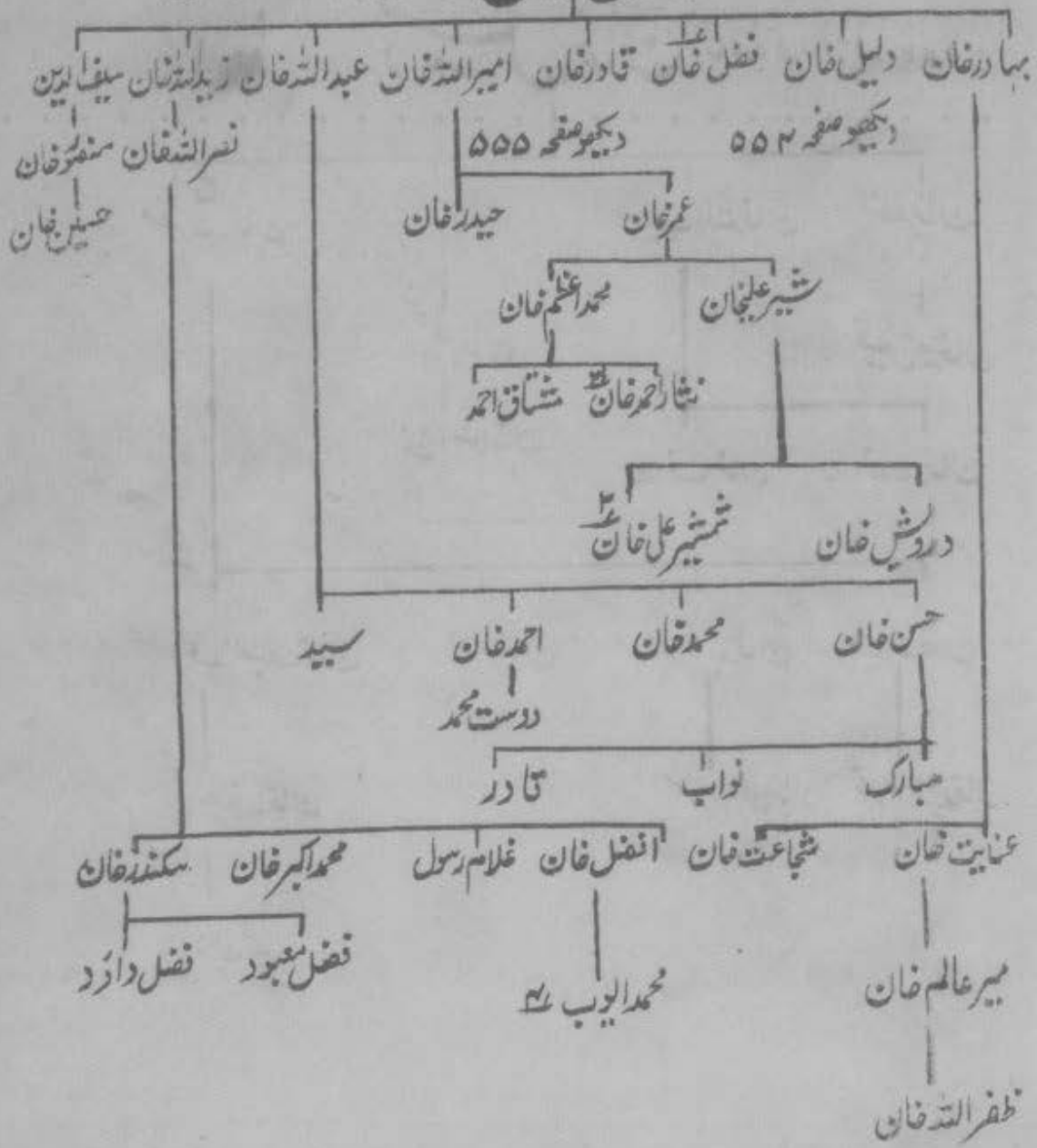

---

[1] افضل خان جنگ بوتی میں بدوران تحریک مجاہدین شہید ہوئے، [2] اسسٹنٹ کمشنر کوہاٹ
[3] اے۔ ڈی۔ ایم پشاور [4] حاجی صاحب ترنگ زئی کے ساتھ مصروف جہاد ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

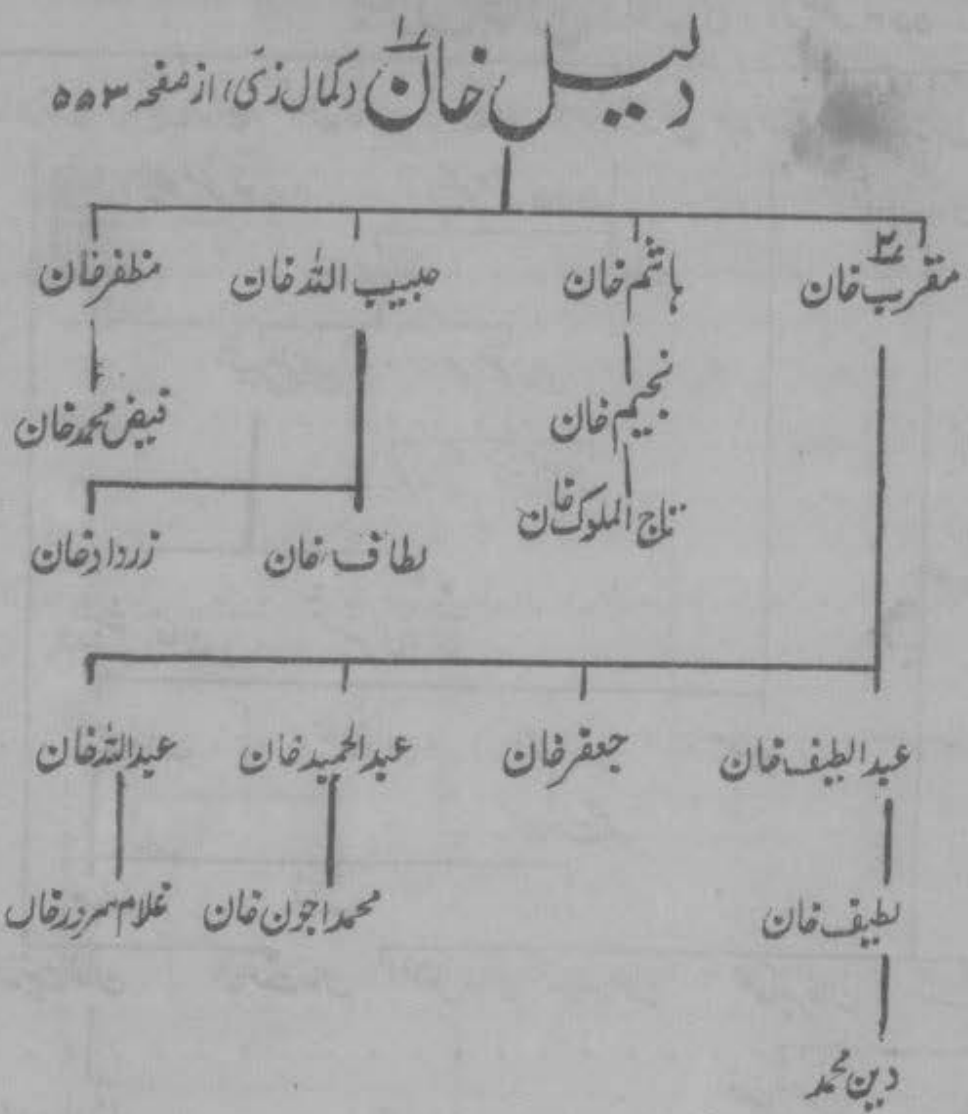

---

[1] سید احمد شہید کے رفقا میں سے تھے سید صاحب طور و میں انہی کے پاس مقیم رہے

[2] ۱۸۱۸ء میں تادر خاں کے حق میں خانی سے دستبردار ہوئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

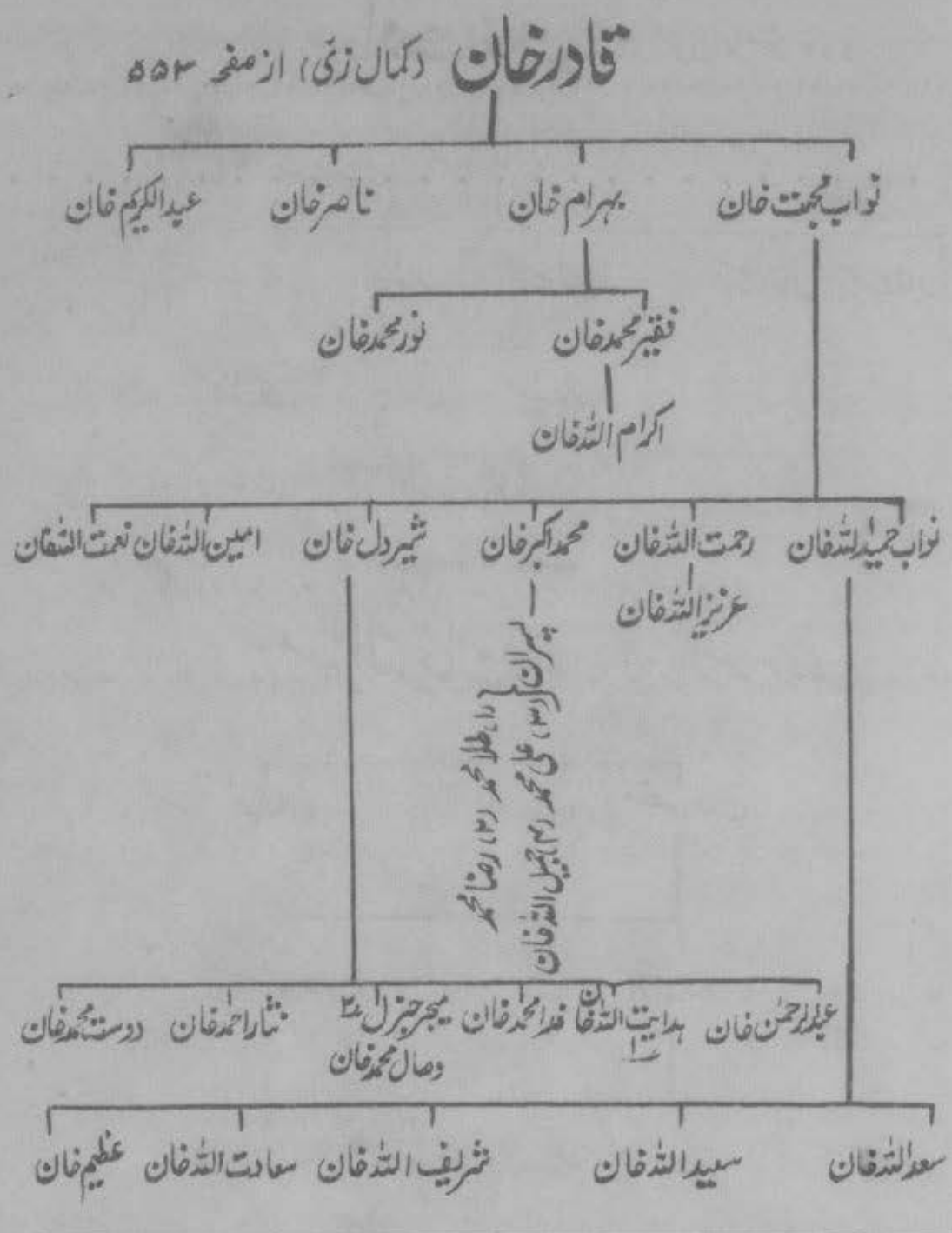

[1] ڈیرہ اسمٰعیل خان ڈویژن میں کمشنر ہیں

[2] بری افواج پاکستان میں میجر جنرل کے عہدہ پر سرفراز ہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سعادت خان (کمال زئی) از صفحہ ۵۵۲

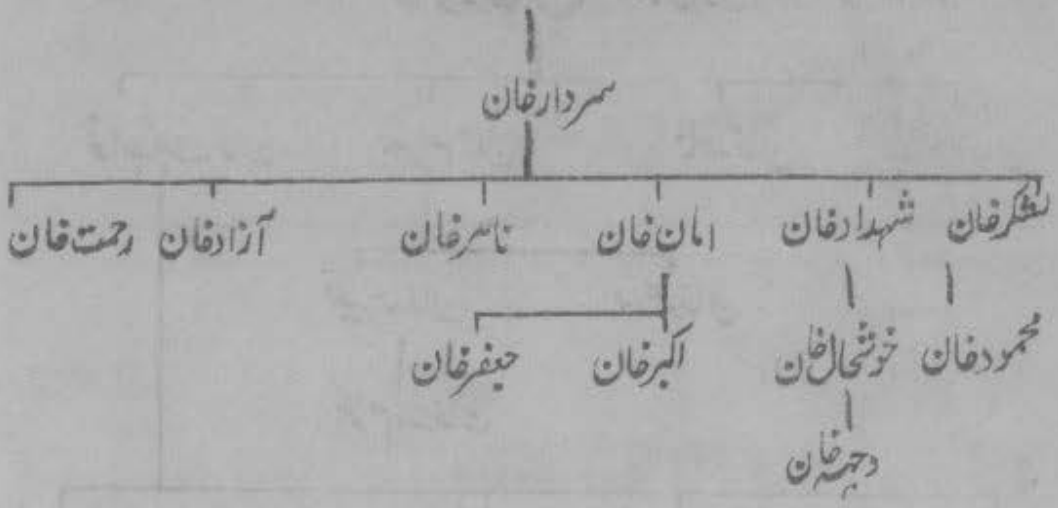

معزاللہ خان (کمال زئی) از صفحہ ۵۵۲

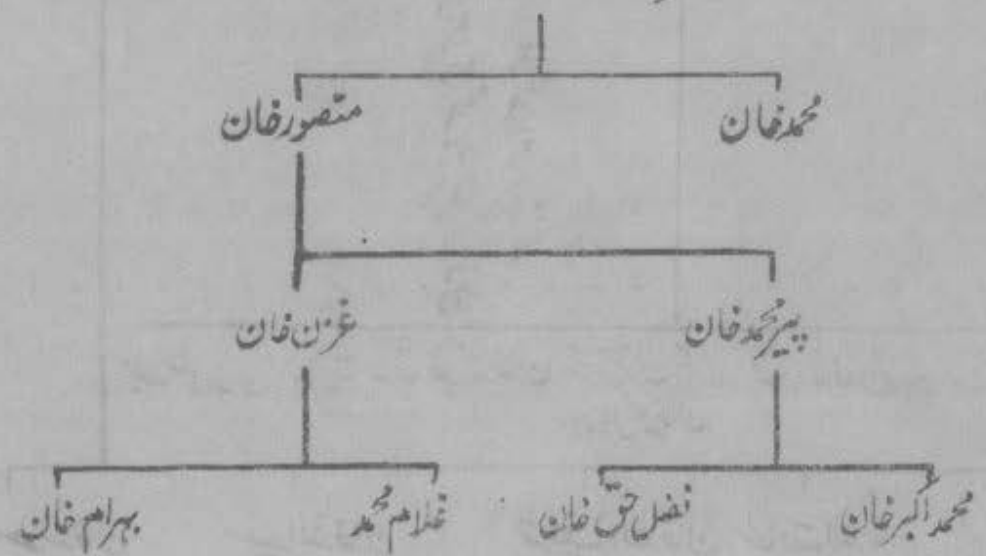

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

احمد خان (کمال زئی) از صفحہ ۵۵۱

- عظمت خان
  - نشیر محمد خان
  - عطا محمد خان
  - میر افضل خان
  - میر اسلم خان
  - اللہ داد خان
- ہاشم خان
  - زیارت خان

ماموں خان (کمال زئی) از صفحہ ۵۵۱

- نجات خان
  - محتشم خان
- مجیب خان
  - فیض اللہ خان

محمد خان (کمال زئی) از صفحہ ۵۵۱

- حسن خان
  - شاہ ولی خان
  - نوشیر خان
  - زور دست خان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

منعدود خان (کشران زئی) از صفحہ ۵۵۰

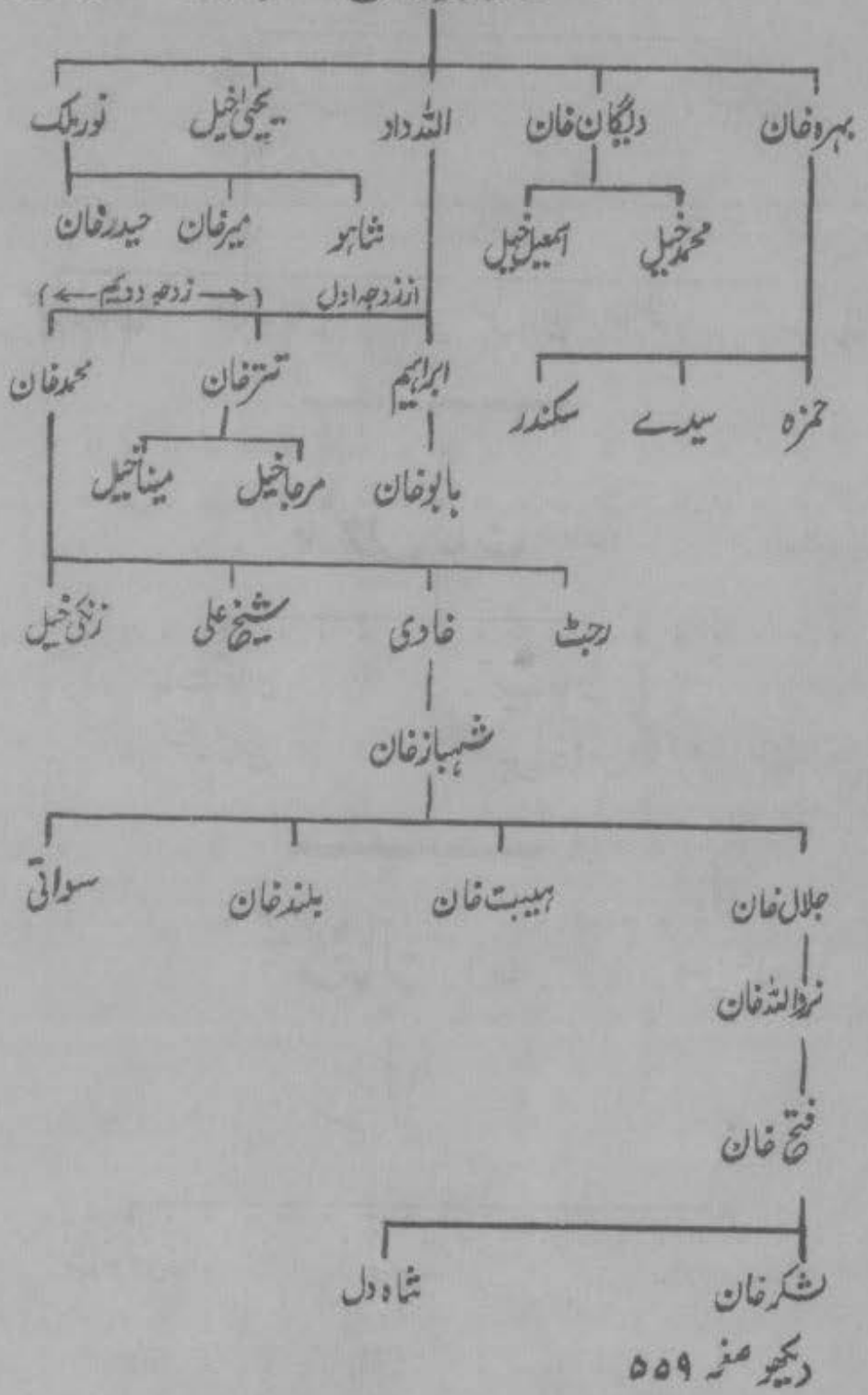

دیکھو صفحہ ۵۵۹

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شکر خان (کشران زئی) از صفحہ ۵۵۸

- شکر خان
  - احمد خان
    - میر افضل خان
      - ستار محمد خان
        - فتح محمد خان
          - محمد ایوب خان[1]
            - محمد پرویز خان
            - محمد یعقوب خان
            - (دختر)
        - سرفراز خان
          - دختر زوجہ سرفراز خان[2]
          - میر افضل خان
          - عزیز سرفراز خان
            - عباس سرفراز
        - عبدالرحمن خان
  - محمد خان — صفحہ ۵۶۰
  - میر باز خان — صفحہ ۵۶۱
  - رسول خان — صفحہ ۵۶۲
  - منصور خان — صفحہ ۵۶۱

---

[1] مسلم لیگ وزارت صوبہ سرحد میں وزیر تھے۔

[2] یوسف زئیوں میں پہلی عورت جو پاکستان کی مجلس آئین ساز کی رکن منتخب ہوئیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

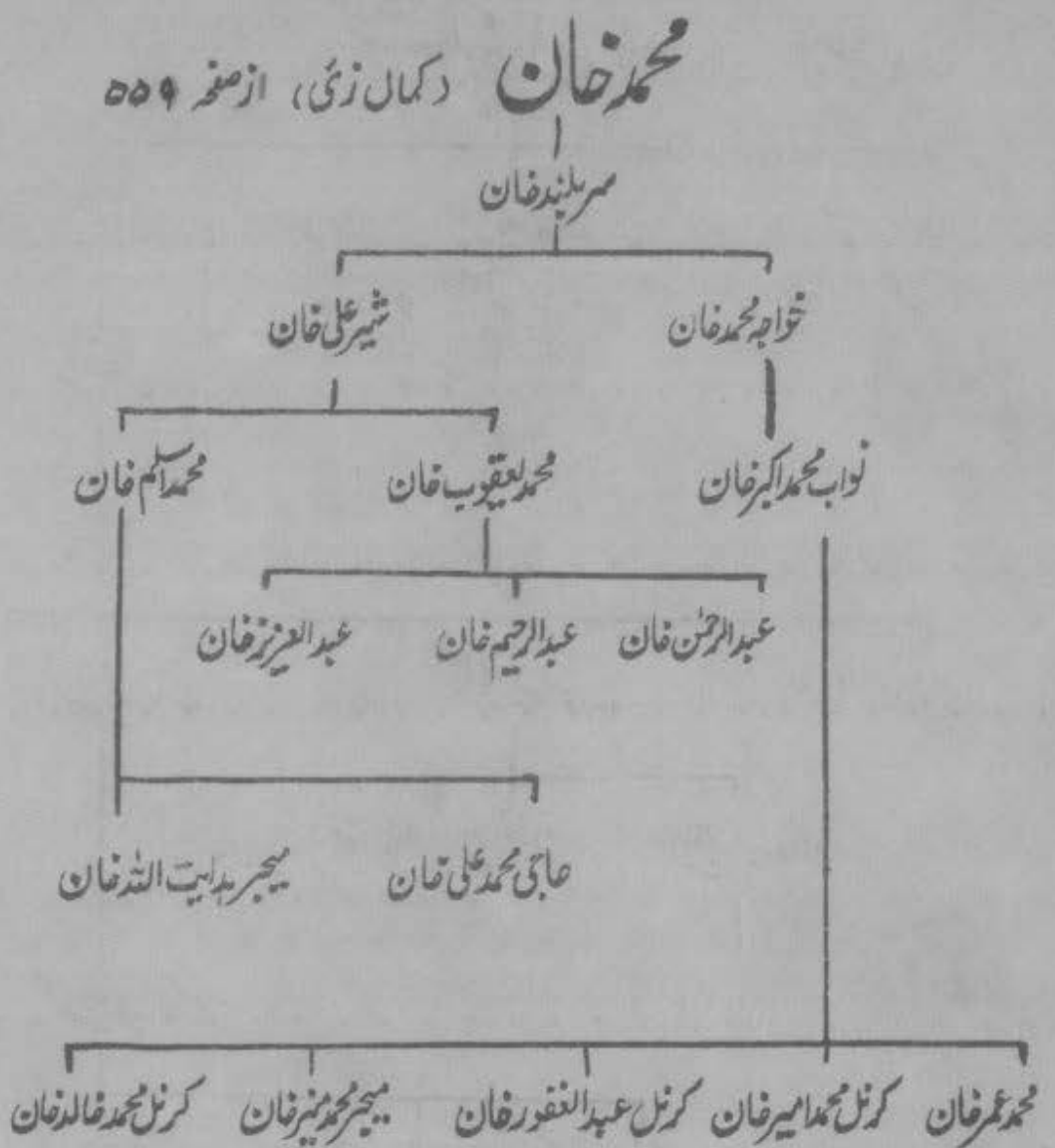

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میر باز خان (کمال زئی، از صفحہ ۵۵۹

- میر باز خان
  - یار محمد خان
    - عظیم خان
    - عمر خان
      - میر عالم خان
    - تاج محمد خان
  - عطا محمد خان
  - عباس خان
    - رستم خان
      - اکرم خان
    - لطاف خان
    - داؤد خان
    - شمشاد خان
    - نوشاد خان
    - ہستم خان

منصور خان کمال زئی از صفحہ ۵۵۹

- منصور خان
  - عرفان خان
    - شاہ پسند خان
    - غلام حیدر خان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

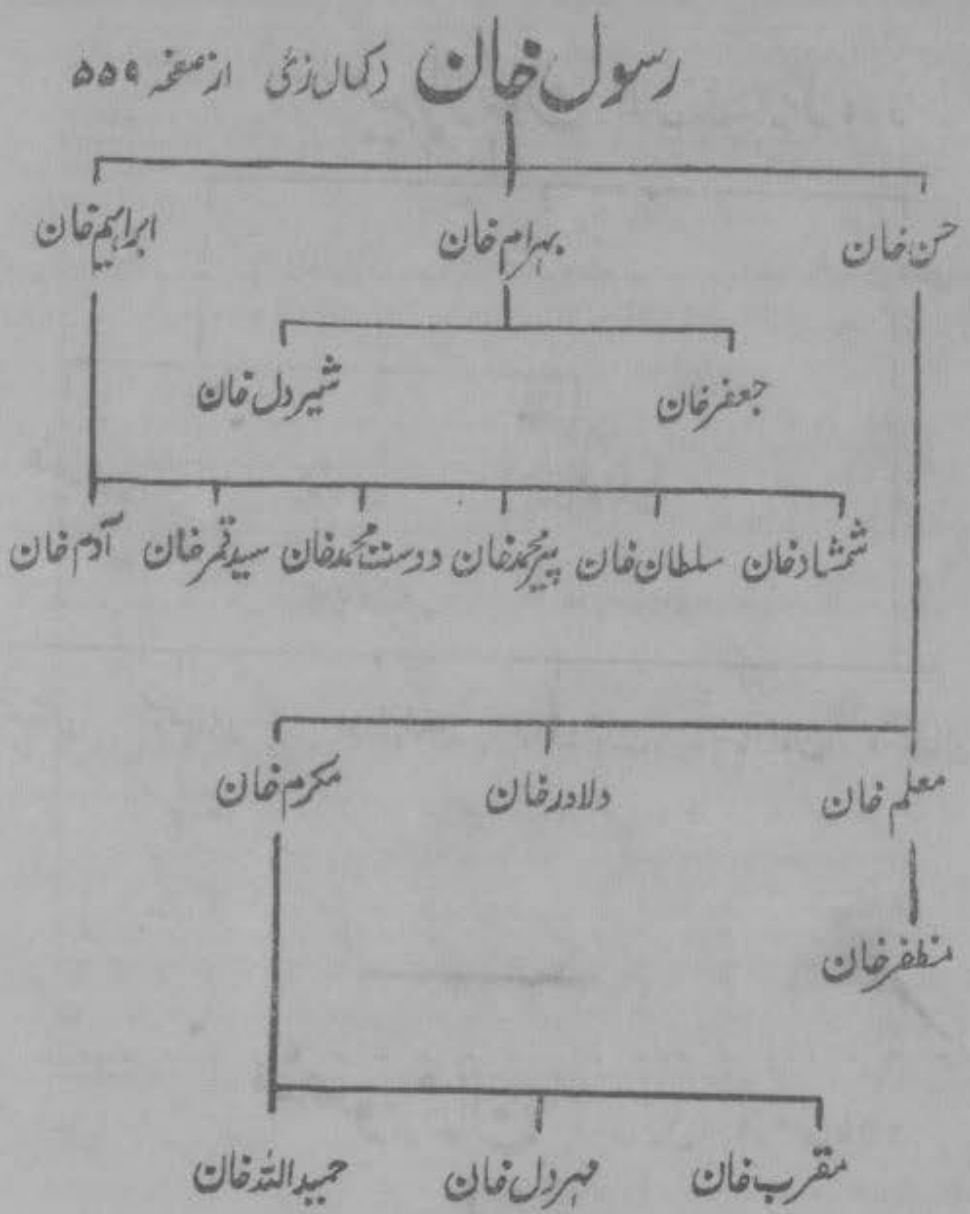

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

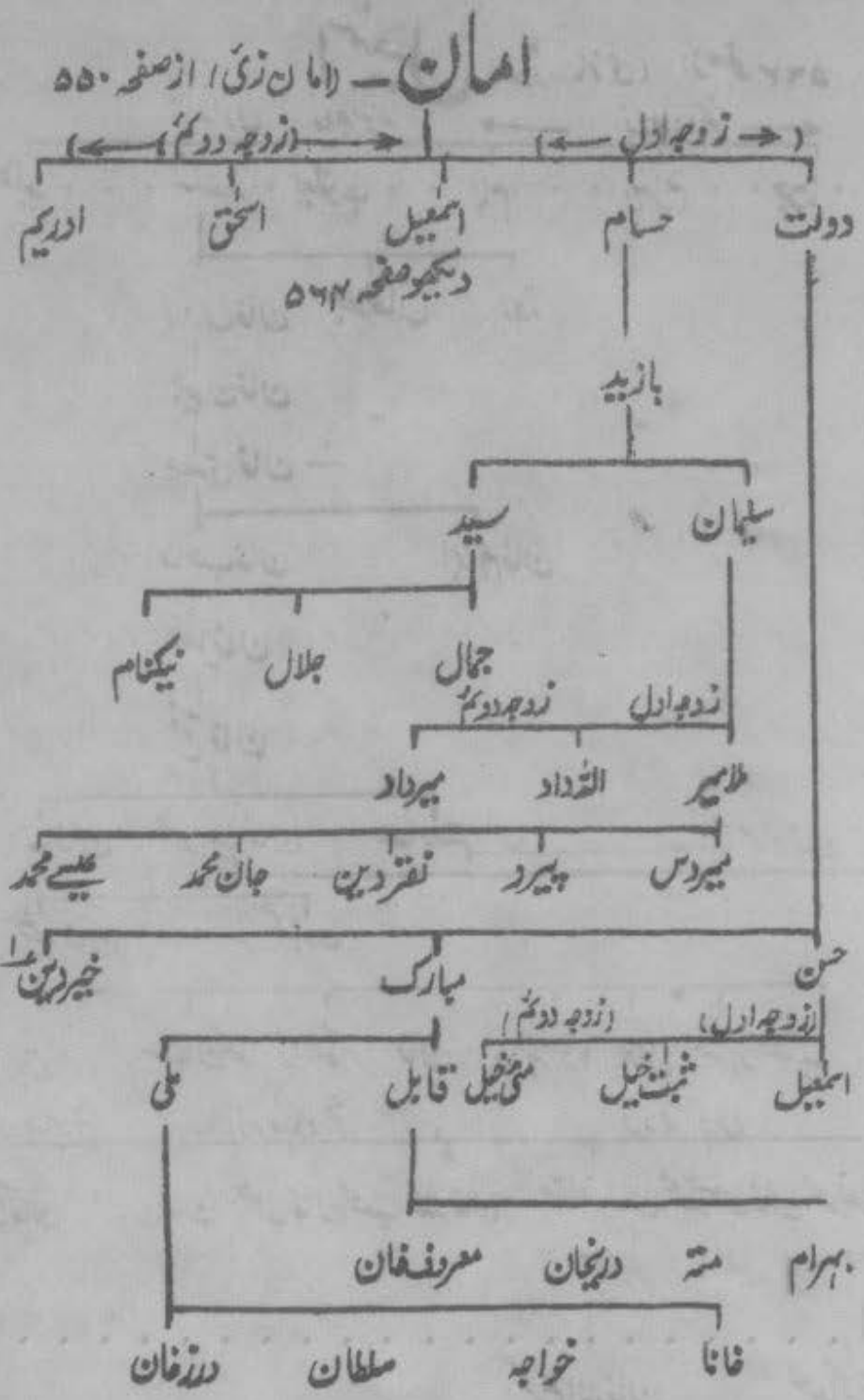

[1] یہ گڑھی دولت زئی میں آباد ہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

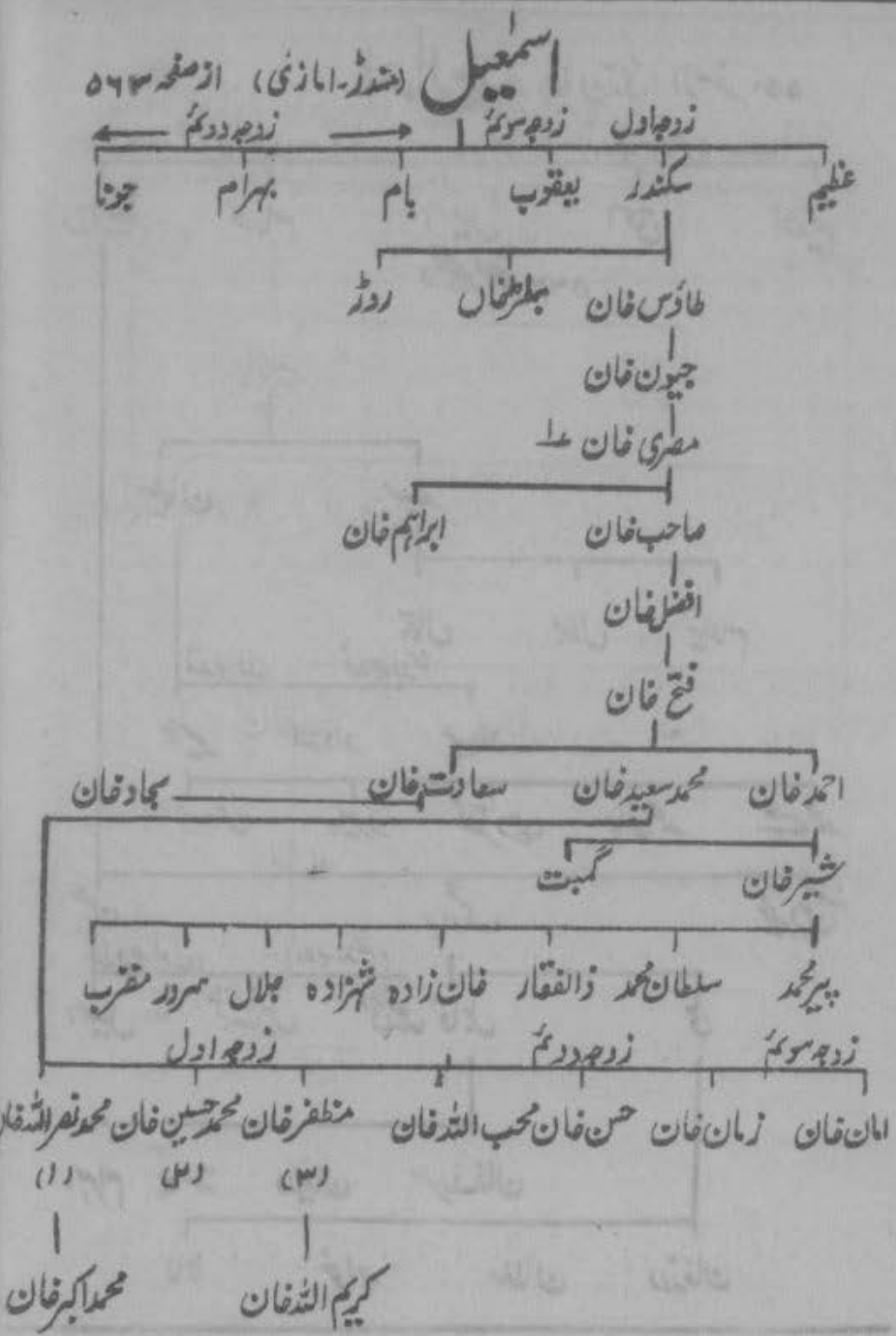

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اتمان (منڈڑ) از صفحہ ۵۵۰

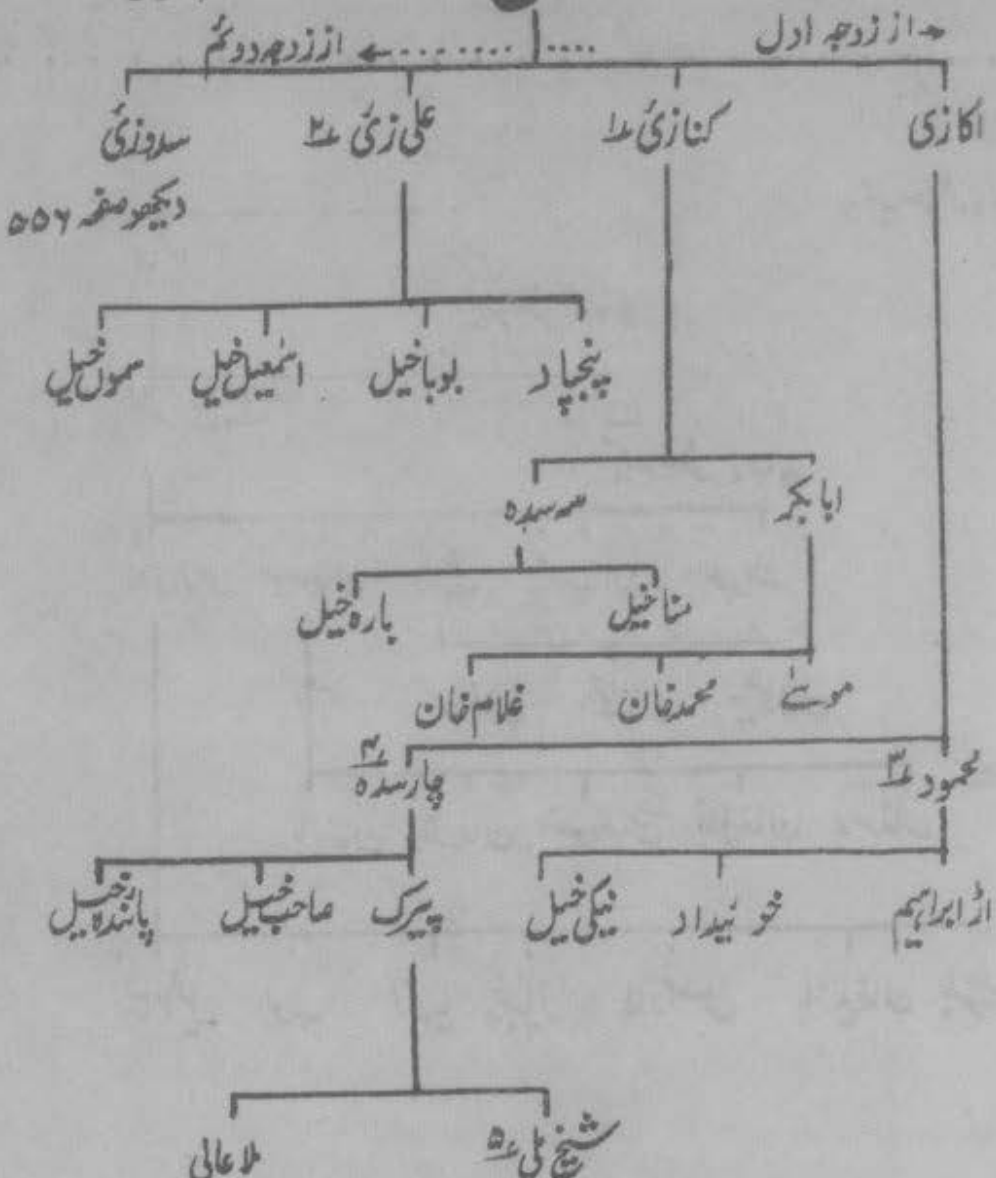

---

۱ کوٹہ۔ ٹوپی وغیرہ میں آباد ہیں۔ ۲ کوٹہ۔ ٹوپی۔ بوتہ۔ ہزارہ میں آباد ہیں
نمبر ۳، ۴ موضع بنی میں آباد ہیں۔ ۵ جنہوں نے یوسف زئیوں کا اربین "بندوبست" کیا تھا۔
نوٹ:۔ علی زئی کی اولاد سے طاہر خیلی۔ سید خانی اور خوشحال خانی ہزارہ میں بھی آباد ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سدوزئی

از صفحہ ۵۶۵

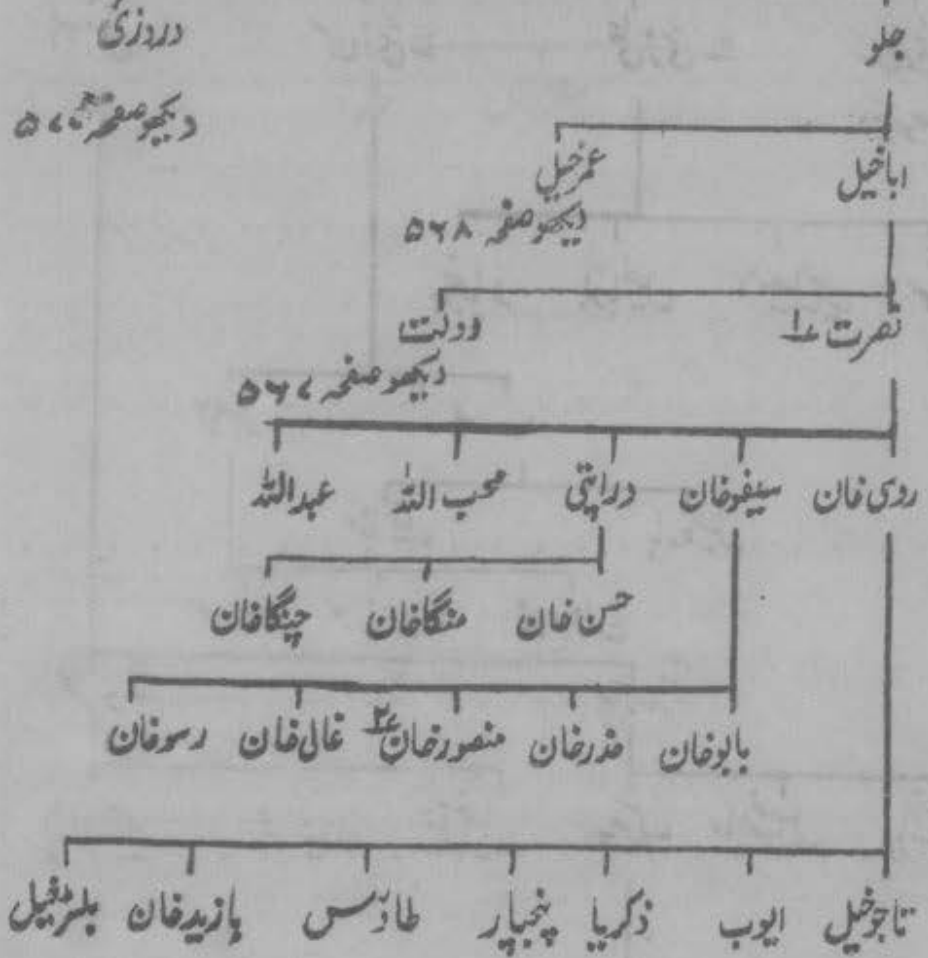

۱ نصرت کی اولاد، زیدہ، ہنڈ، لاہور، امبار، پنج پیر کڈی وغیرہ میں آباد ہے

۲ یہ منصور خان وہی ہے جسے ملک احمد خان نے بابر کے پاس بھیجا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دولت (سدوزئی) ازصفحہ ۵۶۶

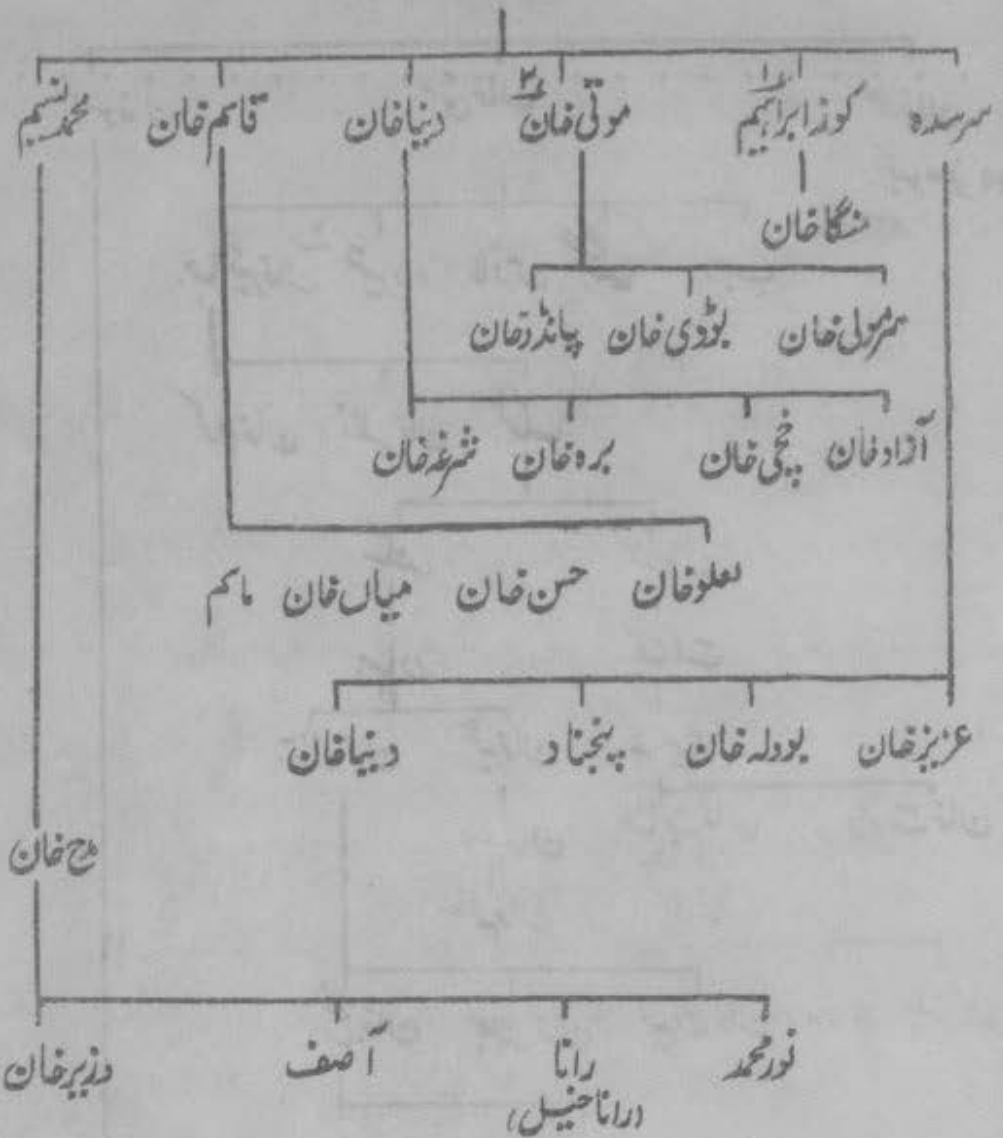

---

[1] کوزہ ابراہیم اور موتی خان کی اولاد موضع کنڈہ بین آباد ہے

باقی چاروں کی اولاد کندی قاسم خیل، کندی اباخیل کندی مج خیل اور کندی سرسدہ موضع شاہ منصور میں مقیم ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

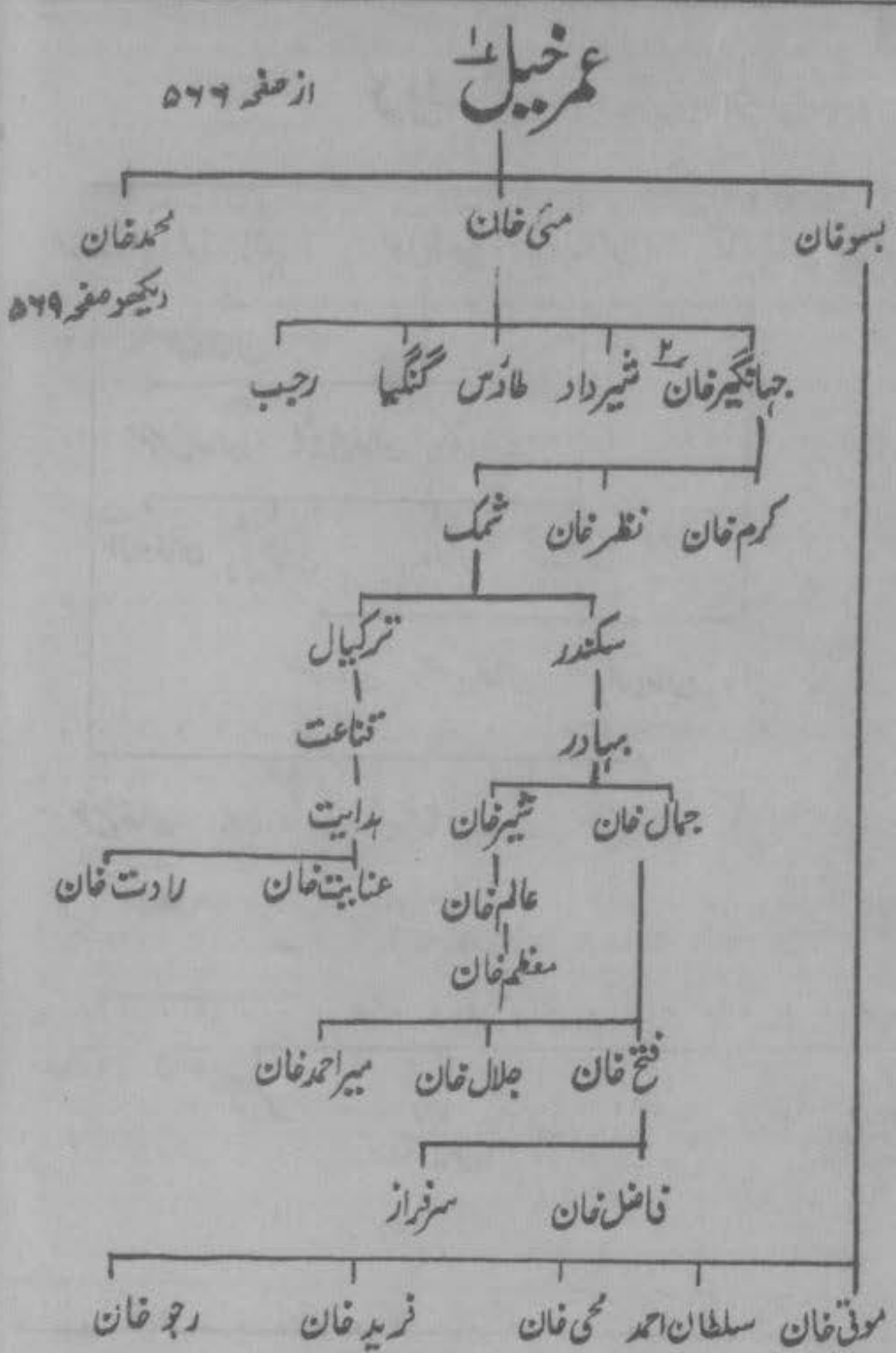

[1] عمرخیل مانیری، صوابی، کالا، درہ وغیرہ میں آباد ہیں۔ [2] دیکھو ضمیمہ ۱

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

محمد خان[1] (عمرخیل) از صفحہ ۵۶۸

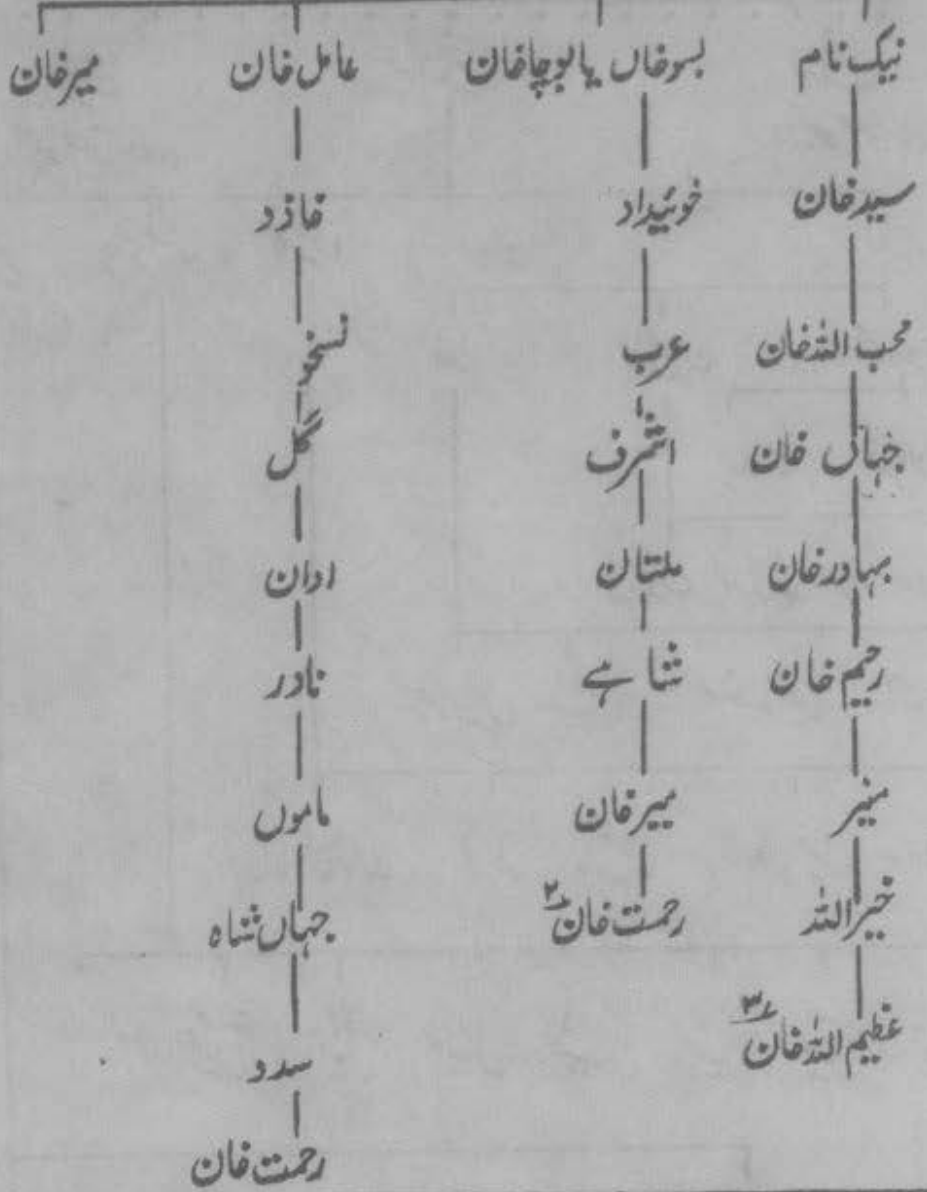

[1] محمد خان کی اولاد مانیری میں آباد ہے۔

[2] اسے حافظ رحمت خان روحیلہ خیال کیا جاتا ہے۔ دیکھو ضمیمہ ۲

[3] اسے جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء کا مفکر خیال کیا جاتا ہے۔ دیکھو ضمیمہ ۳

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دروزئی (سدوزئی) از صفحہ ۵۶۶

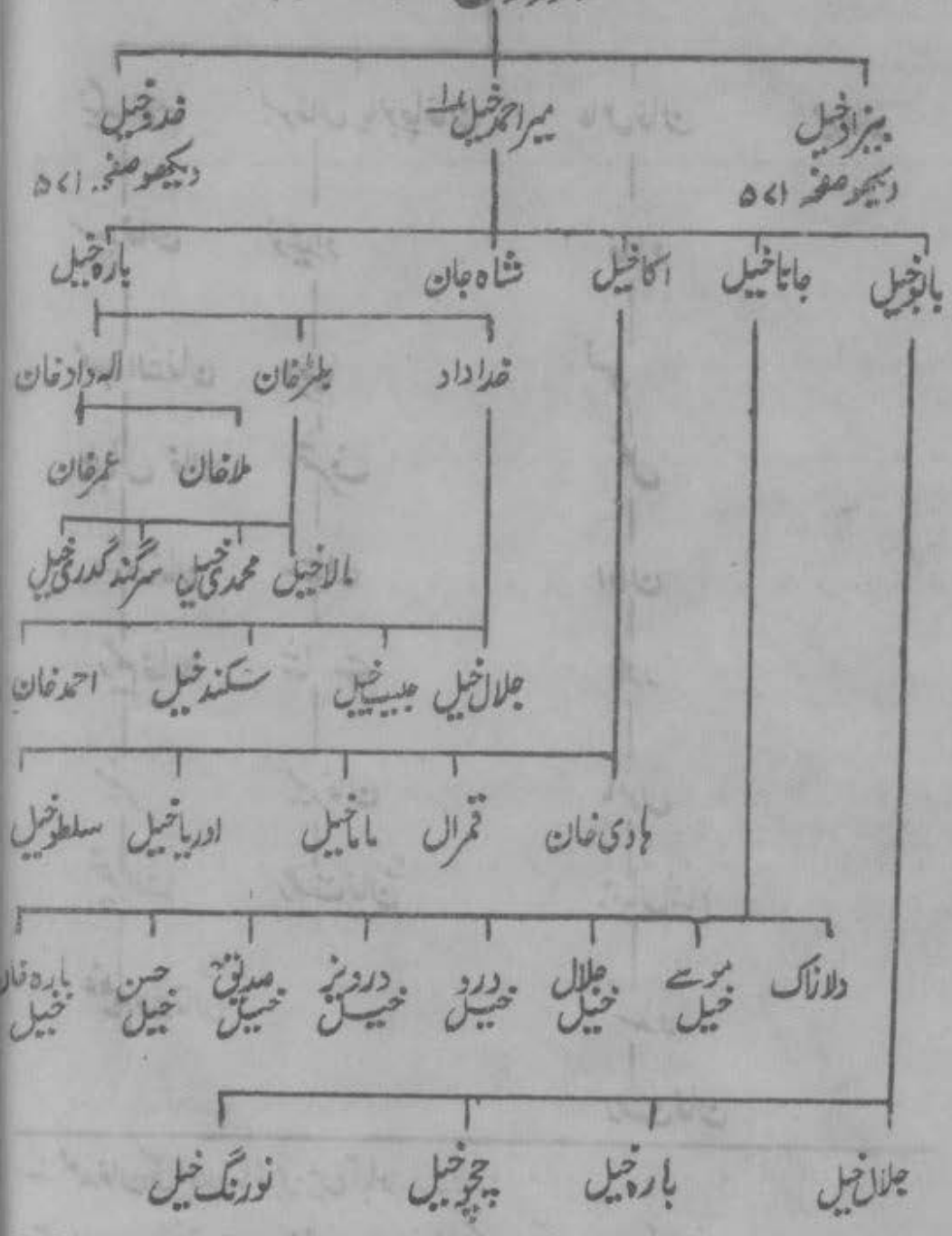

[1] مرغزہ ٹنکوئے، سلیم خان وغیرہ میں آباد ہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بیزاد خیل[1] (دروزئی) از صفحہ ۵۷۰

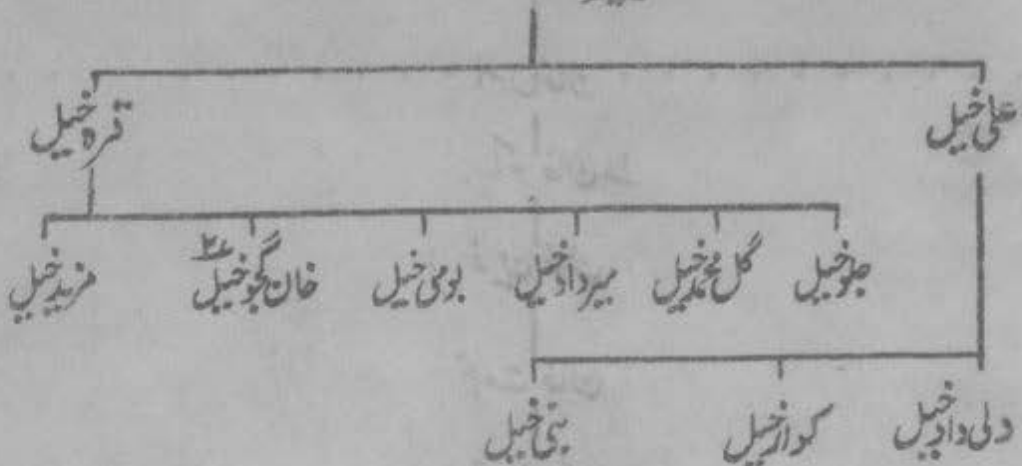

خدو خیل (دروزئی) از صفحہ ۵۷۰

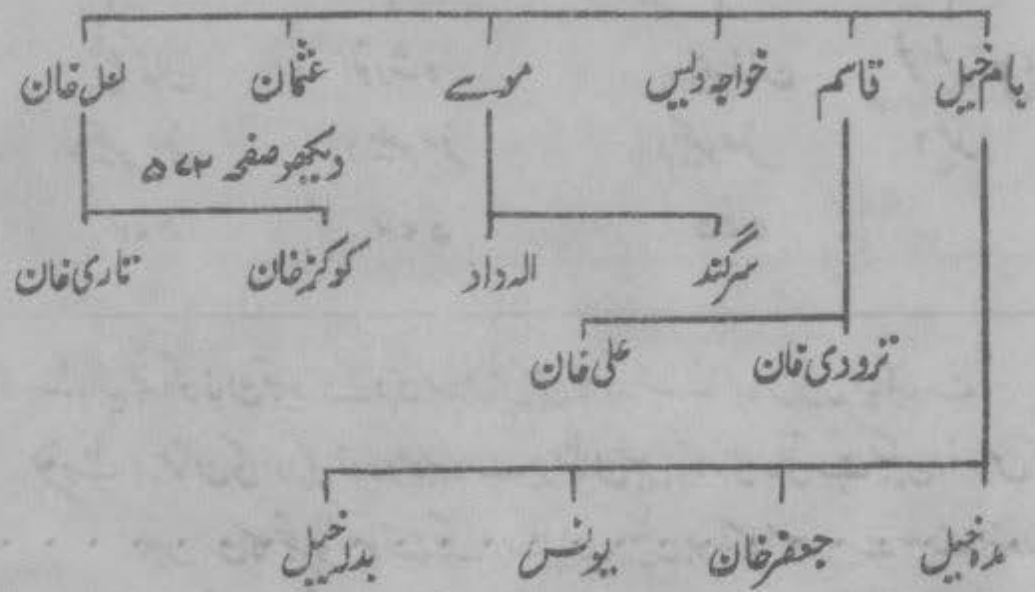

---

[1] بیزاد خیل کلابٹ اور سلیم خان وغیرہ میں آباد ہیں۔

[2] یہ ملک گجو خان وہی ہیں جنہوں نے ملک احمد خان کے بعد قیادت سنبھالی تھی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عثمان (خدوخیل) از صفحہ ۵۷۱

- ماموں خان
- بہاکو خان [1]
- زرین خان
- محبت خان
- رحمت خان
- نامدار خان
- الف خان

فتح خان	انور شاہ	ابراہیم خان	خوانین ڈھیری
دیکھو صفحہ	دیکھو صفحہ	دیکھو صفحہ	(چملہ)
۵۷۳	۵۷۴	۵۷۵	

[1] یہ بہاکو خان قبیلہ کے وہی سردار ہیں جن کا ذکر عہد شاہجہاں میں کیا گیا ہے۔

نوٹ:۔ عثمان کی اور بھی اولاد موجود ہے جو عثمان خیل پکاری جاتی ہے لیکن افسوس کہ ہمیں ان کا شجرہ اسوقت تک دستیاب نہیں ہو سکا اس لئے صرف مندرجہ بالا پر اکتفا کیا گیا ہے۔ بقیہ اولاد میں خان سلطان خان، امیر خان۔ زرداد خان وغیرہ ساکن باجاد وغیرہ بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

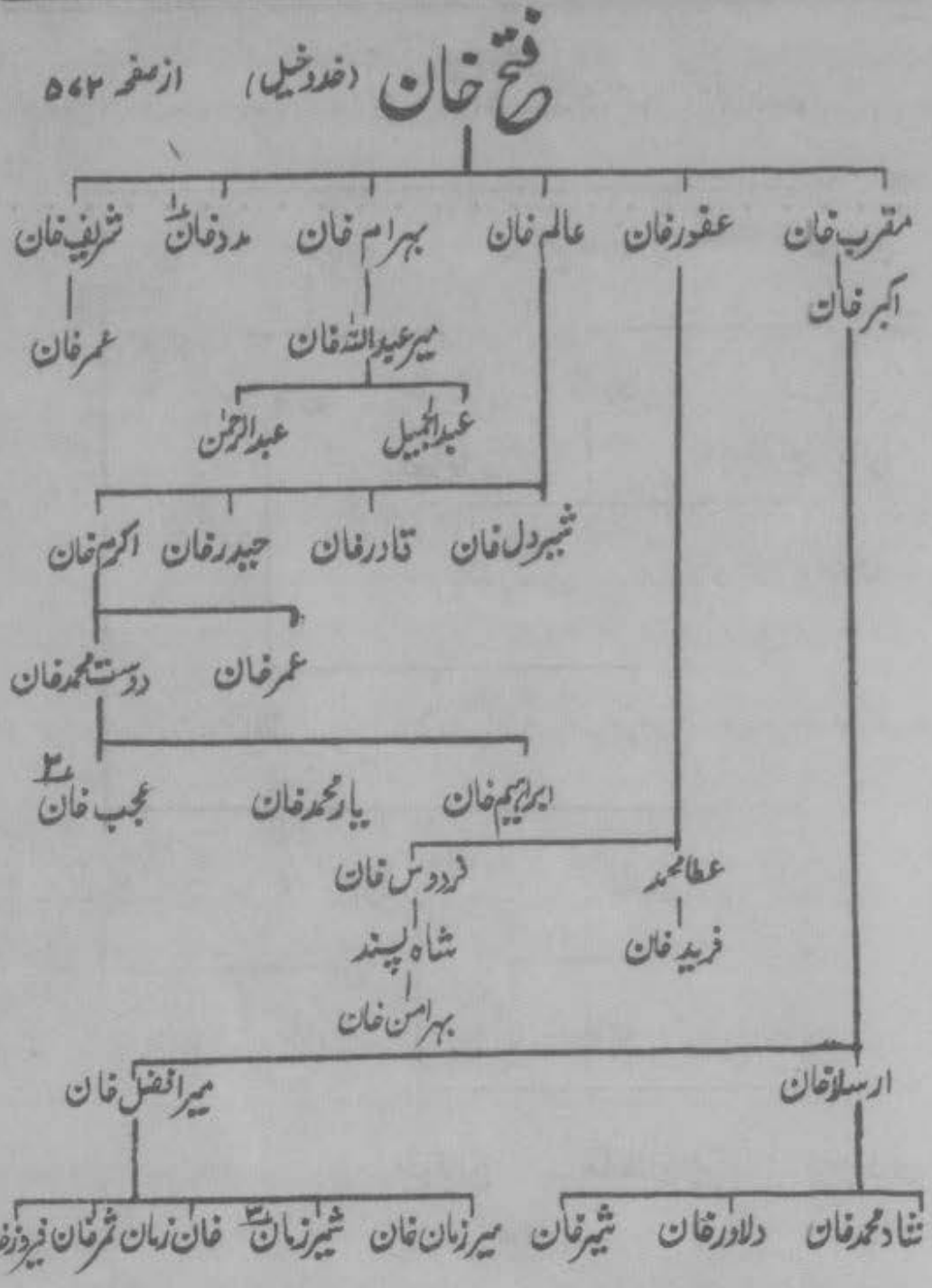

[1] جنگ شیخ جاناں میں انگریز سے لڑتے ہوئے شہید ہوا۔ [2] اسوقت ریاست سوات میں بحرین کے حاکم ہیں۔ [3] اسوقت محکمہ پولیس مردان میں ہے فتح خان کی اولاد پنجتار اور باجا میں مقیم ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

انور شاہ[1] (خدوخیل، از صفحہ ۵۷۲)

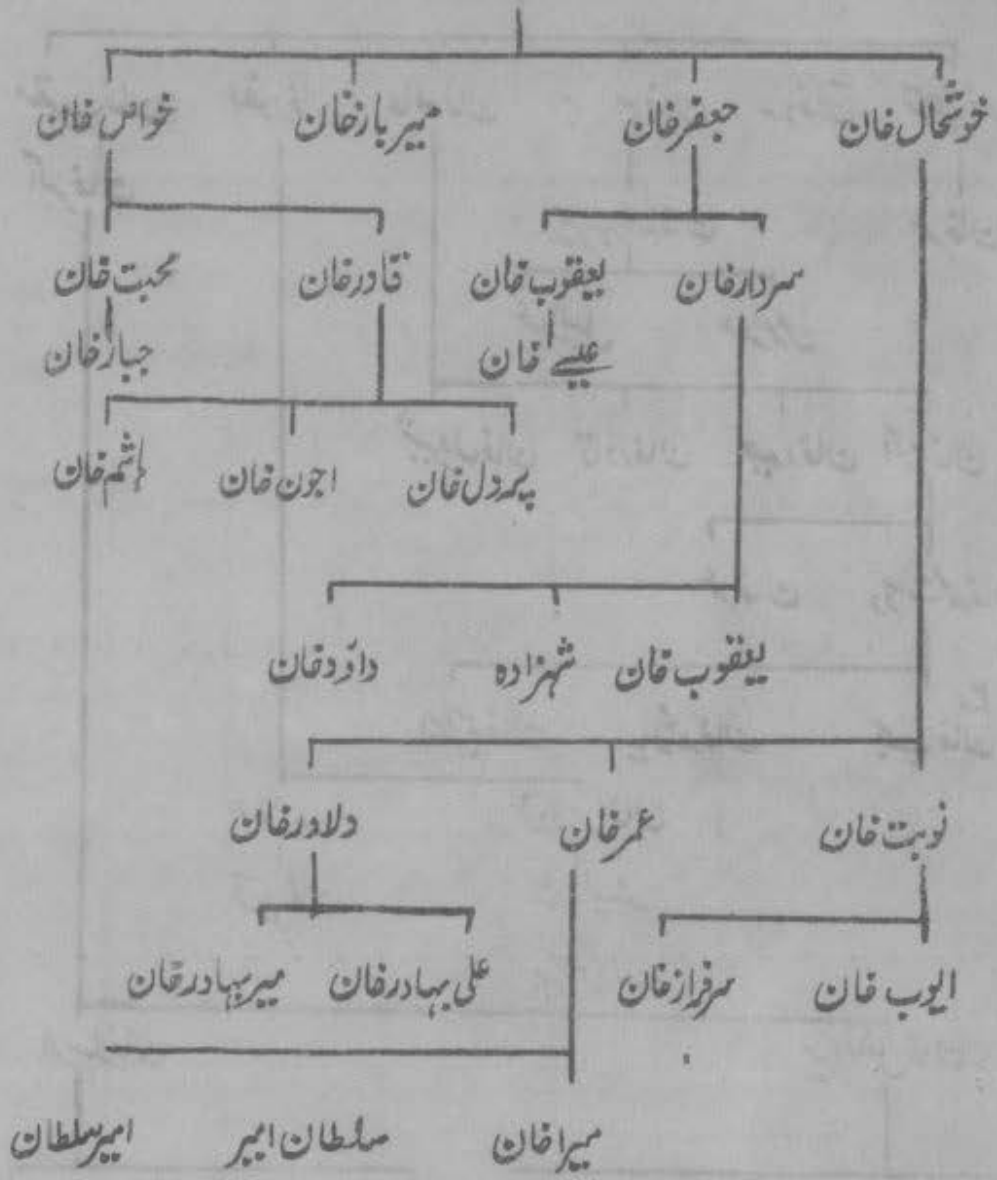

[1] انور شاہ کی اولاد چنگلے میں مقیم ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ابراہیم خان (خدوخیل) از صفحہ ۵۷۲

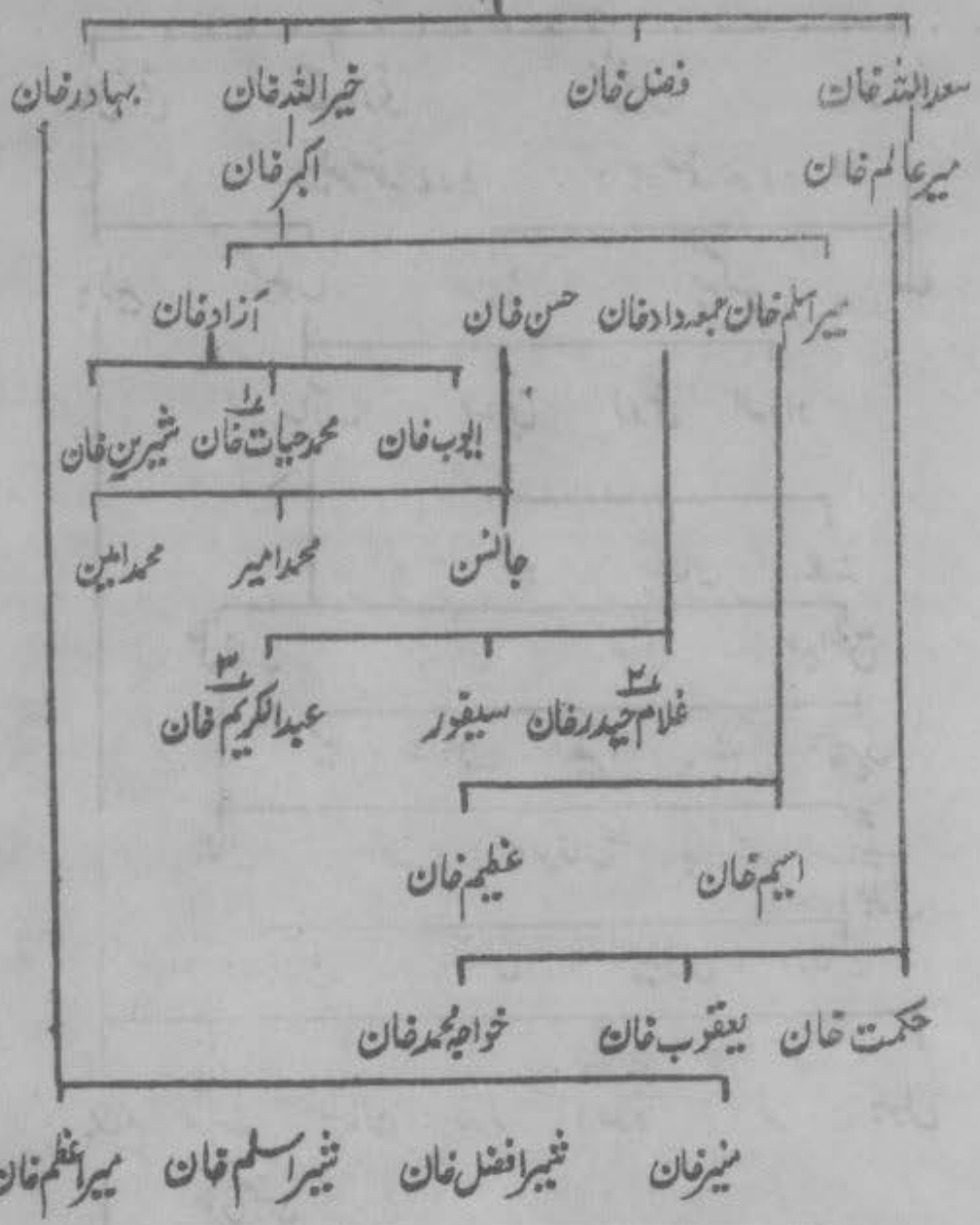

[1] محکمہ پولیس میں ہیں [2] مرکزی محکمہ اکسائز میں ہیں
[3] فوج میں بریگیڈیر ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

(۲)۔ رزڑ (مندڑ) از صفحہ ۵۴۹

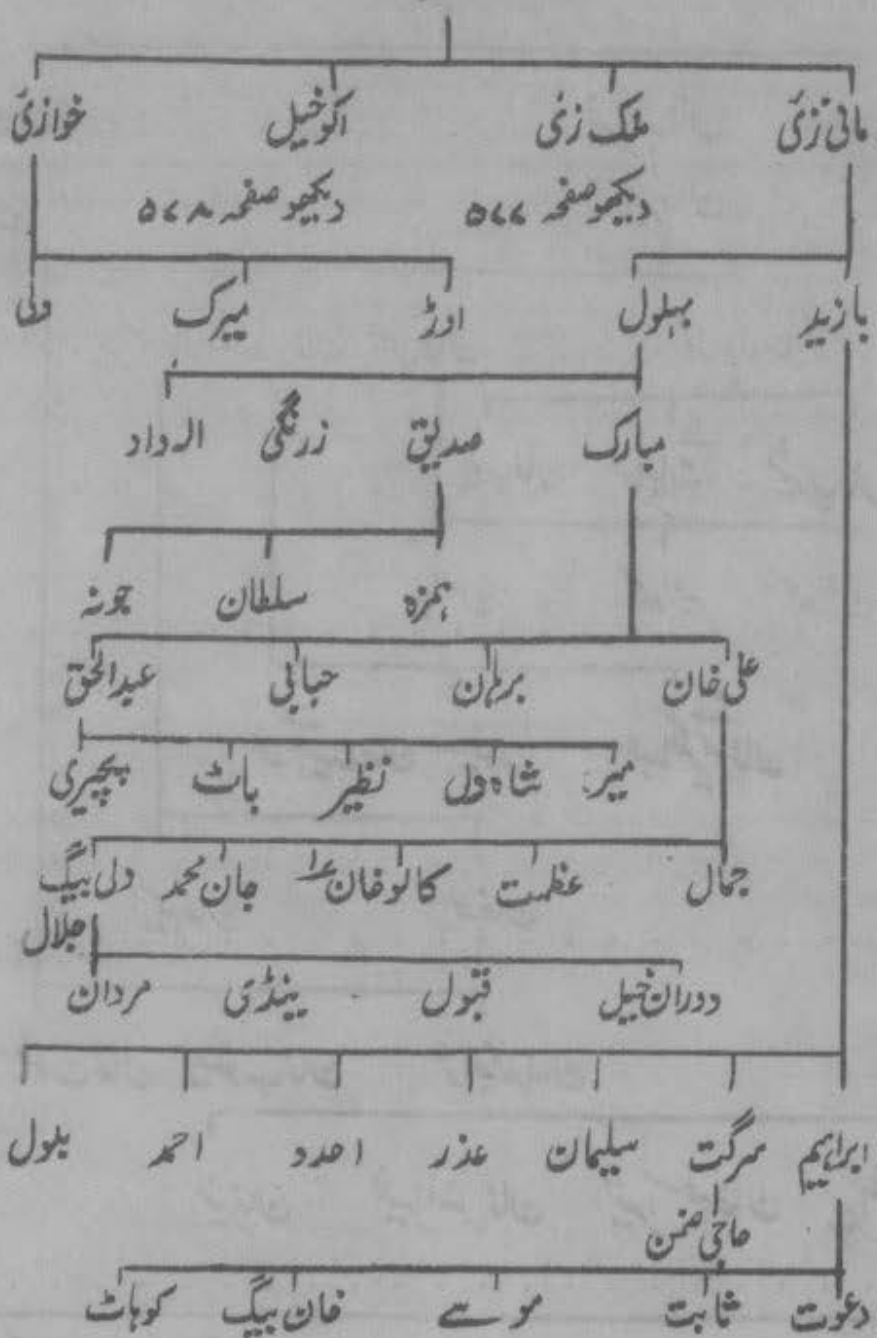

---

[1] کالو خان جسے اکبر اپنے ساتھ آگرہ لے گیا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

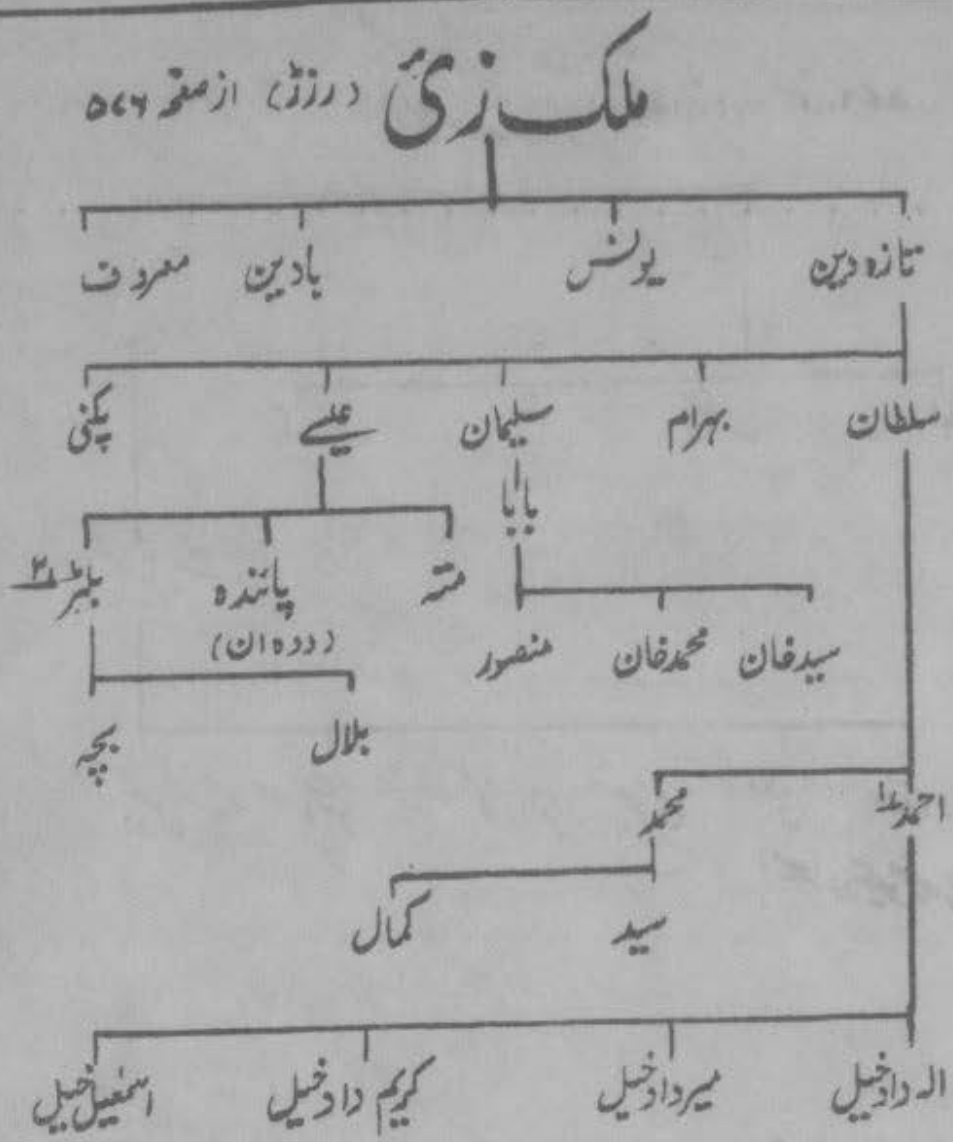

---

[1] یہ وہی ملک احمد خان ہیں جن کی قیادت میں یوسف زئی افغانستان سے نکل کر موجودہ علاقہ میں آکر آباد ہوئے تھے اسکی اولاد علاقہ رزڑ یا رحمین میں آباد ہے۔

[2] بلڑ کے نام پر یار حسین کے جنوب ... علاقہ دھوریان میں ایک نالہ بہتا ہوا چلا جاتا ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اکوخیل[1] (رزڑ) صفحہ ۵۷۶

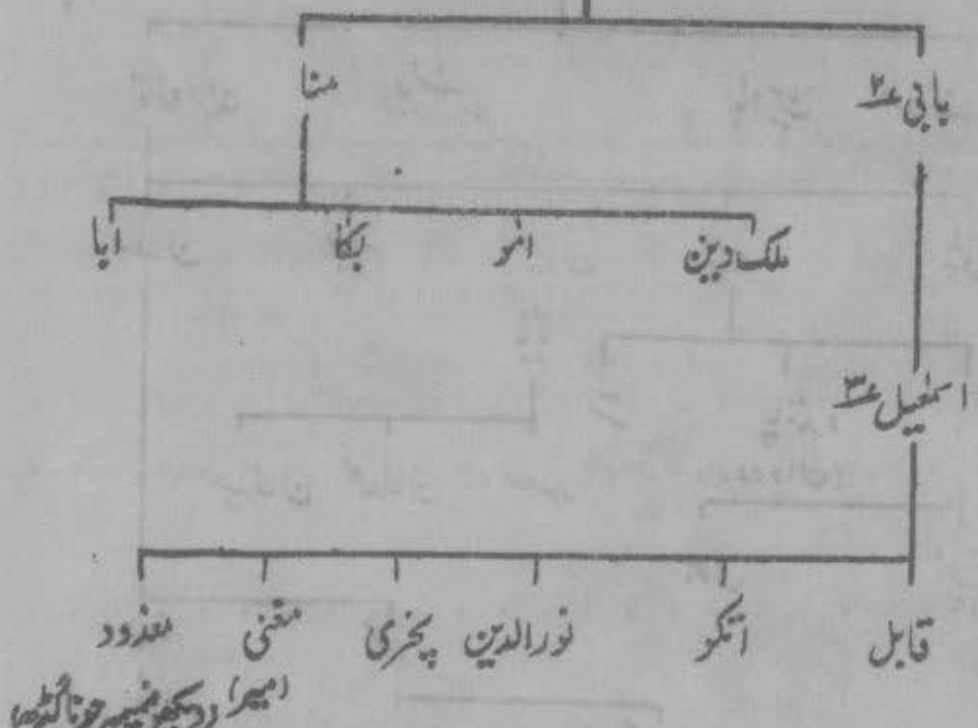

---

[1] یہ قبیلہ اسمٰعیلہ، دھوبیان، بازارگی، سڑہ چینہ وغیرہ میں آباد ہے

[2] حکمران ریاست جوناگڑھ، ماناوادر وغیرہ اسی خاندان سے معلوم ہوتے ہیں

[3] موضع اسمٰعیلہ اسی اسمٰعیل کے نام سے موسوم خیال کیا جاتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خضر[1] (مندڑ) از صفحہ ۵۴۹

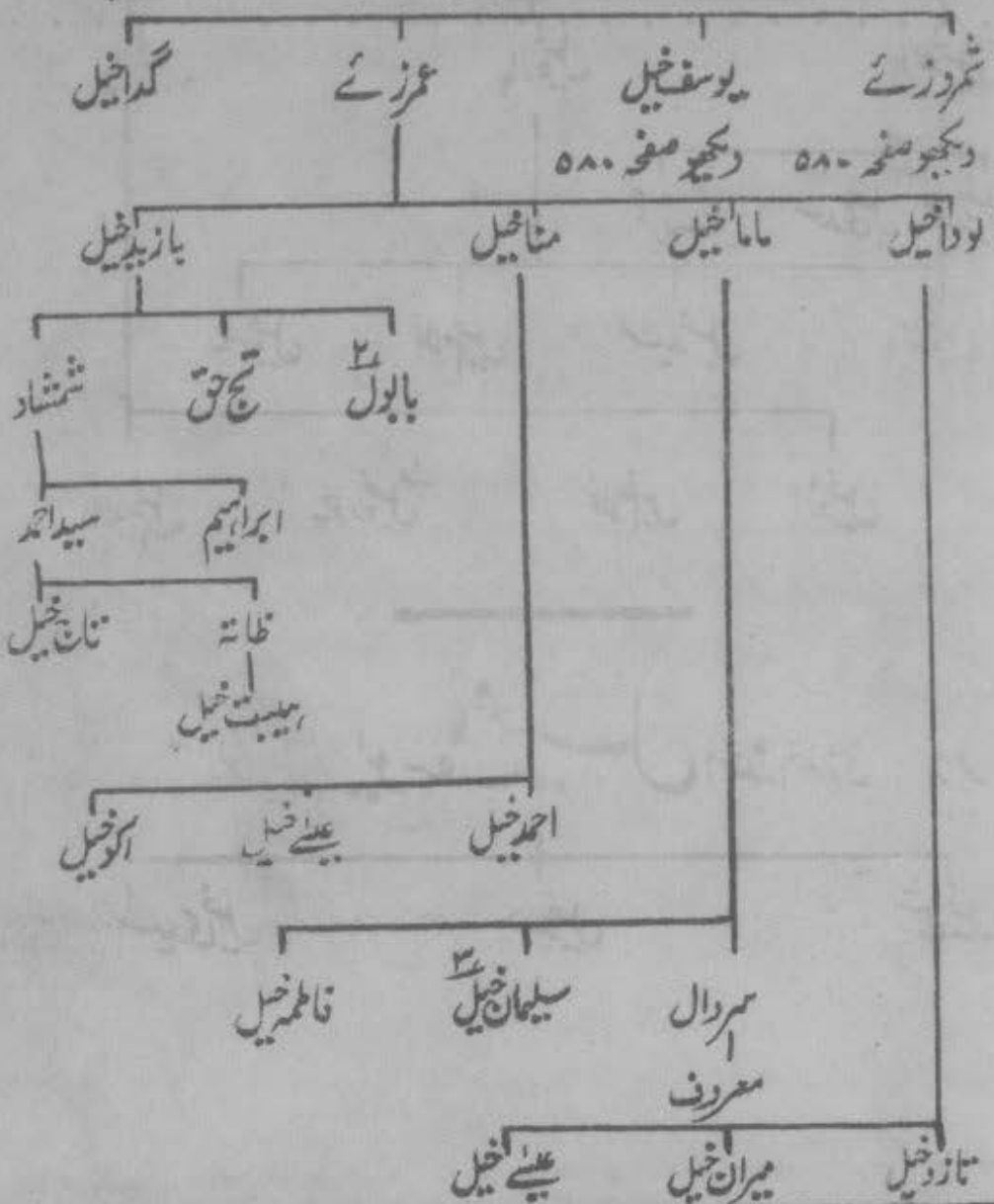

[1] خضر خیل موضع کالوخان ــ شیوہ ــ شیراغنڈ وغیرہ میں آباد ہیں۔

[2] اس کی اولاد ہیبت خیل بن ظاتہ کے ساتھ شامل ہے۔

[3] پختارمیں "سلیمان بابا بیلے" انہی کے نام سے مشہور ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شمروزئے (منڈڑ) خفرزئی از صفحہ ۵۷۹

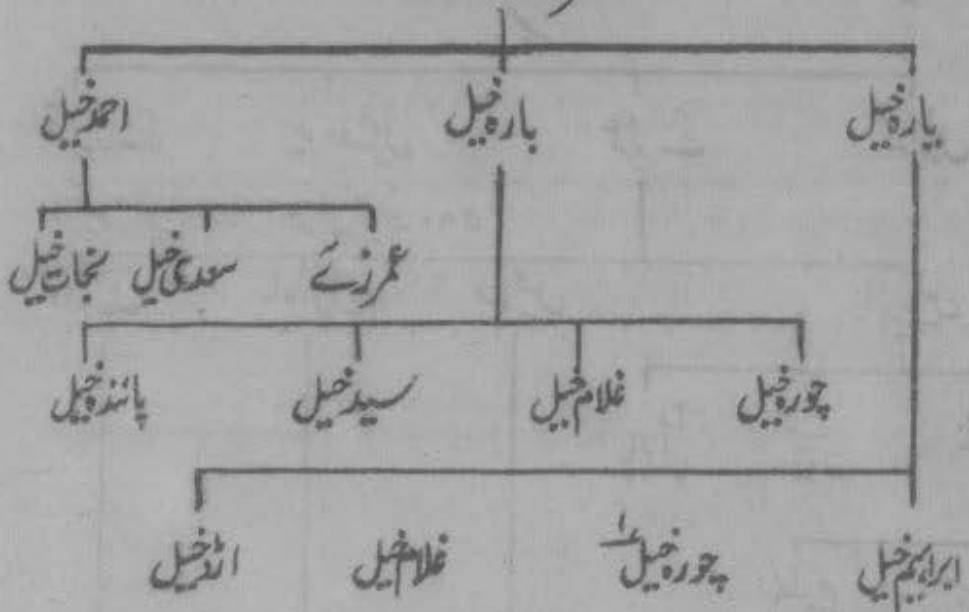

یوسف خیل (منڈڑ) خفرزئی از صفحہ ۵۷۹

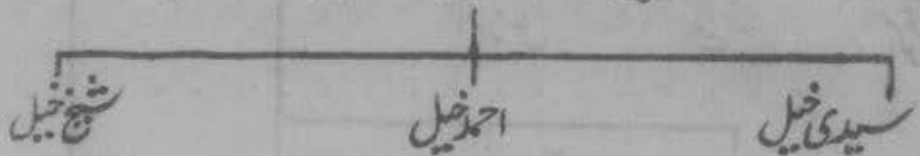

---

[1] خان فتح محمد خان وزیر مواصلات حکومت پاکستان اور ان کے بھائی خان سلطان محمد خان ایڈیشنل کمشنر جو "اقوام متحدہ" میں حکومت پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں اس قبیلہ چورہ خیل سے تعلق رکھتے ہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

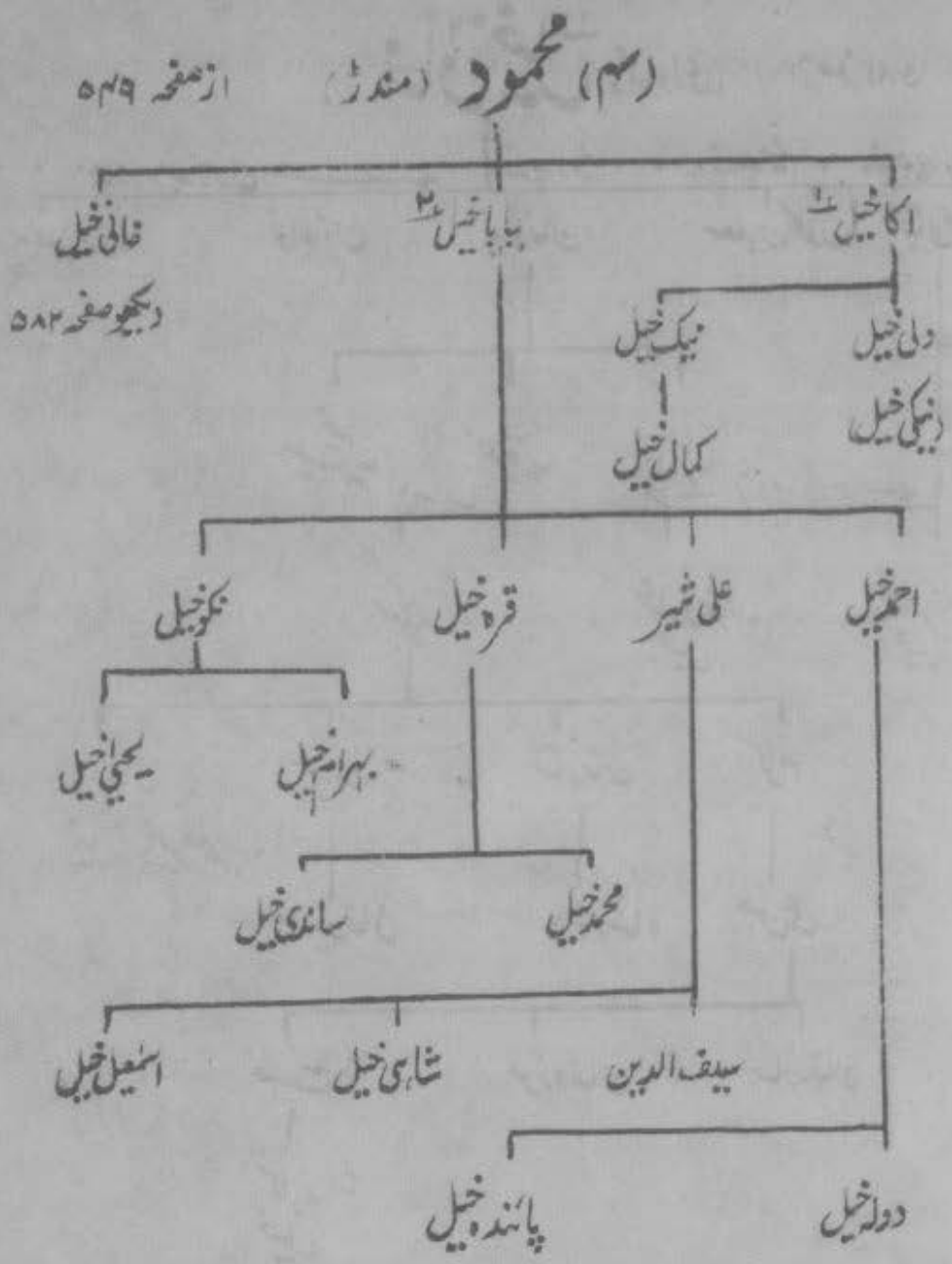

[1] یہ اسوٹہ میں آباد ہیں۔

[2] یہ شیخ جانا میں آباد ہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

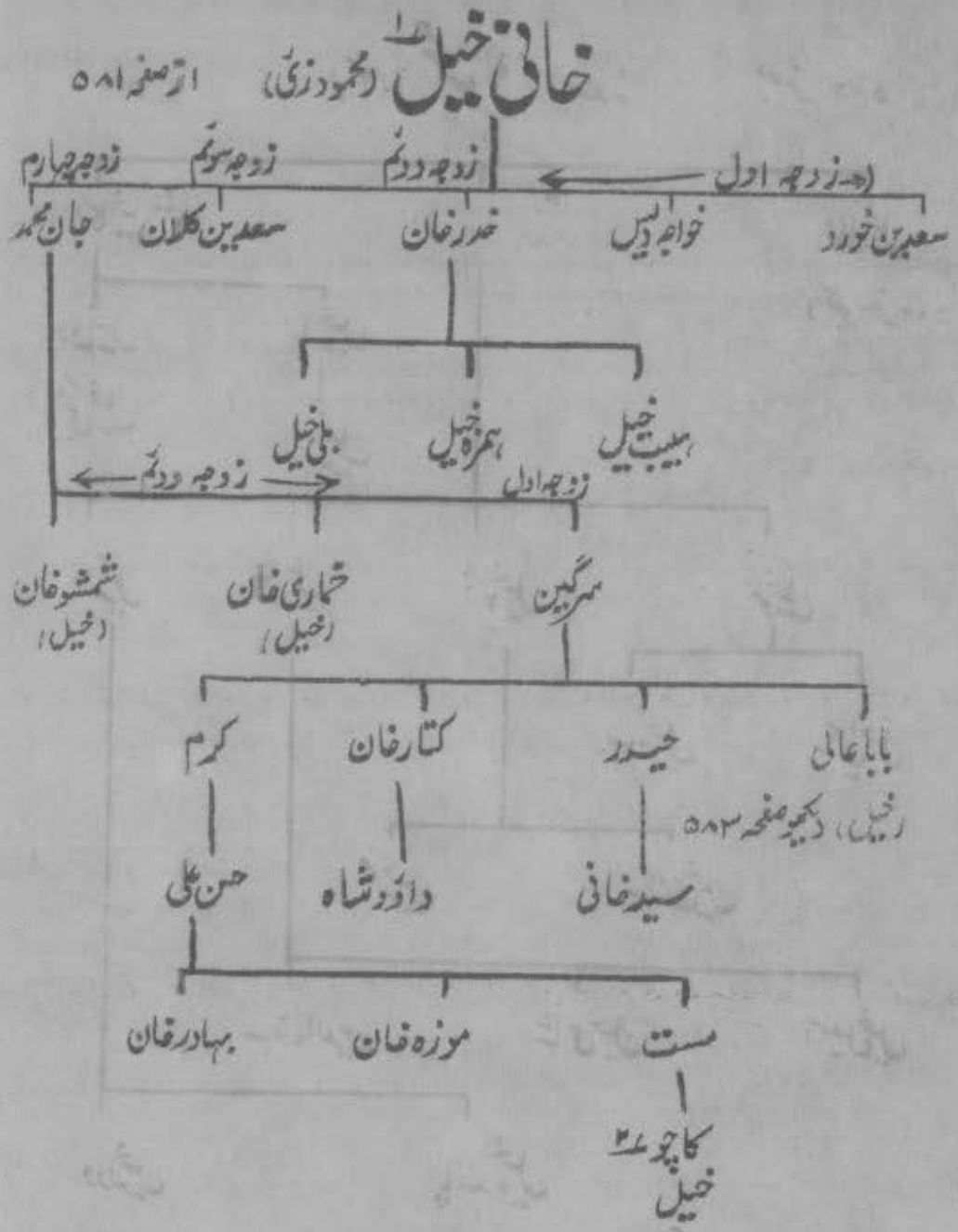

[1] خانی خیل نارنجی اور نوی کلی میں آباد ہیں۔

[2] یہ کاچو وہی ہے جس کا ذکر خوش حال خان خٹک نے اورنگ زیب سے کیا تھا اس کے دور میں موضع نارنجی آباد ہوا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

باباعالی (مندڑ) از صفحہ ۵۸۲

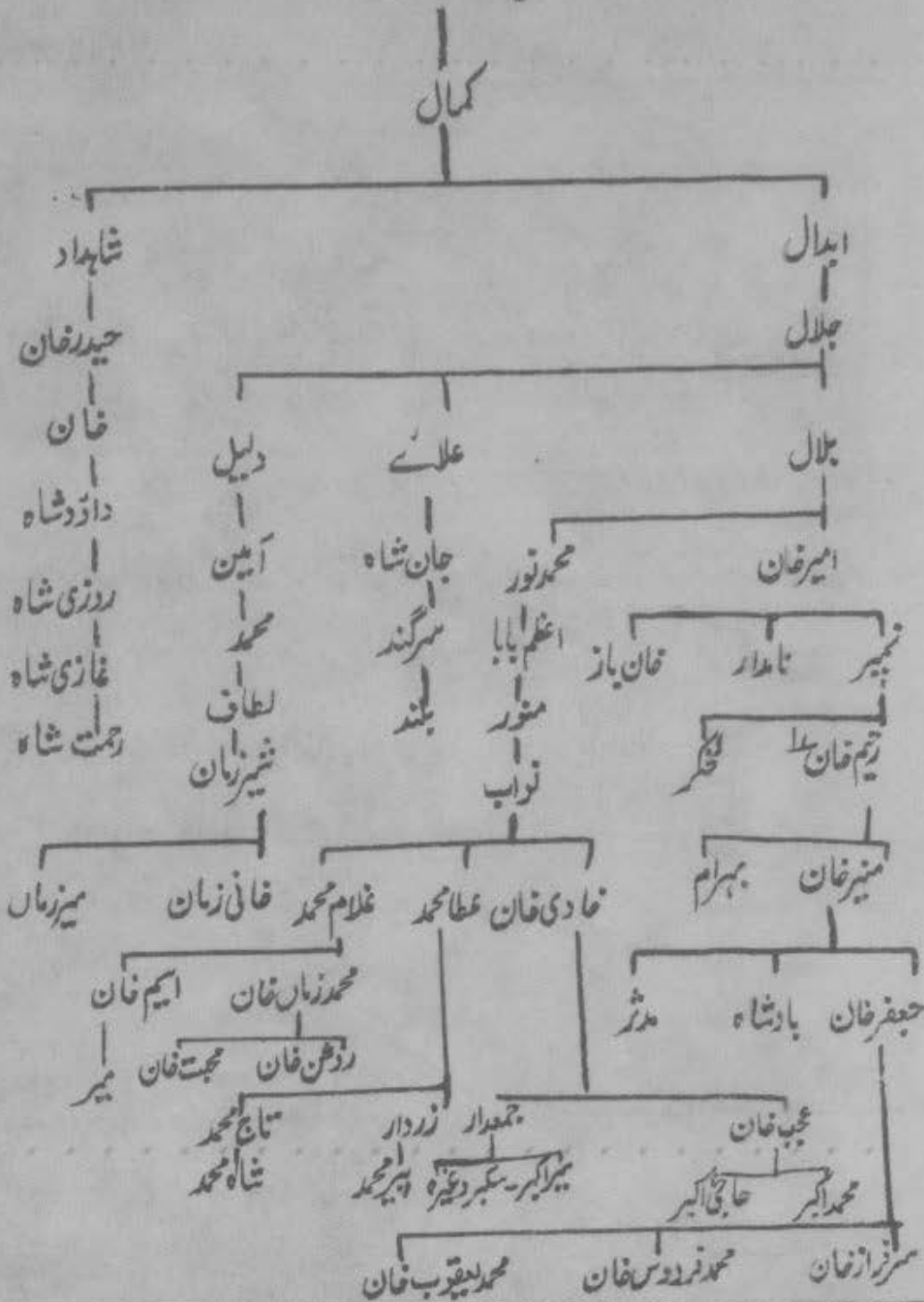

لہ رحیم خان ساکن نواں کلی کا ذکر تعارف میں ہو چکا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

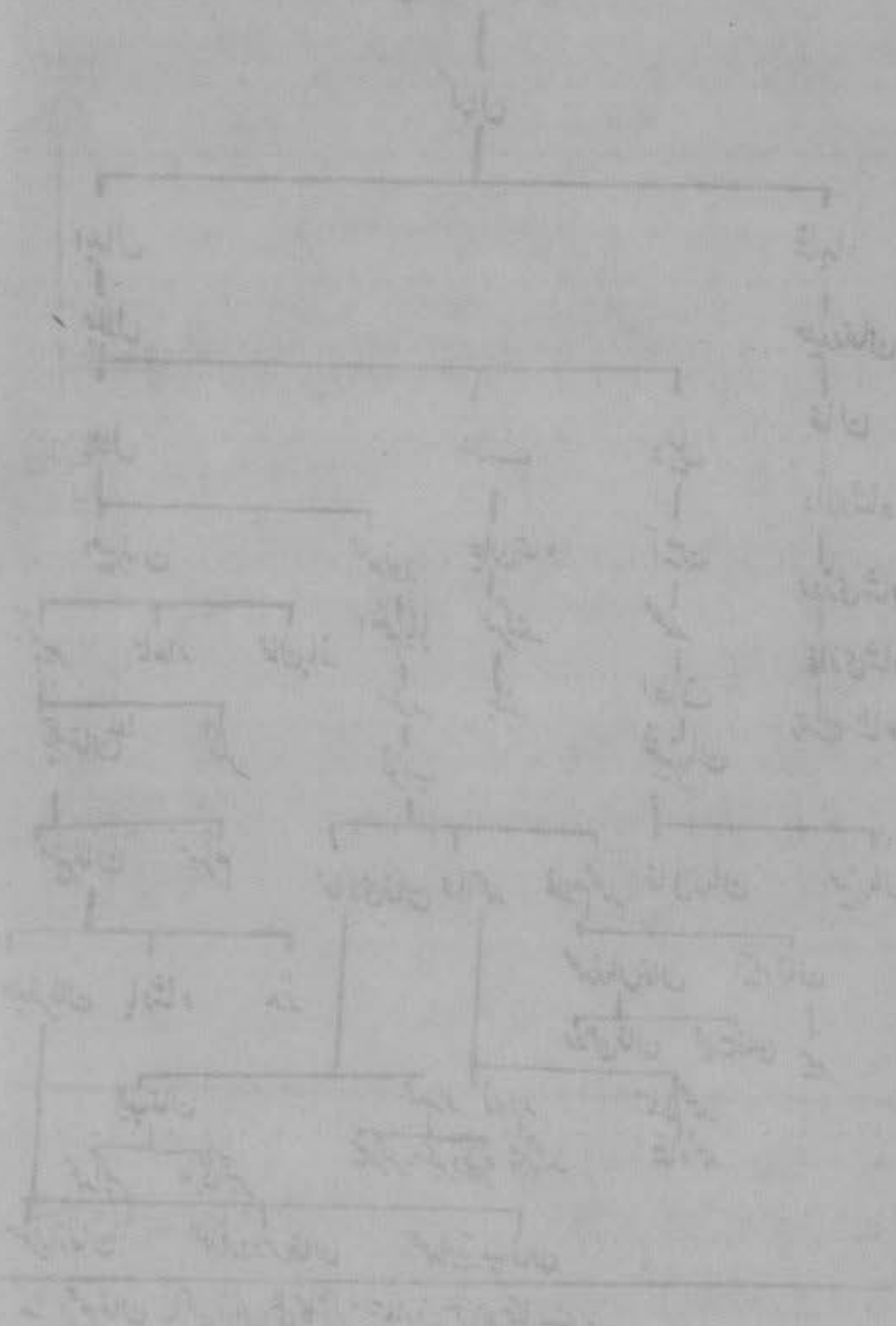

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ جات

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ (۱)

نجیب الدولہ ضابطہ خان ۔ غلام قادر ۔ اکرم خان

(یوسف زئے ۔ مندڑ ۔ عمر خیل)

تاریخ ہند اور مغل دربار کے مشہور قائد نجیب الدولہ اسی قبیلہ یوسف زئی کے چشم و چراغ اور مندڑ کی ذیلی شاخ عمر خیل کے خاندان نظر خیل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان اس وقت تک موضع عمرابی میں موجود دکھائی دیتا ہے نجیب خان نے اوائل عمر میں ہی اپنے وطن اجداد سے نکل کر ہندوستان کی راہ لی تھی۔ وہ اپنے دوسرے ہموطنوں کو ہندوستان میں بام ترقی کی طرف گامزن دیکھ چکے تھے۔ حصول اقتدار کیلئے انھوں نے بھی عزم و ارادہ سے کام لیا اور اس میں انھیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

نجیب خان سے قبل اس کے چچا بشارت خان اور داؤد خان علاقہ یوسف سے نکل کر اپنی ایک مختصر سی جماعت ساتھ لئے ۱۷۳۰ء میں سرزمین ہند پر جا نمودار ہوئے۔ ابتداء میں تو انھوں نے علاقہ روہیلکھنڈ میں سردلی کے مقام پر مدن شاہ نامی ایک طاقتور ہندو کے ہاں ملازمت کرلی۔ اسی مدن شاہ کی حمایت میں لڑتے ہوئے داؤد خان کو ایک خوب صورت بچہ ہاتھ لگا جس کی عمر ڈیڑھ سے سات سال تک بیان کی جاتی ہے۔ داؤد خان کو یہ بچہ بہت پسند آیا۔ تو اس نے اسے متبنےٰ بنا لیا اپنے حقیقی بچہ کی طرح اس کی پرورش کی اور وہ بعد میں چل کر محمد علی کے نام

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے روہیلکھنڈ میں چمکنے لگا۔ ریاست رامپور کا حکمران خاندان اسی کی اولاد سے بیان کیا جاتا ہے[1]۔

مدن شاہ سے بعد میں چل کر اختلافات پیدا ہوئے تو بشارت خان اور داؤد خان سروی سے نکل کر بریلی میں چاند خان سے جا ملے۔ اور پھر یہ سب ہی عظمت خان گورنر مراد آباد کی ملازمت میں دکھائی دینے لگے۔ اسی ملازمت کے دوران میں۔۔ جنگ کرتے ہوئے داؤد خان مارا گیا تو رسم قبیلہ کے مطابق اس کے بیٹے کی حیثیت سے علی محمد خان کی دستار بندی ہوئی۔ اور پھر بہت زیادہ عرصہ گزرنے نہ پایا تھا کہ یوسف زئیوں نے مدن شاہ کی جاگیر پر قبضہ کر لیا۔ علی محمد خان برسر اقتدار دکھائی دینے لگا۔ وفادار ساتھی موجود تھے۔ یوسف زئی داؤد خان ہی کی طرح اس کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ تا آنکہ اس نے کہتر (روہیلکھنڈ) کے بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا[2]۔ اس وقت دہلی میں محمد شاہ مغل حکمران برسر اقتدار تو تھا۔ لیکن اس کی طاقت و حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی۔ اور اس میں خود اتنی سکت باقی نہ تھی کہ وہ علی محمد خان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک سکتا۔ چنانچہ یوسف زئیوں کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقع مل گیا۔ پھر بھی دربار دہلی نے اپنے اقتدار برقرار رکھنے کے لئے اقدام کیا۔ تو مارچ ۱۷۴۵ء (صفر ۱۱۵۸ھ) میں شاہی لشکر نے بنگرا دانلہ کے مقام پر جنگ کرتے ہوئے علی محمد خان کو گرفتار کر لیا۔ لیکن یوسف زئے اب اتنی طاقت

---

[1] ابتدائی تمام مورخین نے بشمول مصنف اور رینٹل ڈکشنری مسٹر بیل نے علی محمد خان کو نسلاً جاٹ لکھا ہے۔

[2] پٹھانوں کو پہاڑی باشندہ ہونے کی وجہ سے کوہستانی یا روہی پکارا جاتا ہے اس روہ پہاڑ کی نسبت سے اس علاقہ کو کہتر سے روہیلکھنڈ یعنی پٹھانوں کا ملک یا علاقہ پکارا گیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حاصل کر چکے تھے کہ دربار دہلی نے اسے زیادہ دیر تک قید و بند رکھنا مناسب خیال نہ کیا۔ تو رہا کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ اس رہائی یا آزادی کے ساتھ جاگیر بھی عطا کر دی۔ اس سے علی محمد خان کو اور بھی تقویت ملی تو اس نے ریاست کو اور بھی مستحکم کر لیا۔ اپریل ۱۷۴۸ء (۱۱۶۱ھ) میں محمد شاہ نے وفات پائی اور پھر اس کے جلد بعد ۱۷۴۹ء میں علی محمد خان بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنے رفقاء سے رخصت ہو کر انولہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس نے اپنے پیچھے چار لڑکے چھوڑے سعد اللہ خان۔ عبداللہ خان۔ فیض اللہ خان اور دوندے خان۔ سعد اللہ خان ان سب میں بڑا تھا۔ اسلئے اس کی دستار بندی ہوئی تو وہ قبیلہ کا سردار بنا۔ لیکن اسے زیادہ دیر تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ باہمی اختلافات نے سر اٹھایا جس پر حافظ رحمت خان (یوسف زئی) نے اقتدار اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے سعد اللہ خان کی آٹھ لاکھ روپے سالانہ جاگیر مقرر کر دی۔ سعد اللہ خان نے ۱۷۶۱ء ( ) میں وفات پائی تو اسے بھی انولہ میں دفن کر دیا گیا۔ اس کے دوسرے بھائی عبداللہ خان نے ۱۷۷۶ء (۱۱۸۹ھ) میں وفات پائی۔ تو فیض اللہ خان کو اس کے جانشین کی حیثیت سے علاقہ رامپور پر اقتدار حاصل ہوا۔ چوتھے لڑکے دوندے خان کو حافظ رحمت نے علاقہ لسولی۔ مراد آباد۔ چاندپور اور سنبھل دے دیئے تھے اسکے تین بیٹے تھے۔ ان میں محب اللہ خان بڑے تھے۔ جو اپنے باپ کے جانشین بنے

مختصر یہ ہے کہ نجیب خان (یوسف زئی) اس وقت روہیلکھنڈ پہنچا جس وقت داؤد خان کا لڑکا علی محمد خان اس علاقہ میں یوسف زئیوں کی ریاست قائم کر چکا تھا۔ ابتداء میں نجیب خان کو ایک مختصر سی جماعت کی قیادت ملی۔ لیکن جلد ہی اپنی قابلیت و تدبر سے اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ ایک پورے دستہ فوج کی کمان حاصل کی تو ساتھ ہی دوندے خان کی لڑکی سے شادی بھی کر لی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اب اس نے اس علاقہ روہیلکھنڈ سے باہر دیکھنا شروع کیا اور پھر بہت زیادہ دن گزرنے نہ پائے تھے کہ وہ دربار دہلی میں ممتاز حیثیت سے دکھائی دینے لگا۔ غیاث الدین وزیر اعظم نے بڑی آؤ بھگت کی۔ عزم و احترام سے پیش آیا۔ اور جب صفدر جنگ حکمران اودھ نے دربار مغلیہ کی مخالفت کی تو نجیب خان ہی کی قیادت میں شاہی لشکر نے ۱۷۵۳ء (۱۱۶۷ھ) میں اسے شکست دے کر دریائے گنگا عبور کر جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ نجیب خان اس جنگ میں خود زخمی ہوا۔ لیکن جس دلیرانہ انداز میں اس نے یہ جنگ لڑی اس کے پیش نظر احمد شاہ ابدالی نے اسے نجیب الدولہ کا خطاب دیا۔ اور جب قندھار کو واپس لوٹا تو ۱۷۷۴ء (۱۱۸۸ھ) میں نجیب الدولہ کو دربار عالمگیر ثانی میں اسے امیر الامرا کے اعلیٰ عہدہ پر متمکن کر دیا گیا۔

نجیب الدولہ کا یہ اقتدار و اعزاز غازی الدین خان وزیر اعظم کو برداشت نہ ہو سکا تو احمد شاہ ابدالی کے رخصت ہو جانے کے بعد اس نے نجیب الدولہ کو اس سے محروم کر دیا اور اس کی جگہ پٹھانوں کے دوسرے قبیلہ بنگش کے احمد خان نواب فرخ آباد کو امیر الامرا مقرر کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی جنوری ۱۷۶۱ء میں پھر اس طرف آیا تو حسب سابق نجیب الدولہ نے اس کا ساتھ دیا۔ جنگ میں شرکت کی۔ نتیجہ یہ کہ احمد شاہ نے اسے دوبارہ امیر الامرا مقرر کر دیا۔ اور خود واپس قندھار کی طرف لوٹنے پر نجیب الدولہ کو دہلی کی حفاظت اور شاہی خاندان کی نگرانی پر مقرر کر تا گیا۔ اس نے دہلی اور اردگرد کے علاقہ پر جو اس وقت تک مغل دربار کے زیر اثر تھے بڑی ہمت اور استقلال اور عدل و انصاف سے زائد سرانجام دیئے۔ بالآخر ۱۷۷۰ء (رجب ۱۱۸۴ھ) میں وفات پائی اور نجیب آباد میں جو اس نے خود اپنے ہی نام سے آباد کیا تھا دفن ہوا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضابطہ خان

نجیب الدولہ کے بعد اس کے لڑکے ضابطہ خان نے اقتدار سنبھالا اور شاہ عالم کے دسمبر ۱۷۷۱ء (رمضان ۱۱۸۵ھ) میں الہ آباد سے واپس آنے تک کہ جہاں وہ انگریزوں کے پاس مقیم تھا دہلی کی حفاظت کرتا رہا۔ شاہ کی واپسی پر ضابطہ خان کے خلاف بعض حاسدین نے الزام تراشی کرتے ہوئے بادشاہ کو مخالف کر دیا۔ جس پر وہ دہلی سے نکل کر اودھ میں جا مقیم ہوا۔ لیکن جلد ہی شاہ عالم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو اسے دوبارہ امیر الامراء کے خطاب سے نوازا اور تمام جاگیر جو ضبط کر لی گئی تھی واپس عطا کر دی۔ ضابطہ خان نے جون ۱۷۸۵ء میں وفات پائی۔

غلام قادر خان روحیلہ

ضابطہ خان کی وفات پر اس کے لڑکے نے غلام قادر خان روحیلہ کے نام سے شہرت حاصل کی۔ اپنے وقت کا بہت ہی طاقتور اور منتظم رئیس تھا۔ ضابطہ کے دوسرے لڑکے بھیکھو خان کو بعد میں حکومت انگلشیہ نے پانچ ہزار روپے سالانہ جاگیر عطا کی تھی۔ اس کی وفات پر اس کے دو بیٹوں محمود خان اور جلال الدین کو ایک ایک ہزار روپے سالانہ ملتے رہے۔

محمود خان نے جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا۔ لیکن انگریز کے ہاتھوں گرفتار ہو کر میرٹھ جیل میں جاں بحق ہوا۔

اکرم خان

(ولد رحیم خان) قبیلہ یوسف زئے مندڑ کی ذیلی شاخ عمر خیل کے خاندان عنایت خیل سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے اپنے گاؤں میں خاندانی طور پر عزت و وقعت حاصل تھی۔ اور حکومت کے دفاتر میں بھی نمبردار کی حیثیت رکھتا تھا۔ جنگ ۱۸۵۷ء کے دوران میں اس نے قسمت آزمائی کی غرض سے ہندوستان کی راہ لی۔ تفصیل سے یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ اس جنگ میں اس نے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کہاں تک حصہ لیا تھا۔ لیکن اس امر کو دیکھتے ہوئے کہ اس قبیلہ کے عظیم اللہ خان اس جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء کے حقیقی دل و دماغ تھے لازماً اکرم خان کی اس تک رسائی ہوئی ہوگی۔ بہرحال وہ اس دور میں پھرتے پھراتے ریاست جھالور کے حدود میں جا داخل ہوا۔ جھالور حقیقت ریاست کوٹہ کا ہی ایک حصہ تھی۔ لیکن ۱۸۳۸ء میں اسے جداگانہ حیثیت حاصل ہوئی تو کوئی ۱۳۸ مربع میل رقبہ پر راجپوتوں کا ایک خاندان حکومت کرتا دکھائی دیا۔

جھالور پہنچنے پر اکرم خان نے وہاں کے حکمران کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ اسے اکرم خان اور اس کے ساتھیوں کی امداد سے ریاست کو تقویت دینے کا خیال پیدا ہوا۔ اور پٹھانوں کی روایتی بہادری۔ ہمت و جوانمردی کے پیش نظر انہیں اپنی ملازمت میں لے لیا۔ اکرم خان نے بھی اپنے عقل و تدبر سے کام لیتے ہوئے جلد ہر دلعزیزی حاصل کرلی۔ پورے دربار پر چھا گیا۔ فوج میں اپنی پارٹی کی وجہ سے اسے نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔ تو بالآخر راجہ نے بخشی اکرم خان کے نام سے اسے اپنا وزیر مقرر کرلیا تھا۔

بخشی اکرم خان نے وہیں جھالور میں ہی شادی کی۔ تین لڑکے پیدا ہوئے جو اکبر شاہ۔ نادر شاہ اور احمد شاہ کے نام سے پکارے گئے۔ اول الذکر دونوں کی اولاد تو ہندوستان میں مقیم رہی۔ لیکن احمد شاہ خان واپس وطن اجداد لوٹ آیا تھا۔ بخشی اکرم خان کا خاندان عنایت خیل کے نام سے صوابی میں اس وقت تک موجود ہے:۔

ذیل میں نجیب الدولہ اور بخشی اکرم خان کا شجرہ نسب درج کیا جاتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

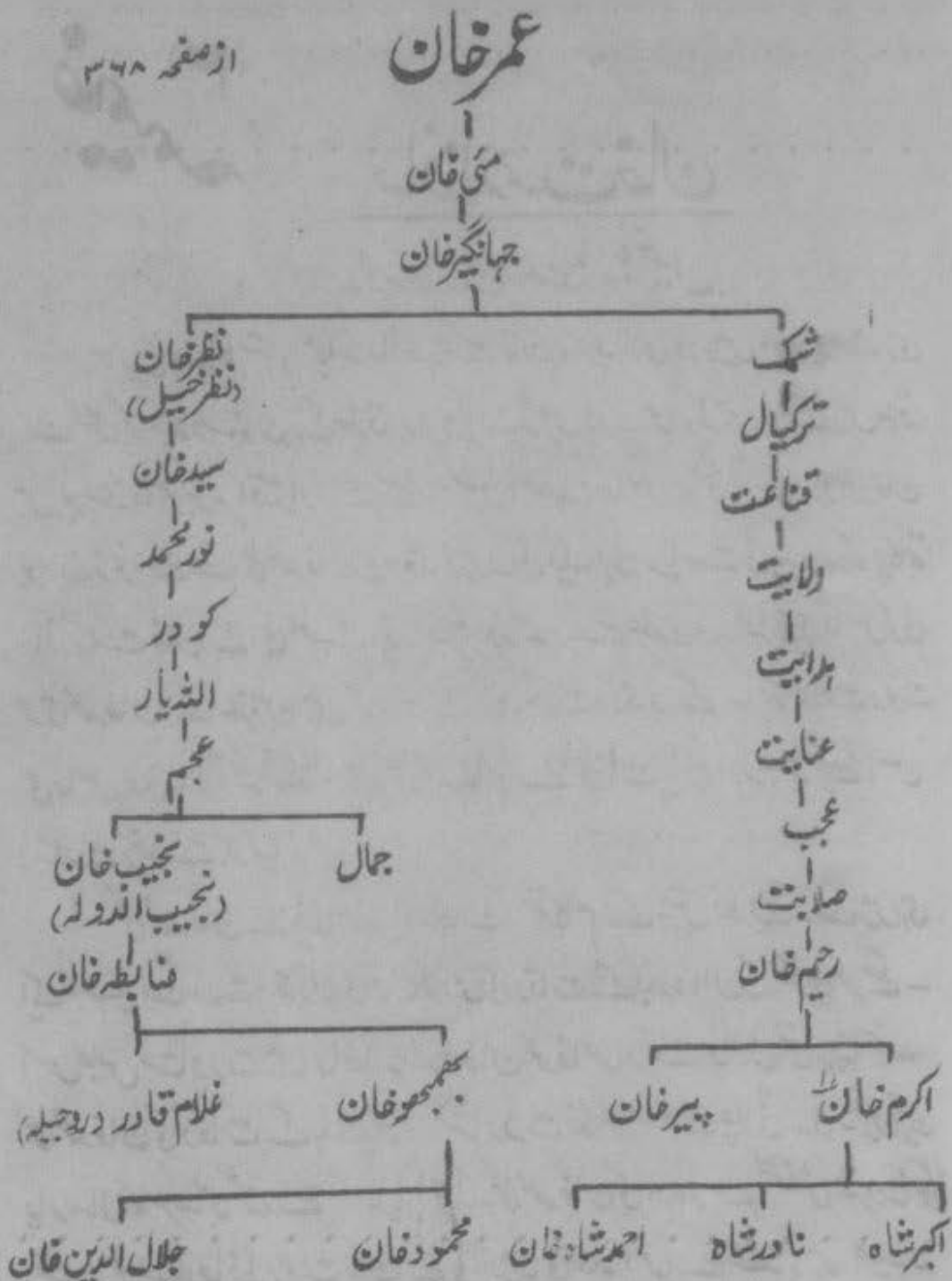

[1] دیکھو عنیرہ ۱۱

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ (۲)

حافظ رحمت خان

یوسف زئی ۔ منڈڑ ۔ عمر خیل

تاریخ ہند کا مشہور مجاہد حافظ رحمت خان روہیلہ اس دور میں علاقہ یوسف زئی سے نکل کر ہندوستان کے علاقہ روہیلکھنڈ میں وارد ہوا ۔ کہ جس وقت اس علاقہ میں یوسف زئی برسر اقتدار آ چکے تھے ۔ انھیں اہمیت حاصل ہو چکی تھی ۔ اور داؤد خان یوسف زئی کے متبنےٰ علی محمد خان یوسف زئیوں کی ایک اپنی ریاست کی بنیاد رکھ چکا تھا حافظ رحمت خان نے اپنی علمیت ۔ قابلیت اور تدبر سے جلد ہی ہر دلعزیزی حاصل کر لی تو علی محمد خان کے مقربین میں شمار ہونے لگا ۔ عزت و وقار کے ساتھ طاقت و قوت بھی حاصل ہوئی ۔ تا آنکہ ۱۷۴۹ء میں علی محمد خان نے وفات پائی اور ہمیشہ کیلئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا ۔

علی محمد خان نے نظام ریاست کے استحکام کے پیش نظر اپنی زندگی میں ہی ایک مجلس مشاورت مقرر کر دی تھی تاکہ اس کی وفات کے بعد وہ ان کی نگرانی کر سکے ۔ اس مجلس مشاورت میں حافظ رحمت خان کو خاص دقت حاصل تھی ۔ چنانچہ علی محمد خان کی وفات کے بعد یہ مجلس مشاورت نظام سلطنت چلاتی رہی ۔ لیکن تین چار سال کا عرصہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ علی محمد خان کی اولاد سے کشمکش شروع ہو گئی اقتدار تو عملاً حافظ رحمت خان کے ہاتھ میں ہی تھا ۔ اس نے ۱۷۵۴ء میں کلیتہً عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لیکر علی محمد خان کے بچوں کو نقد اور بعض علاقوں پر حکمرانی کے اختیارات دے دیئے تھے ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حافظ رحمت خان نے اپنے تدبر اور جرأت مندانہ اقدامات سے اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کی فکر کی اس دوران میں مخالفین یلغاریں بھی کرتے رہے لیکن فتح و کامرانی حافظ کا ساتھ دے رہی تھی۔ تا آنکہ جب ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ درانی نے مرہٹوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تو یوسف زئی اس میں پیش پیش دکھائی دیئے جس کے نتیجہ میں اختتام جنگ پر جب مرہٹوں کی طاقت کچلی جا چکی تو دوسرے سرداران یوسف کے ساتھ حافظ رحمت خان کو بھی انعام و اکرام سے نوازا گیا تو اسے اور دوندے خان کو آگرہ اور کلپی کا علاقہ دے دیا گیا تھا۔ مرہٹوں کی طاقت ٹوٹ چکی تھی۔ اس وجہ سے کوئی قابل ذکر مخالفت جب باقی نہ رہی تو حافظ رحمت خان کو موقع مل گیا۔ کہ وہ اپنی ریاست کے نظم و نسق کیطرف زیادہ سے زیادہ توجہ دے سکے۔ چنانچہ اس میں اسے کامیابی نصیب ہوئی۔ ملک میں امن و چین دکھائی دینے لگا۔ زراعت وغیرہ نے ترقی کی جس پر مشہور انگریز مقرر مسٹر برک نے انگلستان کے دارالعوام میں یوں اظہار خیال کیا کہ۔

> ان (یوسف زئیوں) کے ملک کی گلستان کیطرح کاشت ہوئی ..... یہ دنیا بھر میں بہادر ترین۔ معزز ترین اور فیاض ترین قوم ہے۔

اس کے ساتھ مشہور انگریز قانون دان مسٹر مکالے کہتا ہے کہ

> ہندوستان میں ان یوسف زئیوں کی آبادی نفیس ترین آبادی ہے۔

جو مسٹر وائٹ وے کے اندازہ کے مطابق چالیس ہزار پٹھانوں پر مشتمل تھی جن کے زیر سایہ کوئی دس لاکھ ہندو زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور مسٹر ورلٹ گورنر بنگال انکی جنگی طاقت کو پندرہ سے اٹھارہ ہزار تک خیال کرتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مخالفین نے پٹھانوں کو اپنی تحریروں میں بدنام کرنے کی ہر کوشش کی ۔ اور کوشش کی جاری ہے ۔ لیکن صداقت چھپائے چھپ نہیں سکتی ۔ اور اکثر مواقع پر مخالفین بھی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں چنانچہ انہیں روہیلکھنڈ میں مقیم پٹھانوں کے سلسلہ میں غیر مسلم مورخین نے واقعات و حالات سے مجبور ہو کر بالآخر مسٹر سر جے سٹریچی کے قلم سے یہ فقرے نکلوا ہی دیئے کہ

> یہ باور کر لینے کیلئے حقائق موجود ہیں کہ انکی مقبوضہ حکومت کے تحت عام ہندو آبادی سے بہت ہی فیاضانہ سلوک ہوتا تھا اور انہیں اردگرد کے دوسرے صوبوں کی نسبت یہاں زیادہ تحفظات حاصل تھے ۔

اور مسٹر الفنسٹن جیسا مصنف کہ جس نے کئی مواقع پر پٹھانوں کے خلاف اپنے قلم کو حرکت دینے میں تساہل سے کام نہ لیا تھا یوں لکھنے پر مجبور ہوا کہ ۔

> ہندوؤں سے روہیلوں کی مہربانیوں کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔ اور جس طریقہ پر انہوں نے اپنے ملک کو ترقی دی تھی اس نے ہمارے لشکریوں کو اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا تھا ۔

یوسف زئیوں کی یہ ترقی یافتہ ریاست بالآخر شجاع الدولہ (دادوھ) اور انگریز کے اغراض کا شکار ہو گئی جس پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے صدر نے یوں اظہار خیال کیا کہ ۔

> میں عرصہ دراز سے روہیلوں کی طاقت کو وزیر (شجاع الدولہ) کیلئے خطرناک خیال کرتا رہا ہوں ۔ جو کمپنی (انگریز) کا واحد مفید مطلب ساتھی ہے اور اس وجہ سے میں اس طاقت کو ختم کر دینے کا متمنی تھا ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مختصر یہ کہ رسہ کشی شروع ہوئی ۔ ہر حیلہ بہانہ سے اس یوسف زئی ریاست کو ختم کر دینے کے منصوبے باندھے گئے ۔ جنگیں لڑی گئیں اور بالآخر مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے حافظ رحمت خان اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ ۲۳ اپریل ۱۷۷۴ء کے دن شہید کر دیئے گئے ۔ یوسف زئی جس بہادری و جوانمردی سے نبرد آزما ہوئے اس کا ذکر کرنل چیپئن کے الفاظ میں سنئے:۔

> دشمنوں (پٹھانوں) کی اس بہادری و عزم کی تفصیل بیان کرنے کیلئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان میں اکثر ایسے نڈر تھے کہ وہ اقدام کرتے ہوئے مخالف لشکروں کے درمیان پہنچکر اپنے جھنڈے گاڑھ دیتے تھے تاکہ انکے رفقاء کے حوصلے بلند ہوں۔

اور مسٹر برک کہتا ہے کہ حافظ رحمت خان

> روحیلہ سرداروں میں سب سے نمایاں حیثیت کا مالک۔ اپنے وقت کا بہادر ترین انسان اور اپنے علمی ذوق و شوق اور اپنی شاعری کیلئے مشرق میں شہرت رکھتا تھا۔

حافظ رحمت خان کو علم و ادب سے بڑی دلچسپی تھی وہ صاحب دیوان شاعر تھا پشتو اور فارسی میں بلا تکلف لکھتا رہا۔ اور اس نے کئی کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔ اسکے کتب خانے کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر سپرنجر لکھتا ہے کہ وہ چالیس صندوقوں میں بند تھے ۔ ان میں بہت نایاب کتابیں تھیں ۔ یہ نایاب علمی ذخیرہ شجاع الدولہ اپنے ساتھ اٹھا لے گیا۔ بعد میں اسے لکھنؤ منتقل کر دیا گیا تھا ۔ لیکن جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء کے بعد کچھ پتہ نہ چلا اور ان میں کی بعض جلدیں انفرادی حیثیت میں کسی نہ کسی کے ہاتھ لگیں ۔ تو چند کتب خانہ لندن کی زینت بن رہی ہیں۔

مقامی روایاتِ علاقہ یوسف زئے (سابق صوبہ سرحد) کے مطابق حافظ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رحمت خان قبیلہ یوسف زئے۔ مندڑ کی ذیلی شاخ عمرخیل سے تعلق رکھتا ہے اور موضع مانیری تحصیل صوابی کا باشندہ تھا۔ اس وقت تک تحصیل صوابی میں ایسے خاندان موجود ہیں جو اپنا سلسلۂ نسب برائے راست حافظ رحمت خان سے جا ملاتے ہیں۔ نجیب خان (نجیب الدولہ) بخشی اکرم خان وزیر ریاست جھالور عظیم اللہ خان مفکر جنگ آزادئ ہند ۱۸۵۷ء اسی قبیلہ عمرخیل سے بیان کئے جاتے ہیں۔ حافظ رحمت خان نے اپنے پیچھے کثیر تعداد میں اولاد چھوڑی۔ ان میں اکثر قیام پاکستان کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر آئے۔ اور اس وقت سرزمین پاکستان پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جن میں ڈاکٹر صاحبزادہ واجد خان[1] اور صاحبزادہ عبدالحمید خان[2] قابلِ ذکر ہیں۔

"حیات حافظ رحمت خان" کے مصنف یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ حافظ رحمت خان علاقہ یوسف زئی کے باشندہ تھے۔ لیکن نسلاً انہیں یوسف زئی کی بجائے بڑیچ کی اولاد اور آٹھویں پشت میں پٹھانوں کے جد اول قیس عبدالرشید کے پوتے بڑیچ سے جا ملاتے ہیں بڑیچ اور حافظ رحمت خان کے درمیان کوئی گیارہ سو سال کا وقفہ ہے یہ گیارہ سو سال سات پشت میں گزر نہ سکتے تھے۔ اس وجہ سے اور بعض دوسری وجوہات سے بھی انکا شجرہ قابل اعتماد یا درست نہیں کہلا سکتا۔ غالباً قبیلہ عمرخیل کے بوچہ خان ولد محمد خان کے نام سے شجرہ نویس نے دھوکہ سے بوچہ خان کو بڑیچ سمجھ لیا جیسی آٹھویں پشت میں مقامی روایات و شجرہ کے مطابق حافظ رحمت خان منسلک دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس قبیلہ کے افراد اسوقت بھی موضع مانیری کندی بوچہ خیل میں آباد ہیں یہ موقع تفصیل کا نہیں ورنہ اس پر مفصل بحث کیجاتی۔ (دیکھو شجرہ محمد خان عمرخیل)

---

[1] ڈائرکٹر۔ ڈپارٹمنٹ آف ٹریڈ پروموشن

[2] ۔ کلکٹر سنٹرل اکسائز ریٹائرڈ لاہور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ (۳)

عظیم اللہ خان ۔ مفکر جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء

(یوسف زئی ۔ مندرجہ عمر خیل)

تاریخ کے اوراق اس امر کے شاہد ہیں کہ کئی قومی تحریکات کے اولین محرکین اپنی پوری زندگی ختم کر دینے کے بعد جب اپنے بعد میں آنے والوں کیلئے راستہ صاف کرتے ہوئے رخصت ہوئے تو ایسے گئے کہ پھر کسی نے ان کا نام تک یاد رکھنا ضروری خیال نہ کیا۔ انکے متعلق بہت ہی کم تلاش و جستجو ہوئی۔ اور جس طرح تعمیر کے بعد بنیادیں چھپ جاتی ہیں یہ اولین معماران قوم بھی گمنامی کی دنیا میں کھو جاتے رہے۔ انہی زعماء میں وہ مرد مجاہد بھی دکھائی دیتا ہے کہ جسے والدین نے عظیم اللہ خان کا نام دیا تھا۔ اور جو حقیقت جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء کا اولین قائد و مفکر بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس نے دوسرے قومی کارکنوں سے اشتراک عمل کرتے ہوئے جنگ آزادی کا پروگرام بنایا۔ ہندوستان سے انگلستان کا سفر کیا۔ وہاں سے ترکی پہنچا۔ ذمہ داران حکومت روس سے راہ و رسم پیدا کی۔ اور گو وہاں سے عملاً کوئی امداد نہ مل سکی۔ تاہم زبانی امداد و ہمدردی کے پیغامات لئے واپس لوٹا۔ ہندوستان کو انگریز کی غلامی سے نجات دلانے کیلئے طریقہ کار یا لائحہ عمل تیار کیا۔ اور اگر اس پر قوم عمل پیرا ہو جاتی تو ہو سکتا تھا کہ ہندوستان کو جو آزادی ۱۹۴۷ء میں ملی وہ ایک صدی قبل میں ہی مل جاتی۔ لیکن بعض عجلت پسندوں نے قبل از وقت اقدام شروع کیا۔ جس سے اصل منصوبہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ناکام ہو کر موقع کی بجائے شکست کا باعث بنا۔ اور جنگ آزادی غدر کے نام سے یاد کی جانے لگی۔ ان حالات میں اس تحریک کا مفکر اعظم عظیم اللہ خان روپوش ہوا۔ اور ایسا روپوش ہوا کہ جہاں ایک طرف اس کے جسد خاکی کا پتہ نہ چلا وہاں تاریخ کے اوراق پر بھی اسے جگہ نہ ملی۔ مورخین نے اس کے حالات و تفصیلات معلوم کرنے کیلئے کسی سرگرمی کا اظہار نہ کیا۔ اور اگر کسی وقت کسی نے ضروری خیال کیا بھی تو اس جنگ کے سلسلہ میں ضمناً محض تکمیل بیان کیلئے بالکل غیر اہم طریقہ پر ذکر کر دیا۔ تا آنکہ ۱۹۵۹ء میں پروفیسر سید لطف اللہ نے اس مرد مجاہد کے حالات پر مشتمل ایک مختصر سا خاکہ کتابی شکل میں پیش کیا۔ جو اس سلسلہ کی کچھ مزید تلاش و تجسس کے راستہ میں مشعل راہ کا کام دے سکتا ہے [1]

یورپین مورخین نے جو تھوڑا بہت لکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عظیم اللہ خان انیسویں صدی کے شروع میں سرزمین ہند پر پہنچا۔ اور پہلی بار ایک مصنف نے اس کا تعارف کراتے ہوئے لکھا کہ عظیم اللہ خان اور اس کی والدہ ۱۸۳۷ء کے قحط کا شکار ہوئے اور نہایت ہی کمزوری کی حالت میں انہیں ایک شخص کانپور کی سڑک سے اٹھا کر اپنے ساتھ لیگیا۔ انہیں اپنے پاس مقیم رکھا۔ عظیم اللہ خان بچہ تو تھا خانگی کام کرنے کو نوکری مل گئی۔ اس کی اہلیت اور فراست کو دیکھتے ہوئے مالک نے تعلیم کا بندوبست کیا تو مختصر یہ ہے کہ اس نے انگریزی۔ فرانسیسی اور مقامی زبانوں میں مہارت پیدا کرلی۔ اور اپنی قابلیت اور تدبر کی وجہ سے مشہور مرہٹہ حکمران نانا صاحب کے دربار تک جارسائی حاصل کی جہاں اسے راجہ کا مشیر اعلےٰ مقرر کر دیا گیا تھا۔ اسی نانا صاحب

---

[1] The Man Behind the war of Independence of 1857 by Mohmedali Educational Society Published by KARACHI-5.

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں اسے نانا صاحب کے وکیل کی حیثیت سے انگلستان جانا پڑا۔ جس کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ اور وہاں سے واپس لوٹ کر اس نے تحریک آزادئ ہند کی رہنمائی شروع کی تھی۔

یوسف زئیوں کی مقامی روایات کے تحت عظیم اللہ خان کا تعلق مندڑ کے ذیلی قبیلہ عمرخیل کے خاندان نیک نام خیل سے ہے جو اس وقت تک موضع مانیزی (تحصیل صوابی) میں آباد ہے۔ اور شجرہ میں وہ عمرخیل کے بیٹے محمد خان کے لڑکے بید نام سے آٹھویں پشت میں درج ہے۔ یہ وہی قبیلہ ہے۔ جس سے نجیب الدولہ۔ اکرم خان۔ اور حافظ رحمت خان بیان کئے جا چکے ہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ (۴)

نواب امیر خان ۔ (ریاست ٹونک)

(یوسف زئی ۔ سالار زئی)

نواب امیر خان بانئے ریاست ٹونک کا تعلق یوسف زئیوں کے ذیلی قبیلہ سالار زئی سے بیان کیا جاتا ہے۔ امیر خان کا دادا صالح محمد خان بعہد محمد شاہ مغل حکمران دہلی اپنے وطن بونیر کے موضع جوارے[1] سے نکل کر اردو ہندوستان ہوا تھا۔ وہ روہیلکھنڈ میں دوسرے یوسف زئیوں کے پہلو بہ پہلو جنگوں میں حصہ لیتا رہا۔ اور اسی علاقہ میں فرشتۂ اجل کو لبیک کہتے ہوئے سپرد خاک ہوا۔ اس کا لڑکا حیات خان بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ وہ حافظ رحمت خان کے شرکائے کار سے معلوم ہوتا ہے۔ جب حافظ رحمت خان نے ہمت و استقلال سے شجاع الدولہ اور انگریز کے مشترک لشکر سے جنگ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ اور یوسف زئیوں کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی تو حیات خان نے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔

حیات خان کو قدرت نے ۱۷۶۸-۶۹ء (۱۱۸۳ھ) میں اولاد نرینہ سے سرفراز کیا اس لڑکے کا نام امیر خان رکھا گیا۔ اور بعد میں چلکردہ اسم بہ مسمےٰ ثابت ہوا۔ امیر خان اپنے قریبی دور کے حالات سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ اسے روہیلکھنڈ میں یوسف زئیوں کے اقتدار اور اس کی تباہی کے تمام واقعات معلوم تھے وہ جانتا تھا کہ اس کے اجداد یا ہم قبیلہ کس طرح علاقہ یوسف زئی سے نکل کر ہندوستان

---

[1] بونیر میں اسی نام کا "درہ جوارے" بھی موجود ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں اپنا اقتدار قائم کر چکے تھے۔ اسے بھی اسی جذبۂ حکمرانی نے ابھارا تو وہ چند نوجوانوں کو ہمراہ لے قسمت آزمائی کیلئے چل کھڑا ہوا۔ اس وقت اس کی عمر بمشکل بیس سال ہوگی کچھ عرصہ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ تا آنکہ ۱۷۹۵ء میں وہ خاندان ہلکر کے مشہور جسونت راؤ سے جا ملا۔ وہ بھی حصول اقتدار کے لئے تگ و دو کر رہا تھا۔ دونوں میں معاہدہ ہو گیا۔ تو انہوں نے مل جلکر کوئی اٹھارہ ماہ تک راجپوتانہ کے علاقہ میں وہ ہنگامہ آرائی کی کہ ہر طرف انہی کے چرچے ہونے لگے انگریز کو بھی خوف دامن گیر ہوا۔ اسے انکی طاقت سے خطرات محسوس ہونے لگے۔ بالآخر اس نے انہیں متنبہ کر دیا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو انگریز کے اقتدار یا علاقہ پر اثر انداز ہو سکے۔

واقعات یونہی ظہور پذیر ہوتے رہے اور وقت گزرتا گیا۔ تا آنکہ ۱۸۰۵ء میں پنجاب کے راجہ رنجیت سنگھ سے معاہدہ کر لینے کے بعد انگریز نے انکی طاقت کو ختم کر دینا چاہا۔ انگریز وسط ہند میں راجپوتوں کی متعدد ریاستوں کو تو برداشت کر سکتا تھا۔ لیکن اسے خطرہ تھا تو صرف اس پٹھان سے کہ کہیں وہ اپنے پاؤں جما کر انگریزوں کو اس دلن سے نکلنے پر مجبور نہ کر دے چنانچہ لارڈ منٹو وائسرائے ہند نے اپنے دل کی بات بھی کہدی کہ

> مداخلت کرنے اور مستقبل کیلئے عزائم رکھنے والے عظیم لشکر کے ایک مسلمان سربراہ کو کسی طرح یہ اجازت نہیں دی جانی چاہیے کہ وہ راجپوتانہ کی برباد شدہ حکومت اور املاک پر اپنا اقتدار قائم کر لے۔ (برباد شدہ حکومت سے ریاست بلکر مراد ہے مترجم)

ملاحظہ تاریخ ہند۔ مارشل مین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جس راجہ کے لئے انگریز پریشان ہو رہا تھا خود اس راجہ نے انگریز سے نہ کسی قسم کی امداد طلب کی تھی نہ ہی باہمی امداد کے سلسلہ کا کوئی معاہدہ موجود تھا لیکن انگریز کو چونکہ امیر خان کی طاقت ختم کرنا تھی اس لئے از خود امیر خان کے مقابلہ کیلئے لشکر روانہ کر دیا۔ فریقین میں جنگ ہوئی۔ ابتدائی دو حملوں میں تو انگریز کو کامیابی دکھائی دینے لگی تھی۔ لیکن تیسرے حملہ میں امیر خان نے اس شدت سے اقدام کیا کہ انگریز لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور ایسے اکھڑے کہ وہ جنگ کا نتیجہ دیکھے بغیر واپس لوٹ گیا۔

اس وقت تک امیر خان کافی طاقت جمع کر چکا تھا۔ اس کے پاس کوئی دس ہزار پیدل۔ پندرہ ہزار سوار اور قابل ذکر تعداد میں توپخانہ بھی تھا۔ وہ اپنی طاقت و قوت سے اردگرد کے راجپوتوں سے خراج وصول کرتا رہا۔ اور پندرہ لاکھ سالانہ تک اس کی آمدنی بیان کی جاتی ہے۔ طبیعت کا بہت فیاض تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ جب روپیہ جمع ہو جاتا تو کھلے دل سے اپنے لشکر میں تقسیم کرتا اور بعض اوقات تو یہ حالت ہو جاتی کہ خود بالکل قلاش نظر آنے لگتا۔ ایسے فیاض قائد سے لشکری کیونکر سرتابی کر سکتے تھے۔ انگریز ان حالات سے اور اسکی طاقت سے ناواقف نہ تھے۔ اس لئے جب امیر خان کے اردگرد کے حکمرانوں کی طاقت کو ایک ایک کر کے کچل دیا۔ تو امیر خان سے بھی نبرد آزما ہونیکا فیصلہ کیا۔ اور کوشش کی گئی کہ ایک ہی جست میں امیر خان کی طاقت کو ختم کر دے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۸۱۷ء میں ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر نے مع تین سو توپوں کے[1] امیر خان پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ بنگال کی طرف سے آمدہ لشکر شمال مشرق کیطرف۔ دکن سے جنوب کیطرف اور گجرات سے مغرب کیطرف مورچے سنبھال لئے۔

---

[1] برٹش انڈیا۔ آر۔ ڈبلیو۔ فریزر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

امیر خان نے ابتداءً تو مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ وہ بہت ہارنے والا نہ تھا۔ لیکن ساتھ ہی دیکھ رہا تھا کہ اسکے اردگرد کی طاقتیں دم توڑ چکی تھیں۔ پھر اس دوران میں ایک انگریز نے اس سے دوستی پیدا کرلی۔ اسے دوستی کا یقین دلایا۔ نواب امیر خان امادہ بہ صلح ہوگیا۔ ۶ جنوری ۱۸۱۸ء کو معاہدہ ہوا۔ جس میں امیر خان کو اس تمام علاقہ کا حکمران تسلیم کرلیا گیا کہ جس پر وہ اپنا اقتدار قائم کرچکا تھا۔ اسے اپنی ریاست منظم کرنیکا موقع مل گیا تو ریاست ٹونک نے شہرت حاصل کی۔ جو اس وقت تک موجود چلی آرہی ہے۔ اور جس کے حکمران کے اعزاز میں سترہ توپوں کی سلامی دی جاتی ہے۔

نواب امیر خان نے ۱۸۳۴ء میں وفات پائی تو اس کا لڑکا نواب وزیر محمد خان سریر آرائے ریاست ہوا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ (۵)

نواب غفور خان۔ (ریاست جاورہ)

(یوسف زئی۔ سالار زئی)

نواب امیر خان جسوقت خاندان ہلکر سے اشتراک عمل کرتے ہوئے ریاست ہلکر کی بقا اور اپنے لئے حصول اقتدار کی فکر میں تھا۔ اس وقت اس نے مالوہ سے راجپوتانہ کیطرف اقدام کرتے وقت اپنے سالہ غفور خان کو اپنی طرف سے دربار ہلکر میں بطور نمائندہ مقرر کر دیا تھا۔ بعد میں مہاراجہ ہلکر نے کچھ علاقے غفور خان کی تحویل میں دے دیئے جہاں اس نے حکمرانی شروع کر دی۔ بالآخر جب انگریز نے ہلکر کی طاقت کو ختم کرنیکے بعد معاہدہ کیا تو نواب امیر خان کی طاقت کے پیش نظر انگریز نے معاہدہ میں غفور خان کی اس تمام علاقہ پر سیادت تسلیم کرلی کہ جس پر وہ حکومت کر رہا تھا۔ اس طرح ریاست جاورہ کی بنیاد ایک یوسف زئی (سالار زئی) کے ہاتھوں پڑی۔ جو اس وقت تک موجود ہے اور جسکے حکمرانوں کے اعزاز میں تیرہ[۱۳] توپوں کی سلامی اتاری جاتی ہے۔

نواب غفور خان نے ۱۸۲۵ء میں وفات پائی تو اس کا لڑکا نواب غوث محمد خان جس کی عمر صرف دو سال تھی سریر آرائے سلطنت ہوا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ ۶

جوناگڑھ۔ مانا دادر۔ بنٹوا۔ سردار گڑھ

(حکمران یوسف زئے۔ بابی خیل)

نواب جوناگڑھ۔ خانِ مانا دادر۔ اور جاگیرداران بنٹوا اور سردار گڑھ قبیلہ یوسف زئی کے چشم وچراغ ہیں تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے۔ کہ عہد ہمایوں میں قبیلہ بابی (یوسف زئی) کے عادل خان اپنے وطن غور سے نکل کر عازم ہندوستان ہوئے تھے۔ اور پھر وہیں مقیم ہو گئے۔ ان کے لڑکے عثمان نے اور بعد میں چلکر عثمان خان کے فرزند بہادر خان نے عہد مغل اعظم میں اہمیت حاصل کر لی تھی اسی بہادر خان کی اولاد میں سے شیر خان نے اپنی ہمت طاقت اور تدبر سے بالآخر علاقہ جوناگڑھ وغیرہ پر اپنا اقتدار جمایا تو ۱۷۳۳ء یا ۱۷۳۵ء میں وہ برسر حکومت دکھائی دینے لگا۔

شیر خان بابی کے دوسرے دو بھائی دلیر خان اور شیر زمان خان اس وقت گوٹھ میں مقیم تھے۔ لیکن حالات نے انہیں وہاں سے نکل آنے پر مجبور کیا جس پر شیر خان نے ان دونوں کو مانا دادر کا علاقہ دے دیا تھا کہ وہ اس جگہ مقیم ہو کر بہ اطمینان ایام زندگی بسر کریں۔ کچھ عرصہ بعد ان دونوں بھائیوں نے آپس میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جائیداد تقسیم کرلی۔ تو بڑے بھائی دلیر خان کے قبضہ میں مانا دادر کا علاقہ آیا تو چھوٹے شیر زمان خان کو بنٹوا اور گبیداد (سردار گڑھ) ملا۔ جہاں ان کی اولاد قیام پاکستان تک حکمران تھی۔ اور نواب جوناگڑھ کی سلامی میں پندرہ توپیں داغی جاتی تھیں۔

قیام پاکستان کے بعد ان ریاستوں نے پاکستان سے اپنے الحاق کا اعلان کیا جس وجہ سے انہیں حکومت ہند کے ہاتھوں سخت مصائب برداشت کرنے پڑے تا آنکہ یہ حکمران سرزمین ہند سے نکل کر پاکستان میں آمقیم ہوئے۔ الحاق کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا گیا جس کا اسوقت تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ حکومت پاکستان نے ۲۳ مارچ ۱۹۶۰ء کو ڈاک کے جو ٹکٹ خصوصی جاری کئے تھے ان پر ریاست کشمیر کے ساتھ جوناگڑھ اور مانا دادر کی سرحدیں ظاہر کی گئی ہیں۔

ریاست جوناگڑھ کے حکمران نواب محبت علی خان نے پاکستان میں مقیم ہو جانے کے بعد ۱۹۵۹ء میں بمقام کراچی ... وفات پائی تو ان کے لڑکے دلاور خان انکے جانشین بنے۔ ریاست مانا دادر کے حکمران میجر معین الدین خان اس وقت کراچی میں مقیم ہیں۔ ذیل میں اس خاندان کا شجرہ نسب درج کیا جاتا ہے۔

شجرہ نسب والیان ریاست جوناگڑھ و مانا دادر

یوسف زئی ہمنڈڑ

رزڑ

اکو

بابی

دیکھو صفحہ ۶۰۹

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

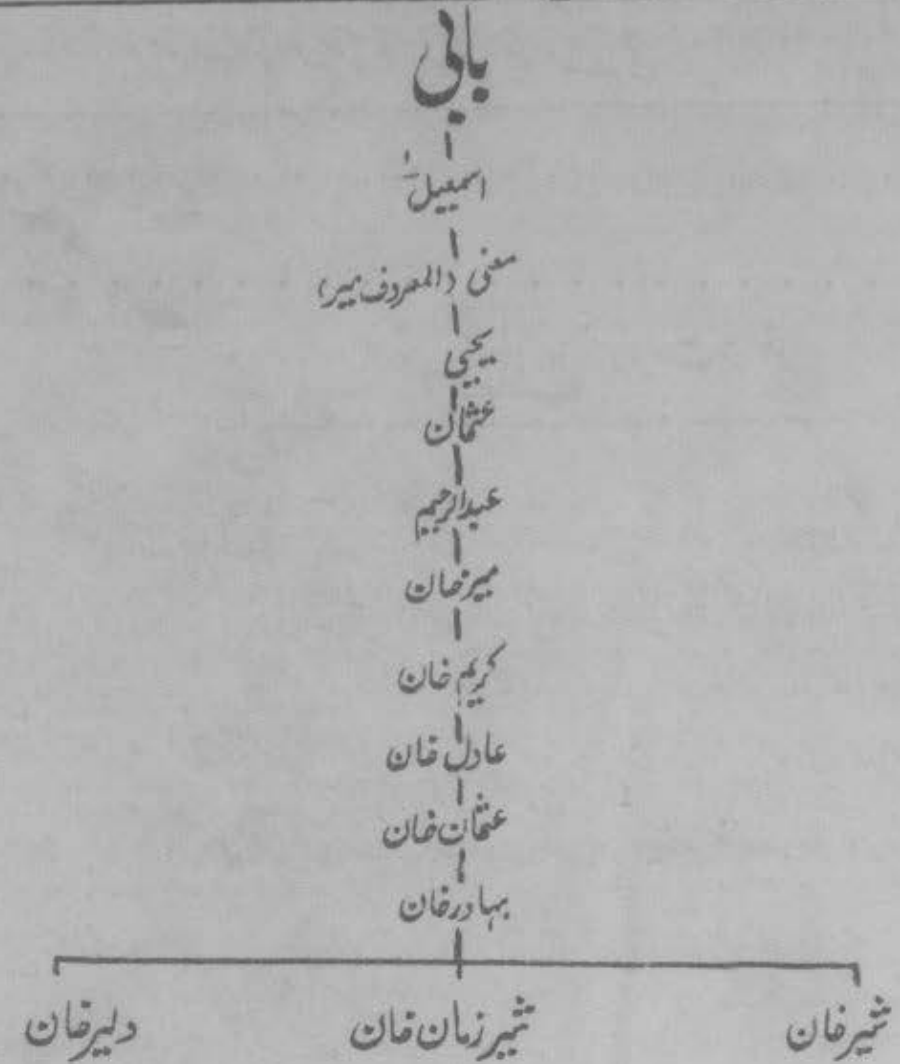

نوٹ:۔ شیر خان۔ شیر زمان خان اور دلیر خان کی اولاد بالترتیب جوناگڑھ سردار گڑھ، اور مانادادر میں حکمران ہے۔

---

[1] تحصیل موابی (مروان) کا موضع اسمٰعیلیہ اس اسمٰعیل کے نام سے آباد بیان کیا جاتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ ۷

نواب منور خان (ریاست بلاسنور)

حکومت ہند کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ریاست بلاسنور کی بنیاد بھی قبیلہ یوسف زئی ۔ (منڈڑ) کی ذیلی شاخ بابی خیل کے ایک فرد نے رکھی تھی ۔ جب انگریز نے اس علاقہ کی طرف نظر اٹھائی تو اسوقت اس علاقہ پر نواب منور خان بابی حکمران تھا ۔ جس نے ۱۸۰۵ء میں انگریز سے معاہدہ کیا اور اس معاہدہ کی رو سے علاقہ بلاسنور پر اس کا اقتدار تسلیم کر لیا گیا تھا ۔ اس طرح اس ریاست نے شہرت حاصل کی تو حکمران کے اعزاز میں سلامی کی توپیں داغی جانے لگیں ۔

نواب منور خان نے ۱۸۹۹ء میں وفات پائی تو اس کے لڑکے جمعیت خان بابی کو عنان سلطنت ملی جو اس وقت نابالغ تھا ۔

نوٹ ۔ پٹھانوں نے بحیثیت قوم ہندوستان میں کئی ریاستیں قائم کیں ۔ ان میں کی اکثریت کی بنیادیں قبیلہ یوسف زئی کے افراد کے ہاتھوں رکھی گئی تھیں ۔ ان کے اذکار کی طوالت کے یہ اوراق متحمل نہیں ہو سکتے اس وجہ سے ہم نے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کی اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ کس طرح ان مجاہدین نے پاکستان کے شمال مغرب کی سرحدی پہاڑیوں سے نکل کر اپنی ہمت و استقلال و جوانمردی اور تدبر سے ریاستیں قائم کر لی تھیں ۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خواجہ محمد خان - کمال زئے - کشران زئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ (۸)

مولانا شوکت علی خانؒ اور مولانا محمد علیؒ جوہر

(یوسف زئی (مندڑ) میر احمد خیل)

تحریک آزادئ ہند کے علمبرداران مولانا شوکت علی خان اور مولانا محمد علی جوہر کا تعلق قبیلہ یوسف زئی (مندڑ) کی ذیلی شاخ میر احمد خیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ وثوق سے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ علی برادران کے اجداد سے حیات خان (میر احمد خیل[1]) نے کس دور میں عزم سفر باندھ کر ہندوستان کی راہ لی تھی۔ جہاں وہ ہمیشہ کیلئے مقیم رہے اور ان کی اولاد بھی مقیم رہی جن میں سے "علی برادران" کے نام سے آزادی کے دو پروانوں نے بین الاملی اور بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ حیات خان نے علاقہ یوسف زئی سے نکل کر کچھ عرصہ پنجاب میں قیام کیا۔ اور پھر وہاں سے چل کر شمالی ہندوستان پہنچے یوسف زئی عام طور پر حصول اقتدار کے لئے ہندوستان کا سفر کرتے رہے اور ظہیر الدین بابر کے وقت سے انہوں نے ہندوستان میں اپنی ریاستیں قائم کرنی شروع کر دیں تھیں۔ جنکے بچے کچے نشانات اب بھی۔ رامپور۔ جوناگڑھ ٹونک مانادادر۔ بلاسنور وغیرہ کی شکل میں دکھائی دے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حیات خان بھی اسی عزم و ارادہ سے نکلے ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ انہیں اپنی ریاست

---

[1] حیات خان کا قبیلہ موضع مرغز میں آباد ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قائم کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ تو وہ دوسروں کے ساتھ شریک کار رہے۔ اور اس طرح ان کی اولاد کو ریاستی درباروں میں جگہ ملتی رہی۔

حیات خان کی اولاد سے امان اللہ خان نواب نجیب الدولہ کے رفقاء سے تعلق رکھتے تھے جنکا لڑکا محبوب بخش خان ۱۷۵۹ء میں بمقام نجیب آباد پیدا ہوا تھا اسی سال نجیب الدولہ نے وفات پائی تو اس کے اہل خاندان نے قریبی تعلقات کی وجہ سے محبوب بخش خان کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کی اور وہ عزت و احترام کی زندگی بسر کرنیکے بعد ۱۸۳۶ء میں نرشتہ اجل کو لبیک کہہ گئے محبوب بخش خان نے علی بخش خان حسین بخش خان۔ کریم بخش خان اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ ان سب کی شادیاں نجیب الدولہ کے خاندان نواب معین الدین خان نے کرائی تھیں۔ علی بخش کی پرورش بھی اسی نوابی گھرانے میں ہوئی۔ تو بعد میں انہوں نے اپنے والد کے قائم مقام کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ انگریزوں سے خط کتابت اور دیگر امور نواب معین الدین نے انہیں کے سپرد کر رکھے تھے۔ ۱۸۴۶ء میں ان کا انتقال ہوا تو نجیب آباد میں دفن ہوئے حسین بخش خان ۱۸۵۶ء میں رامپور چلے گئے۔ اور ۱۸۸۶ء میں وہیں وفات پائی۔ کریم بخش خان کی اولاد مراد آباد میں مقیم ہوئی۔

علی بخش خان ۱۲۵۹ھ میں نقل مکانی کرتے ہوئے رامپور پہنچے۔ اس ریاست کی بنیاد میں داؤد خان یوسف زئی کے بیٹے علی محمد خان کے ہاتھوں پڑی تھی۔ اور علی بخش خان بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسواسطے انہیں دربار میں جگہ مل گئی۔ انکے پانچ بیٹے ہوئے جنہیں محمد اکبر علیخان محمد اصغر علیخان محمد محمود علیخان۔ حافظ مبارک علیخان اور عبدالعلی خان کے نام سے پکارا گیا۔ پھر عبدالعلی خان کو قدرت نے پانچ لڑکے عطا کئے۔ بندے علیخان ذوالفقار علیخان۔ شوکت علیخان۔ نوازش علیخان۔ اور محمد علیخان۔

ذوالفقار علیخان نے اعلےٰ تعلیم حاصل کرنیکے بعد اپنی تمام تر توجہ تبلیغ اسلام کی طرف منعطف کر دی۔ اور پھر جماعت احمدیہ قادیانی تحریک میں شامل ہو کر اس تحریک کے اعلیٰ عہدوں پر متمکن رہے۔ مذہبی حیثیت سے انہیں اپنی والدہ اور دوسرے بھائیوں سے زیادہ قریب نہ رہا۔ بندے علی خان اور نوازش علیخان وفات پا گئے۔ رہے باقی دو تو علیگڈھ کے مشہور عالم مسلم کالج سے بی۔ اے کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سند حاصل کرلینے کے بعد شوکت علی نے تو ملازمت اختیار کرلی۔ لیکن اپنے چھوٹے بھائی کو اعلیٰ تعلیم کیلئے یورپ بھیجدیا۔ جہاں محمد علی نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعزاز کے ساتھ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ واپسی پر کچھ عرصہ رامپور اور بردہ میں بسلسلہ ملازمت مقیم رہے۔ لیکن طبیعت کو ایسے ماحول کیلئے موزوں خیال نہ کرتے ہوئے انہوں نے سیاسیات ملکی میں حصہ لینا شروع کیا۔ حکومت پر نکتہ چینی کرتے رہے۔ قدرت نے اہلیت و قابلیت سے نواز رکھا تھا۔ اخبارات میں انکے مقالات نے ملک میں ایک جدید دور کی بنیاد ڈالنا شروع کی تو ۱۹۰۷ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس بمبئی کے صدر منتخب ہوئے۔ اور حقیقت اس اجلاس کے خطبہ صدارت نے انہیں تعلیم یافتہ دنیا میں چمکا دیا تھا۔ رفتہ رفتہ خدمت ملت کے جذبہ نے انہیں ملازمت سے دست کش ہونے پر مجبور کردیا تو استعفےٰ دیکر کلکتہ پہنچے اور وہیں سے ۱۹۱۱ء میں ہفتہ وار اخبار "کامریڈ" جاری کردیا۔

کامریڈ اپنے سنجیدہ مضامین۔ آزادانہ نکتہ چینی۔ طرز تحریر اور شستگی زبان کی وجہ سے اسقدر ہر دل عزیز اور مقبول ہوا کہ خود دانشمرائے ہند اور انکی اہلیہ چندہ دیکر اسکے وقت اشاعت کے منتظر رہا کرتے تھے ہی نہیں بلکہ ایک دانشمرائے تو ہندوستان سے رخصت ہوتے وقت کامریڈ کا فائل ساتھ لیگیا تھا تاکہ انگلستان کے مشہور اخبار پنچ کے ایڈیٹر کو کہ جو اخبار اپنی ادبی حیثیت سے بہت بلند خیال کیا جاتا ہے بطور تحفہ پیش کرے مختصر یہ کہ انگریزی زبان کا یہ ہفت روزہ کامریڈ اس شان و شوکت سے نمودار ہوا کہ پچاس سال گزر جانے پر بھی اسکی مثال دوسرا پیدا نہ ہوسکا۔ حکومت انگلشیہ نے جب دارالسلطنت کو کلکتہ سے دہلی منتقل کیا تو کامریڈ بھی کلکتہ سے دہلی ہجرت کرگیا۔ جہاں اسکے ساتھ "ہمدرد" کے نام سے ایک روزنامہ بھی جاری کردیا گیا تھا۔ اس اخبار نے بھی مقبولیت حاصل کی اور صحیح معنوں میں مسلمانوں کا بالخصوص اور ہندوستانیوں کا بالعموم ترجمان ثابت ہوا۔

اول جنگ یورپ کے دوران میں انگلستان کے مشہور اخبار ٹائمز نے ترکوں کے متعلق ہیائس آف دی ٹرکس کے زیر عنوان ایک مقالہ لکھا۔ محمد علی نے اسے پڑھا تو بیقرار ہوگئے۔ اسکے جواب میں لکھنے کو بیٹھے تو مسلسل اڑتالیس گھنٹے لکھنے کے بعد اسی مذکورہ عنوان سے شائع کردیا۔ اس مقالہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

۱۹۸۲۲

کو دیکھکر سیاسین اور اہل علم دنگ رہ گئے انگریز نے اسے بحق سرکار ضبط کرلیا تو علی برادران کو کوئی پانچ سال تک قید و بند کی زندگی گزارنا پڑی۔ اس قید و بند نے سونے پر سہاگہ کا کام لیا۔ اختتام جنگ پر رہائی ملی۔ تو مت نے آنکھوں پر بٹھایا خلافت عثمانیہ کو مصائب و آلام میں مبتلا دیکھکر مجلس خلافت کا اجرا ہوا جس کی سرگرمیوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ اسی تگ و دو میں دونوں بھائیوں کو انگریز کے خلاف فوج میں نفرت پھیلانے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ تو مشہور مقدمہ کراچی شروع ہوا۔ کراچی کے "خالق دینا ہال" میں مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ علی برادران شیر کیطرح گرجتے ہوئے سنے گئے۔ اور جہاں انہوں نے حکومت کے خوف و خطر کو نظر میں نہ لاتے ہوئے صاف اور غیر مبہم الفاظ میں اعلان کردیا تھا کہ جہاں خدا اور حکومت کے قانون کا ٹکراؤ پیدا ہو وہاں وہ خدا اور صرف خدا کے قانون کی پابندگی کرسکتے تھے۔ اس جرم میں انہیں پھر قید و بند میں ڈالدیا گیا۔ لیکن انکے عزم و ارادہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور دوبارہ قید خانے سے نکلنے پر پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ۔ مصروف عمل دکھائی دینے لگے تھے۔

مسلمان ہندوستان میں اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسوجہ سے حکومت پر اس وقت کاری ضرب نہ لگ سکتی تھی۔ کہ جسوقت تک اکثریت انکا ساتھ نہ دیتی اور یہ انہی بھائیوں کا علم و تدبر اور دوررس نگاہ تھی جس سے تحریک خلافت میں ہندوؤں کو بھی شامل کردکھایا۔ خود بقول گاندھی جی۔ وہ مولانا شوکت علیؒ کی جیب میں رہنے لگے۔ یا اور بات ہے کہ کانگرس نے اس اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی قوم کو منظم کرلینے کے بعد مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت سے انکار کردیا۔ علی برادران اسے برداشت نہ کرسکتے تھے۔ اب وہی علی برادران جنہوں نے مردہ کانگرس کے جسم میں جان ڈالی تھی۔ مسلمانوں کی جداگانہ ہستی تسلیم کرانے کیلئے کھڑے ہوگئے۔ اسی غرض سے ۱۹۰۶ء میں جس مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی تھی محمد علی اسکے بانیوں میں سے تھے۔ وہ بھلا کیونکر مسلمانوں کو ہندوستان میں ضمنی حیثیت دینے پر رضامند ہوسکتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ متحدہ قومیت کی علمبردار کانگریس سے مقابلہ شروع ہوا۔ کانگریس کے پاس روپیہ کی کمی نہ تھی۔ اثر و رسوخ کی کمی نہ تھی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سینکڑوں دوسرے وسائل موجود تھے۔ انہی سے مجبور ہو کر کئی قابل ذکر مسلم زعماء کانگرس کے ہمنوا بن گئے۔ مقابلہ سخت تھا۔ لیکن علی برادران مقابلہ میں ڈٹے رہے کہ بالآخر کانگرس کو گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی جداگانہ ہستی تسلیم کر لیگئی۔ اور یہ انہی بھائیوں کی سرگرمیوں کا اثر تھا جس نے بعد میں چلکر ملک کو مسلم اور غیر مسلم یعنی پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کرا دیا۔

علی برادران "اتحاد بین الاسلامی" کے داعی تھے۔ سید جمال الدین افغانی کے بعد انہی بھائیوں نے اس آواز کو دوبارہ نہ صرف بلند کیا بلکہ عملاً اسکے لئے وقف ہو گئے۔ ترکوں سے اظہار ہمدردی میں تحریکات۔ ترکی کیلئے ہندوستان سے طبی وفد کی روانگی۔ اور مالی امداد ان سب میں علی برادران کو نمایاں حیثیت حاصل رہی۔ تا آنکہ جب انگریز نے افغانستان کے خلاف چوتھی جنگ لڑنیکی تیاریاں شروع کر دیں تو وہ مولانا شوکت علی ہی تھے جنہوں نے مجلس خلافت کے سالانہ اجلاس میں یہ بانگ دہل اعلان کر دیا کہ اگر انگریز نے یہ جنگ شروع کی تو خزانہ ہند۔ ایک پائی کے اخراجات برداشت نہ کریگا۔ اور ہندوستانی فوج کے ہر سپاہی کی قربانی کی ذمہ داری انگریز پر ہو گی۔ نتیجہ یہ کہ معاملہ ٹل گیا اور جنگ نہ ہو سکی۔ علی برادران ہی کی امداد و اعانت و سعی جمیلہ سے مفتی اعظم حضرت امین الحسینی مؤتمر عالم اسلام کے انعقاد میں سرگرم دکھائی دیئے۔ اور جب افغانستان ایران اور ترکی میں "معاہدۂ سعد آباد" کے نام سے اتحاد پیدا کرانیکی سعی ہوئی تو اس میں بھی علی برادران کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔

مختصر یہ کہ جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء اور حضرت سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین کے بعد حقیقتاً علی برادران نے ہی منظم طریقہ پر استخلاص وطن کیلئے انگریز سے منظم جنگ لڑی۔ اور کامیاب جنگ کے بعد انگریز سے گفتگو کیلئے گول میز کانفرنس میں شمولیت کیلئے روانہ ہوئے تو حالت یہ تھی کہ آنکھیں جواب دے رہی تھیں۔ چلنے کی سکت نہ تھی۔ اسٹریچر پر ڈالکر جہاز پر سوار کرایا گیا اور جب انسے کہا گیا کہ ایسی حالت میں انکا سفر خطرہ سے خالی نہ تھا۔ تو فرمانے لگے کہ وہ ایک تو اپنے رفقاء کو یہ دکھانا چاہتے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھے کہ کسطرح جابر حکمران کے سامنے اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسرے انکا مقصد صوبہ سرحد کے پٹھانوں کو دیگر صوبجات ہند کے ساتھ برابر کے حقوق دلانا تھا۔ وہ اپنے دونوں مقاصد میں کامیاب رہے گول میز کانفرنس میں انہوں نے تاریخی حیثیت حاصل کرلی اور پٹھانوں کو دیگر صوبجات ہند کیساتھ برابر کے حقوق ملگئے صوبہ سرحد کے مسائل پر وہ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان سے دیر تک تبادلہ خیالات کرتے اور اسکے بعد وزیر ہند کے نام ایک طویل مراسلہ لکھانے کا اثر تھا جو انکی دماغی رگ پھٹ گئی۔ تو انہوں نے ۲۸ جنوری ۱۹۳۱ء فرشتۂ اجل کو لبیک کہا اور فلسطین میں جا دفن ہوئے۔

علی برادران کی زندگی میں اتفاق سے کسی نے براہ راست انکے خاندان کے متعلق معلومات حاصل کرنیکی ضرورت محسوس نہ کی بعد میں جب انکے سوانح حیات مرتب کئے جانے لگے تو اکثر لکھنے والوں نے سکوت اختیار کیا چند ایک نے انہیں سید امیر کلال سے جا ملایا تو بعض نے انہیں شیخ پکارنا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں علی برادران کے مخلص ترین رفیق مولانا عبدالماجد دریا آبادی جنہوں نے مولانا محمد علی کے حالات پر مشتمل "اپنی ڈائری" کی دو جلدیں بھی شائع کی ہیں۔ دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ مرحومین کی زندگی میں اس سوال کے دریافت کرنیکی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ البتہ یہ کہ انہوں نے کبھی اپنے آپ کو سید یا شیخ ظاہر نہ کیا تھا۔ بلکہ ہمیشہ اپنے نام کیساتھ "خان" استعمال کرتے تھے۔ اسطرح بابائے اردو مولوی عبدالحق اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں کہ میں نے انہیں ہمیشہ خان لکھتے اور بولتے سنا تھا۔ راقم الحروف کو صرف یہ کہ ایک عرصہ دراز تک علی برادران کیساتھ کام کرنیکا موقع ملا بلکہ انکے اعتماد حاصل کرنیکا فخر بھی رہا حتیٰ کہ گول میز کانفرنس لندن میں شمولیت کے موقع پر مولانا محمد علی جوہر مجھے ساتھ رکھنے پر مصر رہے مولانا شوکت علی کی وفات پر انکے جانشین کی حیثیت سے مجلس خلافت مرکزیہ (بمبئی) میں مقیم رہنے کیلئے بیگم مولانا محمد علی نے میرا ہی نام تجویز کیا تھا لیکن یہ اس ہمہ یہ حقیقت ہے کہ مجھے کبھی انکے خاندانی یا اجداد کے سلسلہ میں نہ کسی سوال کرنیکی کبھی ضرورت پیش آئی نہ ہی کوئی سوال دریافت کیا گیا تھا۔

صوبہ سرحد میں علی برادران کا داخلہ ہمیشہ قانوناً ممنوع رہا انکے داخلہ پر ہمیشہ پابندیاں عاید رہیں بالآخر تحریک مسلم لیگ میں انہیں ضلع مردان اور پشاور کے دورہ کا موقع ملا۔ تو اس دوران میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

انھوں نے موضع مرغز جانے کی خواہش ظاہر کی بحیثیت سکرٹری مجلس خلافت مجھے ہی تمام انتظامات کرنے تھے۔ مرغز اسوقت سرخپوش (کانگرس) کے مضبوط ترین قلعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس وجہ سے یہی خیال پیدا ہوا کہ شاید وہ اسے مسمار کرنا چاہتے تھے تو میں نے انہیں حالات سے مطلع کرنا ضروری خیال کیا جس پر آپنے فرمایا کہ وہ صرف "اپنے وطن اجداد" میں اپنے قبیلہ کے لوگوں سے متعارف ہونا چاہتے تھے چنانچہ ترلاندی میں جلسہ کرنیکے بعد وہ مرغز پہنچے جہاں کے خوانین نے بڑی عزت و احترام سے انہیں گلے لگایا۔ تھوڑی دیر تک اجداد کے سلسلہ میں گفتگو رہی اور پھر وہ واپس لوٹ آئے۔ اس شہادت کو "سید یا شیخ" کہکر رد نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر جن لوگوں کو مولانا شوکت علی کیساتھ کام کرنیکا موقع ملا۔ انہیں یاد ہوگا کہ خلافت کی انتظامیہ مجالس میں جب کبھی کسی سخت مخالفت کا ذکر ہوا تو مولانا غصہ سے سینے پر ہاتھ مار کر فرمادیا کرتے تھے "میں نے بھی پٹھانی کا دودھ پیا ہے"۔

ذیل میں علی برادران کا شجرہ نسب درج کیا جاتا ہے حیات خان سے قبل کا حصہ سرحد کے سرکاری کاغذات سے اور حیات خان کے بعد کے نام تذکرہ کاملان رامپور سے اخذ کئے گئے ہیں۔

نسب نامہ علی برادران - یوسف زئی - منڈڑ

میر احمد خیل[1]

یارہ خیل	اکا خیل	شاہجہاں خیل	جانا خیل	بانو خیل
بلر خیل	خداداد خیل			الہ داد خیل
گدر خیل	سرگنڈ خیل	محمدی خیل	بلال خیل	عمر خان
		معظم	سڑہ خیل	
		فقیر	جلال	
محمد خان		امیر خان	زیارت	
حیات خان				
دیکھو صفحہ ۶۲۰				

[1] اکا خیل اور یارہ خیل موضع مرغز میں اور بقایا تینوں کی اولاد موضع ٹنگرئے اور سلیم خان میں آباد ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

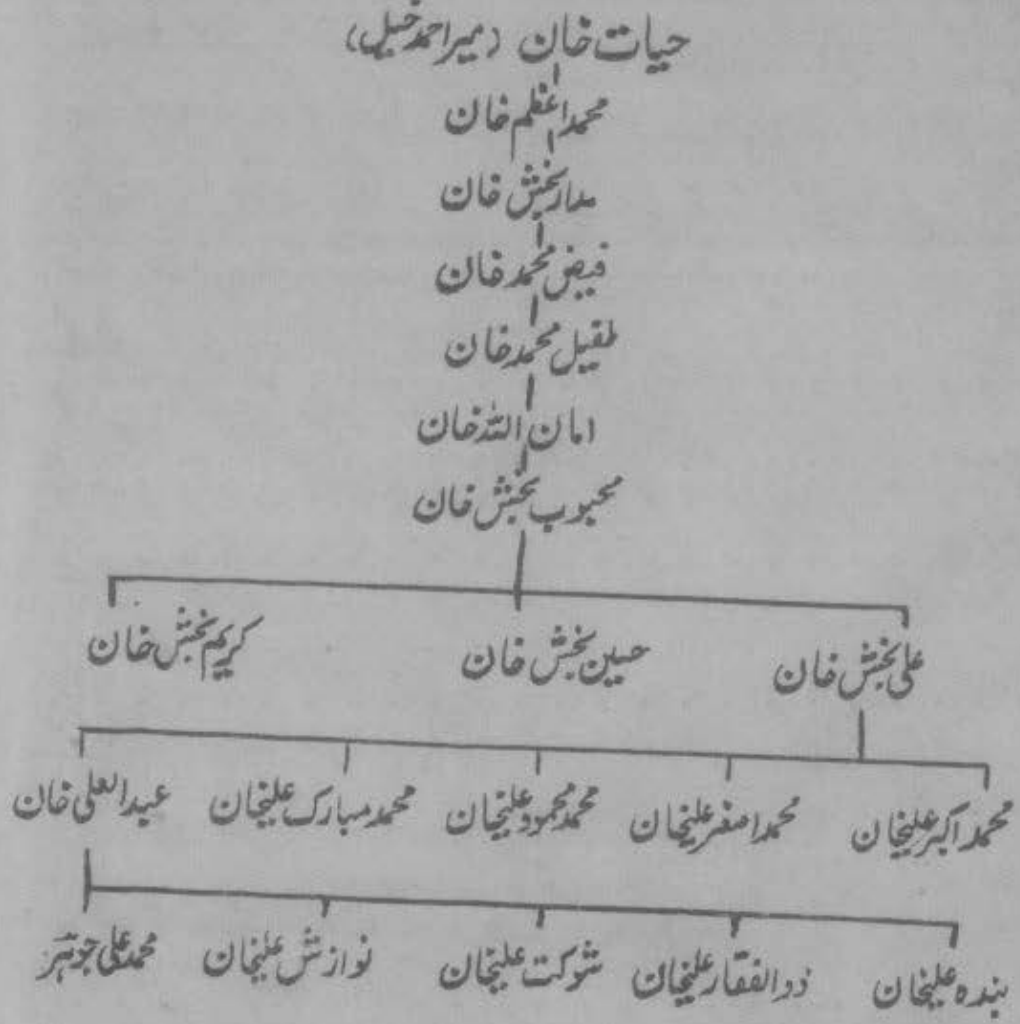

مولانا محمد علی جوہر کی اولاد نرینہ نہ تھی قیام پاکستان کے موقع پر ان کی دو لڑکیاں زندہ تھیں۔ جو پاکستان کو ہجرت کر آئیں۔ گلنار بیگم زوجہ مسٹر شعیب قریشی کا کراچی میں انتقال ہوا۔ اور زہرہ بیگم زوجہ زاہد علیخان کراچی میں مقیم ہیں۔

مولانا شوکت علی کے دو لڑکے زاہد علی خان اور حامد علی خان ہندوستان میں مقیم ہیں اور زاہد علی خان کا لڑکا طارق پاکستان میں اپنی والدہ کے ساتھ ہے۔

مولانا ذوالفقار علیخان کے لڑکے مولوی عبدالمالک بھی کراچی میں مقیم ہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

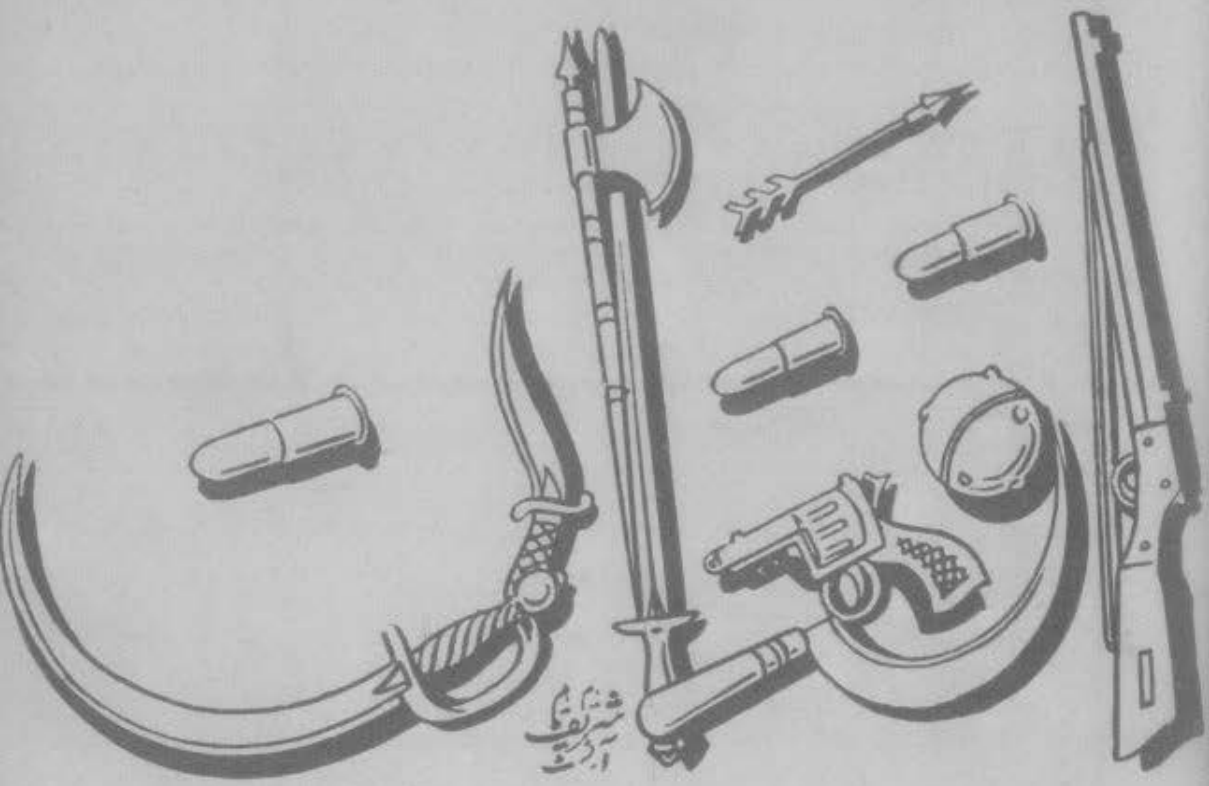

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ ۹

افغان یا پختون (پٹھان)

ملت افاغنہ یا پٹھان قوم "افغان" اور پختون (پٹھان) دونوں ناموں سے پکاری
، اوران دونوں الفاظ کو ہم معنی یا ایک دوسرے کے مترادف خیال کیا جاتا ہے
پس منظر کچھ ہی ہو اس وقت ملت افاغنہ کے فرزند خود ان میں کسی تمیز کو پسند
رپوری ملت کے لئے ان الفاظ کے استعمال کو جائز خیال کرتے ہیں۔ انگریز نے
ت میں ان الفاظ کو جدا جدا معنی پہنانے کی کوشش کی تھی اور اپنے
یا ضروریات کے پیش نظران قبائل کو جو ڈیورنڈ لائن کے مشرق کی طرف حکومت
آگئے تھے پٹھان پکارا تو اس لائن کے مغرب کی طرف حکومت افغانستان
وافغان کا نام دیا لیکن یہ تخصیص رائج نہ ہو سکی اور پوری ملت جغرافیائی
کرتے ہوئے افغان اور پٹھان دونوں ناموں سے پکاری جاتی رہی۔
رق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداء میں لفظ افغان اور پختون دو
جدا جدا اقوام کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ ایک ان قدیم ترین سامی قبائل کے لئے جو وادی
پشاور اور وادی کابل میں مقیم تھے اور دوسرا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے فلسطین کی
طرف سے چل کر کوہ سلیمان کے دامن میں جا پناہ لی تھی۔ یہ دونوں آبادیاں ابتداءً ایک
دوسرے سے جدا دکھائی دیتی ہیں لیکن پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں جب بیرونی
حملہ آوروں کے ریلوں نے مجبور کر ماتو یہ ایک دوسرے کے قریب ہو کر آپس میں ایسے
گھل مل گئیں کہ دوئی کا نشان بھی باقی نہ رہا دونوں نے ایک دوسرے کے رسم ورواج
کو اپنایا اور قدیم باشندوں کی زبان پشتو کو پوری ملت کی زبان بنا دیا گیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پختون (پشتون)

ایک جماعت کے خیال میں پٹھانوں کو یونانی مورخین کے بیان کردہ علاقہ "پختیز" کی مناسبت سے پکارا جاتا تھا جو بعد میں بگڑ کر پختون (پشتون[1]) یا پٹھان بن گیا مورخین کی دوسری جماعت جن میں مسٹر گریرسن[2] جیسے ماہر لسانیات شامل ہیں کہتے ہیں کہ یونانی مورخ ہرڈوٹوس نے جس قوم پکٹیز (PAKTIES) کا ذکر کیا ہے[3]۔ اس سے مراد یہی پٹھان ہیں یا یوں کہئے کہ اسی پکٹیز کی بگڑی ہوئی شکل پختون کے نام سے یاد کی جاتی ہے ایک اور مصنف سر ڈی ایبٹ سن[4] کی رائے میں جس گندھاری آبادی کا ذکر تاریخ میں پکٹیان (Pacetyan) کے نام سے ملتا ہے اس سے مراد پختون ہیں یا یہی

---

[1] پشتو زبان کی املا کے مطابق پختون اور پشتون کے الفاظ ایک ہی شکل پښتون میں لکھے جاتے ہیں پڑھنے اور بولنے میں ہر قبیلہ اسے اپنے تلفظ سے ادا کر لیتا ہے۔ [2] لنسوسٹک سروے آف انڈیا۔ گریرسن۔ [3] پختیز اور پکٹیز ایک ہی لفظ کی دو مختلف شکلیں ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ پختون کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔ [4] پنجاب کاسٹس سر ڈی ایبٹ سن۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لفظ بدل کر پختون بن چکا ہے بالکل اسی طرح کہ جس طرح ایک دوسرے قبیلہ کا نام اپرتیئے (Aparytae) افریدیوں (اپریدیے) کے مترادف خیال کیا جاتا ہے ان کی رائے میں یہی پکتیان حقیقت پٹھانوں کے مورث اعلیٰ تھے جو پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں بیرونی حملہ آوروں کی یلغار سے پریشان ہو کر وادی کابل اور پشاور سے نکل کر دریائے ہلمنڈ کے کنارے جا آباد ہوئے تھے اور پھر فلسطین کی طرف سے آنے والے افغان قبائل سے گھل مل گئے اور بعد میں یہ دونوں پٹھان اور افغان دونوں ناموں سے پکارے جانے لگے۔

اس سلسلہ میں یہ لکھ دینا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ قدیم یونانی مورخین نے اس علاقہ میں جن اقوام کا ذکر کیا ہے دور حاضر کے محققین بھی ان سے یہی پٹھان قبائل مراد لیتے ہیں۔ مشہور یونانی مورخ میگاتھنیز نے اپنی کتاب انڈیکا میں استکانی Astacani اور چند دیگر قبائل کا ذکر کیا تھا۔ انڈیکا کے مترجم (جے ڈبلیو کرنڈل) اس سے آفریدی مراد لیتے ہیں اور یونانیوں کے پختیکا (Paktyka) اور گندھارا کو ایک ہی جگہ کے دو مختلف نام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے خیال میں یونانی مورخ ہرڈوٹس نے لفظ پختہ (Pakhtae) انہی پٹھانوں کے لئے استعمال کیا تھا۔[1]

ایک مشہور مصنف سر ڈی ایبٹسن (Sir D. Ebbetson) کا خیال ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں جب سیتھک (SYTHIC) قبائل نے کوہ ہندوکش پار سے یلغار شروع کرتے ہوئے وادی سندھ کا رخ کیا تو گندھاریوں کی ایک پوری آبادی کو جو مشہور قوم پکٹیان (Pactyan) کے مشہور چار قبیلوں

---

[1] دوسری تین قبیلوں کے نام یہ ہیں (Aparytae) آفریدی Satagydae خٹک (Dadicae) دادی آفریدی اس وقت تک اپنے آپ کو آپریدئے پکارتے ہیں۔
[1] پختیکا اور پختہ بظاہر پختانہ (پختون) کی جمع دکھائی دیتے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں ایک پرمشتمل تھی اور جن کی اولاد اصلاً پٹھان کہلاتی ہے۔ دریائے کابل کے شمال کی طرف وادی پشاور اور شمالی پہاڑیوں سے مار بار کیا تو بحیثیت جماعت وہ دریائے ہلمنڈ (Halmand) کے کنارے اپنے ہی ایک دوسرے قبیلہ کے ساتھ جا بسے اور وہیں انہوں نے اپنی قدیم آبادی کی نسبت سے گندھار نامی شہر آباد کیا اور یہی کمٹیان بعد میں پختون (پٹھان) بن گیا۔

وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان لوگوں سے وہ افغان جو غور کی پہاڑیوں میں مقیم تھے کب آکر ملے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلی صدی ہجری میں مسلم فاتحین کے ساتھ اس طرف آئے اور پھر مقامی آبادی سے گھل مل گئے آپس میں رشتے ناطے کئے اور رفتہ رفتہ پوری آبادی افغان کہلانے لگی جب کہ اردگرد کی آبادی بدستور اپنے اصل نام کمٹیان کے نام سے پکاری جاتی رہی۔ اول الذکر عرب النسل افغانوں سے ترین۔ ابدالی یا درانی اور شیرانی بیان کئے جاتے ہیں اور موخر الذکر گندھاری نسل سے یوسف زئی مہمند اور دوسرے قبائل کا ہونا بیان کیا جاتا ہے لیکن بعد میں چل کر یہ سب قبائل اس طرح شیر و شکر ہو گئے کہ افغان اور پٹھان کی تمیز ہی باقی نہ رہی اور سب ہی افغان اور پٹھان دونوں ناموں سے پکارے جانے لگے۔ البتہ انگریز کی عملداری میں عام طور افغانوں سے مراد وہ قبائل لئے جاتے تھے جو حکومت افغانستان کے زیر اطاعت تھے اور پٹھانوں سے مراد وہ قبائل لئے جاتے تھے جو انگریزی اثر و رسوخ کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے۔ موخر الذکر قبائل یعنی یوسف زئی اور مہمند وغیرہ نے پندرہویں صدی عیسوی میں پشاور کے علاقہ کا رُخ کیا جہاں سے وہ کوئی ایک ہزار سال قبل نکلے جا چکے تھے اول الذکر قبائل قندھار کے گرد و نواح میں ہی مقیم رہے اور اٹھارہویں صدی کے وسط میں اس علاقہ پر انہوں نے حکمرانی شروع کی جو اس وقت افغانستان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لفظ پختون (پٹھان) کی حمایت میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب بابل کے حکمران بخت نصر نے ۶۰۰ ق م میں آرمیا اور برخیا کو مقرر کیا کہ وہ اس بنجامینی گروہ کو آباد کریں تو وہ اپنے قبیلہ کے بزرگوں کو نہایت ہی ضعیف العمری کی حالت میں ہرات اور غور کی طرف لے آئے اس جدید آبادی کو بخت نصر کی نسبت سے "بختو" پکارا جانے لگا اور اس کی زبان بختو کہلائی جو بعد میں بگڑ کر "پختو" بن گئی۔[1]

پٹھان یہاں اس امر کی وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم خود اپنے لئے لفظ پٹھان کو شاذ ہی استعمال کرتی ہے اور انگریز کی آمد سے قبل کے ادبار کی تحریروں پر نظر ڈالی جائے تو بمشکل ہی اس لفظ کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔

پٹھان حقیقتاً اپنے لئے صرف افغان یا پختون (پشتون) کے الفاظ ہی استعمال کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ انگریزوں کی آمد کے بعد جب اردو بولنے والوں سے رابطہ بڑھا تو لفظ پٹھان نے رواج پکڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ پٹھان لفظ پختو ہی کی بگڑی ہوئی صورت ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ اردو میں پختو کا نقش ثانی ہے اور ہم نے جو ان اوراق میں مسلسل لفظ پٹھان استعمال کیا ہے تو اس کی وجہ اس کتاب کی زبان اردو اور اردو پڑھنے والوں کی سہولت کے پیش نظر کیا ہے کیونکہ افغان یا پختون (پشتون) کے لئے اردو زبان میں لفظ پٹھان ہی صحیح اور بہترین طریقہ پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ باشندگان ہند قدیم زمانہ سے اس قوم کو اپنی زبان میں پٹھان ہی کے نام سے پکارتے رہے ان کے نزدیک ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ پختون کی بگڑی ہوئی

---

[1] ماخوذ از پٹھان یا افغان از کرنل نواب محمد اکبر خان مرحوم یوسف زئے ہوتی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شکل میں پیش کیا گیا ہو یا بعض مصنفین کے خیال کے مطابق ہندوؤں نے سنسکرت کے کسی لفظ کو اس قوم کے لئے استعمال کیا ہو یا پھر اس وجہ سے کہ اہل ہند پارتھین قوم کو ان کے نام کی شکل یا تلفظ بگاڑ کر اسے پٹھان پکارتے تھے تو اس قوم کے اس علاقہ سے نکل جانے پر پٹھانوں نے اس علاقہ میں قدم جمائے تو پختون بھی قد وقامت و طاقت و توانائی میں پارتھین سے مطابقت رکھتے تھے اس وجہ سے انہیں بھی پٹھان پکارنا شروع کر دیا ہو۔

بعد میں جب قیس عبدالرشید کے دربار رسالت میں حاضر ہونے کے سلسلہ میں روایات سنی جانے لگیں تو ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جب قیس دربار رسالت میں پہنچے تو ان کی خدمات اور تدبر کو دیکھتے ہوئے سرور کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں بطانؔ کا نام دیا جو بعد میں بگڑ کر پٹھان بن گیا۔ واقعات کچھ ہی ہوں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ لفظ پٹھان کا استعمال اس قوم کی تحریر و تقریر میں شاذ ہی دکھائی دیتا ہے۔ اور اسے پختون کی بگڑی ہوئی شکل یا اس کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ ہی کہنا مناسب اور موزون ہو گا۔

۱؎ بطان کے معنی کشتی کے مسطول کے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

افغان

میں دریافت کرتا ہوں کہ آخر افغانوں کو اس سے کونسا فائدہ پہنچتا ہے
کہ وہ اپنے آپ کو بنی اسرائیل ظاہر کریں جب کہ ان کی نظر میں کسی کو
یہودی کہدینا ان کی زبان میں بدترین قسم کی گالی سمجھی جاتی ہے۔
(یعنی وہ اپنی اصلیت کو چھپانا نہیں چاہتے) (میجر بلو)

خود افغان مورخین کے خیال میں اس قوم نے اپنا نام "افغان بن ارمیا" بن طالوت (علیہ السلام) کی نسبت سے اختیار کیا تھا اور بخت نصر نے اپنے عہد حکومت میں ہرات (افغانستان) کے شمال مشرق کی طرف غور اور فیروزہ کی پہاڑیوں میں آباد ہونے کو بھیجا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں سلسلہ ہائے کوہ سلیمان میں آباد کیا اور اسی نسبت سے انہیں اس وقت تک سلیمانی کے نام سے پکارتے ہیں جدید ترین تحقیقات کی روشنی میں کہا جاتا ہے کہ لفظ افغان بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ یا اس نبجامین گروہ کے لئے استعمال ہوتا تھا جس کے مورث اعلیٰ کا نام افودہ یا افغانا تھا جس سے لفظ افغان مشتق ہے افغانا کو اپنی طاقت اور جسامت کے لحاظ سے شاہ فریدوں کے مشہور پہلوان اوغان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے مناسبت دی جاتی تھی وہ اوغان کے نام سے پکارا جانے لگا جو بعد میں بگڑ کر افغان بن گیا اور اس وقت بھی افغان اور اوغان دونوں الفاظ کو پٹھان قریب قریب ایک ہی تلفظ سے ادا کرتے ہیں۔ انڈیکا کے مترجم مسٹر کرنڈل اپنی تحقیقات کی بنیاد پر لفظ افغان کو سنسکرت کے کسی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ظاہر کرتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ سنسکرت میں گندھارا کو اسوا کا (ASVAKA) ہی کہا جاتا ہو۔ یہ لفظ اسوا سے مشتق ہے جس کے معنی شاہسوار کے ہیں اور یہ لفظ وادی کابل کے باشندوں کے لئے ان بہترین قسم گھوڑوں کی نسبت سے استعمال ہوا بعد میں چل کر سنسکرت میں یہ لفظ اسوا کا یا آساد کا بولا جانے لگا جسے یونانیوں نے معمولی ردوبدل کے بعد آساکانی یا آساکینی بنا دیا جو مورخ مذکور کی رائے میں آگے چل کر آساکان سے اوغان اور پھر افغان بن گیا۔

اس خیال کی تائید میں کہا گیا ہے کہ بنجامین قبائل چونکہ پہاڑیوں میں رہنے کے عادی تھے اس وجہ سے خود انہوں نے بخت نصر سے پہاڑی علاقوں میں آباد ہو جانے کی درخواست کی تھی چنانچہ چند قبائل نے عربستان میں مدینہ شریف کے قریب خیبر۔ طائف۔ لیسج اور عدن کا رخ کیا تو کثرت جماعت نے آرمیا اور برخیا کی قیادت میں ہرات اور غورہ کی راہ لی۔ خیبر (عربستان) میں بسنے والوں کو عرب آج بھی افراء لیسج اور عدن میں بسنے والوں کو ابدآلی اور افغانوں کو سلیمانی کے نام سے پکارتے ہیں اور عربوں کی رائے میں بھی افغان بنی اسرائیل کے قبیلہ بنجامین سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعلق دار بیان کئے جاتے ہیں وہ افراء سے افریدی بھی مراد لیتے ہیں۔

ایک انگریز جسے ۱۸۵۷ء میں ایک برطانوی وفد کے ساتھ افغانستان جانے کا موقعہ ملا تھا۔ لکھتا ہے کہ اسے افغانستان کے شاہی کتب خانہ میں تاریخ افاغنہ

۱؎ جرنل آف دی پولیٹیکل مشن ٹو افغانستان ان ۱۸۵۷ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر لکھی ہوئی سات کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ان میں پانچ کی زبان فارسی اور دو کی پشتو تھی اور یہ ۴۰ سے ۲۵۲ سال قبل لکھی گئی تھیں اس نے ان کتابوں کے مصنفین کے نام نہیں لکھے البتہ ان سے جو اقتباسات یا خیالات نقل کئے ہیں وہ دلچسپی سے خالی نہیں وہ لکھتا ہے کہ تمام افغان مورخین نے اپنے آپ کو حضرت طالوتؑ کی اولاد اور حضرت طالوتؑ کو قیس قیش یا قش کا بیٹا ظاہر کرتے ہیں اور یہ کہ جس طریقہ پر انہوں نے افغانوں کی تاریخ بیان کی ہے وہ بڑی حد تک انجیل مقدس میں درج شدہ تفصیلات سے مشابہت رکھتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت طالوت کے دو بیٹے تھے ایک کا نام برخیا اور دوسرے کا نام ارمیا تھا دونوں بہ یک وقت پیدا ہوئے اگرچہ دونوں کی مائیں جدا اور قبیلہ لیوی کی چشم و چراغ تھیں ان بچوں کی پیدائش سے قبل ہی ان کا والد اپنے دس بیٹوں کو ساتھ لئے جنگ فلسطین میں کام آچکا تھا بچے حضرت داؤد کی نگرانی میں رہے جو حضرت طالوت کے بعد تخت نشین ہوئے تھے برخیا کو بعد میں چل کر وزارت عظمیٰ ملی تو ارمیا افواج کے سالار اعلیٰ مقرر ہوئے ان کے بیٹوں کے نام آصف اور افغانا تھے یہ دونوں بچے اپنے والدین کی وفات کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں انہی عہدوں پر متمکن نظر آئے کہ جن پر ان کے والدین مقرر تھے آصف کے اٹھارہ اور افغانا کے چالیس بیٹے بیان کئے جاتے ہیں مسجد بیت المقدس (فلسطین) جس کی تعمیر حضرت داؤد (علیہ السلام) کے وقت میں شروع ہوئی تھی اسی افغانا کی سرکردگی میں بہ عہد حضرت سلیمان (علیہ السلام) اختتام پذیر ہوئی۔

ان کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ جس وقت بخت نصر نے بیت المقدس پر قبضہ کیا اس وقت بھی یہ لوگ اپنے اجداد کے مذہب کی پیروی کر رہے تھے وہ اپنے عزم و ارادہ اور استقلال کے لئے ہزاروں مصائب کا شکار ہوئے اور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بالآخر بخت نصر کے حکم سے انہیں فلسطین کا علاقہ چھوڑ دینا پڑا تو وہ غور اور فیروزہ کی پہاڑیوں کی طرف چلے گئے اس جدید علاقہ کے گرد و نواح میں بسنے والے انہیں افغان ادغان اور بنی اسرائیل کے نام سے پکارتے رہے رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی تو انہوں نے ارد گرد کے علاقہ پر تصرف جمایا اس دوران میں اور حقیقت ظہور اسلام کے وقت تک ان تحریروں کے مطابق یہ لوگ توریت خوان یعنی شریعت موسوی کے پابند تھے۔

ہجرت نبوی کے بعد انہیں پہلی بار حضرت خالد بن ولید کے ذریعہ ظہور اسلام کی اطلاع ملی تو افغانوں نے قیس عبد الرشید[1] کی قیادت میں تحقیق حال کے لئے ایک وفد روانہ کیا جس نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر صداقت اسلام کے سامنے سر تسلیم کر دیا تھا۔

یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ مذکورہ افغان مورخین حضرت خالد بن ولید کو بھی اپنا ہم قوم اور تعلقدار بیان کرتے ہیں اس سلسلہ میں ایک فریق کا بیان ہے کہ والد کی طرف سے وہ قریش تھے لیکن ان کی والدہ کا سلسلہ نسب قیس کے خاندان سے جا ملتا تھا۔ دوسرا فریق حضرت خالد بن ولید کو خالص بنی اسرائیل ظاہر کرتے ہوئے ان کے اور قیس کے سلسلہ نسب میں کسی فرق کو تسلیم نہیں کرتا اس فریق کے خیال میں اس خاندان یا جماعت کے بعض افراد بغداد اور بصرہ کے علاقوں میں جا آباد ہوئے تھے انہی کی اولاد سے حضرت خالد کا خاندان بھی تھا۔ یہ لوگ بعد میں چل کر عرب پہنچے وہیں سکونت اختیار کی اور گھل مل گئے حقیقت کچھ ہی ہو اس پر سب متفق

---

[1] کہا جاتا ہے کہ قیس جب دربار رسالتؐ میں حاضر ہوئے تو سرور کونینؐ نے انہیں عبد الرشید کے نام سے پکارا اور پھر بعد میں وہ قیس عبد الرشید پکارے جانے لگے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیں کہ افغانوں کو دعوت اسلام حضرت خالد بن ولید کے توسط سے ہی ملی تھی اور اسی وجہ سے وہ انہیں اپنا روحانی مورث اعلیٰ خیال کرتے ہوئے خالد بابا کے نام سے پکارتے اور خود کو ان کی اولاد ظاہر کرتے ہیں اور بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے اپنی لڑکی کا عقد قیس سے کر دیا تھا اس وجہ سے بھی افغان اپنے آپ کو خالد کی اولاد ظاہر کرتے ہیں۔

اس خیال کی تائید میں ڈاکٹر بیلو افغانوں کو ہیرو ڈوٹس کے بیان کردہ "سولمی" (Solymi) مراد لیتے ہوئے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ نسلاً قریشی عرب اور سیریا میں مقیم تھے وہیں سے یہ لوگ غور کی طرف آئے تھے جو عرب افغانوں کو اب بھی سلیمانی کے نام سے پکارتے ہیں تو اس سے بھی افغانوں کے اس دعوے کو تقویت ملتی ہے کہ خالد بن ولید ان کی نسل سے تھے۔[1]

تاریخ ایران میں افغانوں کا ذکر ساسانیوں کے عہد میں دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ شاہ پور اول نے اپنے ایک کتبہ میں "اب غان" کے نام سے اس قوم کا ذکر کیا ہے۔ پھر شاہ پور سویم کے عہد میں اس قبیلہ کو "اپاکان" کے نام سے ظاہر کیا گیا تھا اور مورخین ان دونوں الفاظ کو افغان کی اولین شکلیں ظاہر کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مشہور جوتشی وراہ مہیرہ نے اپنی بھرت سمہتیا" میں جو چھٹی صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی افغانوں کا ذکر کیا ہے مشہور چینی سیاح ہیونگ سانگ نے اپنے سفر ۶۲۹ء تا ۶۴۵ء کے دوران میں کوہ سلیمان کی پہاڑیوں میں مقیم جس قوم اے۔ پو۔ کین A-Po-Kien کا ذکر کیا ہے مورخین نے اس سے افغان مراد لئے ہیں۔

---

[1] پنجاب کاسٹس ۱۹۱۶ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مسلم مورخین نے "حدود العالم" ۹۸۲ء (۳۷۲ھ) میں اس قوم کو علاقہ گردیز میں ساول کے مقام پر مقیم دکھایا ہے خاندان غزنویہ کے مورخ عتبی نے گیارویں صدی میں افغانوں کو سلطان محمود غزنوی کے لشکر میں شامل دکھایا اور سلطان مسعود کے زمانہ میں غزنوی لشکر کے ان افغانوں کو مطیع کرنے کے لئے لشکر کشی کا بھی ذکر کیا ہے[1]۔

---

[1] دی پٹھان از اولف کیرو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ ۱۰

آرین یا بنی اسرائیل

(اسرائیلی قبائل) بہت ہی سرگردانی کے بعد افغانستان کی سرزمین پر دکھائی دینے لگے تھے۔[1] (ٹریوسکن)

آریا (آرین) ایک کلچرل گروپ تھا[2] (پروفیسر مکس میولر)

ملت افاغنہ یا پٹھان قوم ان قدیم ترین اقوام سے تعلق رکھتی ہے کہ جن کی ابتداء یا حسب و نسب کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ وقت کے ہر مورخ نے اپنی تحقیقات و معلومات اور طاقت و بساط کے مطابق اسے مختلف قدیم اقوام سے منسلک کرنے کی کوشش کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک اس سلسلہ کوئی حرف آخر سنا نہیں جا سکا اور کسی قول فیصل کا تاحال پتہ نہیں چلتا بلا شبہ اس وقت سے کہ اس قوم کی تاریخ صفحہ قرطاس پر منقش کی جانی شروع ہوئی۔ قریب قریب تمام افغان مورخین نے اسے بنی اسرائیل (سامی الاصل) ظاہر کیا اور خود ملت افاغنہ کے ارکان اجتماعی اور انفرادی حیثیت میں اپنے آپ کو بنی اسرائیل ہی ظاہر کرتے رہے اس اظہار رائے میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

---

[1] لینڈ آف فاور ریورز۔ از ٹریوسکن [2] مجموعہ لکچرز پروفیسر مکس میولر صفحہ ۳۱

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ کئی ایک غیر افغان مورخین نے اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے ملت افاغنہ کو مصر کے فنیقیوں وسط ایشیا کے طورانیوں۔ آرین یا دوسری قدیم اقوام سے منسلک کرنے کی بھی کوشش کی۔ اگرچہ بیسویں صدی کے شروع تک ان خیالات کو افغانوں نے درخور اعتنا نہ سمجھا۔ انہیں کوئی وقعت نہ دی اور یہی وجہ ہے کہ نہ ان خیالات کی حمایت پیدا ہوئی اور نہ ہی افغان اسے اپنا سکے۔

عام مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی عمومی حیثیت سے زیر بحث رہا اور کسی وقت بھی خصوصی حیثیت سے اس پر توجہ نہ دی گئی اور نہ ہی اسے کسی ہنگامی ہمہ گیر تحریک کی حیثیت سے زیر بحث لانے کی کوئی کوشش یا سعی ہوئی۔ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں حالات نے پلٹا کھایا۔ ملت میں تعلیمی بیداری دکھائی دینے لگی۔ اس کے افراد سیر فی الارض پر عمل پیرا ہوتے غور و فکر نے دل و دماغ کے بند دروازوں کو کھولنا شروع کیا۔ گرد و پیش پر نظر ڈالی جانے لگی۔ بین الملی اور بین الاقوامی مسائل کے نظارے محو حیرت کرنے لگے تو افراد ملت میں ملت کو بیدار کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، دلوں میں نئی نئی امنگیں اٹھنے لگیں، پس ماندگی کا احساس ہونے لگا غلامی کی زنجیریں اب ناقابل برداشت بوجھ کی شکل اختیار کر گئیں اور انہیں توڑ پھینکنے کے ولولے دلوں میں موجزن ہونا شروع ہوئے۔

اس وقت بین الاقوامی سیاست میں انقلاب رونما ہو رہا تھا۔ ملت اسلامیہ کی کشتی جسے سنبھالنے کی کوشش میں سید جمال الدین افغانی اور ان کے رفقاء جان عزیز قربان کر چکے تھے گرداب مصائب میں پھنس چکی تھی خود خلافت عثمانیہ کہ جس پر مذہباً مسلمانوں کی نگاہیں لگی رہتی تھیں اپنی حفاظت کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بے مجبور اور امداد و اعانت کی طلبگار نظر آنے لگی۔ اس آڑے وقت میں ابلیس کے سنیوسیوں نے شمشیر بکف ہو کر ملت کی بقا کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی تو مسلمانان ہند نے عالم اسلام کو بیدار کرنے کا کام خود سنبھال لیا مختصر یہ کہ مصائب و آلام اور استبداد نے اس قوم کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کرنا شروع کیا تو اس کا اثر ہر طرف دکھائی دینے لگا اور پٹھان بھی جو بقول مورخین پیدائشی سیاست داں ہیں اثر لئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی رگوں میں بھی مجاہدانہ خون جوش مارنے لگا انہوں نے بھی زندگی و بقا کے لئے تگ و دو میں شدت پیدا کی نتیجہ یہ ہوا کہ افغانستان جو سیاسی حیثیت سے انگریز کے زیر نگین تھا ۱۹۲۰ء میں آزاد ہو گیا لیکن صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ کے پٹھانوں کو زنجیر غلامی اتار پھینکنے میں مزید ۲۷ سال جنگ لڑنا پڑی تو کہیں ۱۹۴۷ء میں وہ طوق غلامی اتار کر آزاد اقوام کی صف میں شامل ہوئے اور دنیا کے نقشہ میں حکومت پاکستان بھی نظر آنے لگی۔

پٹھانوں کے اس دور جدید کا آغاز حقیقتاً ۱۹۲۰ء سے شروع ہوتا ہے جب کہ شاہ امان اللہ خان نے سریر آرائے سلطنت ہو کر افغانستان میں اصلاحات کا اجراء کیا، آزاد ملک کی آزاد فضاء میں مختلف مسائل زیر بحث آئے مختلف گتھیوں کو سلجھایا جانے لگا اور دیگر مسائل کے ساتھ پٹھانوں کے بنی اسرائیل یا آرین ہونے کا سوال بھی زیر بحث آیا۔ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ مورخین پٹھانوں کو بنی اسرائیل یا آرین دونوں حیثیتوں سے زیر بحث لا چکے تھے لیکن کسی وقت بھی اس مسئلہ کو حکومت کی سرپرستی حاصل نہ ہوئی تھی۔ عہد شاہ امان اللہ خان میں جب سردار فیض محمد خان نے (جو اس وقت غالباً وزیر تعلیم تھے) اپنی ایک تصنیف یا تالیف میں پٹھانوں کو "آریا" ظاہر کیا تو اس مسئلہ کو سرکاری حمایت حاصل ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود نہ تو یہ مسئلہ عوامی مسئلہ بن سکا نہ ہی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مورخین اور علمائے وقت نے اسے کسی خاص اہمیت سے زیر بحث لانے کی ضرورت محسوس کی اور نہ ہی حکومت نے کسی شد و مد سے اس مسئلہ کو عوام پر ٹھونسنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ سردار فیض محمد خان کو کوئی قابل ذکر حمایت حاصل نہ ہو سکی اور نہ ہی کسی موافق یا مخالف نے اس مسئلہ میں کسی انہماک یا گرمجوشی سے کوئی حصہ لیا۔ البتہ اس سے انکار نہیں کہ سردار فیض محمد خان کی قیادت میں اب یہ موضوع زیر بحث آنے لگا تھا اور بعض مستشرقین کی آراء کو وقعت دی جانے لگی تھی۔

حالات بدلنے کے ساتھ افغانستان کے حکمران بھی بدل گئے جدید حکمرانوں کے عہد میں یہ مسئلہ ایک بار پھر موضوع بحث بنا لیکن اب اس مستعدی اور شدت سے پٹھانوں کو آریا ثابت کرنے کی مہم شروع ہوئی کہ ریڈیو اخبارات، مجالس حتیٰ کہ شاہی تقاریب تک میں یہی آواز سنائی دینے لگی حکومت نے اس مسئلہ کو وقت کا اہم ترین مسئلہ ظاہر کرتے ہوئے ہر ممکن طریقہ سے اس کی اشاعت کی اور بعض مستشرقین کے خیالات کو جو بارہا سرزمین افغانستان پر سنے جا چکے تھے اور جنہیں کسی وقت بھی کوئی خاص اہمیت حاصل نہ ہو سکی تھی اب بطور سند پیش کئے جانے لگے اور اب سارا زور اس پر صرف ہو رہا ہے کہ پشتو زبان چونکہ "انڈو آرین" کہلاتی ہے اس وجہ سے اس زبان کے بولنے والوں کو آریا ہی ہونا چاہیئے یا پھر یہ کہ کسی وقت افغانستان کا علاقہ آریانا کہلاتا تھا اس لئے اس کے باشندوں کا اس وطن کی نسبت سے آریا پکارا جانا ضروری ہے۔

بلاشبہ افغانستان میں یہ مسئلہ یعنی پٹھانوں کو آریا ثابت کرنے کی مہم عہد شاہ امان اللہ خان میں شروع ہوئی تھی۔ لیکن جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے اس نظریہ نے جب اس عہد میں نہیں بلکہ اس کے بعد اہمیت حاصل کی۔ قیام

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پاکستان تک یہ مسئلہ بلا کسی اہمیت کے وقتاً فوقتاً زیر بحث آتا رہا لیکن اسے کسی وقت کسی اہم قومی مسئلہ کی حیثیت سے نہ دیکھا گیا اور نہ کبھی اسے کوئی خصوصی حیثیت حاصل ہوئی البتہ قیام پاکستان کے بعد اس مسئلہ نے اہمیت اختیار کر لی اسے ملت کا ایک اہم ترین مسئلہ بنا دیا گیا۔ افغانستان کے پشتو ٹولونہ نامی ادارہ۔ افغان ریڈیو۔ افغانی اخبارات اور متعلقین حکومت نے دنیا کو ہمنوا بنا لینے کے لئے ان تھک کوششیں شروع کر دیں اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ کوہ ہندوکش" کے نام تک کو تبدیل کر دینا ضروری خیال کیا جانے لگا اور افغانستان کی ہوائی سروس کو "آریانا" کا نام دیا گیا اور تجویزیں ہو رہی ہیں کہ خود اس ملک کے نام کو ہی بدل کر آریانا کر دیا جائے اس کے ساتھ پاکستان اور افغانستان میں بدقسمتی سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دیکھتے ہوئے بھارت سرکار نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی افغانستان سے محبت اور پیار کی پینگیں بڑھائی جانے لگیں۔ پٹھانوں کے آریا ہونے کی حمایت شروع ہوئی تا آنکہ بھارت سرکار کے ذمہ دار ارکان بھی جو پاکستان ہندوستان اور افغانستان سے تاجد بخارا پورے ملک کو بھارت خیال کرنے لگے ہیں[1]۔ اس نظریہ کی پشت پناہی کرتے نظر آئے کہ بھارت اور افغانستان دونوں ایک ہی نسل آریا سے تعلق رکھتے ہیں اور سب ایک ہی وسیع ملک آریانا کے باشندے ہیں ان حالات میں حقائق کی متلاشی نگاہیں افغانستان اور بھارت کی روش کو شک و شبہ سے دیکھتے ہوئے اس الجھن میں پڑ جاتی ہیں کہ کہیں تاریخی تجسس کی

---

[1] بھارت کے کئی ایک ذمہ دار افراد نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بھارت کے علاقہ میں ہندوستان، پاکستان اور افغانستان تا جد بخارا تک کا علاقہ شامل ہے اور دوسری طرف اس کی سرحدیں انڈونیشیا تک جا پہنچتی ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بجائے یہ مسئلہ بھی سیاسی اغراض کی قربان گاہ پر قربان نہ کیا جا رہا ہو۔ ذہن میں اس مسئلہ پر تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر اس شک و شبہ کو مزید تقویت ہندوؤں کی اس منظم کوشش سے بھی حاصل ہوتی ہے جو وہ عرصہ ہائے دراز سے نہ صرف سرزمین ہند پر بلکہ ہندوستان سے نکل کر سرزمین یورپ تک تمام باشندگان ہند کو ایک ہی قوم ایک ہی نسل اور ایک ہی اجداد سے ثابت کرنے کے لئے وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈا ہو رہا ہے اور یہ پروپیگنڈا ایسے خاموش۔ منظم اور سیم و زر کی جھنکار کے تحت کیا جا رہا ہے کہ سطحی نگاہیں اسے دیکھ بھی نہیں سکتیں اور غور و فکر کئے بغیر اس کا احساس ہی نہیں ہو سکتا اب اس کی بنیادیں سرزمین افغانستان میں نصب ہوئی ہیں اور وہ صدائیں جو بڑی خاموشی اور رازداری سے کنار گنگا سے اٹھ رہی تھیں اب افغانستان کی سرزمین سے ببانگ دہل سنی جا رہی ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ ہمارے کئی نوجوان پراپیگنڈا کی قوت و طاقت کا شکار ہو کر متحدہ قومیت کے دعویداروں کے سامنے جھکتے دکھائی دینے لگے اور بعض لکھے پڑھے قابل ذکر افراد کی زبان سے یہ لفظ بھی سنے گئے ہیں کہ ہندو اور پٹھان کے کلچر میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ہاڑ بیٹھ وغیرہ نام جو ہندوؤں کے ہاں رائج ہیں انہیں ناموں سے بعض پٹھان بھی مہینوں کا حساب کرتے ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آرین

پروفیسر مکس میولر کے نزدیک یہ آریا یا جیساکہ ہم اس وقت انہیں آرین پکارتے ہیں ایک کلچرل گروپ تھا۔ (احمد چاگلا)

ان مورخین کے دعوی کو بھی کہ جو افغانوں کو آرین ظاہر کرتے ہیں بہ یک جنبش قلم مسترد نہیں کیا جا سکتا ان کے اس دعوی پر بھی حقائق اور تحقیقاتِ جدید کی روشنی میں غور و فکر کی جانی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ افغانوں یا پٹھانوں کو آرین ثابت کرنے کے جواز میں کوئی ٹھوس دلیل اس وقت تک منظر عام پر نہیں آسکی اور زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاتا رہا ہے:

(۱) آرین زمانہ قدیم سے ایران۔ افغانستان اور ہندوستان میں آباد تھے اس وجہ سے لازماً پٹھانوں کو بھی اسی نسل سے ہونا چاہیے۔

(۲) پشتو زبان ماہرین لسانیات کے فیصلہ کے مطابق چونکہ انڈو آرین یا ایرانی برادری میں شامل کی جا چکی ہے اور پٹھان یہی زبان بولتے ہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس وجہ سے وہ آرین ٹھہرے۔

موخرالذکر دعویٰ کسی دلیل کی حیثیت نہیں رکھتا۔ زبان کو کسی قوم کی اصلیت یا اس کے حسب و نسب کی بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دنیا میں بہت سی ایسی اقوام موجود ہیں کہ جن کے حسب و نسب مسلمہ ہیں ان میں کوئی گنجائش کلام نہیں لیکن وہ اقوام اپنی قومی زبانوں سے قطعاً ناواقف یا نابلد ہیں مثلاً پاکستان میں عرب افریقائی۔ طورانی۔ ایرانی اور بہت بڑی تعداد میں ہندوستان سے آئے ہوئے پٹھان بھی ہیں کہ جو اپنی قومی زبانوں سے قطعاً ناآشنا ہیں تو کیا زبان سے عدم واقفیت انہیں اپنے حسب و نسب سے محروم کر دے سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

سامی اور آرین کی آمد

اب رہا آرین کے زمانہ قدیم سے ایران افغانستان اور ہندوستان میں مقیم ہونے کا سوال تو بلا شبہ ان کی قدامت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ تحقیقات جدید کی روشنی میں اس قوم کو مذکورہ علاقوں میں آباد ہونے کا اولین فخر حاصل نہیں کیونکہ آرین سے صدیوں قبل سامی الاصل قبائل افغانستان سے گزر کر ہندوستان تک پہنچ چکے تھے چنانچہ ایک مورخ لکھتا ہے کہ:

> عربستان کا علاقہ ابتدائی تہذیب انسانی کا گہوارہ تھا ریگستان عرب سے ہجرت کی مختلف لہریں اٹھیں اور مختلف اطراف میں پھیل گئیں یہ عرب مہاجر سامی الاصل کہلاتے تھے۔[1]

اور آگے چل کر ظاہر کرتا ہے کہ یہ قبائل کوئی تین ہزار سال قبل مسیح سرحد ہند تک پہنچ چکے تھے۔ جبکہ آرین کے متعلق اب قریب قریب تمام مورخ متفق ہو چکے ہیں

---

[1] وادی سندھ کی تہذیب از غلام مصطفیٰ۔ ڈان کراچی ۱۰ اپریل ۱۹۵۹ء

[1] دیکھو ضمیمہ پختو (پشتو) زبان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کہ وہ ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح اس طرف آئے تھے یعنی مورخین میں اب اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں کہ آرین سے صدیوں قبل دوسرے غیر آرین قبائل اس سرزمین افغانستان و ہندوستان پر آباد دکھائی دے رہے تھے۔

آرین کی ابتدائی آبادیاں

آرین جب قدرتی اور طبعی حالات سے مجبور ہو کر اپنے وطن کو خیرباد کہہ چکے تو بجملہ دوسرے راستوں کے انہوں نے ایران کی راہ بھی لی اور اپنی جسامت طاقت توانائی کے بل بوتے پر اس علاقہ پر چھا گئے۔ ان کا زیادہ تر زور سرزمین ایران پر پڑا اور پھر آہستہ آہستہ وہ مشرق کی طرف یلغار کرنا شروع ہوئے اور ان آبادیوں کو تاراج کرنا شروع کیا جو صدیوں سے آباد تھیں ان قبائل سے جنگیں لڑیں جو وہاں مقیم تھے اور رفتہ رفتہ اپنے لئے جگہ پیدا کر لیتے رہے۔ پرفیسر میکس میولر ان کی آبادیوں کی بالترتیب ذیل کی فہرست پیش کرتا ہے۔

(۱) سوگدیانا (سمرقند میں)	(۲) مورو (مرو)
(۳) بوخدی (علاقہ بلخ)	(۴) نسایا (نیسا نزد مرو)
(۵) ہارویو (ہرات)	(۶) وکرتیا (سجستان)
(۷) اردا (کابل)	(۸) خنتا (قندھار)
(۹) اراکوشیا (غزنی)	(۱۰) ہیومت (علاقہ ہلمند)
(۱۱) راگھا (شمالی میڈیا)	(۱۲) کخرا (خراسان)
(۱۳) دریا (گیلان)	(۱۴) ہپتو ہندو (پنجاب)[1]

اس فہرست سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آرین نے مذکورہ مقامات پر جو آبادیاں

---

[1] انسائیکلو پیڈیا انڈیا۔ بلفورڈ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قائم کیں تو یہ قدیم آبادی کو ہٹا کر ہی کی ہوں گی اور قدیم آبادی کی نسبت کہا جا چکا ہے کہ وہ سامی الاصل تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل غور و دلچسپی ہوگا کہ کہ ۱۲۳۰ء قبل مسیح میں آشوریوں کی مشہور ملکہ سمیرامیز نے جو بلخ کے علاقہ تک قابض تھی ہندوستان پر بھی حملہ کیا تھا اور وہ خود سامی الاصل تھی اس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ آرین کے ساتھ دوسرے قدیم قبائل کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس کے ساتھ پارسیوں کی مقدس کتاب ژند میں بھی آرین آبادیوں کے ساتھ دوسرے غیر آرین قبائل کی موجودگی کا ذکر ہے۔ پھر ان واقعات کی روشنی میں اگر پوری ملت افاغنہ یا بالخصوص وہ افغان جو بنی اسرائیل کہلائے جانے پر فخر کرتے ہیں اپنے آپ کو غیر آرین کہیں تو کسی طرح نامناسب نہیں۔

سامی آرین زندگی

اس کے ساتھ ہی قدیم آرین کے اس حلیہ کو دیکھا جائے کہ جس کا ذکر ابتدائی تحریروں میں کیا جاتا رہا ہے تو آرین دراز قد۔ سڈول جسم۔ تناسب اعضاء بیضوی چہرے۔ اونچی خوبصورت ناک اونچی پیشانی وغیرہ رکھتے تھے اور ان کا مقابلہ سامی الاصل قبائل سے کیا جائے تو ان میں نمایاں فرق دکھائی دیتا ہے اور صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی اگر وسط ایشیا یا ایران کے کسی آرین کو فلسطین یا افغانستان کے کسی سامی الاصل کے مقابل کھڑا کر دیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں ایک نسل سے تعلق نہیں رکھتے۔

علاوہ ازیں افغانوں یا پٹھانوں کی معاشرت ان کے رسم و رواج اور زندگی کے دوسرے شعبوں پر غور کرنے سے کوئی چیز بھی تو انہیں آرین کے قریب نہیں لیجاتی قدیم افغانوں کا لباس بنی اسرائیل کے لباس سے بہت مشابہت رکھتا ہے نہ کہ آرین سے ان کے برتن ان کے مٹکے وغیرہ ان کے قربانی کے طریقے اور بنی اسرائیل کی طرح

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دروازوں پر خون کے چھینٹے دینا۔ لباس کو مختلف طریقوں سے نشان صلیب سے مزین کرنا اور لاشعوری طور پر عبادت کے دوران یا اس کے بعد اپنے سینے اور ماتھے پر ہاتھوں سے صلیب بنانا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ابتدا ہی سے سامی الاصل ہونے کے قائل رہے ہیں اور ان کی زندگی میں آرین معاشرت یا کسی آرین معبود کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔

مختصر یہ کہ افغان یا پٹھان اپنی شکل و شباہت طرز زندگی لباس خوراک رسم و رواج عبادات وغیرہ غرض کسی حیثیت سے آرین کے قریب دکھائی نہیں دیتے اس وجہ سے لازماً انہیں اس آبادی سے منسلک کرنا پڑ گیا کہ جو آرین کی آمد سے قبل اس علاقہ میں موجود تھی اور جو تاریخی شہادتوں کی بنا پر سامی الاصل کہلاتی ہے۔

آرین نسل یا عقیدہ

مندرجہ بالا سطور تو آرین کو ایک قوم یا ایک نسل قیاس کرتے ہوئے لکھی گئی ہیں اب سوال یہ ہے کہ آیا حقیقت آرین کسی مستقل نسل کا نام ہے یا کسی خاص عقیدہ کی پیروی کے لئے وہ لوگ آرین کہلاتے تھے؟

بلاشبہ وسط ایشیا سے مختلف قبائل نے وہاں کے حالات سے مجبور ہو کر اس وطن کو خیرباد کہی تھی اور ان میں وہ قبائل بھی تھے کہ جو بعد میں چل کر آرین کہلائے۔ لفظ آرین پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے اور اکثر مشہور مورخین کا یہی خیال ہے کہ یہ قبائل زراعت پیشہ تھے انہیں زراعت سے لگاؤ تھا اور اسی انس و محبت کی وجہ سے انہوں نے اپنے نام کے ساتھ آر کا استعمال کیا جو ہل یا زراعت کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا اور یہ لفظ آر کئی ممالک میں بولی جانے والی آرین زبانوں میں مستعمل ہے ژند میں ایر یا کے معنے باعزت کے بھی ہیں اور ایک قوم کے نام کے لئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے سنسکرت اور دیدوں میں قوم کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور ان لوگوں کی عزت افزائی کے لئے بھی کہ جو برہما کے پجاری تھے۔ بعض دوسرے مورخین کا خیال ہے کہ اُر کی نسبت سے یہ قوم آریا کہلاتی تھی اور اُر کو تاریخ کے اس مشہور ترین معبود سے نسبت دی گئی ہے جو اپنے وقت میں آتش پرستوں کا سب سے بڑا معبود تھا اور جس کے نام پر ۲۲۸۶ قبل مسیح میں اُر نامی شہر آباد ہوا اور جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش بیان کی جاتی ہے۔

اگر مذکورہ اُریا اُر کو بنیاد تسلیم کر لیا جائے تو ظاہر ہے کہ پھر آرین کا لفظ اس عقیدہ کی وجہ سے ہی استعمال ہوا ہوگا اور جو لوگ بھی اس عقیدہ کے پیرو ہوں گے وہ آرین کہلاتے ہوں گے اس طرح اس لفظ کا کسی نسل سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اور جیسا کہ ایک مصنف کہتا ہے کہ

آریا وہ ہیں جو بلا لحاظ رنگ و نسل آریائی زبانیں بولتے ہیں۔[1]

یعنی اس لفظ آریا کو نسل سے کوئی تعلق نہیں اور اس کی تصدیق ایک دوسرے مصنف کی زبانی یوں ہوتی ہے کہ

پروفیسر مکس میولر کے نزدیک یہ آریا جیسا کہ ہم اس وقت انہیں آرین پکارتے ہیں ایک کلچرل گروپ تھا۔[1]

اس لفظ کا تعلق کسی نسل سے نہ ہونے کی ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ جب آرین عقائد نے فروغ حاصل کیا تو اس تمام علاقہ کو آریانا پکارا جانے لگا کہ جہاں اس کے عقائد کا چراغ جل رہا تھا اور جب یونانی مورخین نے آریانا کا ذکر کیا تو وہ ژند سے بھی دو قدم آگے بڑھے اور حدود اربعہ یوں بیان کر دیا کہ جنوب میں بحر ہند

---

[1] پاک مسلینی مقالہ احمد چاگلا (۱۹۵۲)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مشرق میں دریائے سندھ۔ شمال میں ہندوکش اور مغرب میں کسپین سے خلیج فارس تک۔

مختصر یہ کہ اس عقیدہ کے فروغ کے ساتھ لفظ آریا یا آرین کو بھی فروغ ہوا اور جہاں جہاں یہ لوگ آباد ہوئے اپنے آپ کو آرین اور اس علاقہ کو آریانا کہنے لگے جو لوگ ان کے ہمنوا یا ہمخیال نہ تھے وہ غیر آریا کہلاتے اور ایسے غیر آریوں کا ژندمیں اکثر ذکر دکھائی دیتا ہے اور اس کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ جب ایران کو حملہ آوروں سے نجات ملی اور انہوں نے اپنی حکومت قائم کی۔ ساسانی برسر اقتدار نظر آنے لگے تو اس خاندان کے حکمرانوں نے جب رسم زمانہ کے مطابق کتبے نصب کئے تو ان پر اپنا نام صرف آرین کی حیثیت سے نہیں بلکہ آرین اور غیر آرین کے بادشاہ کے الفاظ درج کرایا تھا۔

پھر اگر یہ لفظ کسی نسل سے متعلق ہوتا تو اس کے معنوں میں وقتاً فوقتاً ردوبدل نہ کیا جاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی آرین جب ہندوستان پہنچتے ہیں تو اس لفظ کے معنوں میں ردوبدل شروع کر دیا جاتا ہے چنانچہ منوں نے کھتریوں کے قبیلہ پلاوا کو جن کی نسل پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا اس وجہ سے داسا کا نام دے دیا کہ انہوں نے برہمنوں کی عزت کرنا چھوڑ دی تھی اس طرح پروفیسر مکس میولر کے قول کے مطابق زمانہ وید کے بعد کی تحریروں میں آریا کا لفظ واضح طور پر ہندوؤں کے اولین تین اعلیٰ طبقوں کے لئے استعمال ہونے لگا اور چوتھے شودر کو اس سے محروم کر دیا گیا۔

جن مورخین کے خیال میں اس قوم نے اپنے معبود اُر کی نسبت سے یہ نام استعمال کیا تھا ان میں قاضی عبدالحلیم اثر افغانی قابل ذکر ہیں اس مسئلہ پر ان کی بحث سے چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اُر۔ آریہ۔ آریا۔ ایرین

لفظ آدمیں کے دو جزو ہیں ایک آ اور دوسرا ای اس پر کھڑی

؎ مجلہ پشتو (پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی) جلد ۱۲۔ شمارہ ۲-۳ (۱۹۵۸)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

زبر لکھی جاتی ہے (یٰ)، اور بعض لوگ اس زبر کو ظاہر کرنے کے لئے اس لفظ کے آخر میں ہ کا اضافہ کرتے ہیں جیسے سنسکرت کے تلفظ میں آدیہ اور بعض اس کے آخر میں الف مقصورہ بڑھاتے ہیں جیسے آریا اور جب اس کے آخر میں نسبتی نا بڑھا دی جائے تو اسے آریانا یا اریانا پڑھا جاتا ہے اس لفظ کے اول جز اُر کا تلفظ توریت شریف کے مطابق اُر ہے یعنی الف پر پیش ہے، چنانچہ توریت کی ایک آیت میں مرقوم ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو کلدانیوں کے اُر سے نکال دیا۔" یہ اُر کلدانیوں کے ایک شہر کا نام ہے کہ جو عراق میں مقبر کے نام سے مشہور تھا۔ پہلی دفعہ ۱۸۹۵ء میں اس کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں بعد میں برطانوی عجائب گھر کی ہمت سے ۱۹۲۲ء میں پنسلوانیا یونیورسٹی کے عجائب گھر کے پروفیسر ڈاکٹر جی بی گورڈن نے یہ آثار قدیمہ تلاش کیے تو سر لیونارڈ ولی نے جو اس مہم میں ان کے شریک کار تھے کلدانیوں کے اُر کے نام سے ایک کتاب لکھی تو اس میں آثار قدیمہ سے دریافت شدہ معلومات کی بنا پر لفظ اُر کے الف پر پیش لکھی اور دائرۃ المعارف کابل کی کتاب اریانا جلد دوم صفحہ ۲۸۲ پر بھی لفظ اُر ہی درج ہے اسی مصنف نے آگے چل کر لکھا ہے کہ "سی م رین" یعنی اُر کے بادشاہوں کی نسل تہذیب مصری بابلی۔ عبرانی اور مقدنیوں سے بھی قدیم ہے اور آج سے پانچ ہزار سال پرانی ہیں.....

کلدانیوں نے جو اپنے شہر کا نام اُر رکھا تو ظاہر ہے کہ یہ ایک لغوی لفظ ہے جو اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ کلدانیوں کی اجتماعی زندگی میں لفظ اُر کو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ایسی خاص اہمیت حاصل تھی جو انہوں نے اسے اپنے ایک شہر کے لئے استعمال کیا، اس وقت اسی لفظ کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔

اس وقت تک تمام برآمد شدہ آثار قدیمہ آسمانی کتابوں اور تاریخی معلومات میں اس حقیقت کو تسلیم کیا جا چکا ہے کہ اس سرزمین پر مختلف اشیاء یا معبودوں کی عبادت کی جاتی رہی جن میں نور اور (آگ) کی پرستش خاص اہمیت رکھتی ہے۔

قرآن شریف میں بھی مختلف اقوام کے نور اور آگ کی عبادت کا ذکر دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب رشد و ہدایت ملی اور اس کی ابتدا میں جب وہ کائنات پر غور و فکر کرنے لگے تو قرآن شریف کی اس آیت سے فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۝ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں نور (چاند) اور قدرت کے دوسرے مناظر کی عبادت کرنے کا تصور موجود تھا اور اسی پر حضرت ابراہیم تنقید کرتے رہے اور بعد میں اس قوم نے جب انہیں اُر (آگ) میں جھونکا تو اس میں بھی وہی ذہنیت کارفرما تھی اور اس زمانہ میں اُر (آگ) کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے تو انہوں نے اس نیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُر (آگ) کی نذر کیا کہ ان کے عقیدے کے مطابق خود معبود (اُر) انہیں سزا دیدے۔

اس کے بعد اثر صاحب نے اُر کے مقابل دوسرے ایسے معبودوں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق نور یا روشنی سے تھا اور مثالیں دے کر بتایا ہے کہ ان معبودوں کی پرستش کرنے والے بھی اُر کی طرح اپنے معبودوں کے نام مقامات خود اپنے لئے استعمال کرتے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رہے ہیں۔ اور پھر پشتو لفظ اُڑ اور آگ کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ :-

پشتو زبان کا مروجہ تلفظ اُدہے مگر بعض لوگ الف پر خمہ اشباعی لکھکر اُڑ بولتے ہیں جیساکہ تورات میں درج ہے اگرچہ عام طور الف کے بعد و لکھکر الف پر پیش ڈال دی جاتی ہے لیکن صحیح تلفظ وہی خمہ اشباعی بغیر واؤ کے ہے کیونکہ جہاں کہیں بھی یہ دوسرے کلموں میں استعمال ہوا ہے مثلاً اڑمڑ۔ اُڑگون۔ اڑیاذی وغیرہ وہاں بغیر واؤ کے ہی لکھا جاتا ہے۔

جناب اثر کو شکایت ہے کہ :-

دنیا کے بڑے بڑے علماء ادبا نے لفظ اُڑ کی حقیقت و اصلیت پر غور و فکر نہیں کی اور جہاں کہیں انہیں اُڑ کے ساتھ یا نے نسبتی نظر آئی وہیں الریانا مراد لے لی اور اسے ایک ملک کا نام قرار دیدیا حالانکہ یہ لفظ پشتو زبان کا ہے اور جہاں کہیں یہ مرکب شکل میں دکھائی دیتا ہے مثلاً ایرین تو یہ کسی قوم کا نام نہیں بلکہ پشتو زبان کے عام قاعدہ کے مطابق پشتو کے نسبتی ین کے اضافہ سے ایرین پکارا جاتا ہے اور اس سے وہ لوگ مراد لئے جاتے ہیں جو اُڑ کی عبادت کرتے تھے۔ پشتو زبان میں اس کی مثالیں مل سکتی ہیں مثلاً خودین، ریشمین، پشمین وغیرہ۔

آگے چل کر وہ ظاہر کرتے ہیں کہ بلا شبہ ایرین کسی زمانہ میں ایک قوم کا نام تھا لیکن یہ نام مذہب کی نسبت سے تھا، اسی طرح کہ جس طرح دوسری اقوام اپنے مذہب یا عقائد کی نسبت سے محمدی عیسائی وغیرہ ناموں سے پکاری جاتی ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ :-

اگر کوئی مسلمان اسلام کو چھوڑ دے تو اسے پھر مسلمان (محمدی) نہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کہا جا سکتا۔ کوئی عیسائی مسلمان ہو جائے تو پھر اسے عیسائی نہیں کہہ سکتے اسی طرح اس علاقہ میں کہ جہاں ان دنوں اُدّ کی عبادت نہیں کی جاتی کسی شخص کو کس طرح ایرین یا آدیا کہا جا سکتا ہے؟

پھر اس سوال کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ :-

حقیقت یہ ہے کہ ایک دوسرے اہم مسئلہ پر بھی غور و فکر نہیں ہوئی ہماری زندگی میں چار امور ایسے ہیں کہ ان کی نوعیت ایک دوسرے سے جدا بھی ہے اور ایک دوسرے سے متعلق بھی عربی زبان اور عالموں کی اصطلاح میں اسے "عموم خصوص من وجہ" کہتے ہیں اگر ان عموم خصوص من وجہ پر غور و فکر کی جائے تو بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔ وہ چار امور یہ ہیں :-

(۱) ایک ملک کا اپنا مخصوص نام لیکن اس ملک کے رہنے والے اس کے اصلی باشندے نہ ہوں۔

(۲) ایک ملک میں کوئی مخصوص مذہب رائج ہو لیکن اس کے عام باشندے اس مذہب کے پیروکار نہ ہوں۔

(۳) ایک ملک کی کوئی مخصوص زبان ہو لیکن اس میں رہنے والے دوسری زبان بولتے ہوں۔

(۴) ایک ملک میں ایسے باشندے ہوں جو زبان تو اس ملک کی بولتے ہوں لیکن نسلاً جدا ہوں۔

ان چاروں امور کی مثال پیش کرنے کے لئے ہم عرب ممالک کو لیتے ہیں :-

(۱) جزیرۃ العرب میں مقیم وہ لوگ جو نسلاً عرب نہیں ہیں۔

(۲) حجاز میں امریکن تیل کمپنیوں سے تعلق رکھنے والے امریکن آباد ہیں لیکن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ مذہباً عیسائی ہیں۔

(۳) حجاز میں ترک ازبک، قازق، اپنی اپنی زبان بولتے ہیں۔

(۴) شام کے علاقہ میں کرد عربی زبان بولتے ہیں لیکن وہ عرب نہیں۔

مندرجہ بالا تحریر کی روشنی میں ایرین ایک دیرینہ قومیت تھی جس کی بنیاد مذہب آتش پرستی پر تھی اور یہ اس وقت ایرین یا آریا تھی کہ جس وقت تک اُر کی عبادت کرتی رہی اور اس کا ان کے کلدانی آثوری فنیقیانی یا بنی اسرائیل بنی طے یا کسی دوسری قوم یا نسل پر اثر نہ پڑ سکتا تھا[1] لیکن اس کے بعد یہ لوگ ایمان لے آئے اب اگر انہیں کوئی ایرین یا آریہ پکارے تو اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے آج کوئی کسی مسلمان کو عیسائی۔ یہودی یا ہندو کہہ دے۔

بلاشبہ اس سرزمین پر ایسے علاقے بھی موجود ہیں کہ جن کے ناموں میں لفظ اُر موجود ہے اور جہاں اُر کی عبادت بھی کی جاتی رہی اور پھر جد میں لفظی ترکیب سے قوم اس نام سے موسوم ہوئی مثلاً ارمنی آرامی لیکن ان الفاظ کی ترکیب کچھ ایسی ہے کہ جس سے یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ ارمنی یا آرامی سے مراد وہ لوگ ہیں جو اُر کی عبادت کرتے ہوں اس کی مزید وضاحت ہندی اور ہندو کی مثالوں سے ہو سکتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو ہندی پکارے تو اس سے ہمیشہ ہند میں رہنے والے مراد لئے جاتے ہیں لیکن ہندو کہا جائے تو اس سے یہی شبہ ہوتا ہے کہ وہ بت پرست یا مشرک ہے حالانکہ ہندو کی تو اور ہندی کی تی دونوں حرف نسبت ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض حروف نسبت سے

---

[1] یعنی وہ مذہباً ایرین کہلاتی تھی اس کا ان کی نسل سے کوئی تعلق نہ تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حالت وصفی مراد لی جاتی ہے اور بعض سے حالت نوعی ہی مراد لی جاتی ہے مثلاً خورین اس مٹی کے برتن کو کہتے ہیں کہ جس کی نوع مٹی ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نسبتی اسماء میں یہ بھی دیکھا ہوتا ہے کہ منسوب الیہ ہے کیا اگر کسی شخص کو جرمنی پکارا جائے تو ہو سکتا ہے اس سے جرمن نسل مراد لی گئی ہو حالانکہ مذہباً وہ شخص عیسائی، یہودی، یا محمدی ہو لیکن اگر یورپ کے کسی شخص کو عیسائی کہہ دیا جائے تو یہ پکار مذہبی نسبت سے ہوگی لفظ اریسیائی۔ آدامی اور آریائی میں یہی فرق ہے اریسائی اور آدامی سے ارشاد اور آرام کے باشندے مراد لئے جائیں گے جبکہ آریائی سے وہی شخص مراد ہوگا کہ جو مذہباً آریہ ہو محمدی وہی شخص ہے جو حضرت محمدؐ کے دین کا پیرو کار ہوگا اور اگر لفظ محمدؐ کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ موجود ہو مثلاً محمد آباد تو وہاں کے رہنے والے کو محمد آبادی پکارا جائیگا تو پھر یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا اور وہ اس جگہ کا باشندہ ہی خیال کیا جا سکتا ہے۔

ان وجوہات سے میرا نظریہ یہ ہے کہ :-

ایرین یا آریہ نسل کا نام نہیں۔ کل ایرین یا آریہ کے نام سے ایک ملت موجود تھی لیکن وہ اُر کی پرستار تھی آج قرآن پاک کے مبارک الفاظ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کی روشنی میں وہ دین اور آئین ہماری اس سرزمین پر باقی نہیں رہا تو اس علاقہ کو ایرین آریہ، اریانا پکارنا ایک اہم علمی و تاریخی غلطی ہے۔[1]

---

[1] قاضی عبدالحلیم اثر نے اپنے مقالہ میں جس اُر کا حوالہ دیا ہے وہ قدیم اقوام کی روایت کے مطابق ایک معبود کا نام ہے جس کی مندن سمی رین کلدانیوں کے عہد میں خاص اہمیت سے پرستش کی جاتی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گزشتہ سطور پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آرین کسی نسل کا نام نہ تھا بلکہ کسی خاص عقیدے کی وجہ سے یہ لفظ مستعمل رہا اور بلا لحاظ رنگ و نسل ہر وہ شخص آریا کہلایا جس نے ایک مخصوص عقیدہ کو اپنا لیا تھا اور اس مسئلہ کو کبھی زیر بحث

تھی اور اسی نام کی نسبت سے تاریخ کا مشہور شہر اُر آباد ہوا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مولد و مسکن کہا جاتا ہے یہ شہر آتش پرستی کا مرکز ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا تھا ایک قدیم ترین کتاب گنندا GANZA کے مطابق موجودہ دنیا کی پیدائش سے قبل ایک روشن عالم تھا اور دوسرا تاریک یا سیاہ جس میں ایک منحوس ڈائن رہتی تھی جسے مندن قوم روحا کے نام سے پکارتی تھی۔ اُر اسی روحا کا بیٹا بتایا جاتا ہے جو بدکرداری یا نحوست میں اپنی ماں ہی کا نمونہ تھا کہا جاتا ہے کہ موجودہ دنیا نے آفرینش سے قبل اسے قابو میں کر لینا ضروری تھا ورنہ یہ دنیا پیدا کرنی ہی مشکل ہو جاتی۔ چنانچہ مذکورہ گنندا کے قول کے مطابق مندایا اس کے بیٹے ہابیل نے اُر کو زمین میں ڈال کر بھاری زنجیروں سے جکڑ دیا اس پر پہرہ بٹھا دیئے گئے یا ایک دوسری رائے کے مطابق اُر کو اس کی تاریک دنیا میں ہی بند کر دیا گیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ روشن عالم سے ایبے ٹھور نامی کسی چیز نے تاریک عالم پر نظر ڈالی تو اس میں اسے اپنی شکل دکھائی دی جس پر اس نے ایک مستقل شکل اختیار کی اور ہیکل ہابیل کہلائی۔ اس طرح اس ہابیل میں "تاریک عالم" کا اثر پیدا ہو گیا اسے کہا گیا کہ وہ ایک ٹھوس عالم پیدا کرے لیکن وہ اسے اس وقت تک بنانے میں کامیاب نہ ہو سکی جب تک کہ ہابیل نے اپنی کچھ روشنی اس میں داخل نہ کر دی اس سے کچھ حصہ روحا نے بھی لیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس تعمیر کا کچھ حصہ اس کے پانی سے بنا تھا ان وجوہات سے ہماری دنیا تاریک مواد سے تیار ہوئی جس میں معمولی سی روشنی بھی شامل ہے۔

ہابیل نے روحا کے بیٹوں کو جن میں اُر خاص اہمیت رکھتا ہے چاند اور نظام شمسی کی دوسری اشکال میں تبدیل کر دیا تو انہوں نے ہی آدم کا جسم بنایا اور ہابیل نے خزانہ زندگی سے لاکر اس جسم میں زندگی ڈال دی ان روایات سے اُر کی طاقت و عظمت کا پتہ چلتا ہے[1]۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی کہ آیا افغان یا پٹھانوں نے بھی آرین عقائد قبول کر لئے تھے یا نہ اور اگر کسی وقت انہوں نے یہ عقائد قبول بھی کر لئے ہوں تو اس وقت کہ نہ ان عقائد کا کوئی نشان باقی ہے اور نہ ان معبودوں کا تو کس طرح افغان یا پٹھانوں کو آرین کہا جا سکتا ہے اور یہ لفظ آرین ان کے حسب و نسب پر کیسے اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اندریں حالات یہی کہا جائے گا کہ افغان یا پٹھان آرین نہیں بلکہ غیر آرین ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بنی اسرائیل

افغان مورخین کی رائے میں افغان بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔[1]

(امیر عبدالرحمٰن خان) سابق شاہ افغانستان

افغان یا پٹھان کو آپ جس نام سے بھی یاد کریں وہ حقیقتاً سامی الاصل ہیں اور آرین سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔[2]

سید عبدالجبار شاہ سابق حکمران سوات۔

افغان یا پٹھانوں کے بنی اسرائیل ہونے کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ صدیوں سے وہ اپنے آپ کو اس نام سے موسوم کرتے چلے آئے ہیں اور صدیوں سے افغان مورخین بھی انہیں اسی نام سے یاد کرتے رہے۔ افغان مورخین کی جس قدر قابل ذکر تصنیفات مل سکتی ہیں بلا اختلاف سب نے اس ملت افاغنہ کو سامی الاصل قرار دیا اور اس تمام دوران میں کہ افغانستان کی پہاڑیوں سے نکل کر یہ قوم مختلف ناموں سے افغانستان اور ہندوستان پر حکومت کرتی رہی کسی وقت بھی اس مسئلہ کو زیر بحث لانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور نہ ہی کسی وقت اس قبیلہ کے آرین یا کسی دوسری قوم سے منسلک

---

[1] لائف آف امیر عبدالرحمٰن خان مطبوعہ لندن۔ [2] دی پٹھان از کیرو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرنے کا سوال پیدا ہوا۔ پھر پشتو زبان کو جب ماہرین لسانیات نے انڈو آرین گروپ وغیرہ میں شامل کیا تو اس کی معقولیت کے پیش نظر کسی نے اختلاف نہ کیا لیکن اس کے ساتھ اس قوم کے حسب و نسب یا اصلیت پر ماہرین متفق نہ ہو سکے تو لامحالہ انہی افغان مورخین کی آراء کو قابل قبول سمجھا گیا کہ جو صدیوں سے ملت افاغنہ کو بنی اسرائیل پکارتے چلے آئے تھے اور پھر دوسرے تاریخی مواد کے علاوہ جب آرین اور افغان شکل و شباہت لباس طرز زندگی اور رسم و رواج میں بھی ایک دوسرے سے جدا ہی دکھائی دیتے رہے تو لازماً انہیں دو جدا اقوام قرار دیدیا گیا اور دونوں کی جداجدا ہستی تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔

پھر کیا یہ امر بھی قابل غور نہیں کہ خاندان غزنویہ کے بعد افغان یا پٹھانوں کو عروج حاصل ہوا وہ اپنے ملک اور پھر اس سے نکل کر ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف ایران پر بھی قابض نظر آتے انہوں نے ملکی اصلاحات اور بہترین قسم حکومتیں قائم کیں تالیفات و تصنیفات عالم ظہور میں آئیں تو اس تمام دوران میں انہیں کسی وقت یہ خیال نہ آیا کہ وہ اس ملت کی اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کرتے یا بنی اسرائیل کہلانے کے مروجہ عقیدہ کے سلسلہ میں تلاش و تحقیقات کی جاتی اور یہ کام افغانستان کے ان چند مدبرین کے لئے نہ چھوڑ دیا جاتا کہ جنہوں نے بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں پہنچکر اسے ہوا دینے کی کوشش کی اور اس ملت افاغنہ کو آرین ثابت کر دینا چاہا۔

مستشرقین کے انفرادی اقوال تو انیسویں صدی عیسوی کے آخر سے سنے جا رہے تھے پھر ان میں سے کوئی بھی صاف اور واضح الفاظ میں وثوق سے اس ملت کو آرین ظاہر نہیں کرتا بلکہ کھینچ تان کر افغانوں کو آرین کے ساتھ کھڑا کیا جاتا ہے بہ ایں ہمہ ان آراء کو بیسویں صدی عیسوی کے وسط سے قبل کبھی کوئی وقعت نہ دی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گئی تھی یا یوں کہئے کہ قیام پاکستان سے قبل ان مستشرقین کی آراء کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا جاتا تھا لیکن اب انہیں وقعت دی جانے لگی ہے اور جب افغانوں کو آرین ثابت کرنے کی تگ و دو میں ان مستشرقین کی حمایت میں کسی افغان مورخ کا نام نہ لیا جا سکا تو ان لوگوں نے بلاضرورت سید جمال الدین افغانی کو اس بحث میں گھسیڑنے کی کوشش میں ان کی زبان سے افغانوں کو آرین کہلوایا درانحالیکہ آپ سید مرحوم کی اس تمام کتاب کو پڑھ جایئے کہ جو انہوں نے تاریخ افاغنہ کے سلسلہ میں لکھی ہے تو اس میں کہیں آرین کا لفظ لکھا دکھائی نہ دے گا۔

سید جمال الدین افغانی نے جب نسل کے مسئلہ پر لکھنا شروع کیا تو حسب معمول اور ایک دیانتدار اور قابل مصنف کی طرح ان تمام اقوال کو بیان کر دیا جو اس ملت کو بنی اسرائیل ثابت کرنے کی حمایت میں تھے کوئی ایک دلیل بھی ان کے آرین ہونے کی ضبط تحریر میں نہ لائے اور بالآخر اپنی رائے میں لکھا تو اسی قدر کہ

یہ قوم اپنی نسل کے اعتبار سے ایرانی ہے[1]۔

اور اب اس ایک فقرہ سے افغانوں کو آرین ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے سید موصوف نے اس مسئلہ پر اس سے زیادہ روشنی نہیں ڈالی کہ جس کا ذکر ہو چکا انہوں نے بنی اسرائیل کی حمایت میں آراء نقل کرنے کے بعد نہ تو انہیں جھٹلایا نہ ہی قابل قبول قرار دیا اور اپنی انفرادی رائے میں اسے ایرانی نسل قرار دے کر پھر اس کے جواز میں بھی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آخر ان کو ایرانی کہہ دینے سے یہ کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ آرین تھے؟ مشہور مورخین کے اقوال کے مطابق بنی اسرائیل عرصہ ہائے دراز تک

---

[1] تتمہ البیان فی تاریخ الافغان مطبوعہ مصر ۱۹۰۱ء

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تک ایران میں مقیم رہے اور انہی بنی اسرائیل کی نسبت کہا گیا کہ انہیں کیخسرو شاہ ایران نے اپنے ملک سے نکال باہر کیا تھا اور انہی افغانوں کا ذکر عہد ساسانیاں میں نقش رستم میں ہوا اور مختلف اوقات میں انہیں البقان اور البغان پکارا گیا اور شاہی کتبوں میں آرین کے ساتھ غیر آرین کا ذکر ضروری خیال کیا جاتا رہا ان حالات میں سید صاحب کے ارشاد سے یہ زیادہ موزوں و معقول نتیجہ کیوں نہ اخذ کر لیا جائے کہ افغان ایران کی طرف سے آئے تھے۔ ایران میں قیام یا وہاں سے ہجرت ان کی نسل پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

تاریخ کی اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کیجئے کہ تاریخ میں ایسے حکمران بھی گزرے ہیں کہ جنہوں نے پوری کی پوری قوم کو جلا وطن کر دیا تھا چنانچہ ایک مشہور مصنف لکھتا ہے کہ

> تہذیب و تجارت کے نئے مراکز قائم کرنے کے لئے بڑی آبادیوں کو یکجا کر کے ان سے مزدوروں کا سا کام لیا جاتا تھا اس طرح مغربی ایشیا کے مصری بنی اسرائیل یہود اشوری بابلی حتی کہ یونانی باشندوں کو دور دراز مقامات کی طرف جلا وطن کیا گیا۔[1]

اور ظاہر کرتا ہے کہ اس پر تعجب نہیں کیا جا سکتا کہ اگر بنی اسرائیلیوں کو بھی اس طرح ہندوستان کی طرف دھکیلا گیا ہو کہ جس کی پیروی میں بعد میں کیخسرو نے یونانیوں کو اس طرح جلا وطن کر دیا تھا اور کہتا ہے کہ

> اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اگر شمالی افغانستان میں ہمیں وہ طاقت ور قبائل دکھائی دیں کہ جنہیں بنی اسرائیل ہونے کا دعویٰ ہے۔ اس طرح کہ جس طرح کوہ ہندوکش کے مقیم دوسری آبادی کو اپنے یونانی ہونے کا دعویٰ ہے۔[2]

---

[1] گیٹس آف انڈیا۔ ہولڈرچ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور پھر اس سلسلہ میں تاریخ ایران کے اس واقعہ کو پیش نظر رکھئے کہ کیخسرو شاہ ایران نے بنی اسرائیل (یہود) کو اپنے لئے خطرناک سمجھتے ہوئے اپنے وطن سے نکال باہر کیا[1] تو کیا یہی ایرانی (بنی اسرائیل) افغانستان میں آکر آباد نہ ہو گئے ہوں گے جن کی طرف سید جمال الدین افغانی نے اشارہ کیا ہے۔ اس متذکرہ جبر و تشدد کے سلسلہ میں مشہور مصنف مسٹر رادرٹی لکھتا ہے کہ

> کیا یہ ممکن نہیں کہ ان یہودیوں نے جو اس طرح بھاگ نکلنے پر مجبور ہوئے تھے مشرق کی طرف کا رُخ کیا ہو تاکہ پہاڑی علاقوں میں کیخسرو کے صوبوں سے دور رہ کر وہ اس کے جبر و استبداد سے چھٹکارا حاصل کر لیں..... حقیقتاً ان کے لئے بھاگ نکلنے کو اس طرف کے سوا اور کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

اس طرح ایک دوسرا مصنف لکھتا ہے کہ آشوریوں کا چھوٹے قبائل سے سلوک وحشیانہ تھا وہ انہیں پکڑ کر تنوایا اشور لے جاتے وہاں تعمیرات کے کاموں میں ان سے کام لیتے اور جب ان کی ضرورت باقی نہ رہتی تو انہیں مشرق کی طرف دھکیل دیا جاتا تھا چنانچہ

> ایسا ہی سلوک اسرائیل کے شمالی قبائل سے بھی ہوا جو بہت ہی سرگرانی کے بعد افغانستان کی سرزمین پر دکھائی دینے لگے تھے۔[2]

مزید برآں اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ افغان جو یہودیوں سے ازحد نفرت کرتے تھے اور اس وقت بھی ان کی زبان میں کسی کو یہودی کہہ دینا بدترین قسم کی گالی سمجھی جاتی ہے کیونکر اپنے لئے بنی اسرائیل کا نام پسند کر سکتے تھے۔

---

[1] دی پٹھان از کیرو۔ [2] لینڈ آف فالو ریورز از ٹریلوسکن (۱۹۲۸)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ کیوں اس پر مصر رہے اور ان کے مورخین برابر اس اصلیت پر زور دیتے رہے اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ حقیقت یا اصلیت کو چھپانے کے روادار نہ تھے اور یہ ان کے اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے چنانچہ ایک اور مصنف لکھتا ہے کہ

افغان قوم یہود کے خلاف شدید جذبہ مخالفت رکھتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ بلا کسی مقصد کے اپنے آپ کو ان کی اولاد ظاہر نہیں کر سکتی۔۔ بنی اسرائیل کے چند قبائل مشرق کی طرف سے آئے تھے۔ ہم کیوں نہ تسلیم کر لیں کہ افغان انہی کی اولاد سے ہیں جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔[1]

اور ایک اور مشہور مصنف لکھتے ہیں کہ:

ہو سکتا ہے کہ وہ افغان بھی اپنی روایات کا ویسے ہی جواز رکھتے ہوں کہ جیسے دوسرے بعض قبائل رکھتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اسی طرح بنی اسرائیل پکارتے ہوں کہ جس طرح شمالی افغانستان کے کافر باشندوں نے اپنا تعلق سکندر سے قبل آنے والے یونانیوں سے ظاہر کیا تھا۔[2]

ایک اور مصنف یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ:

اس میں شک نہیں کہ ملت افاغنہ یا پٹھانوں میں یہودیوں کی دوسری رواجوں کے ساتھ ان کی رسومات روایات اور قوانین بالکل یہودی النسل یہودیوں کے سے رائج ہیں۔[3]

اور اس کی تائید میں پھر "پٹھان باڈر لینڈ" کا مصنف لکھتا ہے کہ اس قوم کا یہ

---

[1] دی پٹھان از کیرو۔ [2] گیٹس آف انڈیا [3] اکراز دی بارڈر۔ ای ای اولیور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دعویٰ کہ وہ حضرت طالوت علیہ السلام کی اولاد ہیں اور انہوں نے خالد بن ولید کے توسط سے اسلام قبول کیا تھا بہت سی وجوہات سے معقول معلوم ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ افغانوں کے علاقہ میں ایسے نام بکثرت ملتے ہیں جنہیں ابتدائی مقدس کتابوں کے ناموں سے قریبی مناسبت ہے مثلاً قدیم پی اور کی بجائے پیہور۔ کوہ موریا کی بجائے کوہ موراء۔ سڈم کی بجائے سدھم۔ گڈرین کی بجائے گدھر گلیلی یا جلیلی کی بجائے جلالہ یا قبائل میں امیزائٹ کی بجائے امازئی۔ مہیائٹ کی بجائے محب دال یا بنیٹ کی جگہ ہوتی دال۔

اس موضوع پر ایک دوسرا مصنف جس نے پٹھانوں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے یوں بیان کرتا ہے کہ

> میں دریافت کرتا ہوں کہ آخر افغانوں کو اس سے کونسا فائدہ پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بنی اسرائیل ظاہر کریں جبکہ ان کی نظر میں یہودی کہدینا ان کی زبان میں بدترین قسم کی گالی سمجھی جاتی ہو۔[1]

مندرجہ بالا خیالات کے ساتھ تاریخ افغانستان پر نظر ڈالی جائے تو امیر عبدالرحمٰن خان اپنے وقت کے اعلیٰ ترین مدبر شمار کئے جاتے ہیں ان کی خودنوشت سوانح عمری کو بغور دیکھئے تو ان کے دل میں اپنی ملت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا نظر آتا ہے ملت افاغنہ کی زندگی کا اپنی کتاب میں پورا پورا نقشہ کھینچتے ہوئے انہوں نے ان کے لباس ان کی خوراک اور ان کے رسم و رواج وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مدبر اس قدر باریکیوں پر اظہار خیال کرتا رہا اس کی نظر سے افغانوں کی نسل وغیرہ کا سلسلہ اوجھل نہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی اس پر اظہار خیال کیا اور افغان مورخین سے متفق الرائے ہوتے ہوئے صاف اور واضح الفاظ میں لکھ دیا کہ:

> افغان مورخین کی رائے میں افغان بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔[2]

---

[1] میجر بلو۔ [2] لائف آف امیر عبدالرحمٰن خان مطبوعہ لندن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

افغان مورخین کے اس فیصلہ پر وہ اس قدر یقین رکھتے تھے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں مزید ایک لفظ لکھنا ضروری خیال نہ کیا اور ان کی رائے اور تدبر کا اندازہ اس سے لگائیے کہ سید جمال الدین افغانی کی جس کتاب کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس میں اس امیر عبدالرحمٰن خان کو "امیر الجلیل والشہم النبیل عبدالرحمٰن خان امیر افغانستان ایدالله کلمته" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

پھر اس کے ساتھ بیسوی صدی عیسوی کے ربع اول میں سید عبدالجبار شاہ کی رائے کو بھی سنئے کہ جنہیں ملکی اور غیر ملکی مورخین نے مدبر صاحب علم اور پٹھانوں کی تاریخ کا بہترین طالب علم قرار دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں:

> افغان یا پٹھان کو آپ جس نام سے یاد کریں وہ حقیقتاً سامی الاصل ہیں اور آرین کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔[1]

مختصر یہ کہ تاریخی معلومات افغانوں کی شکل و شباہت ان کے رسم و رواج اور طرز معاشرت کے پیش نظر کسی طرح بھی انہیں آرین سے منسلک نہیں کیا جا سکتا۔ اور دور حاضر میں جو اس مسئلہ کی تحقیقات پر زور دیا جا رہا ہے اس کی حیثیت علمی یا تاریخی کی بجائے سیاسی و ملکی ہے جسے ایسے مسائل پر اثر انداز نہ ہونا چاہئے۔ مسٹر تھاربرن کے الفاظ میں:

> قومیت کا سوال بہت پیچیدہ ہے شہادتوں اور آثار کا وزن ان کے (افغانوں) کے اس روائتی بیان کی حمایت میں ہے کہ وہ یہودی الاصل (بنی اسرائیل) ہیں۔[2]

---

[1] سید عبدالجبار شاہ کچھ عرصہ تک ریاست سوات کے حکمران رہے ان کی وفات ۲۱ نومبر ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ [2] آدر افغان فرنٹیئر ایس ایس تھاربرن۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قیس کا شجرہ نسب

ملا اختر نے اپنی کتاب میں مجموعۃ الانساب کے حوالہ سے ذیل کا شجرہ نسب دیا ہے [1]

قیس	بن عیس	بن سلول	بن ابتا	بن نعیم
بن مارع	بن جندر	بن سکندر	بن رحمان	بن امین
بن مالول	بن شلم	بن صالح	بن کردر	بن عظیم
بن فہلول	بن کرم	بن محال	بن حذیفہ	بن منہال
بن قیس	بن عالم	بن شمائل	بن ہارون	بن قمرور
بن لاہی	بن سلیتاب	بن طوائل	بن لیوی	بن عامل
بن تریج	بن ارزند	بن مندول	بن مسالم	بن افغانا
بن ارمیا	بن سرول (ملک طالوت)	بن قیس	بن مہالل	بن خنوج
بن سروغ	بن میواہ	بن یعقوب اسرائیل	بن اسحاق	بن ابراہیم

[1] جرنل آف پولیٹکل مشن ٹو افغانستان ۱۸۵۷ء۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ ۱۱

پختو (پشتو) زبان

افغان یا پٹھان جو زبان بولتے اور لکھتے ہیں وہ پشتو یا پختو کہلاتی ہے اس وقت حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زبان کب اور کیسے پیدا ہوئی عرصہ ہائے دراز سے ماہرین لسانیات اس مشکل مسئلہ کو حل کرنے کی فکر میں تگ و دو کر رہے ہیں اور اس وقت تک اگر کوئی نتیجہ نکل سکا ہے تو صرف اسی قدر کہ ماہر لسانیات مسٹر گریرسن کے قول کے مطابق سب ہی اس پر متفق ہیں کہ اس زبان کا تعلق ایران کے مشرقی علاقہ کی زبانوں سے ہے بعد میں چل کر اس پر دوسری زبانیں اثر انداز ہوتی رہیں یا یہ زبان دوسری زبانوں کے الفاظ اپناتی رہی لیکن اس سے سوائے اس کے کہ زبان کی قدامت کا پتہ چلے یہ سوال پھر تشنۂ جواب رہ جاتا ہے کہ یہ کب اور کہاں پیدا ہوئی۔

تلاش و تجسس کی راہیں ہر وقت کھلی رہتی ہیں اور ان راستوں پر چلنے والوں کے لئے ان کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے چنانچہ اس فیصلہ کے بعد کہ زبان پشتو یا پختو کا تعلق ایرانی زبانوں سے رہا ہے۔ متلاشیان حقیقت نے اپنا سفر جاری رکھا نشیب و فراز سے بے نیاز ہو کر وہ قدم آگے ہی آگے بڑھاتے گئے تا آنکہ اب دور حاضر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے محققین اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ اس زبان کی اساس و بنیاد قدیم ترین زبان اوستا پر قائم ہوئی تھی اور اوستا ہی کو اس سے متعلق سمجھنا چاہیئے اور محققین کے اقوال کے مطابق پشتو زبان ایک طرف ایرانی اور دوسری طرف ہندوستانی فضار سے متاثر ہو کر ایک درمیانی زبان کی حیثیت میں نظر آنے لگی تھی چنانچہ اس نے نہ صرف یہ کہ ایرانی یا ہندوستانی زبانوں کا اثر قبول کیا بلکہ وہ سامی اور دوسری زبانوں سے بھی اپنے خزانۂ علم کو پر کرتی رہی۔

پشتو یا پختو زبان کی قدامت سے تو اب کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ سب اس کے قدیم ہونے پر متفق ہو چکے ہیں بلکہ کہا جا رہا ہے کہ یہ زبان اس دور سے بھی بہت قدیم ہے کہ جس سے محققین اسے منسلک کرتے چلے آئے ہیں اور اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ اس زبان کی اساس و بنیاد اوستا پر رکھی گئی تھی اب یہ امر زیر بحث ہے کہ آیا پشتو کو قدیم تسلیم کیا جائے یا سنسکرت کو۔

ماہرین لسانیات نے دنیا کی زبانوں کو مختلف ناموں سے جدا جدا حلقوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور اس تقسیم کی وجہ سے جب پشتو یا پختو کو اس کے الفاظ اس کے تلفظ اور استعمال کی وجہ سے ایرانی یا انڈو ایرانی برادری میں جگہ ملی اور اس کی قدامت کو تسلیم کر لیا گیا تو لازماً اس قوم کو بھی جو یہ زبان بولتی تھی بہت ہی قدیم تسلیم کرنا پڑیگا۔ مسٹر سی پلائے کے خیال کے مطابق آرین کوئی پندرہ سو سال قبل از مسیح اس طرف آئے تھے جبکہ کوئی تین ہزار سال قبل مسیح سے دوسری اقوام ان علاقوں میں آباد تھیں اسی طرح ان قدیم آبادیوں کی زبان بھی بہت ہی قدیم ہوگی جس پر بعد میں ایرانی اور دوسری زبانیں اثر انداز ہوئیں اور یہی قدیم زبان پشتو ہی کی کوئی شکل ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں کسی قول فیصل ظاہر کرنے سے قبل، ابھی چندے اور ہمیں ان ماہرین کی تلاش

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تجسس کے نتائج کا انتظار کرنا پڑے جو ابھی مصروف تحقیقات ہیں۔

اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ خصوصاً وہ افغان جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل ظاہر کرتے ہیں اس زبان کو اپنے ساتھ نہ لائے ہوں گے ان کی زبان سلسلہ سامی ہی کی کوئی زبان ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہیں کہ جس پر گہرے فکر کی ضرورت ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس موجودہ علاقہ میں رہائش و قیام کے بعد انہوں نے مقامی آبادی کے میل جول سے اپنی زبان بدل لی ہو اور تاریخ میں ایسا ہو جانا کسی طرح باعث تعجب نہیں۔ مثال کے طور آج پاکستان میں ہزاروں لاکھوں عرب افریقائی ایرانی اور افغان یا پٹھان موجود ہیں کہ جن کے نسب اور نسل میں کوئی کلام نہیں وہ تاریخی شواہد سے اپنے حسب و نسب پر فخر کرتے ہیں حالانکہ وہ عربی افریقائی فارسی یا پشتو کا ایک لفظ نہیں جانتے کتنے ہی پٹھان خاندان ہیں جنہوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات پر اپنی حکومتیں قائم کی تھیں آج ان کی اولاد اپنے اجداد پر فخر کرتے ہوئے پشتو کا ایک لفظ نہیں بول سکتی تو کیا زبان کی اس عدم واقفیت کی وجہ سے ہم ان کے حسب و نسب یا نسل سے انکار کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ خود پٹھانوں کے ساتھ بڑی کثرت سے غیر پٹھان قبائل آباد ہیں جنہیں نہ خود پٹھان ہونے کا دعویٰ ہے نہ ہی پٹھان انہیں اپنا ہم نسل سمجھتے ہیں بہ ایں ہمہ وہ لوگ پشتو زبان بولتے ہیں۔ پشتو ان کی مادری زبان بن چکی ہے ان میں کے اکثر دوسری زبان جانتے ہی نہیں تو کیا ان سب کو نسلاً پٹھان تسلیم کر لیا جائے پھر یہ کچھ مسلمانوں پر ہی منحصر نہیں پٹھانوں کے ساتھ ایسے غیر مسلم بھی آباد ہیں جو صرف پشتو کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتے اور اسی وجہ سے علاقہ یوسف زئے میں جب کوئی پٹھان ہندکو (اردو) نہ بول سکے تو کہتے ہیں کہ یہ تو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بونیر کا ہندو ہے ایک لفظ ہندکو کا نہیں جانتا" تو کیا صرف زبان کی دبہ سے ان سب کو پٹھان تسلیم کر لیا جائے؟ زبان کو نسل سے تعلق نہیں ہو سکتا۔

یہ زبان افغانستان اور صوبہ سرحد کے بیشتر حصہ میں بولی جاتی ہے اور قبائلی علاقہ میں تو کلیتہً اسی کا سکہ چل رہا ہے مختلف علاقوں میں اس کے طرز اور تلفظ میں فرق معلوم ہوتا ہے اور بہ نظر تعمق دیکھا جائے تو یہ علاقہ دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ شمال کی طرف جو زبان بولی جاتی ہے وہ قدرے سخت لہجہ رکھتی ہے اور پختو کہلاتی ہے۔ سوات۔ باجوڑ۔ بونیر۔ علاقہ ضلع مردان۔ مہمند۔ آفریدی۔ اورک زئی اور بنگش وغیرہ کے علاقوں میں اسی لہجہ میں بولی جاتی ہے جبکہ وزیر مسعود مروت۔ خٹک اور جنوبی علاقوں کے دوسرے قبائل نرم لہجہ استعمال کرتے ہیں جو پشتو کہلاتی ہے۔

رسم الخط پشتو کے حروف تہجی وہی ہیں کہ جو اردو میں استعمال ہوتے ہیں ان کے اشکال میں معمولی سا ردوبدل دکھائی دیتا ہے مثلاً اردو کے ٹ۔ ڈ۔ ڑ۔ گ کو پشتو میں ټ۔ ډ۔ ړ۔ ګ لکھا جائے گا اور زائد حروف کے اشکال یہ ہیں څ۔ خ۔ ږ۔ ښ۔ ڼ۔[1]

پشتو زبان کے طرز تحریر میں ایک خاص قابل ذکر خوبی یہ ہے کہ تلفظ کے اختلاف کے باوجود وہ اس طرح لکھی جاتی ہے کہ جسے پشتو اور پختو بولنے والے آسانی سے اپنے اپنے لہجہ کے مطابق پڑھ سکیں۔ مثلاً پختو بولنے والے خوشی کے لئے "خادی" اور کان کے لئے "غوگ" کے تلفظ استعمال کرتے ہیں جبکہ پشتو بولنے والے "شادی" اور "غوږ" بولیں گے۔ ظاہر ہے اگر یہ الفاظ ہر طبقہ کے لئے جدا جدا املا سے لکھے جائیں تو

---

[1] پشتو کا موجودہ اصلاح شدہ رسم الخط سلطان محمود غزنوی کے وزیر شیخ ابوالفتح سے منسوب کیا جا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دونوں بقے ان سے مستفید نہیں ہو سکتے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس طرح ایک ہی زبان کئی اقسام میں تقسیم ہو کر رہ جائے گی۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لئے پشتو کے حروف تہجی میں چند زائد حروف ہیں جن کے استعمال سے پشتو اور پختو بولنے والے ایک ہی لفظ کو آسانی سے اپنے اپنے لہجہ میں پڑھ لیتے ہیں۔ انہی مندرجہ بالا الفاظ کو پشتو طرز تحریر میں بنبادی اور غوږ لکھا جائے گا جنہیں پشتو اور پختو بولنے والے اپنے اپنے لہجہ کے مطابق شادی یا خادی اور غوگ یا غوڑ پڑھیں گے۔

ادب

پٹھانوں کے ابتدائی لٹریچر یا ادب و تاریخ کا کوئی صحیح پتہ نہیں چلتا معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں تک یہ زبان صرف بول چال کی زبان رہی حقیقتاً ان علاقوں میں لکھنے کا رواج دور اسلامی میں ہی شروع ہوا۔ روایات قصے کہانیاں اشعار سینہ بسینہ چلتے رہے۔ دور اسلامی شروع ہونے پر لکھنے کی طرف توجہ دی جاتی ہے کہ ۱۳۵ھ میں پشتو ادب کی کتاب پٹہ خزانہ (مخفی م سے تلات غلزئی کے علاقہ میں لکھی گئی تھی اس کے کوئی دو سو سال رجگستان) نامی دوسری کتاب کا پتہ چلتا ہے جو ابتدائی دور کے شاعر ن یا السروانی نے مرتب کی تھی اس کے بعد کوئی چار سو سال تک ب کا سراغ نہیں ملتا۔ تا آنکہ ۶۱۲ھ میں پشتو نثر کی پہلی کتاب تذکرۃ الاولیا ے لکھی جانی بیان کی جاتی ہے۔

شتو تصانیف کی کمیابی کے ساتھ جب پشتو شعراء کے اسمائے گرامی پر نظر جائے تو ان میں سلطان محمود غزنوی کے وزیر شیخ ابوالفتح حاکم ملتان کے ی درشیر ض لودھی۔ خاندان سوری کے درباری شاعر اسد سوری شیخ المشائخ سرت قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکیؒ جیسی بلند پایہ ہستیاں دکھائی یتی ہیں جو نسلاً پٹھان اور پشتو کے مشہور ترین ادیب تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کہ سلطنت اسلامیہ کے قیام کے بعد چونکہ اس علاقہ پر ایرانی زبان کا اثر پڑا فارسی زبان کو شاہی حمایت حاصل رہی۔ دربار اور درباریوں کی زبان فارسی تھی۔ فارسی ہی میں وقائع نگاری ہوتی رہی۔ اسی میں ادب و تاریخ نے پرورش پائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ افغانوں نے بھی پشتو کی بجائے فارسی میں لکھنا شروع کیا اور فارسی میں بہترین کتابیں لکھیں اس طرح پشتو زیادہ پھل پھول نہ سکی

صوبہ سرحد کے مشہور مذہبی رہنما حضرت اخوند درویزہ کی ایک تحریر ۱۵۵۰ء سے پتہ چلتا ہے کہ پٹھانوں کی پہلی تصنیف "سحر" تھی جو ان کے قول کے مطابق قبیلہ یوسف زئی کے قبضہ میں چلی آرہی تھی۔ دوسری قدیم تصنیف جس کا پتہ چلا ہے تذکرۃ الاولیاء ہے جو ۱۶۱۲ھ یا ۱۳۰۰ء میں لکھی گئی تھی اور پشتو نثر کی اولین کتاب بیان کی جاتی ہے۔ اس کے بعد قبیلہ یوسف زئی کے مشہور رہنما شیخ مالی نے ۱۴۱۷ء میں ایک کتاب لکھی تھی۔ اس وقت ان کتابوں کا کوئی نشان دکھائی نہیں دیتا۔ حصہ نظم میں پہلی تصنیف ۱۵۵۰ء میں ملا ارزانی نے لکھی تھی اس کے بعد دوسری تصنیفات لکھی گئی تھیں اور دیکھا جائے تو سولہویں صدی سے پشتو تصنیفات کا باقاعدہ آغاز دکھائی دیتا ہے انہی ایام میں حضرت پیر روشن نے (جسے عام طور پر پیر تاریک کہا جاتا ہے) خیر البیان نامی کتاب لکھی جس کے جواب میں حضرت اخوند درویزہ نے مخزن اسلام اور دوسری کتابیں لکھی تھیں اور دیوان حافظ علی پوری کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا گیا اور یقین ہے کہ ابھی اور بہت سے ایسے نایاب جواہر پارے علاقہ یوسف زئی میں تلاش کے بعد دستیاب ہو سکیں گے۔ یہ سب (اور پشتو کی اکثر) کتابیں علاقہ یوسف زئی میں لکھی گئی تھیں۔

اب جو یہ سلسلہ شروع ہوا اور کتابیں لکھی جانے لگیں تو ان میں دیوان عبدالرحمٰن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور دیوان عبدالحمید نے مقبولیت حاصل کی اور دیوان عبدالرحمٰن کو وہ ہر دلعزیزی حاصل ہوئی کہ اس وقت بھی شاید ہی کوئی پٹھان گھر ایسا ہو جس میں دیوان عبدالرحمٰن کا نسخہ نہ مل سکے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سی پشتو تصنیفات جنہیں مصنفین نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مرتب کیا تھا انہیں قوم میں تعلیم کی کمی اور اقتصادی مشکلات نے زیور طبع سے آراستہ ہونے نہ دیا اور وہ یونہی گل سڑ کر ختم ہوگئیں۔ سترھویں صدی میں ایک اور مصنف خوشحال خان خٹک نے اپنی تصنیفات پیش کیں پھر اٹھارویں صدی میں مزید کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں تاریخ ملا اختر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

مختصر یہ کہ پشتو علم و ادب بن بن کر خود اپنے ہی ہاتھوں برباد ہوتا رہا حتیٰ کہ انگریز نے سرزمین صوبہ سرحد پر قدم رکھا اس کے بعد اس قوم انگریز کے افراد نے اپنے شوق و تجسس میں پشتو کی طرف توجہ دی تو دیوان عبدالرحمٰن وغیرہ کو انگلستان میں مع انگریزی ترجمہ کے شائع کیا اور بہترین شکل و صورت میں شائع کیا اس کے بعد اس زبان کو ترقی دینے کی سعی ہونے لگی اور گو انگریز یہ سب کچھ اپنے سیاسی اغراض کے پیش نظر کر رہا تھا تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زبان پشتو کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔ صوبہ سرحد پر قدم رکھنے کے کوئی چھ سال بعد ۱۸۵۴ء میں وائن نے پشتو گرامر شائع کی تو ایک سال بعد ۱۸۵۵ء میں راورٹی نے ۱۸۶۷ء میں بلو نے اور ۱۸۷۳ء میں ٹرمپ نے اس مضمون پر پشتو میں کتابیں لکھیں۔

اردو میں پشتو گرامر ۱۸۹۰ء میں میر احمد شاہ رضوانی نے لکھی اور پھر ژیری پشتو گرامر اور مختصر لغت جے جی لوریمر نے ۱۹۰۲ء میں شائع کی۔ اس کے بعد ڈی ایل آر لوریمر نے ۱۹۱۵ء میں پشتو گرامر پر ایک اور کتاب لکھی تھی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پشتو زبان کی پہلی لغت ۱۸۶۰ء میں راورٹی نے لکھی اس کے بعد ۱۸۶۸ء میں بلو نے پشتو لغت شائع کی ۱۹۰۵ء میں حاجی منشی سید محمدؐ نے انگریزی پشتو لغت پیش کی اور بعد ازاں منشی راحت زاخیلی کی پشتو فارسی لغت منظر عام پر آئی۔

انگریزوں کے لئے پشتو نصاب میں پہلی قابل ذکر تصنیف پشتو مینول پہلے راورٹی نے ۱۸۸۰ء اور دوسری بار ۱۸۹۰ء میں شائع کی پھر دوسری مشہور اور قابل ذکر کتاب کپتان (اور بعد میں) سر جارج روس کیپل نے لکھی تھی جس کے مرتب کرنے میں (خان بہادر) قاضی عبد الغنی خان اور (نواب سر) صاحبزادہ عبد القیوم خان بھی شریک تھے اس کے بعد کئی دوسری کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن وہ قریب قریب تمام ہی انگریزوں کو پشتو سکھانے کے لئے تھیں اور پشتو علم و ادب میں کسی قابل قدر کتاب کا اضافہ نہ ہوا۔

ہندوستان میں رولٹ ایکٹ کی مخالفت (۱۹۱۹ء) اور تحریک خلافت کے اجراء (۱۹۲۰ء) کے بعد جب انگریز کی ہمہ گیر مخالفت شروع ہوئی اور ہندوستان کے طول و عرض میں قومی تحریکات نے زور پکڑا تو صوبہ سرحد میں قومی جذبہ نے قومی تعلیم وغیرہ کی طرف عوام کو متوجہ کیا اس سلسلہ میں کوشش ہوئی کہ پشتو زبان کو نصاب میں داخل کرایا جائے۔ چنانچہ محمد غفران خان مرحوم بی اے بی ٹی نے بہت سی کتابیں لکھیں لیکن افسوس ہے کہ جس مقصد کے لئے وہ کتابیں لکھی گئی تھیں اس میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی انگریز کے جبر و ستم نے صوبہ سرحد میں اودھم مچا رکھا تھا اور ضروریات وقت کے پیش نظر ان تعلیمی مقاصد سے نظر ہٹا کر ملت افاغنہ کو ہندوستان کی تحریکات ملی میں ہمہ تن مصروف ہو جانا پڑا۔ پشتو زبان نصاب تعلیم میں تو شامل نہ کرائی جا سکی تاہم اس تحریک نے نوجوانوں میں جوش اور ولولہ بھر دیا۔ نتیجہ کے طور پر تھوڑے ہی عرصہ میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ملت افغنہ کے نوجوان افق علم پر چمکنے لگے اور ان کی مساعی سے پشتو علم و ادب کی نئی نئی راہیں کھلیں اخبارات اور رسائل کے ذریعہ نثر و نظم میں اظہار خیال ہونے لگا علامہ اقبال کے کلام کے بہت سے حصوں کا سید راحت زاخیلی نے پشتو میں ترجمہ کیا۔ تو مولانا ابوالکلام آزاد کی مشہور تصنیف جزیرۃ العرب کا نثر میں ترجمہ کرتے ہوئے ملک سید خان شنواری نے پشتو ادب میں قابل ذکر اضافہ کیا۔ پشتو زبان کا پہلا ناول سید راحت زاخیلی نے ۱۹۲۳ء اور پہلا ڈرامہ دوبو جام محمد اسلم خان خٹک ایم اے نے ۱۹۳۱ء میں شائع کیا اس کے بعد اس سلسلہ کی اور کتابیں منظر عام پر آنے لگیں[1] جن میں خادم محمد اکبر خان (چارسدہ) کی تصانیف خاص طور قابل ذکر ہیں۔

"سرحد" پہلا ماہنامہ تھا جو اردو کے ساتھ حصہ پشتو کو لئے ۱۹۲۴ء میں پشاور سے شائع ہوا[2]۔ اس کے بعد علاقہ آزاد قبائل سے شعلہ جاری ہوا پھر الجہاد نے قبائلی علاقہ میں جنم لیا اتمان زئے (پشاور) سے پختون[3] کا اجراء ہوا اس رسالہ کو چونکہ ایک قومی تحریک کی حمایت حاصل تھی اس وجہ سے اسے پشتو زبان

---

[1] انیسویں صدی کے ربع آخر میں بہت سے ترجمے ہوئے جن میں سفرنامہ ابن بطوطہ اور توتہ النصوح۔ اخلاق محسنی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

[2] سرحد ماہنامہ کی شکل میں جاری ہوا اس کے حصہ پشتو کی ادارت کے فرائض مولانا عبدالقادر ایچ اے۔ ایم اے بی ٹی ایل ایل بی حال ڈائریکٹر پشتو اکیڈمی پشاور ادا کرتے رہے حصہ اردو کی ادارت راقم الحروف کے سپرد تھی یہ ماہنامہ سے پندرہ روزہ پھر ہفتہ وار پھر ہفتہ میں دو بار اور بالآخر روزنامہ بنا جسے ۱۹۵۱ء میں حکومت صوبہ سرحد کے حکم سے بند کر دیا گیا[3] اس کی ادارت خان عبدالغفار خان قائد تحریک سرخپوشان کر رہے تھے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی بہترین خدمت کرنے کا موقع ملا۔ پھر رفتہ رفتہ دوسرے اخبار اور رسالے نکلنے لگے تو ان میں سے بیشتر نے پشتو سے اپنے اوراق کو مزین کرنا ضروری خیال کیا۔ سابق شاہ امان اللہ خان نے سریر آرائے سلطنت ہونے پر افغانستان میں پشتو کی طرف توجہ دینا شروع کی اور جلد ہی اسے درباری زبان بنا دیا۔ پشتو کے لئے بہترین قسم کا ٹائپ تیار ہوا اور افغانستان کے پہلے روزنامہ "اصلاح" میں پشتو حصہ شروع ہوا تو بعد میں تمام دوسرے اخبارات و رسائل میں اسے جگہ دی گئی۔ کئی کتابوں کے پشتو ترجمے شائع ہوئے اور حکومت کی نگرانی میں پشتو ٹولنہ نامی ایک اکیڈمی قائم کر دی گئی جو اس وقت تک مصروف عمل ہے۔ اسلامیہ کالج پشاور اور ایڈورڈ مشن کالج پشاور کی مجالس پشتو نے حتی المقدور اس زبان کی سرپرستی کی لیکن سرکاری حیثیت میں حکومت انگلشیہ یا کانگریسی اور مسلم لیگی وزارتوں نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی تھی قیام پاکستان کے بعد خان عبدالقیوم خان کی قیادت میں مسلم لیگ وزارت نے پشتو زبان کی ترویج و ترقی کی طرف عملی اقدام شروع کیا۔ پشتو کو نصاب تعلیم میں جگہ ملی اور جلد ہی مدارس میں اس کی تعلیم دی جانے لگی۔ پھر اسی وزارت کی مساعی جمیلہ سے جب پشاور یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو پشتو کو پھلنے پھولنے کا ایک اور موقع ملا۔ چنانچہ "پشتو زبان و ادب" کے لئے ایک قابل قدر شعبہ قائم کر دیا گیا اور ساتھ ہی ۱۹۵۴ء میں اس زبان و ادب کو ترقی دینے کی غرض سے پشتو اکیڈمی کے نام سے ایک مستقل ادارہ کے قیام کا اعلان ہوا جو بہت ہی مفید خدمات انجام دے رہی ہے[1]۔ اس وقت تک علاقہ یوسف زئی کی مستعمل زبان کو ادبی حیثیت سے فوقیت حاصل رہی ہے اسے ہی ادبی اور مستند طرز تحریر خیال کیا جاتا ہے اور اسی میں تصانیف

[1] مولانا عبدالقادر ایچ اے۔ ایم اے بی ٹی ایل ایل بی اس اکیڈمی کے پہلے ڈائریکٹر مقرر ہوئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ ۲

پٹھانوں کی عام زندگی

پٹھان کی اخلاقی طاقت اس کی سپاہیانہ بہادری اور سیاسی معاملات میں اس کی تیز فہمی ہی نے اس کے اجداد کو اپنے وطن سے دور حاکمانہ اختیارات عطا کئے تھے۔ (سر اولف کیرو)

افغان یا پٹھان اپنی عام زندگی میں سادگی پسند اور جفاکش دکھائی دیتا ہے درحقیقت یہ ہے کہ قدرت نے اسے ماحول ہی ایسا عطا کیا کہ جس میں محنت و مشقت اور جفاکشی کے سوا گزر ہی مشکل سے ہو سکتا ہے اس کی پیدائش اس کی طفولیت اس کا عہد شباب انہی سنگلاخ پہاڑیوں میں گزرتا ہے پیدائش کے وقت سے ہی بوئے آزادی اس کے دماغ کو معطر رکھتی ہے اور جب ہوش سنبھالتا ہے تو اپنے آپ کو آزاد فضا میں آزاد شہری کی حیثیت سے دیکھکر فطرتاً اپنی آزادی کی قیام و بقا کے لئے ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے وہ آزادی کے قصے کہانیاں سنتا ہے قومی روایات اور تاریخی واقعات سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اور اپنے بزرگوں کی زبانی گزشتہ ادوار کے حالات سنکر گرد و پیش کی واقفیت حاصل کر لیتا ہے اسے اپنے حجروں میں بتایا جاتا ہے کہ آزادی وطن یا آزادی قبیلہ یا آزادی خاندان کے لئے اس کے والدین یا متعلقین یا اجداد کس طرح قربانی دے چکے ہیں تو اس میں بھی وہی جذبہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی تحفظ آزادی اور ننگ و ناموس کے لئے اپنے آپ کو ہر وقت مسلح رکھنے کی فکر کرتا ہے اور جب بچپن ہی سے کہ ابھی کوئی شعور نہیں ہوتا اس کی مامتا بھری ماں اسے لوری میں یوں تلقین کرتی ہو کہ :-

اللہ ھو شہ اللہ ھوزما جانہ اللہ ھو	اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ میری جان اللہ ہو۔
پلار دِ تلے دمے پہ جنگ	تمہارا باپ جنگ کرنے گیا ہے۔۔
بنہ تیرہ توزہ پہ سنگ	عمدہ تیز شمشیر لٹکائے ہوئے۔۔
سر بہ درکاندپہ ننگ	اپنے ناموس کو بچانے کے لئے سر دیدیگا۔
پہ وطن راغے فرنگ۔۔	وطن پر فرنگی چڑھ آئے ہیں۔۔۔۔۔
اللہ ھو شہ اللہ ھو۔۔	اللہ ہو۔۔۔ اللہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔
تہ نوسے پیے دَ خالد۔۔۔	تم خالد کے پوتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔
غزنوی دِ دمے والِد۔۔۔	تم غزنوی کے بیٹے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔
دلے زڑہ لرے جامد۔۔۔	پھر دل کیوں گھبرائے۔۔۔۔۔۔۔۔
اللہ ھو شہ اللہ ھو۔۔۔۔	اللہ ہو۔ اللہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تو ظاہر ہے کہ ہوش سنبھالنے پر بھی اس قسم کے خیالات سننے کا موقع ملتا ہو گا وہ عہد طفولیت سے ہی اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر دوڑ دھوپ کا آغاز کرتا ہے تو اس کی دلچسپی تیز سے پہاڑیوں کے نشیب و فراز کو عبور کرنے اور پتھروں سے نشانہ بازی شروع کر دینے پر مرکوز ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ عمر کی منزلیں طے کرنے پر اس کے ہاتھ کا چلا ہوا کوئی پتھر خالی نہیں جاتا اور وہ اپنے ہم عمر رفقاء میں اس نشانہ بازی کے مقابلہ کو مسلسل و لگاتار جاری رکھتا ہے۔ وہ بچپن ہی سے اپنے عزم و ارادہ پر پورے استقلال سے قائم رہتا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ قبائل کا یہ تھ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

منا بچہ کہ ابھی جوانی کی بہاروں تک نہیں پہنچا کسی کے تعاقب میں دوڑتا ہے اپنی کمزور چھوٹی چھوٹی ٹانگوں سے اسے پکڑ نہیں پاتا اور تھک کر رک جاتا ہے تو بھی ہمت نہیں ہارتا پتھر اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیتا ہے جب ان سے بھی کام نہ چلے اور جس کا پیچھا کیا جا رہا ہو وہ آنکھوں سے دور نکل جائے تو پھر دو چار صلواتیں ہی سنا دیتا ہے۔

تخطط آزادی کا جذبہ ان قبائل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اور اسی جذبہ نے ملت افاغنہ کے اجداد کو پہاڑیوں میں مقیم رہنے پر مجبور کیا ہوگا مورخین کے اقوال کے مطابق گزشتہ اندازاً ڈھائی ہزار سال سے یہ ملت افاغنہ اپنی آزادی کے قیام کے لئے سینہ سپر رہی۔ انہیں مشرق و مغرب کی طرف کے ہر حملہ آور نے کچلنے کی کوشش کی لیکن کوئی ایک بھی انہیں طوق غلامی زیب گلو کرنے پر آمادہ نہ کر سکا اور یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جانے پر بھی یہ قبائلی اپنی اندرونی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہ دے سکے انہیں اتنی فرصت ہی نہیں ملی کہ وہ کسی نظام ملکی کی بنیاد ڈال سکتے۔ تعلیم و تجارت کی طرف متوجہ ہوتے یا دوسری ضروریات وقت کو زیر غور لاتے وہ اپنے صدیوں کے فرسودہ نظام یعنی "گھر گھر آزادی" پر عمل پیرا رہے انہوں نے ہر قبیلہ کو آزاد رکھنے کے ساتھ ہر خاندان کو بھی اپنے معاملات میں مکمل آزادی دینا یا اسے قائم رکھنے کو ضروری خیال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اجتماعی حیثیت میں پوری ملت اپنے لئے کوئی اجتماعی نظام حکومت قائم نہ کر سکی۔

لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ جو قوم اپنے وطن میں اپنے لئے کوئی اجتماعی نظام سلطنت قائم نہ کر سکی اس کے افراد نے اپنے وطن سے نکل کر دوسرے علاقوں میں بہترین قسم حکومتیں قائم کیں صدیوں تک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہندوستان پر حکومت کرتے رہے۔ اس کا نقش قدم دوسروں کے لئے مشعل راہ بنا اور اس قوم کے افراد نے انفرادی حیثیت میں بھی دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچکر نام پیدا کیا اور انہی حقائق کو ایک انگریز مصنف یوں تسلیم کرتا ہے کہ :

> پٹھان کی اخلاقی طاقت اس کی سپاہیانہ بہادری اور سیاسی معاملات میں اس کی تیز فہمی ہی نے اس کے اجداد کو اپنے وطن سے دور عالمگیر اختیارات عطا کئے تھے۔[1]

پٹھان کی سیرت اور انگریز

انگریز نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحدات پر ڈیفنس یا تحفظ کے نام سے کروڑوں روپے سالانہ خرچ کئے لیکن ان قبائل کے لئے وسائل زندگی پیدا کرنے کو ایک پائی تک خزانہ سرکار سے نہ نکل سکی اور نکلتی بھی کیوں جب کہ اس سات ہزار میل دور آئی ہوئی قوم کو اپنی حکومت کے تحفظ اور ہندوستان کی زنجیر غلامی کو مضبوط رکھنے کے لئے کسی ایسے علاقے کی تلاش تھی جہاں اس کے تنخواہ دار سپاہی جنگ کی تربیت حاصل کرنے اور جہاں سال کے بارہ ماہ قتل و خونریزی کرائی جاسکتی اسی مقصد کے لئے قبائلی علاقوں کو منتخب کیا گیا، اور جب یہ تربیت گاہ بن چکی تو ضروری تھا کہ ان علاقوں کے باشندوں کو دنیا کی نظر میں وحشی اور جنگلی ثابت کیا جاتا ان میں دنیا جہان کی تمام برائیاں جمع دکھائی جاتیں ادھر قدرت نے ان قبائلیوں کو بہادری، جوانمردی اور مہمان نوازی جیسی نعمتوں سے نواز رکھا تھا لیکن اس کے ساتھ زرعی پیداوار اتنی نہ تھی جو ان کی ضروریات کی کفیل ہو سکتی اس وجہ سے مجبوراً انہیں بہت ہی سیدھی سادی بلکہ مفلسانہ زندگی بسر کرنا پڑی۔ اسی قسم کے حالات میں انسان مجبور ہو کر بعض مواقع پر ایسی حرکات کا مرتکب بھی ہو جاتا ہے جنھیں مستحسن نہیں کہا جاسکتا

---

[1] دی پٹھان۔ اولف کیرو۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ان کی زندگی کا نقشہ ان کا ایک مخالف انگریز یوں کھینچتا ہے کہ:۔

اس بدقسمت قوم کو قدرت نے مضبوط جسم، اس کے ساتھ بہادری اور جرأت دے کر اسٹیج کا ڈاکو بنا دیا ہے [1]

اور پھر اپنے انہیں خیالات کی تشریح میں لکھتا ہے کہ اگر کوئی جنگلی مرغی دڑبے میں مقیم ہو کر پالتو مرغیوں کی سی زندگی بسر کرنا شروع کر دے تو کسی طرح قابل ملامت نہیں۔ لیکن اگر باز بھی ایسی زندگی گزارنے لگے تو غور کیجئے کہ پرندے اس کا مذاق نہ اڑائیں گے؟ اور چھوٹی سی چڑیا بھی اس کے خلاف لب کشائی سے رک سکے گی؟ قدرت نے پٹھان کو باز کی سی بہادری اور جرأت عطا کی ہے اور اگر وہ اسے کام میں لا کر شکار کرتے ہوئے قدرت کا منشا پورا کرے تو انگریز حکومت اسے تختہ دار پر لٹکا دیتی ہے اور اگر دوسری طرف وہ پرامن تلاش روزگار میں نکلے تو اس پر آوازے کسے جاتے ہیں اور اسے ذلیل سمجھ کر بھیڑ کے لباس میں بھیڑیا ظاہر کیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انگریز نے اپنے اغراض کے پیش نظر ان قبائل کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ہندو اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ گیا چنانچہ وہی مصنف جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے لکھتا ہے کہ:۔

انگریز نے اس قوم پر اپنی سیاست ٹھونس کر اسے ہر وقت ہندوستان کے سیاسی اسٹیج پر کھڑا کئے رکھا۔

اور یہ کہ اس کے بہت ہی اہم اور کلیتہً نجی معاملات کو بین الاقوامی اہمیت دے کر مداخلت کا بہانہ بنایا جاتا رہا۔۔۔۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس قوم نے از خود اتنے جرائم نہ کئے جتنے اس سے کرائے گئے تھے۔

---

[1] پٹھان باڈر لینڈ۔ از انریکوائز (۱۹۱۰ء)

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سردار برٹن انہی قبائل کے ساتھ اپنی زندگی کے اٹھارہ برس گزارنے کے بعد لکھتا ہے کہ اس قوم میں گھومنے کے لئے اسے کبھی حفاظت کی ضرورت پیش نہ آئی اور وہ "ایک چھڑی ہاتھ میں لئے گھومتا رہا"۔ اور پھر اس کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ :۔

اگر تم پٹھان کا اعتماد حاصل کر سکو اور مہربانی سے پیش آؤ تو وہ پوری وفاداری سے اس کا بدلہ دے گا۔

اور ایک دوسرا مصنف اپنے ہم قوم افراد کو مشورہ دیتا ہے کہ :۔

جب تم کسی پٹھان سے ملو تو سمجھ لو کہ تم اپنے ہی قسم کے ایک انسان سے مل رہے ہو۔[1]

اور پھر اس قوم کی سیرت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :۔

"وہ جہاں بھی ہو اپنے آپ کو اجنبی خیال نہیں کرتی"۔ بلکہ ع

"ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدائے ماست"

کے اصول پر عمل پیرا رہتی ہے۔

قبائلی پٹھان اور انگریز اور ہندو کے تخیلی پٹھان میں بہت فرق ہے انگریز اور ہندو نے جس پٹھان کو دنیا سے روشناس کرایا وہ آپ کو تختہ دار پر دکھائی دیگا یا قید و بند میں طوق و سلاسل پہنے نظر آئے گا وہ اس عام پٹھان سے قطعاً مختلف ہے کہ جو پاکستان کی سرحد پر پہاڑیوں میں مقیم ہو کر ایام زندگی بسر کر رہا ہے اگر ان تختہ دار پر لٹکے ہوئے یا قید و بند میں جکڑے ہوئے پٹھانوں کی نسبت سے پوری پٹھان قوم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو پھر دوسری اقوام عالم کے اس قسم افراد سے ان اقوام کی حالت کا اندازہ لگا لینا کچھ مشکل نہیں اور اگر اسے بطور اصول تسلیم کر لیا جائے تو شاید دنیا میں کوئی ایک قوم بھی مہذب و شریف کہلانے کی مستحق نہ سمجھی جائیگی

[1] پٹھان باڈر لینڈ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پٹھان کے معاملے میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ وہ بہادر شریف اور جفاکش ہے۔ وہ جرم نہیں کرتا بلکہ ارتکاب جرم کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اور اس کے ہر ایسے ارتکاب کی پشت پر کوئی دوسرا ہاتھ کارفرما نظر آئے گا۔

مختصر یہ ہے کہ اپنے اغراض کے پیش نظر انگریز نے باشندگان صوبہ سرحد اور ماورائے سرحد کو دنیا میں بدنام کرنے کی مہم شروع کر رکھی تھی انہیں وحشی جنگلی غیر مہذب ڈاکو لٹیرا وغیرہ الفاظ سے یاد کیا جاتا رہا ہندو جن پر مسلمان آٹھ صدیوں سے زائد عرصہ تک حکومت کر چکے تھے اور جن کے عہد حکومت میں انہیں پوری پوری مذہبی اور سیاسی آزادی حاصل رہی حتی کہ ان کے تمدن، ان کی تہذیب، ان کی چوٹی، ان کی دھوتی اور ان کے رسم و رواج تک میں کوئی فرق نہ آیا اپنے ان نئے آقاؤں کی ہمنوائی کرنے لگے اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ پراپیگنڈا کی بے پناہ طاقت سے لفظ "پٹھان" ہوا بن گیا اور عوام کو تو جانے دیجئے پڑھے لکھے افراد بھی پٹھان کا لفظ سنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔

ہندوستان اور بیرون ہند میں اس پراپیگنڈے[1] کا اثر اس حد تک جا پہنچا کہ ہر جگہ لفظ پٹھان "ظلم و ستم" اور ڈاکہ و رہزنی کے مترادف سمجھا جانے لگا اور اگر کسی نے اس قوم کے حق میں کسی وقت کوئی کلمہ خیر کہہ دیا تو اسے غیر ضروری ستائش سے تعبیر کیا جاتا رہا۔ انہی حالات کے پیش نظر ایک مصنف لکھتا ہے کہ:۔

> بدقسمت پٹھان کی سیرت نصف صدی سے مصنفین کے ہاتھوں پارہ پارہ ہوتی رہی اور وہ دل کھول کر غدار، خونخوار اور ظالم کی اضافتیں لگاتے رہے تا آنکہ پٹھان کو بدترین قسم کا وحشی پکارا جانا فیشن بن گیا۔[2]

---

[1] اسی پراپیگنڈے کا اثر تھا کہ ہندو قوم کا بہت ہی مشہور، قابل اور محبوب لیڈر پنڈت مدن موہن مالویہ آنجہانی بمقام شملہ اپنے بنگلے میں خواب دیکھتے ہوئے پٹھانی ہوتی سے گھبرا کر پٹھان پٹھان چلانے لگا اور پھر مہینوں ملک کے اخبارات میں اس کا تذکرہ ہوتا رہا۔ [2] پٹھان بائی لینڈ۔ انریکو سٹر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مہمان نوازی

جنگ و جدل اور خطرات میں ہر وقت گھرے رہنے کے باوجود پٹھان حد درجہ کا مہمان نواز ہے اس کے دروازے، اپنے پرائے دوست دشمن، مسلم غیر مسلم سب کے لئے ہر وقت کھلے دکھائی دیتے ہیں ان کے حجروں میں جو شخص داخل ہو جائے وہ اسے قانون ملک کے مطابق عزت و احترام سے جگہ دے کر اس کی رہائش اور خورد و نوش کا انتظام کرتے ہیں یہی نہیں بلکہ اس کا تحفظ بھی ان کا اولین فرض ہوتا ہے۔ مہمان کی آمد پر علیک سلیک کے بعد عام طور اس کے سامنے چلم پیش کی جاتی ہے۔ البتہ جن علاقوں میں پانی کمیاب ہے اور باشندے میلوں کے سفر کے بعد لاتے ہیں وہاں سب سے پہلے پانی کا جام حاضر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسے وہ اپنی عزیز ترین چیز سمجھتے ہیں۔ افغانوں کے علاقہ میں اپنا بستر ساتھ لیکر سفر کرنے کا رواج نہیں حجروں میں مہمانوں کے لئے کافی تعداد میں بستر موجود رہتے ہیں اور جہاں ایسا انتظام نہ ہو وہاں کمبل وغیرہ مہیا کئے جاتے ہیں۔ پٹھان عام طور اپنے پاس ایک چادر رکھتا ہے جس سے وہ اوڑھنے بچھونے ٹاول اور جائے نماز کا کام بھی لیتا ہے۔ جو لوگ تمباکو پینے کے عادی ہوں وہ اکثر چادر کے ایک کونے میں یا علیحدہ چھوٹی سی تھیلی میں تمباکو اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے۔

غیر مسلموں سے سلوک

قبائلی علاقہ میں غیر مسلم (ہندو، سکھ) بھی قدیم الایام سے آباد ہیں وہ اپنی شکل و شباہت طاقت و جسامت اور لباس وغیرہ میں بالکل پٹھان دکھائی دیتے ہیں پہلے انہیں اپنے لباس میں ایک امتیازی نشان لگانا پڑتا تھا تاکہ جداگانہ حیثیت میں دکھائی دے سکیں لیکن اب یہ امتیاز بھی باقی نہیں رہا وہی پشتو زبان بولتے اور بہادری جوانمردی اور مہمان نوازی میں دوسروں سے کسی طرح کم نہیں ان کے بچے بھی مسلم بچوں کے ساتھ تربیت حاصل کرتے ہیں مذہبا انہیں مکمل آزادی حاصل ہے اور ان کی عبادت وغیرہ پر کسی قسم کی پابندی نہیں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ اپنی رسومات بیاہ شادی اور مرگ اپنی مرضی اور آزادی سے سرانجام دیتے ہیں اور تعداد میں بہت کم ہیں اس کمی تعداد کی وجہ سے ان کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ کسی کی پناہ میں رہیں تاکہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے وہ جس مسلمان کی پناہ میں رہیں گے اپنے آپ کو اس کا ہمسایہ یا فقیر کہیں گے ایسے ہمسایوں کو رہائش کے لئے بلا معاوضہ زمین دی جاتی ہے اور ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت سہارا دینے والے کے فرائض میں شامل ہے یہ غیر مسلم قبائلی علاقہ میں آزادانہ گھومتے ہیں اور ان کی طرف کوئی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا ان کا یہ ظاہر کردینا کہ وہ کسی پٹھان کی پناہ یا سہارا لے چکے ہیں ان کی حفاظت کے لئے بس کرتا ہے یہی لوگ ہیں جو نقدی اور دوسری قسم اشیاء ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں اور جب کبھی ان غیر مسلموں کو وطن سے باہر جانا ہو تو وہ بلاخوف و خطر اپنے کنبہ یا خاندان یا مال و اسباب کو پٹھان کے پاس بطور امانت چھوڑ جاتے ہیں ایسی حالت میں ان کے خاندان کی حفاظت اور تحفظ اور بھی زیادہ وقعت حاصل کرلیتا ہے۔ یہ غیر مسلم اچھے خاصے مالدار ہیں پٹھانوں کی تمام دولت اور ذرائع آمدنی انہی کے ہاتھوں میں حرکت کرتے ہیں اور الفنسٹن جیسا متعصب مصنف بھی اس سلسلہ میں یوں اظہار خیال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ :۔

> پٹھانوں کا اپنے ملک میں ان لوگوں سے سلوک کہ جنہیں وہ کافر سمجھتے ہیں قابل تعریف ہے بت پرستوں سے ان کی نفرت کو ہر شخص جانتا ہے لیکن اس نفرت کے باوجود ان کے علاقے میں ہندوؤں کو اپنی رسومات ادا کرنے کی پوری آزادی ہے اور ان کی عبادت گاہوں کو کسی قسم کی گزند نہیں پہنچائی جاتی [1]

یہ تو ان غیر مسلموں کا حال ہے جو ان کے وطن میں مقیم ہیں لیکن دوسرے علاقوں کے غیر مسلموں سے بھی ان کی رواداری کو ہر سیاح نے تسلیم کیا ہے افغانوں کو اس قسم

[1] کنگڈم آف کابل کنگھم۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

متعصب ثابت کرنے کے لئے جو کسی غیر مسلم کے وجود ہی کو برداشت نہ کر سکیں پروپیگنڈا کیا جاتا رہا۔ لیکن اس کے جواز میں کوئی ٹھوس دلیل یا واقعات نہ پیش کئے جا سکے بر خلاف ازیں انہوں نے اپنے بدترین مخالفین کو بھی اپنے وطن میں عزت و احترام سے دیکھا۔ چنانچہ ایک انگریز مصنف لکھتا ہے کہ ڈاکٹر پنیل نامی مذہبی مبلغ (پادری) کو جو مقبوضہ علاقہ میں مقیم تھا علاقہ آزاد کے مشہور مذہبی رہنما کرلوغے ملا صاحب" اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے پادری موصوف کو اس کا علم ہوا تو وہ چونکہ پٹھانوں کے رسم و رواج سے واقف تھا موقع پاکر خود "ملا صاحب" کے مکان واقع علاقہ آزاد میں جا پہنچا۔

> جہاں خود ملا صاحب موجود نہ تھے لیکن ان کے لڑکے بہت ہی مہمان نواز ثابت ہوئے انہوں نے پادری صاحب کو رہنے کے لئے جگہ دی کھانا کھلایا..... ایک اور ملا صاحب جو اتفاق سے وہاں مقیم تھا پادری صاحب سے گفتگو کرتا رہا اور اس نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے کہدیا کہ وہ عیسائیوں کو کافر سمجھتا تھا[1]۔

احسان کا بدلہ

پٹھان احسان فراموش نہیں ہوتا اتنا ضرور ہے کہ اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے اسے دوستی کا یقین دلا دیا جائے وہ ایسے ماحول میں پرورش پاتا ہے کہ جلد کسی پر اعتبار نہیں کر سکتا صلح اور جنگ دونوں صورتوں میں وہ اپنے دوستوں کی امداد کرتا ہے اور اس میں مسلم یا غیر مسلم کی تمیز روا نہیں رکھتا وہ احسان کے بدلہ میں ان غیر مسلموں کی بھی امداد کرتا ہے کہ جسے وہ بذات خود پسند نہیں کرتا مثال کے طور مذکورہ پادری پنیل کو اسلام کے خلاف مسیحی مذہب کی تبلیغ کرنے کی وجہ سے پٹھان پسند نہ کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی بحیثیت ڈاکٹر اس پادری نے پٹھانوں کی جو خدمات انجام دیں انہیں بھی فراموش نہ کر سکے۔ چنانچہ اس احسان کا بدلہ دینے کے لئے

---

[1] پنیل آف دی افغان فرانٹیر ۱۹۱۴

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ایسے وقت جبکہ قبائلی اس علاقہ پر حملہ کر رہے تھے جہاں ڈاکٹر نپیل کی والدہ اور ساتھی مقیم تھے انہوں نے چند رفقاء کی ڈیوٹی لگادی تاکہ ڈاکٹر مذکور کے خاندان کو نقصان نہ پہنچ سکے اور پادری موصوف کی سوانح حیات لکھنے والے نے اسے خاص اہمیت سے درج کتاب کیا ہے۔

کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ جن لوگوں کو حکومت انگلشیہ خطرناک ڈاکو مشہور کر چکی تھی انہوں نے محض احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے اپنے مخالف کیمپ کے افراد کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور اگر مہمان نے دعوت قبول کر لی تو اسے نہایت ہی عزت و احترام سے واپس گھر تک پہنچا دیا اس سلسلہ میں یہ بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ "حکیے" نامی شخص نے جسے بہت بہادر اور مشہور ڈاکو خیال کیا جاتا تھا ایک انگریز ڈاکٹر کو محض اس وجہ سے کہ اس کی قوم کے افراد بلا معاوضہ اس سے طبی امداد حاصل کر رہے تھے علاقہ آزاد میں بحیثیت مہمان بلا بھیجا اسے عزت و احترام سے اپنے پاس رکھا کہ مہمان مذکور کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ "وہ بہترین میزبان ثابت ہوا" اس قسم کا اور واقعہ مشہور قبائلی "گلبت" کی نسبت بیان کیا جاتا ہے اس نے بھی ایسے ہی ایک شخص کو دعوت دی تھی جس پر اس مہمان نے لکھا کہ یہ خطرناک مغرور بہت دوست پرور مہمان نواز اور ہر ممکن خدمت کرنے کو تیار رہتے ہیں"

یہ اس قوم کے اوصاف ہیں جسے انگریز اور ہندو دونوں نے مل کر دنیا میں بدنام کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی تھی اور جس کے نام کو چور ڈاکو اور رہزن کے مترادف سمجھا جا رہا تھا۔ حالانکہ یہ شریف قوم شرافت اور انسانیت کے تمام اوصاف سے مزین ہے۔

سیاسی شعور پٹھان بظاہر تعلیم میں کتنے ہی پسماندہ کیوں نہ رہے ہوں ان کا سیاسی شعور بہت بلند رہا ہے۔ اکثر و بیشتر مواقع پر انہوں نے ایسی انگریزی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تجاویز کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے جو اس حکومت کے بہترین دل و دماغ کی کاوشوں کا نتیجہ تھے۔ وہ میدان جنگ میں تو پسپا ہو سکے لیکن سیاسی گفتگو یا مسائل میں انہیں شکست نہ دی جا سکی اور انگریز اخفاء مقاصد کی تمام کوششوں کے باوجود ان کے سامنے پہنچکر اس قوم کی دور رس نگاہ سے اپنے مقاصد کو مخفی نہ رکھ سکا۔ عام طور جرگوں میں دیکھا گیا کہ جس مسئلہ کو حکومت نے بہت ہی غیر اہم بتا کر اسے سرسری گفتگو کے لئے پیش کیا یہ لوگ اس کی تہ تک پہنچکر اس کی اہمیت کو تاڑ لینے میں کبھی پسماندہ نہ رہے۔[1]

---

[1] جن دنوں لیگ آف اقوام زندہ تھی ان دنوں اس ادارہ کے ایک ذمہ دار افسر نے اسلامیہ کالج پشاور کے پٹھان طلباء کے سامنے تقریر کرتے ہوئے لیگ آف نیشنز جمعیۃ الاقوام کی ضرورت اور اہمیت جتائی اور تقریر کے اختتام پر طلباء کو سوالات کرنے کی دعوت دی۔ طلباء نے ان پر ایسے اہم اور دور رس سوالات شروع کئے کہ افسر مذکور گھبرا گئے نواب سر عبد القیوم خان نے طلباء کو خاموش کرا کر مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو پیدائشی سیاست دان ہے"۔ بعد میں اس افسر نے اعتراف کیا کہ ہندوستان کے طول و عرض میں طلباء کو تو جانے دیجئے قابل ذکر پڑھے لکھے افراد نے بھی ایسے اہم سوالات نہ کئے تھے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ضمیمہ ۱۳

داؤد خان ۔ بشارت خان جیب خان

بشارت خان

نواب نجیب الدولہ (نجیب خان) اور حافظ رحمت خان کے سلسلہ میں بشارت خان اور داؤد خان کا ذکر تھا تو اس وقت تک ان دونوں کے شجرہ ہائے نسب نہ مل سکے تھے اس وجہ سے سوائے سکوت کے چارۂ کار نہ تھا۔ لیکن عین اس وقت کہ کتابت ختم ہو کر کاغذات مطبع کو بھیجے جا چکے تھے ہمیں اپنے احباب کے توسط سے بشارت خان اور داؤد خان کے شجرے مل گئے تو ذیل کی سطور لکھنا ضروری ہو گئیں۔

یہ تو درج اوراق ہو چکا ہے۔ کہ بشارت خان اور داؤد خان نے علاقہ یوسف زئی سے نکل کر ہندوستان کی راہ لی تھی۔ اور رفتہ رفتہ اہمیت حاصل کرتے ہوئے انہوں نے بانئے ریاست کی حیثیت حاصل کر لی۔ اور پھر داؤد خان کے اقتدار کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس کی وفات پر اس کے متبنےٰ اعلیٰ محمد خان کی دستار بندی پر تمام یوسف زئی رضامند ہو گئے۔ حالانکہ وہ نسلاً یوسف زئی نہ تھا۔ اور پھر اس علی محمد خان نے مستقلاً ایک ریاست قائم کر لی جو اس وقت بھی رامپور کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

شجرۂ نسب پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ بشارت خان، داؤد خان ۔ نجیب خان ۔ حافظ رحمت خان عظیم اللہ خان وغیرہ سب ایک ہی قبیلہ عمر خیل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی ذیلی شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں اولذکر کے سوانحی کے شجرے درج کتاب ہو چکے ہیں اور سرکاری کاغذات مال سے پتہ چلتا ہے کہ اس قبیلہ عمر خیل کی ذیلی شاخ بوچاخیل کے "اورناز" نامی رکن کے تین لڑکے تھے۔ بشارت زراعت اور اصالت۔ یہ تینوں اپنے وطن سے نکل کر ہندوستان کی طرف چلے گئے جہاں بشارت نے شہرت حاصل کی اور وہ یوسف زئیوں کے قائدین میں شمار ہوا۔ ان تینوں بھائیوں کی املاک کاغذات مال میں بدستور انکے نام درج رہیں تا آنکہ طویل غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انکے متعلقین نے ۲۵ اپریل ۱۸۷۴ء کو تمام املاک اپنے نام منتقل کرائی[1]۔ اور وہ اس وقت تک اس پر قابض اور موضع مانیری کی کندی عامل خیل۔ ٹل بوچاخیل میں آباد ہیں۔ ان کا شجرہ ذیل میں درج ہے:۔

خانزادہ (عمر خیل۔ کندی عامل خیل ٹل بوچاخیل)

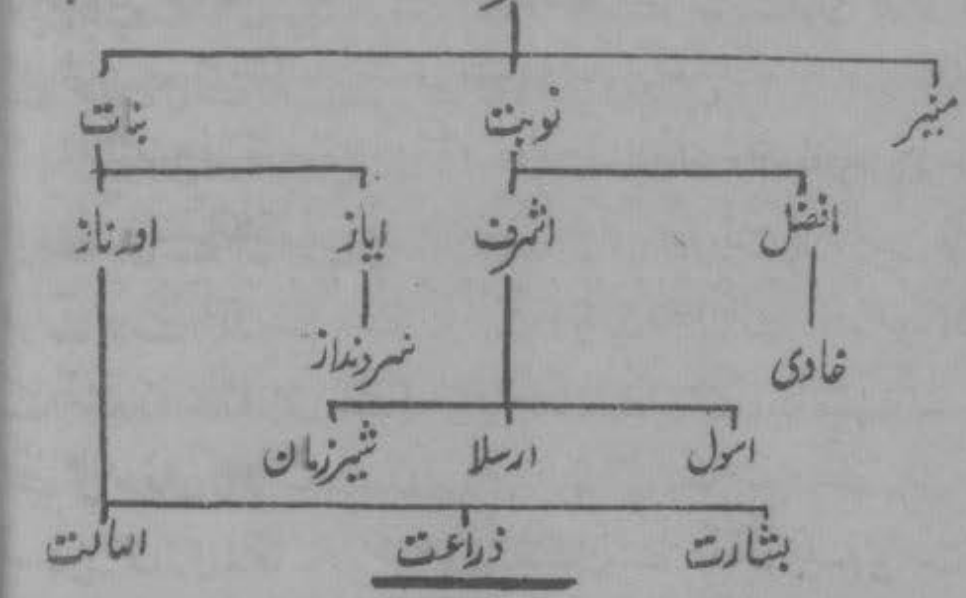

[1] بالکل اسی قسم کا ایک نوٹ کاغذات مال میں نجیب خان کے متعلق بھی درج ہے اسکی طویل غیر حاضری کی وجہ سے اسکے متعلقین نے بھی اسی طرح ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء میں اسکی املاک پر قبضہ کر لیا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

داؤد خان

داؤد خان کا ذکر ہندوستان کے اکثر مورخین نے کیا ہے۔ حقیقتاً اس نے روہیلکھنڈ میں یوسف زئی ریاست کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ قبیلہ عمرخیل سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اس کے اہل خاندان اس وقت تک موضع مانیری ٹل طاؤس خیل کے نام سے آباد ہیں۔ داؤد خان کے متعلق بعض مورخین نے کچھ عجب مضحکہ خیز حالات لکھے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب لکھتے ہیں کہ داؤد خان حافظ رحمت خان کے والد کا "غلام" تھا۔ وہ بسلسلہ تجارت ہندوستان گیا اور پھر وہیں مقیم ہو گیا۔ مصنف مذکور نے لکھتے وقت اتنا بھی خیال نہ کیا کہ قبیلہ یوسف زئی کی تاریخ کے کسی دور میں بھی اس علاقہ میں "غلامی" یا غلاموں کی خرید و فروخت کا پتہ نہیں چلتا۔ اور غالباً پٹھانوں کی قوم ہی وہ واحد قوم ہے جس کا دامن غلاموں کی تجارت سے کبھی داغدار نہ ہوا تھا۔ داؤد خان قبیلہ یوسف زئی (عمرخیل) کے چشم و چراغ اور اس قبیلہ سے متعلق تھے۔ کہ جس سے بشارت خان۔ نجیب خان۔ حافظ رحمت خان اور دوسرے افراد کا تعلق بیان کیا جا چکا ہے۔ روہیلکھنڈ میں بانئے ریاست یوسف زئی کے اس قائم کا سرکاری کاغذات میں بہ طریق ذیل ذکر درج ہے اور اسکے اہل خاندان اس وقت تک موضع مانیری میں۔ طاؤس خیل کے نام سے آباد دکھائی دیتے ہیں:۔

عمر خان (عمرخیل)
|
منی خان
|
طاؤس خان (طاؤس خیل)
|
داؤد خان[1]

---

[1] کہا جاتا ہے کہ داؤد خان نے بچپنہ عمر میں ہندوستان کی راہ لی تھی۔ یوسف نامی ایک لڑکا پیچھے رہا۔ اسنے وطن سے نکلنا پسند نہ کیا۔ تو بعد میں احمد شاہ اور عزت خان کے نام سے اسکے بھی لڑکے پیدا ہوئے اور اپنے وطن اجداد میں مقیم رہے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حبیب خان

مغل حکمران شاہجہان کے ذکر میں بتایا جا چکا ہے کہ جب یہ مغل حکمران ہندوستان سے کابل کیطرف جا رہا تھا تو راستہ میں مشہور شاعر خوشحال خان خٹک نے اسے علاقہ یوسف زئی کے چیدہ چیدہ مخالفین کے نام بتلائے تھے۔ ان میں ایک حبیب خان تھا۔ یہ حبیب خان اپنے وقت کا مشہور قائد اور بہاکو خان کے رفقا میں تھا۔ اس کا تعلق مشہور شیخ ملی کے قبیلہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ کاغذات حال سے پتہ چلتا ہے کہ حبیب خان کے تین لڑکے تھے لیکن سرورِ زمانہ نے ان کاغذات میں دو کے نام کو کاغذ کی بوسیدگی کی نظر کر دیا۔ اگرچہ ان دونوں کی اولاد اس وقت بھی موجود ہے۔ تو صرف تیسرے بیٹے سکندر کا نام باقی رہا جس کا سلسلہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:۔

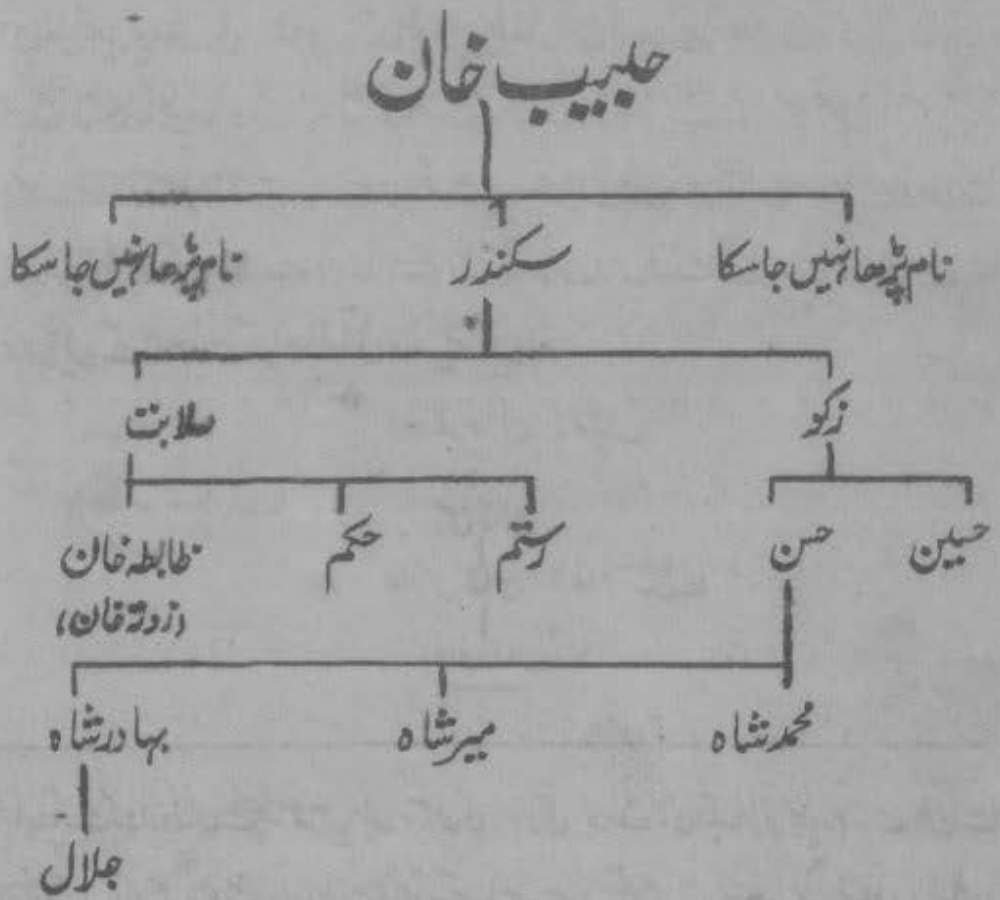

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس خاندان کے افراد کو جو موضع جھنڈا اور مینی میں آباد ہیں۔ ہر دور میں اہمیت حاصل رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب سیاست دونوں سے انہیں لگاؤ رہا۔ چنانچہ جس وقت حضرت سید امیر المعروف کوٹہ ملا صاحب کے خلاف مخالفین نے یلغار کی تھی تو اس خاندان نے پشت پناہی کرتے ہوئے انہیں موت سے بچا لیا تھا۔ دور حاضر میں اس خاندان میں نمایاں شخصیتیں دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً مقیمین موضع جھنڈا سے محمد داور خان۔ شبیر افضل خان مرحوم۔ محمد اعظم خان۔ بریگیڈیر بہادر شیر خان۔ بریگیڈیر ہمایوں خان۔ عبدالرؤف خان (سکریٹری کمشنر پشاور) بریگیڈیر محمد شیر خان (جو حادثہ جہیز کراچی میں شہید ہوئے) نجب خان۔ وغیرہ۔ اور موضع مینی سے ملک انور خان اور سلطان محمد خان۔ (جو قومی تحریکات میں گہری دلچسپی لیتے رہے ہیں) وغیرہ نے شہرت حاصل کی یہ خاندان ٹل حبیب خیل کے نام سے موضع جھنڈا اور اور مینی میں آباد ہے۔

اسی موضع مینی کے خاندان ابراہیم زئے میں خضر خان ایک نامور شخص گزرا تھا جس کے نام کی نسبت سے ٹل خضر خان خیل مشہور ہوا۔ اس وقت اس خاندان میں خواجہ محمد خان اپنی مہمان نوازی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔

حضرت باباجی صاحب

اسی موضع جھنڈا میں جناب حسام الدین صاحب المعروف حضرت باباجی صاحب دفن ہیں۔ انکے مقبرہ پر دعا و فاتحہ کیلئے دور دراز سے زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ آپ نسلاً پٹھان اور قبیلہ یوسف زئی (مندڑ) کی ذیلی شاخ خضر زئی سے متعلق تھے۔ انکا اولین مسکن موضع امیر شاہی تھا جو نارنجی سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر بطرف شمال مشرق آباد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انگریزوں کی آمد سے کچھ عرصہ قبل خضر زئی اور محمد زئی میں شدید جنگ ہوئی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھی۔ میں یہ موضع امیر شاہی کلیستہ برباد ہوا۔ تو جناب حسام الدین صاحب کسی نہ کسی طرح ان تباہ زدہ بچکر پریشان حال مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے طورڈھیر پہنچے جہاں انہیں حضرت شیخ صاحب طورڈھیر کی خدمت کا موقع ملا۔ تو انکے حلقہ کے خلیفہ نامزد ہو گئے تھے۔ یہاں سے نکل کر کچھ عرصہ موضع کنڈہ میں قیام کیا اور بالآخر موضع جھنڈا پہنچکر مستقل اقامت اختیار کرلی۔ بقیہ زندگی وہیں گزاری۔ اور اسی جگہ فرشتہ اجل کو لبیک کہتے ہوئے سپرد خاک ہوئے۔ اسی مقام جھنڈا میں حضرت اخوند صاحب سوات بھی ایک عرصہ تک انکے پاس مقیم رہے تھے۔ حضرت باباجی صاحب کے تین لڑکے بیان کئے جاتے ہیں جنکی اولاد اسوقت تک ضلع جھنڈا میں مقیم دکھائی دیتی ہے۔ اور جن میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منشی فاضل مولوی فاضل اپنی علمیت کیوجہ سے خاص درجہ رکھتے ہیں۔ اور ان دنوں پشتو اکیڈیمی (پشاور یونیورسٹی کے عملہ ادارت میں شامل ہیں۔

تمام شد

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

معذرت

"عرض حال" میں ہم ان مشکلات کا ذکر کر چکے ہیں جو حصول حالات اور کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں درپیش رہیں۔ اور گو ترتیب مضامین خاطر خواہ نہ ہو سکی تاہم توقع ہے کہ پڑھنے والے نقص مضمون کا خیال رکھتے ہوئے پسند فرمائیں گے اور نکتہ چینی یا اعتراضات کی بجائے اپنی قیمتی آرا، مشوروں اور تجاویز سے زیر بار احسان کریں گے تاکہ طبع ثانی میں ان سے استفادہ حاصل کیا جا سکے۔

ہمارے اس موجودہ دور میں کوئی تاریخی کتاب بلا "اشاریہ" کے مکمل نہیں کہلا سکتی اور ہم بھی چاہتے تھے کہ کتاب کے آخر میں پڑھنے والوں کی سہولت کے لئے باب "اشاریہ" شامل کر دیں لیکن احباب کچھ اس بیقراری سے اشاعت کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ وقت کی بچت کے خیال سے ہمیں مجبوراً اس اشاعت میں اشاریہ کو شامل نہ کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ توقع ہے کہ طبع ثانی میں جہاں ترتیب پر نظر ثانی کی جائے گی وہاں اشاریہ کے صفحات کا بھی اضافہ کر دیا جائے گا۔

ناشرین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

۱۲۸۲۶

پٹھان

سے

دلچسپی رکھنے والا کوئی گھر

سے خالی نہیں رہتا

افغان یا پٹھان

مولفہ

اللہ بخش یوسفی

معنون بنام

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان

(قیمت پانچ روپے)

تاریخ آزاد پٹھان جلد دوم

یعنی

تاریخ درہ کوہاٹ

مولفہ اللہ بخش یوسفی

معنون بنام جنرل محمد موسیٰ خان۔ پیش لفظ

(قیمت تین روپے)

زیر ترتیب

آفریدی ——— مہمند ——— وزیر

(فہرست مضامین)

محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی ——— تین ہٹی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK